تحریکِ اہلِ حدیث

تاریخ کے آئینے میں

قاضی محمد اسلم سیف

مکتبہ قدوسیہ

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب............

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

مصنفہ

مولانا قاضی محمد اسلم سیف
فیروز پوری

مکتبہ قدوسیہ

فہرست کتاب

پہلا باب

دوسرا باب

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

چھٹا باب

ساتواں باب

آٹھواں باب

نواں باب

دسواں باب

گیارھواں باب

بارہواں باب

تیرہواں باب

چودھواں باب

پندرہواں باب

سولھواں باب

سترہواں باب

اٹھارہواں باب

انیسواں باب

بیسواں باب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب!

میں اپنی زندگی بھر کے مطالعہ کے نچوڑ

"تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینہ میں"

کو اپنے والدین گرامی رحمہما اللہ علیہما کے نام منسوب کرتا ہوں جن کی شب و روز کی دعاؤں اور آہ سحر گاہی سے لکھنے پڑھنے کے قابل ہوا۔ قارئین مجھے اور میرے والدین کو ہمیشہ دعاؤں میں یاد رکھیں۔

فقیر بارگاہی صمدی

محمد اسلم سیف فیروزپوری

سخنہائے گفتنی

اسلام وہ دین فطرت ہے جس نے انسان کے رہنے سہنے کا سلیقہ اور گفتگو اور آداب معاشرت کا قرینہ سکھایا ہے۔ قرآن کریم علوم و فنون کے منبع و مصدر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام سے قبل تاریخ و سیر کا کوئی واضح تصور موجود نہ تھا۔ بعض ملوک و شاہان نے اگرچہ اپنی تاریخ لکھوانے کی کوشش ضرور کی لیکن اس کی حیثیت تاریخ کی ہرگز نہیں تھی۔ وہ تو صرف ان کے مدحیہ قصائد کی ایک نثری شکل تھی۔ اسلام سے قبل نہ کوئی واضح مراجع و مصادر اور ماخذ تھے نہ ہی واقعات کے چھان پھٹک کے کوئی جانے پہچانے اصول وضع ہوئے تھے۔ نہ ہی جرح و تعدیل کے کوئی ضوابط مقرر تھے۔ تاریخ نویسی کا کوئی واضح اسلوب نہیں تھا بلکہ اکثر اٹکل پچو سے کام لئے جاتے تھے۔

اسلام سے قبل ایران' یونان' مصر' ہندوستان اگرچہ علم و آگہی کے علمبردار اور مرکز تھے اور قدیم ترین آباد ملک تھے۔ ان کی تہذیب و تمدن بھی مسلم تھی لیکن ثقہ تاریخ نویسی کا ان کے یہاں بھی کوئی وجود نہ تھا۔ اور نہ ہی کوئی طریق کار۔ البتہ دنیا بھر میں بنی اسرائیل سب سے پڑھے لکھے سمجھے جاتے تھے۔ ان کا علم و دانش ہر جگہ مسلم تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کیلئے تین آسمانی کتابیں نازل کی تھیں۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہماری تہذیب و تمدن خدائی فرمان کے مطابق ہے لیکن ان کے یہاں بھی تاریخ نویسی کا نہ کوئی اصول تھا اور نہ ہی ثقہ تاریخ کو جانچنے کا کوئی پیمانہ وضع ہوا تھا۔ نہ ہی کوئی صحیح روایات کی ترتیب و تدوین کا ایسا ماحول تھا۔ جس سے کوئی دانشور ازخود واضح اسلوب اختیار کر لیتا۔ بلکہ اسرائیلی علماء' مورخین' مصنفین من گھڑت واقعات' جھوٹی کہانیوں' دور از کار باتوں' خرق عادت قصوں' خلاف عقل و فکر سرگزشتوں کو سنسنی خیزی کے سے انداز میں لکھنے میں سب قوموں سے بازی لے گئے تھے۔ جب ہم تاریخ میں اسرائیلیات کو پڑھتے ہیں تو انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں کہ اسرائیلی خوف خدا

سے بھی عاری ہوگئے اور پیغمبروں کے خلاف ایسے غلیظ زبان اور غلیظ انداز سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ جسے کوئی شائستہ انسان ہرگز ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ بلکہ ان کے ہاں سنسنی خیز گپ کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب اسلام ایک سچا مذہب ہے اس کی تعلیمات کی سچائیاں مسلم ہیں۔ اسلام نے تمام شعبہ ہائے حیات میں واضح ہدایات دی ہیں۔ اور ہر ہر معاملہ میں انسانوں کی صحیح رہنمائی فرمائی ہے۔ تاریخ کا فن اسلام کی اصطلاحات سے بھی یقیناً درست ہونا چاہئے تھا اور اسلام نے نہ صرف اس کی نوک پلک سنواری۔ نہ صرف اس کے مقاصد میں بنیادی تبدیلیاں کیں بلکہ ایک ایسا اسلوب اختیار کیا جس کا اس سے قبل کوئی وجود نہ تھا۔ اسلام وہ دین فطرت ہے وہ آخری سچا اور صحیح مکمل نظام زندگی ہے جس نے تمام شعبہ ہائے حیات میں واضح نقوش مرتب کئے اور ہر باب میں مسلمانوں کی صحیح راہنمائی فرمائی ہے۔ قرآن کریم وہ آخری آسمانی صحیفہ ہے جس کو مرکز علوم' مصدر علوم اور منبع علوم کہا جا سکتا ہے۔ صاحب قرآن نے قرآن کریم کی جو تشریح و توضیح فرمائی اس کا نام حدیث ہے۔ حدیث روایت کرنے والے راویوں کی تعداد پانچ لاکھ سے زائد ہے۔ اسلام' قرآن اور صاحب قرآن کا اس سے بڑھ کر کیا اعجاز ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نے پانچ لاکھ انسانوں کی زندگیوں کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ محدثین نے حدیثوں کو جانچنے اور پرتالنے کیلئے علم اصول حدیث وضع کیا' حدیث کی صحت و سقم کو معلوم کرنے کے لئے ایسے واضح پیمانے بنائے گئے جس سے حدیث کی صحت' ضعف' سقم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور اسی معیار کو قائم رکھنے کے لئے اسماء رجال کا فن عالم وجود میں آیا۔ "تہذیب التہذیب۔ تقریب التہذیب۔ میزان الاعتدال الاستیعاب۔ لسان المیزان اور دیگر اسمائے رجال کی کتابیں منظر عام پر آئیں جو سچ اور جھوٹ' صحیح اور غلط' صحت اور ثقاہت حقیقت بیانی اور افسانہ طرازی میں حد فاصل بن گئیں یہ کتابیں اسی موضوع پر لکھی گئیں۔ آج تک

کوئی بڑے سے بڑا دانشور بھی ان میں نہ تبدیلی کر سکا' نہ ترمیم کر سکا نہ حک و اضافہ کر سکا۔ برصغیر کے منکرین حدیث اپنی علمی برتری اور تحقیقی عظمت کا کوئی ثبوت مہیا نہیں کر سکے۔ بلکہ محدثین کی اگلی ہوئی جگالی کو ہی چبا رہے اور اگل رہے ہیں۔ حالانکہ یہ جن احادیث کو موضوع اور ضعیف قرار دے کر اپنی علمی برتری کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں یہ کام تو صدیوں پیشتر محدثین کر چکے ہیں۔ انہیں کوئی ایسے پیمانے وضع کرنے چاہئے تھے اور ایسے اصول و ضوابط ترتیب دینے چاہئے تھے جو محدثین سے مختلف ہوتے بلکہ محدثین کے اصول و ضوابط میں قابل قدر اضافہ قرار دیئے جاتے۔ مگر افسوس ایسا نہ ہو سکا اور نہ ہی ہو گا۔ انشاء اللہ۔

اسلام نے تاریخ نویسی کو بھی حدیث کے انداز اور اسلوب میں پیش کیا۔ مورخین نے بھی محدثین کے انداز میں اپنے اپنے مجموعہ ہائے تاریخ کو مرتب کیا۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن کثیر کی "البدایہ والنھایتہ۔" ابن اثیر کی "الکامل" ۔ ابن سعد کی "طبقات" ۔ "تاریخ طبری۔ فتوح البلدان بلاذری اور واقدی اور تاریخ بغداد" کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ تاریخ کی امہات الکتب میں مورخین نے رطب و یابس تمام مواد اکٹھا کر دیا۔ بعد میں آنے والے مورخین نے ان میں چھان پھٹک فرمائی خصوصاً حافظ ابن کثیر نے مختلف واقعات اور مختلف روایات کے تذکرے کے بعد اپنی ذاتی رائے اور اپنا فیصلہ یا تحقیق بھی بیان فرمائی۔ ابن خلکان اور حافظ بغدادی نے ان میں مزید اضافہ کیا۔ بایں ہمہ علامہ سید محب الدین خطیبؒ مرحوم سلفی عالم نے بھی بتکرار یہ فرماتے رہے کہ راسخ فی العلم' محقق' راست باز اور منصف مزاج علماء کرام کا ایک ایسا بورڈ بنا دیا جائے جو چودہ صد سالہ مسلمانوں کی صحیح' ثقہ اور محققانہ تاریخ ترتیب دے۔ تاکہ رطب و یابس مکرر روایات' من گھڑت واقعات' غیر ثقہ قصوں اور کہانیوں کو ختم کر کے ایک منقحی اور مصفی شکل میں تاریخ ترتیب دی جا سکے۔ کیونکہ ملوک و سلاطین اپنے اپنے دور میں بلاوجہ تاریخ پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔ اور بعض سرکاری و درباری اہل علم ملوک و

سلاطین کی خوشنودی کیلئے بسا اوقات تاریخ میں پیوند کاری سے باز نہیں آئے۔ امویوں' عباسیوں' فاطمیوں' عثمانیوں نے اپنے اپنے عہد میں بسا اوقات تاریخ کی صحت و ثقاہت میں مداخلت کی ہے۔ اسی طرح ایران' مصر' شمالی افریقہ' اندلس' ماوراء النہر اور برصغیر کے مسلمان حکمران خاندانوں نے اپنی تعریف و توصیف میں عدل و انصاف کے تقاضوں کو ہرگز ہرگز پورا نہیں کیا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ کوئی علم پرور حکمران اپنی نگرانی میں یہ علمی اور تحقیقی کارنامہ کروا سکے۔ کیونکہ یہ اتنا زبردست کام ہے کہ جسے کوئی فرد واحد تو کیا سیاسی اور دینی جماعتیں بھی مکمل نہیں کر سکتیں۔ پھر یہود و نصاریٰ' مجوسیوں' بت پرستوں اور ہندوؤں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف من گھڑت قصے' جھوٹے واقعات اور غلط باتوں کی تاریخ میں پیوند کاری کر کے مسلمانوں کو ذہنی انتشار اور دینی خلفشار میں مبتلا کرنے کی ناکام سعی فرمائی ہے۔

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ آج کا دور علم کا دور ہے۔ کتابوں اور کتب خانوں کی کوئی کمی نہیں۔ محنت اور مسلسل محنت کی ضرورت ہے۔ ہر دانشور اور اہل علم جب بھی اپنے تاریخی موضوع پر قلم اٹھائے تو عدل و انصاف کے تقاضوں کو ہمیشہ ملحوظ رکھے۔ صحت اور ثقاہت کے دامن کو اپنے ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے۔ تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت شامل حال ہو سکتی ہے۔

ع ہمت مرداں مدد خدا

کیونکہ جب آدمی عزم راسخ سے کوئی علمی و تحقیقی مہم کرنا چاہے تو یقیناً اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ٹھہر سکے گی۔ صرف مشکلات پر قابو پانے کے لئے عزم بالجزم کی ضرورت ہے۔

مشکل نیست کہ آسان نہ شود

مرد باید کہ ہراساں نہ شود

الحمد للہ ثم الحمد للہ عالم اسلام میں نابغہ عصر شخصیتوں' یگانہ روزگار فراد و

اشخاص اور عملی طور پر اب عبقری زمان انسانوں کی کوئی کمی نہیں۔ راقم نے "تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینہ میں" ہمیشہ عدل و انصاف' اعتدال و توازن صحت اور ثقاہت کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ اگرچہ مجھے اس باب میں کتابوں کی ورق گردانی میں عظیم کتب خانہ کی صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی میں خاصہ طویل عرصہ مشقت اور محنت کا سامنا کرنا پڑا۔ بنیادی طور پر راقم تاریخ کا طالب علم ہے اور یہ میری زندگی بھر کے مطالعہ کا نچوڑ ہے۔ یاد رہے کہ اس کی تسوید' ترتیب' تدوین اور تالیف میں اپنے کو جان جوکھوں میں ڈالنا پڑا۔ تاہم اللہ کے فضل و کرم سے اس میں چودہ سو سالہ مسلک اہلحدیث کی تاریخ' تحریک' مسلک' دعوت' مشن پوری شرح و بسط سے شامل کر دیا گیا ہے۔ اور مسلک کے بارے میں تمام تاریخی جزئیات و کلیات کے ذکر میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دیا گیا۔ میں سمجھتا ہوں اردو میں مسلک کی تاریخ اور تحریک پر یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہوگی۔ انشاء اللہ مسلک کے فروغ کا باعث ہوگی۔ علماء و طلباء کیلئے اپنی تاریخ کی معلومات مہیا کرنے میں سنگ میل ثابت ہوگی۔ راقم نے پوری کوشش کی ہے کہ کوئی بات کوئی واقع اور کوئی عبارت بلاحوالہ پیش نہ کی جائے۔ اپنے مزاج سے ہٹ کر تاریخ کو تاریخ کی زبان میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ اگر کوئی کمی بیشی ہو تو یہ انسانی فطرت ہے آپ نشان دہی فرمائیں آئندہ ایڈیشن میں نہ صرف اس کا ازالہ کر دیا جائے گا بلکہ تلافی مسافات کی شکل اختیار کی جائے گی۔ قارئین سے دل کی گہرائیوں سے یہ گزارش ہے کہ میرے والدین اور امیر المجاہدین حضرت صوفی محمد عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ کو مغفرت اور بلندی درجارت کے لئے دعاؤں میں یاد رکھیں کیونکہ ان مذکورہ بالا عظیم ہستیوں کی دعاؤں کی بدولت اللہ تعالیٰ نے مجھے لکھنے' پڑھنے کا سلیقہ عنایت فرمایا ہے۔ میں ذیابیطس کا مریض ہوں میرے لئے بھی صحت عاجلہ' کاملہ' نافعہ کی دعا فرماتے رہا کریں۔ اللہ تعالیٰ مجھے تندرستی اور اس قدر عمر دے کہ علمی کام کرنے کا جو خاکہ مرتب کیا ہے میں

اس میں رنگ بھر سکوں۔ اسی طرح میرے معاونین رفقاء کیلئے بھی بلندی درجات کی ضرور دعا فرمائیں۔ جن کے خلوص' محنت اور مسلسل تعاون کی وجہ سے میں اسے منظر عام پر لانے میں کامیاب ہوا۔

حضرات' جب سے شعور و آگہی سے آشنا ہوا ہوں دلی خواہش اور قلبی تمنا تھی کہ مسلک کی تاریخی طور پر ایسی خدمت کر سکوں جو مسلک کے بہی خواہوں کے لئے مفید علمی طور پر ممد اور دینی طور پر نشان راہ ثابت ہو سکے راتوں کو اٹھ اٹھ کر بقول حفیظ جالندھری یہ دعا کرتا رہا۔

تمنا ہے کہ دنیا میں کوئی کام کر جاؤں
گر ہو سکے تو خدمت اسلام کر جاؤں

مسلک اہلحدیث پانسے کا سونا ہے روشنی کا مینار ہے اسلام کا سرچشمہ ہے دین کا منبع ہے توحید و سنت کا مصدر ہے۔ مسلک اہلحدیث کا ماضی نہایت تابناک ہے مسلک اہلحدیث کے عظیم حاملین اور عظیم اسلاف کی علمی خدمات اور تجدیدی کارنامے ایسے حقائق ہیں نہ اس کے بارے میں دو رائے ہو سکتی ہیں اور نہ ہی اس کا انکار کیا جا سکتا ہے۔

خیال تھا کہ اس موضوع پر ایک مختصر کتاب مرتب کی جائے لیکن جوں جوں کتابوں کی ورق گردانی اور حوالہ جات کی تلاش جاری رہی توں توں کام بڑھتا گیا۔ عزیزان میاں محمد ارشد' مولوی محمد رفیق جو میرے دو بازوؤں کی حیثیت رکھتے ہیں کا بھی یہی خیال بتکرار تھا کہ اب اسے تشنہ تکمیل نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے مکمل کیا جائے۔ چنانچہ ان عزیزان کے مشورے نے مجھے تشجیع دلائی اور اللہ تعالی کے بھروسے پر راقم نے اس کی تکمیل کے لئے کمر ہمت باندھ لی۔ بحمد اللہ ثم بحمد اللہ اللہ تعالی کے فضل و کرم مخلص رفقاء کی دعاؤں اور عزیزان کے تعاون سے امکانی حد تک اسے مکمل کر لیا گیا ہے اب یہ بیس ابواب پر مشتمل ہے عہد خیر القرون سے لے کر ۱۹۹۴ء تک مسلکی حالات' واقعات' مشاہدات پر محتوی ہے۔

اگرچہ شرق اوسط عالم اسلام اور برصغیر کی مسلکی تاریخ کا مختصر تذکرہ ہے۔ تاہم آخری باب "تحریک اہلحدیث کے عالمی اثرات" کے عنوان سے ہے۔

راقم نے برصغیر کے ان علماء کا مختصراً ذکر کیا ہے جنہوں نے مسند تدریس پر اپنی زندگیاں کھپا دیں یا اسلام کے فروغ اور مسلک کی اشاعت کے لئے علمی' دینی اور تحقیقی کتابیں لکھیں۔ اور کوشش یہ کی ہے کہ مرحوم علماء سے ہر قابل ذکر شخصیت کا ذکر خیر اس میں آسکے۔

ویسے ایک دوسرا مسودہ "علمائے اہلحدیث برصغیر" کے نام سے تیار ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسے بھی جلد منظر عام پر لانے کی کوششیں کی جائے گی۔ میری دلی خواہش یہ ہے کہ جماعت کے ہر تاریخی پہلو کو تشنہ تکمیل نہ چھوڑوں کیونکہ کچھ لوگ سینہ زوری سے تاریخی حالات و واقعات کو توڑ مروڑ کر اپنے کھاتے میں ڈالنے کی سعی نامسعود میں مصروف ہیں۔

چونکہ "سیاسیات برصغیر میں اہلحدیث کا حصہ" میری کتاب منظر عام پر آچکی ہے اس لئے میں نے اس کتاب میں سیاسیات کے ذکر سے بہت حد تک اجتناب کیا ہے "پاک و ہند میں اہلحدیث کی علمی و دینی خدمات کا ایک جائزہ" امیر محترم پروفیسر ساجد میر سینٹر کے حکم سے مرتب کر چکا ہوں وہ بہت جلد مرکزی جمعیت اہلحدیث کی طرف سے شائع ہو رہی ہے کتاب میں اپنے مقاصد میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں؟ اس کا فیصلہ ناظرین و قارئین پر چھوڑتا ہوں میری دلی خواہش یہ ہے کہ میری یہ کتاب علماء' فضلاء' خطباء' مدرسین' مبلغین' دینی طلباء بلکہ ہر پڑھے لکھے اہلحدیث کے پاس ہونی چاہئے تاکہ وہ اپنے شاندار اور تابناک ماضی سے باخبر ہو سکے اور مسلک اہلحدیث (جو مکمل اسلام سے عبارت ہے) کو غیر اہلحدیث اہل علم کے سامنے پیش کر سکے۔

ذیابیطس کی وجہ سے جسمانی طور پر بہت کمزوری لاحق ہو گئی ہے۔ بینائی بھی اس سے شدید متاثر ہے میاں محمد ارشد' مولوی محمد رفیق اللہ تعالیٰ ان کو اپنی

بہترین جزاؤں سے نوازے ان کے علمی اور دینی مستقبل کو روشن کرے ان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے ان کو بیت اللہ کی زیارت نصیب فرمائے۔ ان کا سال بھر شب و روز مخلصانہ تعاون جاری نہ رہتا تو شاید میں اسے پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکتا اسی طرح عزیزی حافظ عبدالحمید نے اس کی فہرست مرتب کرنے اور اس کی پروف ریڈنگ میں جو ہاتھ بٹایا میں اس کے لئے سراپہ تشکر و امتنان ہوں اور ان کے علمی و دینی روشن مستقبل کے لئے دعاگو ہوں حافظ محمد شعیب اور قاری حفیظ الرحمٰن' حافظ نصراللہ مجاہ متعلمان مدینہ یونیورسٹی ان کا مخلصانہ تعاون بھی میرے لئے مہمیز کا کام دیتا رہا مولنا محمد اسلم صدیقی لائبریرین اور مولنا ضیاء القیوم نائب لائبریرین نے بھی کتابیں مہیا کرنے میں میری خاصی بڑی مدد کی' ریاض قدیر بھٹی ایم ایس سی' حافظ افتخار قدیر ایف اے' مسٹر اعجاز قدیر بھی شکریہ کے حقدار ہیں۔ پروف ریڈنگ میں وہ بھی میرا ہاتھ بٹاتے رہے' اللہ تعالٰی ان کا مستقبل روشن کرے اور ان پر اپنے علم وفضل کے دروازے وا کرے۔ اللہ ان سب کو اپنی مرضیات سے نوازے۔ قدوسی برادران ابوبکر قدوسی اور عمر فاروق قدوسی ابناء مولنا عبدالخالق قدوسی شہید میں ان کا بھی شکر گزار ہوں اگرچہ ان کی وجہ سے کتاب کی اشاعت میں تاخیر ہوگئی ہے تاہم ان عزیزان نے بھی بساط بھر اس کی کمپوزنگ میں میری مدد فرمائی۔ "فتنہ قادیانیت" کے استیصال میں اہلحدیث کی مساعی کی ترتیب و تسوید جاری ہے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اسے جلد منظر عام پر لانے کی کوشش کروں گا استاذ العلماء حضرت علامہ عبدہ حفظہ اللہ بھی شکریہ کے حقدار ہیں کہ انہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات میں کتاب کا مقدمہ تحریر فرمایا۔

وما توفیقی الا باللہ العظیم

فقیر بارگاہ صمدی خاکپائے بزرگان

ناچیز محمد اسلم سیف فیروزپوری' ماموں کانجن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

از استاذ العلماء مفتی محمد عبدہ الفلاح فیروز پوری

اہل علم جانتے ہیں کہ اہل حدیث کسی فرقہ یا گروہ کا نام نہیں ہے جیسا کہ ائمہ اصحاب مذاہب کی طرف منسوب فرقے متعارف ہیں کہ وہ اپنے اپنے ائمہ کی فقہ پر عمل پیرا نظر آتے ہیں۔ اور اصول و فروع میں ان کی تقلید میں تعصب سے کام لیتے ہیں۔ اور نہ اصحاب الحدیث کوئی فنی اصطلاح ہے جو حدیث سے استدلال رکھنے والے اہل علم کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ بلکہ ایک نظریاتی اور اصلاحی تحریک جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق صحابہ کرام اور تابعین سے چلی آتی ہے اس کا نصب العین ہی یہ ہے کہ کتاب و سنت کے ساتھ تمسک کیا جائے اور بدعات و محدثات کو مٹایا جائے۔

چنانچہ اس تحریک کے حاملین نے ہر دور میں اسی نصب العین کو حرز جان بنایا اور اسی نظریہ کے حدی خوان اور میر کاروان چلے آرہے ہیں۔ اور دائما "علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین" کے پرچم کو بلند کئے چلے آرہے ہیں۔

مگر پاک و ہند (برصغیر) اور دیگر ممالک میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس تحریک کے خلاف غلطیوں اور سازشوں کے تار عنکبوت بنے گئے اور اچھے خاصے علماء نے ان غلط فہمیوں کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا جو تاریخ کے بطن میں محفوظ ہے اور اس اصلاحی تحرک کے خلاف آج بھی یہ مہم جاری ہے اور اس نظریہ کے حاملین کو وہابی' غیر مقلد' خارجی اور فتنہ کالم کے القاب سے پکارا جاتا ہے اور ان غرباء کو ایک نیا فرقہ قرار دے کر "سواد اعظم" سے خارج قرار دینے کی مہم جاری

ہے۔ سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے۔ "اتی بداء ھا وانسلت" اور یہ طعن دینے والے بدایونی ہوں یا رضاخانی ہم ان کے جواب میں یہی کہہ سکتے ہیں۔

"لو ذات السواء لطمتنی"

اہل حدیث نے اپنے نصب العین کی نشر و اشاعت میں تکالیف شاقہ برداشت کیں خطرات سے دوچار ہوئے مگر ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی اگر غور سے تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو مذاہب اربعہ کے نام سے جو فرقے متعارف ہیں یہ سب بعد کی پیداوار ہیں۔ شیخ الاسلام نے اہل حدیث مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا ہے:

ومن اھل السنتہ منھب معروف قبل ان یخلق اللہ
ابا حنیفہ و مالکا" واشافعی و احمد بن حنبل فانہ مذ ھب الصحابہ
تلقوہ عن نبیھم ومن خالف ذالک کان مبتدعا" عند اھل السنتہ
والجماعتہ (منہاج السنہ ۲/۲۵۲)

اور نقض المنطق میں بھی اہل حدیث کو ایک مستقل فرقہ قرار دیا ہے اور اسے دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں وہی درجہ دیا ہے جو اسلام کا درجہ دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں ہے۔ پس اہل حدیث دوسرے مذاہب اربعہ کو تعصب کی نظر سے نہیں دیکھتے اور علم الکلام کے ارتقائی پہلوؤں کی نفی کرتا ہے اور نہ ہی فقہی اجتہادی کوششوں کو ٹھکراتا ہے بلکہ اہل حدیث کی دعوت یہ ہے کہ پیش آمدہ مسائل میں مشکلات کے حل و کشود کے سلسلہ میں سب سے پہلے کتاب و سنت پر نظر ڈالی جائے تاکہ فقہ و استدلال کا قافلہ نہایت روانی و تیز رفتاری سے چل سکے اور کسی ایک مسلک کی حد بندیاں سنگ راہ نہ بن سکیں یہی وجہ ہے کہ ہم جلیل القدر ائمہ کی اجتہادی کوششوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ہمارے نزدیک امام ابو حنیفہؒ کی فکری و آئینی کاوشیں اور امام مالک کا تعامل کو دست برد زمانہ سے ہمیشہ کیلئے محفوظ کر دینا اور امام شافعی کا فقہ و حدیث کیلئے وسیع تر

کوششیں کرنا ہماری تہذیبی انفرادیت کا زندہ ثبوت ہے جس پر ہم جتنا زیادہ فخر کریں کم ہے۔

لیکن ہم یہ ضرور کہیں گے کہ اختلاف کی صورت میں فیصلہ کیلئے کتاب و سنت کی طرف رجوع ضروری ہے تاکہ عقیدت و محبت کا مرکز ثقل قائم رہے اور صراط مستقیم سے یک مو انحراف نہ ہونے پائے (مسودہ مدیر الاعتصام ندوی)

پس اس کے بعد ہم پر یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کا انداز فکر متعین نہیں ہے اور نہ ہی اصل استدلال موجود ہے یعنی جبکہ عقیدہ و عمل کو استدلال پر قائم رکھنے کیلئے علم الکلام اور اصول فقہ متعین اور متمیز شکل میں نہیں ہے تو مختلف ادوار میں اس مسلک کے ارتقائی منازل کا کیسے اندازہ کیا جا سکتا ہے اور اس مسلک کے حاملین کے کارہائے نمایاں کو کیسے جانچا جا سکتا ہے تو ہم عرض کریں گے کہ ہمارا مسلک واقعی مذاہب مدونہ کی طرح نہیں ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کے اصول اور فقہی قواعد بھی متعین نہیں ہیں بلکہ اس کے ماننے والوں کے باقاعدہ معمولات ہیں اور عقیدہ و عمل کا قالب بھی متعین ہے اور اصلاح و تجدید کے کارناموں پر ہماری تاریخ تابناک ہے۔

علمائے اسلام کے کلامی و فقہی نظریات میں اہل حدیث کے فکر و نظر کو دیکھنا چاہیں تو مفکر اعظم حضرت استاذ محترم مولانا محمد اسماعیل سلفی کی کتاب "تحریک آزادی فکر" پر ایک نظر ڈال لیں جو اسی سوال کے جواب میں لکھی گئی ہے اس میں ہر دور میں دوسرے فقہی وکلامی افکار کے مقابلہ میں اہل حدیث کے مکتب فکر کو نمایاں طور پر دکھایا گیا ہے۔

دراصل یہ طویل بحث ہے ہم چند الفاظ میں اشارتاً عرض کریں گے کہ پہلی صدی کے اواخر میں اسلام کو شدید نوعیت کے دینی و سیاسی انحرافات سے دوچار ہونا پڑا اور تیسری صدی ابھی اختتام کو نہیں پہنچی تھی کہ ان انحرافات نے شدید نوعیت کا روپ دھار لیا اور مسئلہ امامت و خلافت کی وجہ سے شیعیت ابھری اور

اس کے پہلو بہ پہلو ایک تاریخی حادثہ کی بنا پر خارجیت نے جنم لیا جس نے آگے چل کر ایک فتنے کی شکل اختیار کر لی انہی سیاسی اختلاف نے خارجیت کے ردعمل نے ارجائی مصالح کو ہوا دی اور مسلمان مرجئہ اور غیر مرجئہ گروہوں میں بٹ گئے پھر یونانی علوم کے فروغ اور ارتقاء نے اعتزال و جہمیت کے ناسور تخلیق کر دیئے جس نے صدیوں تک مسلمانوں کو عقلی اختلافات کے بھنور میں پھینک دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علمی و دینی حلقوں میں نئے نئے مسائل پیدا ہوتے گئے۔ صفات باری تعالیٰ عین ہیں یا غیر' استوی علی العرش' قرآن مخلوق یا غیر مخلوق' جبر و قدر کا مسئلہ اللہ تعالیٰ محال پر قادر ہے یا نہیں وغیرہ کلامی مسائل پیدا ہو گئے اور یہی وہ زمانہ ہے جس میں فقہی مذاہب مدون یا مرتب ہوئے اور مختلف نظریات کے حامی علماء ایک دوسرے کے بالمقابل صف آراء ہو گئے اس طرح مناظرہ و جدل کی بنیاد پڑ گئی اور اسی نے انکار حدیث کے فتنہ کو جنم دیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عصبیتوں نے جنم لیا اور حلقے بن گئے بالآخر تقلید و جمود نے اسلامی معاشرہ کی اکثریت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ان انحرافات اور اختلافات کی نشان دہی میں اہل حدیث نے اپنا کردار ادا کیا اور اصلاح احوال کی ہر ممکن کوشش کی اور اسلامی مجتمع کے سامنے صحیح نظریہ پیش کیا اور تجدید و اصلاح کی مساعی کو بروئے کار لائے بدعات و محدثات کے استیصال کیلئے جان و مال کے ساتھ جہاد کیا پھر ائمہ حدیث نے ذخیرہ حدیث کو جمع کیا اس کو مہذب و منقسم کیا اور دوسرے مذاہب فقہاء کے مقابلہ میں سنت صحیحہ پر مبنی مسلک پیش کیا بلکہ فقہا کو بھی اس طرف متوجہ کیا۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان ادوار میں کلامی و فقہی مسائل کا جو حل پیش کیا گیا ہے وہی ہماری فقہ اور علم کلام ہے اور یہی ہماری تاریخ ہے۔

پس ہمارا مسلک قدیم ہے اور ہمارا علم کلام' اور فقہی مسائل واضح ہیں پھر بھی کوئی جاہل اور متعامی ہم کو جدید فرقہ یا وہابی کا لقب دے کر سواد اعظم سے

خارج کرتا ہے تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں۔ گرنہ بیند بروز شپرہ چشم۔ چشمہ آفتاب را چہ گنا

پھر شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کو خارجیت کا طعن دینے والے (مراد آبادی) اتنا تو سوچ لیتے کہ ابن عبدالوہاب شیخ محمد حیات سندھی (۱۱۶۵ھ) کے تلامذہ سے ہیں جو کہ مشہور محدث عبداللہ بن سالم بصری شیخ شاہ ولی اللہ دہلوی کے تلامذہ سے تھے جن کے سلسلہ سند میں علماء دیوبند اور خود احمد رضا خاں بریلوی بھی داخل ہیں۔ (دیکھئے فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۵) اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب شیخ سندھی کے مسلک پر قائم رہے اور کتاب و سنت کی پیروی کرتے رہے۔ عقلمند را اشارہ کافی است

اب تاریخی لحاظ سے ہمارے مسلک پر نظر ڈالئے برصغیر (پاک و ہند) میں بھی ہمارا مسلک صحابہ کرام سے متصل نظر آتا ہے تذکرہ نویسوں نے صاف لکھ دیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور سے سلاطین گجرات اور دیبل و منصورہ میں محدثین کرام تسلسل سے چلے آتے ہیں اور فتوحات سندھ کے ساتھ اس مسلک کے حاملین نے بلوچستان اور چولستان تک وسعت اختیار کر لی اور تابعین علماء حدیث نے حدیث کی درسگاہیں بھی قائم کر لیں اور دور زمانہ کے ساتھ یہ مسلک پھیلتا رہا اور مساجد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلنواز نغموں سے گونجتی رہیں اور مسلم فکر اپنے ارتقائی مراحل طے کرتا رہا۔

پھر سلطان محمود غزنوی کے حملہ سے حالات یکسر تبدیل ہو گئے سلطان کے ساتھ آنے والوں کی اکثریت حنفی مقلدین کی تھی جو ترکستان اور خراسان سے امڈے چلے آرہے تھے اور فقہ و فتاویٰ حنفی کے پشتارے اپنے ساتھ اٹھائے ہوئے تھے اس طرح لاہور کے فتح ہونے کے ساتھ فقہ حنفی نے شمالی ہند میں عروج حاصل کر لیا۔

پھر تیموری عہد میں بھی حکومت کے نظام کا دارومدار فقہ حنفی ہی رہی اور

سلاطین کے تقرب کا ذریعہ بھی ملک کا قانون ہی تھا اور سلاطین کے فقہ حنفی کو تقلیدی عصبیت کے ساتھ رواج دیا۔

پھر تیموری حکومت کا یہ پہلو بڑا عجیب تھا کہ بادشاہ تو سنی ہوتے مگر وزارت اور کلیدی آسامیاں زیادہ تر شیعی امراء کے ہاتھ میں رہیں اور صدر الصدور شیخ الاسلام اور قضا کے عہدے زیادہ تر سنی علماء کے زیر رہتے جو نظم شریعت کی پابندی کرواتے اور شیعی امراء کو بھی ان کے سامنے سرنگوں ہونا پڑتا۔

حکومت کے اس ملغوبہ میں بہت سی محدثات اور بدعات نے جنم لیا اور معاشرہ میں ایرانی اور ہندووانہ رسوم نے غلبہ اور استیلا حاصل کر لیا اور مسلم فکر کو اپاہج کر دیا گیا۔

اہل حدیث کو خارجی کہنے والے اس وقت کن پناہ گاہوں میں سر چھپائے بیٹھے تھے اس وقت علماء حق نے ہی ان بدعات کو مٹانے اور عہد رسالت کے تمدن کے احیاء پر زور دیا حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے بعد شاہ ولی اللہ دہلوی اس سلسلہ کی اہم کڑیاں ہیں۔ حضرت مجدد اپنے مکتوبات میں بتکرار اس پر زور دیتے۔

زندگی کی کامیابی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
پوری متابعت میں ہے درکار ایں است ہم ہیچ

شاہ ولی اللہ دہلوی نے جب اس تحریک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو اسی وقت سے اس عمارت کی اساس قائم ہو گئی پھر ان کے حفید نے اپنے جد امجد کی وراثت کو ارو کے چند صفحات میں سمیٹ کر دیا اور مجاہدانہ کاروائیوں میں مشغول ہو گئے۔

قاضی محمد اسلم سیف کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ انہوں نے تاریخ اہل حدیث لکھ کر ہماری بہت سی کوتاہیوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے اور مشار الیہ حقائق کو مسلسل پیرایہ میں نظم کر دیا ہے اور ہر دور میں اہل حدیث کے زاویہ نگاہ کو

واضح صورت میں پیش کر دیا ہے۔ پھر اسی پر بس نہیں کی بلکہ ہر دور کے اہل حدیث زعماء کے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں کو صفحہ قرطاس پر بکھیر دیا ہے اور یہ کتاب لکھ کر جماعت اہل حدیث پر بہت بڑا احسان کیا ہے اور عرصہ سے جو خلا محسوس ہو رہا تھا اس کو پر کر دیا ہے۔ امام خان نوشہروی کے کام کو اپنے زمانہ تک بیان کر دیا ہے پھر بلاد و امصار کی گرش کے بعد اپنے مولد کی طرف لوٹ آئے ہیں اور ہمیں اس فرض سے سبکدوش کر دیا ہے جزاہ اللہ احسن الجزاء و وفقہ لما یحب و یرضا آمین یارب العالمین۔

والسلام

ابو القاسم محمد عبدہ الفلاح

فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

پہلی صدی ہجری

اہل حدیث اور اس کی دعوت

اہل حدیث اور اسلام دو مترادف لفظ ہیں جن کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے یعنی مسی ایک ہے' اسماء دو ہیں۔ اہلحدیث اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ اسلام' اہلحدیث کوئی فرقہ نہیں بلکہ وہ مکمل اسلام سے عبارت ہے کیونکہ اسلام کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول ہے یعنی اللہ کا قرآن اور رسول اللہ کا فرمان۔ مسلک اہلحدیث بھی انہی دو بنیادوں پر استوار ہے ہر وہ بات جو کتاب اللہ اور سنت ر سول اللہ کے مطابق ہو گی علی الراس والعین (سر ماتھے پر) چشم ما روشن دل ماشاد' اور وہ امر جو ان سے متصادم ہو گا اسے اہلحدیث تسلیم نہیں کرتا کیونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری وہ کتاب اور وہ سچا صحیفہ ہے جو قیامت تک تابندہ' روشن اور باقی رہے گا جسے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (سورۃ الحجر) اس آسمانی صحیفہ کی تکمیل کا اعلان بھی خود اللہ پاک نے بایں الفاظ فرمایا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

(سورہ المائدۃ)

قرآن پاک کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ

جہاں اللہ تعالیٰ نے لفظی اور معنوی طور پر اس کی حفاظت و صیانت کا بیڑا اٹھایا ہے (اور کوئی بدبخت آج تک اس میں کوئی تغیر و تبدل اور لفظی و معنوی تحریف نہیں کر سکا' جب بھی کسی مردود ازلی اور بدبخت ابدی نے ایسی جسارت کی تو امت مسلمہ میں ایسے مردان کار اور رجال عظیم پیدا ہوتے رہے جو اسی وقت ان بدبختوں کے لئے پیام اجل ثابت ہوئے) وہاں اس میں مہد سے لے کر لحد تک کے تمام مسائل کی نہ صرف نشاندہی بلکہ راہنمائی فرمائی ہے اور انسان کو پیش آمدہ تمام مسائل کا حل نازل فرمایا ہے' زندگانی کی گزر گاہوں میں مسلمان کو پیش آمدہ کسی بھی مسئلہ کا حل تشنہ تکمیل نہیں رہنے دیا یعنی قرآن پاک میں جہاں عبادت و ریاضت' ذکر و فکر' دعوت و ارشاد' خلوص و للہیت' تقویٰ و طہارت اور ارکان اسلام پر عمل کی تلقین و تاکید فرمائی وہاں مسلمان کے لئے اقتصادی معاشی' تجارتی' زراعتی' تعلیمی' تربیتی' سیاسی' سائنسی' عدالتی' صنعتی اور روزگار کے مسائل کا حل واضح طور پر پیش کرتا ہے۔ فتح و کامرانی' عسکری تنظیم' خارجی تعلقات' اندرونی مسائل' بین المملکتی علائق وہ کونسا شعبہ حیات ہے جہاں قرآن پاک نے اس کے حل کے واضح اشارے نہ فرمائے ہوں۔ کہنے دیجئے قرآن پاک اسلام کی صداقت کا آئینہ دار ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک کسی ملک کی قانونی دفعات کا مجموعہ ہے اس کی تشریح و توضیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان نے فرمائی ہے۔ یعنی قرآن پاک کی وہی تشریح معتبر اور مستند سمجھی جائے گی جو صاحب کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ نے کی کیونکہ صحابہ کرامؓ کی عظمت' دینی تقدس خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جابجا بیان فرمایا گویا قرآن پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک' اسلام کی صداقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے دو زندہ معجزے ہیں جو تاقیام قیامت زندہ' تابندہ اور درخشندہ رہیں گے۔

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اسلام کا دوسرا بڑا ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرامین ہیں جنہیں ہم قرآن کریم کی تشریح و توضیح اور تفسیر بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ صاحب کتاب' کتاب کی جو تشریح فرمائیں اور جو مطالب و معانی متعین فرمائیں وہ ہمارے لئے واجب التسلیم اور واجب العمل ہیں' قرآن پاک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حیثیت کو بایں الفاظ واضح فرمایا ہے **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** (سورۃ النجم) اسی کی تائید دوسری جگہ یوں بیان کی گئی' **و ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** (سورۃ الانفال) ایک جگہ یوں فرمایا گیا **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** (سورۃ النساء) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی اور آئینی حیثیت کو قرآن پاک کی یہ آیت بالکل واضح کرتی ہے۔ **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم** (سورۃ آل عمران) قرآن پاک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظمت مقام کو یوں بیان فرمایا۔ **ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوہ** (سورۃ الحشر) جو چیز تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے دیں اسے لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے رک جاؤ۔ اسلام اور قرآن کی آئیڈیل شخصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جیسا کہ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا** (سورۃ الاحزاب) تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی بہترین نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ سے رحمت کی امید رکھتا ہے اور محاسبہ آخرت کا عقیدہ بھی رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حیثیت اور آئینی عظمت کے لئے قرآن پاک

بھرا پڑا ہے ہم مذکورہ بالا آیات پر ہی اکتفاء کرتے ہیں

قطعی حجت

قرآن پاک کو بسم اللہ کی "ب" سے لے کر والناس کی "س" تک بعینہ سچا' صحیح ماننا مسلمان کے ایمان کا جزو اعظم ہے' قرآن کی نص صریح کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کے لئے گریز و فرار کی راہ اختیار کرنا قطعاً" ناجائز ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث تسلیم کرنا ہمارے لئے فرض عین کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن کریم کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی ہمارے لئے قطعی دینی حجت ہے کیونکہ قرآن پاک کے فرمان کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے۔ دین کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ تعالٰی کی عین مرضی ہوتا ہے۔ آپ اس کو اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن پاک وحی جلی ہے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم وحی خفی ہے قرآن پاک وحی متلو ہے اور حدیث پاک وحی غیر متلو ہے۔ ان دونوں وحیوں کو صحیح تسلیم کرنا اور ان دونوں پر ایمان کی پختگی رکھنا اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ صاحب کتاب اور صاحب قرآن کی تشریحات کے بارے میں انگریز کے گماشتے و مستشرقین کے ساختہ و پرداختہ بعض نام نہاد مسلمان دانشور تشکیک پیدا کر کے اسے مشکوک گردانتے اور اسے محض تاریخی حیثیت دینے کی سعی مذموم میں مصروف کار ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک تئیس سال (۲۳) کی نبوت کی زندگی میں نازل ہوا۔ حجتہ الوداع کے موقع پر نو (۹) ذی الحجتہ میدان عرفات میں اس کی تکمیل ہوئی۔ مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ اور اس کے حوالی میں یہ تدریجاً" نازل ہوا اس سے بڑھ کر ناانصافی' بلکہ ظلم کیا ہوگا کہ صاحب کتاب کی تشریح مشکوک گردانی گئی۔

چوہدری غلام احمد پرویز' ڈاکٹر غلام جیلانی برق' تمنا عمادی اور اسی قبیل کے دیگر منکرین حدیث (منکرین رسالت) ان کی تشریحات اور ان کی ھفوات واجب التسلیم ٹھرائی جاتی ہیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا یا غلام احمد پرویز' غلام جیلانی برق یا تمنا عمادی پر؟ قرآن پاک مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ یا اس کے حوالی میں اترا یا دہلی یا لاہور اور کراچی میں؟ ہم یہ سمجھنے میں یقیناً حق بجانب ہوں گے کہ اسلام کے حصار میں شگاف ڈالنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو مشکوک ٹھرانے کی سازش اور منصوبہ انگریز بہادر نے بنایا تھا یہ لوگ انگریز کے پروردہ' اس کے گماشتے' اس کے ذلہ خوار اور چند ٹکوں کے حصول کے لئے اپنا ضمیر اور ایمان بیچنے والے ہیں۔ ان منکرین حدیث کا انداز زیست اور گھٹیا مقاصد کے حصول کے لئے دینی اور اسلامی مسلمات کا انکار یقیناً خدا کے قہر کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی   کیں راہ کہ مے روی بہ ترکستان است

ہمارا موقف

اہلحدیث قرآن اور سنت کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔

اول دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن   پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلم داشتن

اہلحدیث فاران کی چوٹیوں سے لے کر اب تک اسی مسلک و مشرب اور موقف کے حامی ہیں جو اسلام کا ماخذ' دین کو سمجھنے کا منبع' دینی ہدایت کا مرکز و مامن اور اسلامی رشد و ہدایت کا مصدر ہے' قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث' مسلک اہلحدیث کی بنیاد ہے یہی ہماری دعوت ہے' اسی کی طرف ہم دنیا بھر کے انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں کو بلاتے ہیں ہر وہ چیز جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے وہ ہمارے لئے واجب التسلیم

ہے اور جو چیز اسلام کے ان دو ماخذوں (قرآن اور رسول اللہ کے فرمان) سے میل نہیں کھاتی' اس کا ماننا ہمارے لئے دینی طور پر کوئی ضروری نہیں کیونکہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے جو ہر شک و شبہ سے بالا ہے حدیث مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صادق المصدوق کا کلام ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم عن الخطا ہیں۔ ان کی کسی بات میں غلطی اور خطا کا احتمال ہرگز ہرگز نہیں ہے' باقی انسانوں سے خطا و نسیان عین تقاضائے عین بشریت ہے اس لئے اہلحدیث پوری شد و مد سے اس موقف کو پیش کرتے ہیں اس لئے جس طرح قرآن پاک کو ماننا ضروری ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث کو ماننا بھی ضروری ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کا کوئی گوشہ واضح ہدایات کے بغیر نہیں چھوڑا' ائمہ' فقہاء' مجتہدین اور محدثین کرام ہمارے نزدیک واجب الاحترام ہیں لیکن واجب الاطاعت نہیں۔ ان کی وہ بات جو اللہ کے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف ہو اسے تسلیم کرنا کوئی ضروری نہیں بلکہ اسے ہرگز ہرگز دینی حیثیت سے نہیں ماننا چاہئے۔ فقہاء اور مجتہدین نے زندگی میں جو علمی کاوشیں کی ہیں وہ ہمارے لئے ایک علمی قیمتی سرمایہ اور عظیم دولت کی حیثیت رکھتی ہیں ہم ان کی اس محنت کو نہایت استحسان کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی خدمات کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہیں لیکن ان کی وہی دینی کاوشیں ہمارے لئے قابل قبول ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے موافق ہوں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات واجب التسلیم ہے اور امتیوں کی باتیں مانی بھی جا سکتی ہیں اور رد بھی کی جا سکتی ہیں۔

اہلحدیث کوئی فرقہ نہیں

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ اسلام کا دوسرا نام اہلحدیث ہے اہلحدیث نہ

کوئی مروجہ فرقہ ہے۔ اہلحدیث کسی شہر' گاؤں یا کسی شخصیت کی طرف ہرگز ہرگز منسوب نہیں بلکہ اہلحدیث کی نسبت قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف ہے۔ اہلحدیث کے یہاں کسی خانقاہیت کے لئے کوئی گنجائش نہیں نہ ہی اہلحدیث کسی شخصیت پرستی کا داعی ہے اور نہ ہی اہلحدیث تقلید جامد کا قائل ہے بلکہ اہلحدیث کا فکر' دعوت اور مشن مکمل کتاب و سنت کی تنفیذ ہے۔ اہلحدیث کا نام قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو حدیث قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **فبای حدیث بعدہ یومنون** (سورۃ المرسلات) کہ قرآن کریم کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابھا (سورۃ الزمر) اللہ تعالیٰ نے ملی جلی کتاب (قرآن) بہترین حدیث کی شکل میں نازل فرمائی۔

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے یوں وضاحت فرمائی۔ **فبای حدیث بعد اللہ وایاتہ یومنون** (سورہ الجاثیہ) وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کے بعد کونسی حدیث پر ایمان لائیں گے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے ان مذکورہ بالا آیات میں قرآن پاک کو حدیث قرار دیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات' اقوال' اعمال' گفتار' کردار' سیرت' طرز بود و باش اور انداز زیست کا نام حدیث ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ **ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنتی اوسنتہ رسولہ** (مشکوۃ شریف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جب تک تم ان دو چیزوں پر مضبوطی سے عمل پیرا رہو گے تم ہرگز ہرگز جادہ حق سے بھٹک نہیں سکو گے۔ وہ ہیں اللہ کی کتاب اور میری سنت (یا اس کے رسول کی سنت) ہم بھی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار ہیں۔ قرآن کو حدیث خدا اور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو حدیث مصطفیٰ کہا جاتا ہے۔ اور ان دونوں کے ماننے والے کو اہلحدیث کہا جاتا ہے یعنی اہلحدیث وہ مکتب فکر ہے جو قرآن و سنت کی تعلیمات میں نہ کوئی آمیزش کرتا ہے اور نہ ہی کسی کی آمیزش کو برداشت کرتا ہے۔ دین سمجھنے کے لئے وہ کسی پیش بندی یا پیوند کاری کا قائل نہیں وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی تسلیم کرتا ہے جیسا کہ صحابہ کرامؓ' تابعین عظامؒ اور تبع تابعینؒ نے بلا چوں و چرا شرح صدر سے تسلیم کیا تھا کیونکہ ان کے بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (مشکوۃ شریف)

کہ بہترین زمانہ میرا ہے پھر میرے صحابہ کرامؓ کا پھر ان کے شاگردوں در شاگردوں کا۔

محدثینؒ کا اتفاق ہے کہ ۲۲۲ھ تک کا زمانہ خیر القرون سمجھا جاتا ہے۔ اس دوران میں نہ کسی کی فقاہت قصر اسلام میں رخنہ اندازی کر سکی اور نہ ہی کسی کا اجتہاد دین میں راہ پا سکا۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی دعوت کے داعی ہیں۔ جب اصحاب خیر القرون تقلید جامد اور فقہاء کے اجتہادات کے بغیر مقبول بارگاہ تھے ان کی عظمت ان کا تقدس قرآن پاک نے بیان کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین نے واضح کیا تو اب ان کے ماننے والوں کو مورد طعن کیوں ٹھہرایا جاتا ہے؟ لوگوں میں ان کے خلاف نفرت و حقارت کیوں پیدا کی جاتی ہے اگر اہلحدیث اپنے مسلک اور دعوت میں ان کے بقول صحیح نہیں تو سوچ لیجئے کہ تمہارے اس غیر معقول رویہ کی زد اللہ تعالیٰ' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' صحابہ کرام اور تابعین عظام رضوان اللہ علیہم تک پہنچتی ہے۔ یقیناً اس کے جو سنگین نتائج برآمد ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں جو اس پر گرفت ہو گی اس کے بارے میں بے خبر نہ رہیں بلکہ اخروی تباہی کے لئے

اسے نوشتہ دیوار سمجھیں۔

ببیں تفاوت را از کجا است تا بہ کجا

ہمارے بارے میں اشکلے چھوڑے جاتے ہیں کہ ان کا آغاز انگریز کی آمد سے ہوا حالانکہ اس سے بڑا جھوٹ دنیا میں کوئی نہیں ہم اہلحدیث اتنے ہی پرانے ہیں جتنا کہ خود اسلام' اہلحدیث وہی دعوت پیش کرتے ہیں جو تیئیس (۲۳) سالہ نبوت کی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کی۔ اہلحدیث کا وہی مشن ہے جو صحابہ کرامؓ نے پیش کیا' اہلحدیث وہی منشور پیش کرتے ہیں جسے زندگی بھر تابعینؒ اور تبع تابعینؒ پیش کرتے رہے اہلحدیث اسی فکر کا اعادہ کرتے ہیں جسے فکر محدثینؒ کہا جاتا ہے۔ اہلحدیث مسائل و احکام اور دیگر تمام دینی معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ اور تعامل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر عمل کرتے اور اس کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم جیسا کہ پہلے بھی لکھ چکے ہیں اہلحدیث کی نسبت براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ہے اگر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ نئے ہیں تو اہلحدیث بھی نئے ہوں گے۔ حیرت یہ ہے کہ خود کو افراد و اشخاص کی طرف نسبت کرنے والے طعنہ ہم کو دیتے ہیں حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی یہ کس کی طرف منسوب ہیں۔ اس کے باوجود آپ ہم پر طعنہ زن ہیں ہمارا مسلک وہی ہے جو ان ائمہ کی ولادت سے پہلے تھا یہ اشعری ما تریدی' جہمیہ' قدریہ' معتزلہ' اویسی' صابری' نقشبندی' قادری' چشتی' سہروردی' باطنی' دروزی' تفضیلی' اثناء عشری' اسماعیلی' نظامی' وارثی' سلطان شاہی' کیا یہ نسبتیں عین کتاب و سنت کی تعلیمات کا آئینہ دار ہیں؟ آخر آپ کے لینے دینے کے پیمانے مختلف کیوں ہیں؟

یہ فقہاء کی طرف امت کی نسبتوں کا سلسلہ اور یہ فقہی گروہ بندی چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں ہوئی۔ خصوصاً" پہلی تین صدیاں ان فقہی تکلفات سے بالکل خالی تھیں اور اسلام میں اس قسم کی رخنہ اندازی ابھی شروع نہیں ہوئی

تھی ہمارے ملک میں' جنوبی ہند میں شافعیوں کی کثرت تھی مشرقی' وسطی اور شمالی ہند میں حنفی زیادہ تھے لیکن وہ کہلاتے حنفی تھے مگر انگریز بہادر کی آمد کے بعد مولانا محمد قاسم نانوتوی مرحوم نے دیوبند ضلع سہارنپور بھارت میں مدرسہ قاسمیہ کی بنیاد ڈالی' مولانا احمد رضا خان نے بانس بریلی یو پی میں مدرسہ رضویہ کی بنیاد رکھی۔ اب مدرسہ دیوبند کے فارغین اپنے کو دیو بندی حنفی کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں' مدرسہ رضویہ بانس بریلی سے تعلق رکھنے والے اپنے کو بریلوی حنفی کہلاتے ہیں اب ظاہر ہے ان دونوں طبقوں کی نسبت دو مدرسوں اور دو شہروں کی طرف ہے۔ یہ دونوں شہر دارالحرب میں ہیں دیو بند اور بریلی میں جہاں مسلمان بستے اور رہتے ہیں وہاں غیر مسلم بھی بستے ہیں وہ بھی ان شہروں کی طرف اپنی نسبت کر سکتے ہیں بلکہ کرتے ہیں۔

جس طرح ہم اپنے شہروں کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ فلاں لاہوری' فلاں ملتانی وغیرہ۔ اگر آپ نے اپنی نسبت کرنا ہی تھی تو مکہ و مدینہ کی طرف کرتے یا محمدی کہلاتے' دیو بند اور بریلی یہ دونوں شہر دارالحرب بھارت میں ہیں اگر کسی شہر کی طرف ہی نسبت آپ کی چاہت و امنگ تھی تو مکہ و مدینہ یا کسی عالمی مسلم شہر کی طرف ہی منسوب ہو جاتے ع

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اہلحدیث کی دعوت کے نتائج

چونکہ اہلحدیث کی دعوت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے فیوض و برکات میں دو رائے نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے سے اخروی کامیابی کے ساتھ ساتھ دنیوی سربلندی بھی ملتی ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل پیرا ہونے سے مسلمان ہم دوش ثریا ہو جاتا

ہے کائنات کی وسعتیں دیدۂ و دل اس کی فرش راہ کرتی ہیں۔ کتاب و سنت کا جب فیضان برصغیر میں پہنچا اور اس کے عاملین نے اسے نمایاں حیثیت میں پیش کیا تو فکر اہلحدیث سے تقلید جامد کی دھجیاں بکھر گئیں۔ تقلید کے پیرو کاروں کے ذہنوں کو کتاب و سنت کی تعلیمات سے جلا ملی اس سے بدعات کے دبیز پردوں کے بخئے ادھڑ گئے۔ فکر اہلحدیث پیش کرنے سے منکرات و سیئات کا انسداد ہوا' جہالت کی تاریکیاں چھٹ گئیں' سنت کی قندیلوں سے برصغیر بقعہ نور بن گیا۔ شرکیہ رسوم نے رخت سفر باندھا۔ ہندوانہ رسم و رواج کتاب و سنت کے مقابلہ میں خائب و خاسر ہو گئے جاہلانہ عادات و اطوار کا قلعہ قمع ہو گیا۔ سنت رسول اللہ کے پھریرے لہرائے' کارواں حدیث کی ضیاء پاشیوں سے پوری دنیا منور ہو گئی۔ **قال اللہ وقال الرسول** کی دلنوا صداؤں سے برصغیر کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا' قافلہ سنت کی مساعی سے رفض و بدعات کے پرخچے اڑ گئے۔ عاملین و حاملین حدیث کے پیہم اخلاص' ایثار' استقامت' استعداد اور عمل سے سنت کی شمعیں فروزاں ہو گئیں' محدثین کی علمی گہرائی' تحقیقی مساعی اور مخلصانہ درد مندیوں سے اجتہاد و استدلال کے بند دروازے وا ہو گئے۔ سنت کی برکتوں سے مسلمان مالا مال ہو گئے۔

دعوت اتحاد

اسلام کے ایک ایک رکن میں اجتماعیت اور وحدت پائی جاتی ہے۔ اسلام کا کوئی بھی حصہ نظم و ضبط سے خالی نہیں اسلام کی دینی اخوت اور بھائی چارہ مسلم ہے۔ اسلام وہ نظریہ حیات ہے جس نے انسانوں کو تین سو ساٹھ بتوں سے توڑ کر ایک خدا سے جوڑا۔ آقا و مولیٰ' امیر و غریب' کالے و گورے اور ادنیٰ و اعلیٰ کے امتیازات مٹا کر خدا کے دامن توحید سے وابستہ کیا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز

نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

یہ نہ کوئی قصہ پارینہ ہے نہ کوئی الف لیلیٰ کی داستان ہے بلکہ کتب احادیث و سیر سے یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ سلمان فارسی ہم سے ہے بلکہ اہل بیت سے ہے سیدنا فاروق اعظمؓ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو یا سیدی بلالؓ کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور صحبت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین انسانیت عظمیٰ کے سب سے اعلیٰ معیار پر فائز تھے قوم و برادری رنگ و نسل اور شعوب و قبائل کے تمام تفاخر مٹ چکے تھے۔

بتان رنگ و خون کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حجتہ الوداع کا خطبہ کتنا وجد آفریں اور کس قدر حیات سرمدی پہلو میں لئے ہوئے ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر' کسی اسود کو احمر پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔ آدم مٹی سے تھا تم میں عزت والا وہ ہے جو خدا سے زیادہ ڈرتا ہو یعنی معیار کرامت' معیار شرافت' معیار عزت' معیار دیانت' نسل و قبیلہ' رنگ و بو' سرمایہ و دولت' ہرگز ہرگز نہیں۔ معیار صرف اور صرف اللہ کا تقویٰ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جسد واحد قرار دے کر اتفاق و اتحاد کو نقطہ عروج پر پہنچا دیا لیکن آج مسلمانوں کی شیرازہ بندی ختم ہو چکی ہے انتشار و خلفشار کی آندھیاں پورے شباب پر ہیں' رنگ و نسل قوم و قبیلہ زبان و وطن کے طوفانوں کی لپیٹ میں مسلمان آچکا ہے یہی وجہ ہے کہ عالمی ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن چکا ہے یہود و نصاریٰ اور کفر کی ملت وحدہ کے سامنے پسپائی اختیار کرنے میں اپنی عافیت سمجھتا ہے حالانکہ یہ ایک خدا' ایک رسول' ایک قرآن' ایک اسلام اور ایک ہی کعبہ کو ماننے والے ہیں پھر یہ

ملی خلفشار اور سیاسی انتشار کیوں ہے؟

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور عہد خیر القرون کے عظیم اسلاف کتاب و سنت کی دعوت پر یک جان تھے اسی وجہ سے ان کے سامنے نہ کوئی پہاڑ نہ صحرا و دریا' نہ کوہستان و بیابان نہ ہی خوفناک سمندر ان کے راستے میں رکاوٹ بن سکا۔ وہ جدھر رخ کرتے کائنات کو مسخر کرتے چلے جاتے' فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی' کائنات کی وسعتیں ان کے سامنے سمٹ جاتیں وہ بنیان مرصوص کی طرح باطل کے سامنے سینہ تان کر ڈٹ جاتے' ان کے گھوڑوں کے ٹاپوؤں کی صدائے باز گشت چین کے کوہستانوں افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں' یورپ کے مرغزاروں' آبشاروں اور جنوب ایشیا کے ساحلوں سے سنی گئی انہوں نے بیک وقت تین براعظموں پر داد حکومت دی' وائے نامرادی آج مسلمان کہاں کھڑے ہیں' کشمیر' فلسطین اور بوسنیا میں ہم جبرو تشدد کے پنجہ استبداد میں جکڑے ہوئے ہیں۔ فلپائن' اریٹیریا' برما اور بھارت میں مسلمان ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں' امریکہ جو متعصب مسیحی ملک ہے وہ مسلمانوں اور اسلام کا نام مٹانے پر تلا ہوا ہے۔ یورپ اور ایشیا کا پورا کفر اس کی پشت پر ہے۔ ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ہر مسلمان ملک اندرونی طور پر شدید خلفشار کا شکار ہے کچھ اسلامی ممالک امریکہ کی مونچھ کا بال بنے ہوئے ہیں بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے مسلمان ممالک سہمے ہوئے ہیں بعض ملکوں میں اسلام کے نام پر تحریکیں جاری ہیں اور وہ اسلام کے بجائے حنفی' شافعی' مالکی اور جعفری فقہ کی دعوت دے رہے ہیں حالانکہ فقہ کا وجود بذات خود ملی انتشار کے مترادف ہے اہلحدیث پوری شرح

صدر سے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ **تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم** (سورۃ آل عمران) کہ عالمی طور پر مسلمانوں کا باہمی اتحاد' ہمارے دکھوں کا مداوا' ہماری پریشانیوں کا علاج اور ہمارے مسائل کا حل متحد ہونے میں ہے۔ مسلمان اور تمام دینی مکاتب فکر کسی فقہ پر کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے اگر انہیں کوئی متفق و متحد کر سکتا ہے تو وہ قرآن پاک اور سنت رسول ہے اسلام کے ان دو سرچشموں پر ہمارا اتفاق و اتحاد ہو جائے تو چند سالوں میں مسلمان کی عظمت رفتہ واپس آسکتی ہے اس کی شوکت و ہیبت سے یورپ و امریکہ کے ایوانوں میں لرزا طاری ہو سکتا ہے۔

جو آج بھی ہو ابراہیم کا ایماں پیدا ۔۔۔ آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

حالات و واقعات اور مشاہدات ہمارے مسلک کی تائید فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں میں دیرپا اتفاق و اتحاد صرف کتاب و سنت کی وجہ سے ہی وقوع پذیر ہو سکتا ہے اور کتاب و سنت کی برکت سے ہی اسے عملی جامہ پہنچایا جا سکتا ہے۔

اسلام کے خلاف پہلی سازش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ اول بنے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدنا فاروق اعظمؓ کو خلیفہ ثانی بنایا گیا اور انہیں خلعت خلافت پہنائی گئی۔ فاروق اعظمؓ کے سنہری دور خلافت میں ایشیا اور افریقہ کے وسیع علاقوں تک اسلامی قلمرو کی حدیں پھیل گئیں۔ مصر' فلسطین' شام' عراق اور ایران خلافت فاروقی کے زمانے میں فتح ہوئے۔ ایران کے مجوسی بڑے شخصیت پرست مشرک تھے۔ آل ساسان کے حکمرانوں کو وہ خدائی کا درجہ دیئے ہوئے تھے۔ رستم اسفند یار کی قیادت میں ایران کی لاکھوں افراد پر مشتمل افواج نے ہاتھیوں سمیت کبھی عراق عرب میں' کبھی عراق عجم میں اور کبھی ایران اور فارس کے دوسرے علاقوں میں مسلمانوں

سے شدید پنجہ آزمائی کی جنگ سلاسل' جنگ قادسیہ اور معرکہ نہاوند ایرانی لشکروں کے شدید قوت کے مظاہرے تھے۔ لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعینؒ کی ایمانی قوت کے سامنے وہ ٹک نہ سکے اور شکست و ہزیمت پر مجبور ہوگئے۔ ان کا ٹڈی دل لشکر آہن پوش ایرانی مسلمانوں کی جرات ایمانی کی تاب نہ لا سکے۔ حتیٰ کہ نہروں اور دریاؤں کے پل جلا دیئے گئے اور تمام لشکر ایرانی پایہ سلطنت مدائن میں منتقل کر دیا گیا۔ مدائن دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر تھا۔ ایرانی اپنی تمام کشتیاں ہمراہ لے گئے۔ دریا اپنی پوری طغیانی میں بہہ رہا تھا اس کی سرکش موجیں بڑی ہیبت ناک تھیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حالات کا جائزہ لے کر یہ دعا فرمائی۔ اے الہ العالمین! اگر تو موسیٰ علیہ السلام کی بے وفا قوم کے لئے دریائے نیل کو بارہ جرنیلی سڑکوں میں بدل سکتا ہے تو آج حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادر امت کیلئے اسی منظر کا اعادہ کر دے۔ پھر آپؓ نے گھوڑ سواروں کو دریا میں گھوڑے ڈالنے کا حکم دیا جس دریا کی سرکش لہروں میں کشتیاں ڈوب جایا کرتی تھیں آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہادر امت کے بہادر مجاہد اپنے گھوڑے اس میں ڈال چکے ہیں۔ گھوڑے طغیانی کی سرکش لہروں میں یوں خراماں چلے جا رہے تھے جیسے تازہ دم گھوڑا چٹیل میدان میں ناز نخرے سے چلتا ہے۔ ایرانیوں نے جب یہ خوفناک منظر دیکھا تو ان کی زبانوں سے بے ساختہ نکل گیا۔ دیوا آمد دیوا آمد۔ (البدایہ و النہایہ)

دشت تو دشت دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

اب ایرانی اور مجوسی اس بات کا یقین کر چکے تھے کہ میدان جنگ میں مسلمانوں کو شکست دینا ناممکنات میں سے ہے لہٰذا اب ان کی وحدت و مرکزیت کو سازش سے ختم کرنا چاہیئے تاکہ مسلمانوں کے مرکز کی کمزوری سے آل ساسان

اپنی سلطنت کی بازیابی کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا رعب و دبدبہ رومیوں اور ایرانیوں کے بچے بچے کے ذہنوں پر طاری کر دیا تھا اسی دوران حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ابو لولو فیروز نامی ایرانی غلام خریدا وہ پن چکی کا کام کرتا تھا اس نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ وہ مجھ سے زیادہ مزدوری لیتے ہیں۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے یومیہ آمدن پوچھی تو فرمایا یہ تو کوئی زیادہ نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا! مجھے بھی ایک پن چکی بنا دیجئے۔ اس نے کہا ایسی پن چکی بنا کر دوں گا جسے قیامت تک یاد رکھو گے۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ وہ مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے۔ تیسرے روز نماز فجر میں عین جماعت کی حالت میں اس نے زہر میں بجھے ہوئے خنجر سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر تین وار کئے۔ نمازیوں کی گرفت سے بچنے کے لئے وہ خودکشی کر کے واصل بہ جہنم ہو گیا۔

یہ تھی پہلی سازش جو خلیفہ ثانیؓ کے خلاف ایرانیوں نے کی (البدایہ والنہایہ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اللھم ارزقنی شھادۃ" فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک۔

رفقاء کہا کرتے تھے کہ اگر آپ شہادت کے اتنے متمنی ہیں تو محاذ جنگ پر چلے جائیں۔ مدینہ میں شہادت کہاں مل سکتی ہے وہی لوگ بعد میں بڑے تعجب سے کہا کرتے تھے اے عمرؓ! تو کتنا مستجاب الدعوات تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے شہادت دی۔ مدینہ رسول میں دی۔ مصلیٰ رسولؐ پر دی اور مسجد نبویؐ میں دی (البدایہ والنھایہ)

آج کی زبان میں اسے اسلام کا سب سے پہلا سیاسی قتل بھی کہہ سکتے

ہیں۔

دوسری خوفناک سازش

یہود و مجوس کو جب اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب میدان جنگ میں مسلمانوں کو شکست دینا ناممکن ہے لہٰذا اب مسلمانوں میں ذہنی خلفشار اور اعتقادی انتشار پیدا کیا جائے ان کی مرکزیت کمزور کی جائے۔ فتنوں کو ایسی چابک دستی سے پھیلایا جائے کہ مسلمانوں میں اتحاد ختم ہو جائے' گروہ بندی پیدا ہو جائے اور مسلمان نوجوانوں کو پھانسنے کے لئے ایسے دام ہم رنگ زمین بچھایا جائے کہ جس سے مسلم نوجوان ہمارے آلہ کار بن سکیں اس فتنہ کا منبع و مرکز یمن کے ٹھگنے قد کا عبداللہ بن سبا یہودی تھا' نہایت ذہین و فطین اور زرخیز ذہن کا مالک تھا اس کی فتنہ خیزی اور فتنہ ریزی تاریخی طور پر مسلم تھی اس کا طریقہ واردات یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کے نوجوان بیٹوں کو یہ کہہ کر اکساتا تھا کہ تمہارے آباء و اجداد نے قربانیاں دیں' فلاں معرکہ سر کیا اور فلاں شہر فتح کیا وہ اس کا فاتح تھا اب خلافت کے در و بسط پر اموی خاندان کے چشم و چراغ چھائے ہوئے ہیں العیاذ باللہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خویش پرور اور خاندان نواز ہیں اور یہ سب کچھ مروان بن حکمؓ کروا رہا ہے' کوفہ' بصرہ اور فسطاط مصر کے نو آباد شہروں اور فوجی چھاؤنیوں میں اس فتنہ سامانی کو خوب اچھالا گیا اور ان تینوں شہروں کے مکینوں کو زبیر بن عوام' طلحہ بن عبیداللہ اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے نام پر الگ الگ مشتعل کیا گیا۔ لطف یہ ہے کہ ان تینوں بزرگوں کو اس فتنہ سامانی کی کوئی خبر نہ تھی خطوط پر ان کے ناموں سے مہریں لگا لگا کر ان شہروں کو الگ الگ ھدایات بھیجی گئیں ان سے روابط اور مراسم قائم کئے گئے اور زیر زمین رہ کر ان شہروں کے رہنے والوں میں اس فتنہ کو خوب ہوا دی گئی۔ القصہ۔ ایک خانہ ساز بہانہ بنا کر ان تین شہروں کے شورش پسندوں اور بلوائیوں نے

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے گھر کا گھراؤ کر لیا اور مطالبہ کیا کہ مروان بن حکم کو ہمارے حوالے کر دو یا خلافت سے مستعفی ہو جاؤ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے غلط مطالبات کو ٹھکرا دیا۔ نتیجتہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پانی بند کر دیا اور انہیں نمکین پانی استعمال کرنے پر مجبور کر دیا اور ان کو مسجد نبویؐ میں نماز ادا کرنے سے روک دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بالکونی میں کھڑے ہو کر بلوائیوں سے کہا کہ کسی مسلمان کا قتل تین وجوہ کی بناء پر جائز ہو سکتا ہے۔ (۱) وہ مرتد ہو جائے (۲) وہ قتل عمد کا ارتکاب کر بیٹھے اور قصاصاً اسے قتل کیا جائے (۳) وہ شادی شدہ ہو کر زنا کا ارتکاب کرے اور اس پر چار شرعی گواہ زنا کی شہادت دیں۔ یاد رکھو جب سے اللہ پاک نے مجھے حلقہ بگوش اسلام بنایا ہے ارتداد تو کیا میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا میں آج تک کسی قتل عمد کا مرتکب نہیں ہوا' اھل جاہلیت میں بھی مجھے اللہ تعالیٰ نے زنا سے محفوظ رکھا چہ جائیکہ اسلام لانے کے بعد میں یہ گناہ کروں' اب اگر تم مجھے قتل کرو گے تو میں مظلوم ہوں گا اور تم ظالم ہوں گے۔ انصار صحابہ کرامؓ کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے پیشکش فرمائی اگر آپ اجازت دیں تو ہم ان کے پرخچے اڑا دیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شام سے پیغام بھیجا اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط و قوی فوجی دستہ بھیج دوں جو ان بلوائیوں کے بخیے ادھیڑ کر کے رکھ دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو باوجود منع کرنے کے ان کی حفاظت کیلئے بھیج دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک ہی جواب تھا کہ میں اپنے ذاتی تحفظ کے لئے مسلمانوں میں خونریزی قطعاً پسند نہیں کرتا۔ مسجد نبویؐ میں تین دن ایسے بھی آئے کہ نہ نماز کی اذان کہی گئی اور نہ ہی جماعت کرائی گئی۔ ادھر سے مدینہ کے حجاج کی واپسی جلد ہونے والی تھی۔ اس لئے بلوائیوں نے حاجیوں کی آمد سے پہلے پہلے ذوالحجہ کے آخر میں امام عثمانؓ" مظلوم کائنات' ذوالنورین' کامل الحیاء والایمان'

عشرہ مبشرہ میں سے ایک، داماد رسول، خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جمعتہ المبارک کے روز نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن پاک کرتے ہوئے شہید کر دیا۔ حضرت نائلہؓ کی انگلی کٹ گئی۔ قرآن پاک اور آپ کا قمیص خون آلود ہو گیا اس خبر وحشت اثر سے عالم اسلام دم بخود رہ گیا۔ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ اور زبیر بن عوامؓ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ چلے گئے۔ بلوائیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت خلافت کی درخواست کی انہوں نے ان کی پیشکش کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ ایک خلیفہ کو قتل کرتے ہو اور دوسرے کو بیعت کیلئے مجبور کرتے ہو۔ بلوائیوں نے تلواریں سونت لیں اور حالات سنگین سے سنگین تر ہوگئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے واشگاف کہا گیا یا تو خلافت کی بیعت لے لو ورنہ ہم تمہیں بھی قتل کر دیں گے۔ حالات کی نزاکت اور وقت کی سنگینی کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے مصلحتاً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین دن کیلئے بایں وعدہ خلافت منظور کی کہ تین دن تک مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے حاجی آجائیں گے ان میں سے اکثر ارباب حل و عقد ہیں وہ جو فیصلہ صادر فرمائیں گے وہی قبول ہو گا یعنی انہیں پورا اختیار ہو گا کہ وہ مجھے خلیفہ برقرار رکھیں یا وہ کسی نئی شخصیت کو منتخب فرمائیں لیکن ہائے افسوس لحظہ بہ لحظہ روز بروز حالات نازک تر ہوتے چلے گئے اور ارباب مدینہ کی روایت قائم نہ رہ سکی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو احتجاجاً خلافت قبول کرنا پڑی۔ تاریخ اسلام اور عہد صحابہؓ میں یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا جس سے اسلام اور مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا (البدایہ والنہایہ الکامل ابن الاثیر)

دو خونریز جنگیں

اس بلوے کے نتیجہ میں عالم اسلام میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ پہنچے اور

امام مظلوم کی مظلومانہ شہادت کی تفصیلات بیان کیں تو مکہ مکرمہ میں کہرام مچ گیا۔ صدیقہ کائنات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ لوگو! اس وقت تختہ زمین پر اور بوڑھے آسمان کی چھت کے نیچے سب سے افضل' سب سے اعلیٰ' سب سے صالح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی تھی' ان کے سانحہ شہادت سے برائی غالب آگئی ہے اور شر کا دور دورہ شروع ہوگیا ہے۔ اگر برائی کی بیخ کنی نہ کی گئی تو مستقبل میں نتائج اور بھی زیادہ خوفناک ہو جائیں گے اس لئے برائی کے خلاف جہاد کیلئے اٹھو! چنانچہ طے یہ ہوا کہ ہم سیدھے عراق جائیں وہاں بصرہ و کوفہ کی فوجی چھاؤنیاں ہیں وہاں سے مدد لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں اور بلوائیوں کا قلع قمع کیا جائے۔ چنانچہ حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ' حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم عراق کی طرف روانہ ہوئیں اور مسلح نوجوانوں کا ایک جم غفیر بھی ان کے ہمراہ ہوگیا۔ ادھر بلوائیوں نے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں نے پوری طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھیراؤ رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے نجات پانے اور حالات کو صحیح ڈھب پر لانے کی غرض سے عراق جانے کا پروگرام بنا لیا تاکہ ام المومنینؓ' حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور دیگر اکابر صحابہؓ سے ملاقات کر کے حالات کی درستگی کا کوئی جامع فارمولا تیار کیا جا سکے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یمین و یسار حضرت عثمان رضی اللہ کے قاتل اور بلوائی تھے چونکہ عراق مدینہ کے قریب تھا اس لئے یہ مکی قافلہ سے پہلے وہاں پہنچ گئے طرفین میں حالات کی اصلاح کیلئے مذاکرات شروع ہوئے۔ طے یہ پایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو قرار واقعی سزا دی جائے کیونکہ سارا فتنہ و فساد انہی کا پیدا کردہ ہے نماز فجر کے بعد مسودہ مرتب ہونا تھا اور فریقین کے اس پر دستخط ہونے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں اور بلوائیوں کو اس خبر کی بھنک پڑ گئی انہوں نے سمجھا کہ کل قصاص و انتقام کی چکی ہم پر چلے گی اور ہم

اس میں پس جائیں گے لہٰذا طلوع فجر سے قبل فریقین میں جنگ شروع کرا دی جائے تاکہ ہم اس فیصلہ کی زد سے بچ سکیں۔ بلوائیوں نے سازش کر کے دونوں طرف ہتھیار تیز کرنا شروع کروا دیئے اور فریقین کو یہ بتانا شروع کیا کہ اگر فجر کے بعد مصالحت و مفاہمت کا اعلان ہونا تھا تو پھر یہ ہتھیاروں کو تیز کیوں کیا جا رہا ہے؟ بلکہ دونوں طرف سے ایک دوسرے پر تیر پھینکے گئے اور دونوں فریقوں کو مشتعل کرنے کے لئے یہ کہا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی ہمارے اوپر تیر برسا رہے ہیں اور ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ اور ان کے ساتھی ہم پر تیر پھینک رہے ہیں اور ہمارے ساتھیوں کو زخمی کر رہے ہیں۔ القصہ۔ انہوں نے ایسی گہری سازش کی کہ فریقین کے اکابر کو پتہ ہی نہ چل سکا کہ رات کی تاریکی میں گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اونٹ پر بیٹھ کر اس کی قیادت کی تھی اس لئے یہ لڑائی جنگ جمل کے نام سے مشہور ہوگئی۔ اس جنگ میں بلوائیوں کی چابک دستی سے صحابہ کرامؓ اور تابعین کا قتل عام ہوا اور ان کی سازش نے ایسی سنگین صورت اختیار کر لی کہ کوئی سوچ بھی نہ سکا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے؟ اس سازش سے بلوائی اور قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ بال بال بچ گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گھیراؤ پہلے سے بھی زیادہ کر دیا گیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت کا مطالبہ کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جواباً لکھا کہ پہلے آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لیں پھر میں بیعت کروں گا' یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل آپ کے یمین و یسار ہوں اور میں آپ کی بیعت کر لوں؟ حضرت علیؓ نے کہا پہلے بیعت کرو پھر ان سے قصاص لیا جائے گا ان دونوں بزرگوں کی پہل ہی متصادم ہوگئی نتیجتہ" ایک دوسری خوفناک جنگ کا منظر قائم ہوگیا' عراقی اور شامی فوجیں صفین کے مقام پر

اکٹھی ہو گئیں اور گھمسان کا رن پڑا جنگ میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ شامی فوجوں کی کمزوری نمایاں ہونا شروع ہو گئی اور حضرت معاویہ' حضرت عمرو بن العاص' حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اور زیاد بن ابی' عرب سیاست کے یہ چار ستون یکجا اور اکٹھے تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ حضرت علیؓ کے ہمراہیوں میں اکثریت بھان متی کے کنبہ کی ہے۔ **تحسبهم جميعا و قلوبهم شتى** کے وہ آئینہ دار ہیں لہٰذا کوئی ایسی سکیم بروئے کار لائی جائے جس سے ان کی صفوں میں انتشار پیدا ہو سکے۔ چنانچہ شامی فوجوں نے قرآن نیزوں پر باندھ کر یہ کہنا شروع کیا۔ **كتاب الله حكم بيننا وبينكم** کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے اور تمہارے درمیان ثالث ہے ہم قرآن کے مطابق بتائے ہوئے فیصلہ پر عمل کر کے قتل و غارت اور خونریزی سے بچ جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی اکثریت نے تلواریں میانوں میں کر لیں اور نیزے نیچے کر لئے اور قرآن کی تحکیم کی حمایت کا اعلان کر دیا حضرت علیؓ نے بھتیرا کہا کہ یہ تمہاری فتح کو شکست میں بدلنے کی ایک تدبیر ہے بعد ازاں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ فریقین کے ثالث مقرر ہوئے ابھی وہ کسی نتیجہ پر پہنچے نہیں پائے تھے کہ امام بیہقیؒ کی روایت کے مطابق جو مروجہ فیصلہ بعض کتابوں میں درج ہے اور زبان زد عام ہے اس کو بلوائیوں اور حضرت عثمانؓ کے قاتلوں نے مشہور کر دیا حالانکہ ابھی تک حکمین نے کوئی فیصلہ نہیں سنایا تھا اس باب میں امت مسلمہ کے اکثر گروہ افراط و تفریط کی نذر ہو گئے بعض مصنفین کی زبان درازی سے صحابہؓ کی عظمت مجروح ہو گئی لیکن اہلحدیث نہ افراط کے حامی ہیں نہ تفریط کے موید بلکہ ان کا موقف اعتدال و توازن پر مبنی ہے ان کا موقف وہی ہے جو صحابہؓ اور محدثینؒ کا ہے۔ اہلحدیث اسی موقف کی تائید کرتے ہیں جسے ثقہ مورخین نے پیش کیا ہے ثقہ مورخین کے تجزیئے اعتدال اور توازن پر مبنی ہیں افراط و تفریط نہایت سطحی اور یونہی سا موقف ہے جسے اھل علم' معتدل دانشور' ثقہ مورخین

اور محدثین کرام صحیح تسلیم نہیں کرتے۔

سب سے پہلا فتنہ

زبان زد عام فیصلہ تحکیم کو جب حضرت علیؓ اور ان کے ہمراہیوں نے نہ مانا تو حضرت علیؓ کے ہمراہیوں میں سے ہزاروں لوگ الگ ہوگئے اور انہوں نے خروج کی راہ اختیار کی اور حضرت علیؓ کے بارہ میں کہا کہ انہوں نے تحکیم قرآن کا انکار کیا ہے لہٰذا العیاذ باللہ وہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ تاریخ کی زبان میں انہیں خوارج کہا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا کہ وہ پورے تقویٰ کے ہوتے ہوئے بھی دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ خوارج نے مسلمانوں پر بڑے ظلم و ستم ڈھائے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے انہیں سمجھانے اور واپس لانے کی کوشش کی تھوڑے سے خارجی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ساتھ واپس آگئے اکثر اپنی ضد پر قائم رہے۔ اسی کے نتیجہ میں جنگ نہروان برپا ہوئی۔ حضرت علیؓ کی فوج کے ہاتھوں خوارجیوں کی بہت بڑی تعداد قتل ہوئی۔ خارجی وہ پہلا گروہ ہے جس نے اسلام سے خروج کیا اور اپنی غلط فہمی سے ایک ایسا عقیدہ گھڑا جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے ردعمل میں متعصب شیعوں کا ایک گروہ پیدا ہوگیا۔ عبداللہ بن سبا کی تلقین سے اس نے حضرت علیؓ کی الوھیت کا عقیدہ گھڑا علی علی یا علی وہاں سے شروع ہوا یہ سبائی عقیدہ ہے جس نے سب سے پہلے اسلام میں شرک کی رخنہ اندازی کی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تبع تابعینؒ اور محدثین عظامؒ نے ہمیشہ اپنا دامن افراط و تفریط سے بچا کر رکھا اعتدال اور توازن کی راہ اختیار کی۔ شیعہ اور خارجی دونوں افراط و تفریط کے حامی تھے اور حامی ہیں ان کے بارے میں اہلحدیث کا موقف وہی ہے جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔ اہلحدیث ان کے بارہ میں وہی نقطہ نظر رکھتے ہیں جو تبع تابعینؒ اور محدثینؒ نے

پیش کیا۔ سبائیوں اور مجوسیوں کے پیدا کردہ یہ دو ایسے فتنے ہیں جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو شدید نقصان سے دوچار کیا۔ محدثین کے نزدیک یہ دونوں گروہ ضال اور مضل ہیں اسی بات کو "منہاج السنہ" میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے مفصل اور مدلل بیان کیا ہے۔ شیخ ابن العربی الاندلسی نے "العواصم من القواصم" میں شیعہ اور خوارج کے بارہ میں معتدل اور مدلل طریقہ سے اپنا موقف پیش کیا ہے۔ انہی سے ملتا جلتا نظریہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تحفہ اثنا عشریہ میں بیان کیا بحمد اللہ' اہلحدیث بھی محدثینؒ کرام اور عظیم اسلاف کے معتدل نقطہ نظر پر عمل پیرا ہیں۔ ہم شیعہ کو ضال اور مضل سمجھتے ہیں۔ کافر کافر شیعہ کافر کی رٹ لگانے والے بعض سیاسی نوجوانوں کے نعروں سے ہمیں اختلاف ہے۔

پہلی صدی کا آخر

پہلی صدی میں خلافت راشدہ کے بعد حکومت خاندان بنی امیہ کے پاس منتقل ہوگئی۔ خلافت ملوکیت سے بدل گئی اگرچہ اموی' عباسی' فاطمی اور عثمانی خاندانوں کے ملوک و سلاطین اپنے کو خلیفہ ہی کہلاتے رہے۔ اسلامی قلمرو کی وسعتیں دور دور تک پھیل گئیں خلافت راشدہ کے اختتام تک شمالی افریقہ' وسط ایشیاء' مغربی ایشیا' ایران' افغانستان' ترکستان یہ تمام ممالک مسلمانوں کے زیر نگیں ہوگئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی اسلامی سلطنت کی وسعتوں میں بکھر گئے اگرچہ علمی طور پر مدینہ منورہ کی عظمت شان باقی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے راوی چونکہ صحابہ کرامؓ تھے کچھ صحابہ کرامؓ شہید ہوگئے' کچھ بوڑھے ہوگئے' کچھ دور دراز شہر اور ملکوں میں جا بسے تو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یونہی ضائع نہ ہو جائیں اگرچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا' حضرت عبداللہ بن عمرؓ' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ' حضرت عبداللہ بن عباسؓ' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ' حضرت ابو

سعید خدریؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور دیگر کثیر الروایات صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ ہی میں موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس خطرہ کو محسوس کر رہے تھے کہ اسلامی قلمرو کی وسعتوں میں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرامین بکھر نہ جائیں لیکن سب سے زیادہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس علمی اور دینی ضیاع کا خطرہ محسوس کیا اور کبار تابعینؒ کو حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اکٹھا کیا جائے ادھر خلافت نما ملوکیت کی وجہ سے آئے روز اسلامی قانون سازی میں ضعف اور اضمحلال شروع ہوگیا' ادھر شیعہ اور خوارج کا فتنہ بھی عالم اسلام میں پھیلنا شروع ہوگیا اندریں حالات حدیث کی جمع و تدوین کا احساس پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گیا' فقہاء اربعہ اگرچہ پہلی صدی کے اواخر میں پیدا ہو چکے تھے لیکن ان کے علمی شباب کا دور دوسری صدی کے اوائل سے شروع ہوا۔ دوسری صدی میں تین فتنے بڑی خوفناک صورت اختیار کر گئے۔ (۱) فتنہ خلق قرآن۔ (۲) فتنہ طلاق بالجبر۔ (۳) فتنہ عداوت اہل بیت۔ ۱۳۲ھ میں عباسیوں کی زیر زمین تحریک کامیاب ہوگئی' خلافت بنی امیہ سے چھن گئی اور بنو عباس میں منتقل ہوگئی۔ پہلا عباسی خلیفہ عبداللہ السفاح بنا یہ عبداللہ بن عباسؓ کا پوتا تھا اس نے قتل و خونریزی' سنگدلی اور سفاکی میں نیا ریکارڈ قائم کیا۔ بنو امیہ کا بچہ بچہ مار ڈالا' صرف عبدالرحمٰن اموی بچا جو اندلس بھاگ گیا اور عبدالرحمٰن الداخل کے نام سے مشہور ہوا' اس کی اولاد نے اندلس پر کئی سو سال حکمرانی کی۔ دوسرا عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور تھا۔ جس نے بغداد شہر بسایا اگرچہ وہ عالم فاضل انسان تھا لیکن اقتدار کے نشے نے اسے جادۂ مستقیم پر چلنے نہیں دیا۔ اسی کے زمانہ میں ابو جعفر عباسی نام کا مدینہ کا گورنر تھا' یہ شرابی اور زانی تھا مدینہ کے لوگ سلیم الفطرت صالح طبیعت اور دینی مزاج رکھنے والے تھے وہ گورنر کی ان ناشائستہ حرکات پر سراپا احتجاج بن گئے بعض سرکاری اور درباری مولویوں نے اسے یہ نکتہ سمجھایا کہ اگر حکمران کسی

عورت کو پسند کر لیتا ہے تو وہ جس عورت کو چاہے جبراً اس کے خاوند سے طلاق لے کر اسے اپنی بیوی بنا سکتا ہے۔ لیکن زنا کی یہ ترقی یافتہ شکل مدینہ والوں کے لئے ناقابل برداشت تھی اور اسی قسم کے سرکاری مولویوں کے فتاویٰ کو اہالیان مدینہ پرکاہ کی حیثیت دینے کیلئے بھی تیار نہ ہوئے کیونکہ وہ فتویٰ صرف امام دارالھجرۃ امام مسجد نبوی مالک بن انسؒ کا مانتے تھے' امام مالکؒ کی عظمت مدینہ کے لوگوں کے ذہن میں جاگزیں تھی چنانچہ زنا کو جائز کرنے کے لئے اس نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ سے فتویٰ پر دستخط کرانے چاہے' جب یہ فتویٰ امام مالکؒ کے سامنے رکھا گیا تو انہوں نے اس پر دستخط کرنے سے انکار فرما دیا اور کھلے لفظوں میں کہا کہ طلاق المکرہ لیس بجائز کہ جبرو تشدد کی طلاق ہرگز ہرگز طلاق نہیں ہوتی بلکہ زنا کی یہ ایک نئی شکل ہے۔ سرکاری نمائندہ نے دھمکی کے انداز میں کہا کہ امام صاحب اپنی عظمت کا احساس کریں اور دستخط فرما دیں وگرنہ اس کا ردعمل بھگتنے کے لئے تیار ہو جائیں امام صاحب نے فرمایا میں اس کے سرکاری ردعمل سے بے خبر نہیں ہوں لیکن وہ بات میں کیسے کہہ سکتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں' میں ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہوں لیکن میں پرچم حدیث کو کبھی سرنگوں ہونے نہیں دوں گا۔ چنانچہ امام صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی داڑھی مونڈ دی گئی' ان کا چہرہ سیاہ کر دیا گیا' ان کو پیٹنے کے لئے چار جلاد مقرر کئے گئے اور گدھے پر بٹھا کر شہر کے ہر کوچہ و بازار میں ان کی تذلیل و تشہیر کی گئی دو جلاد بڑی بے رحمی سے ان کو پیٹتے جب وہ تھک جاتے تو دوسرے دو تازہ دم آجاتے چوک میں پھر سرکاری آدمی یہ اعلان کرتا تھا یہ وہی مالک بن انس ہے جو مسجد نبویؐ کا امام تھا اس نے گورنمنٹ کی ہاں میں ہاں نہیں ملائی اسی کے نتیجہ میں ان کی یہ مار پیٹ ہو رہی ہے۔ حالانکہ مدینہ اور اس کے حوالی میں ان کا علمی دبدبہ اور دینی طنطنہ مسلم تھا۔ امام صاحب فرماتے ہیں تم نے اپنا اعلان کر لیا میرا اعلان بھی سن لیں فرماتے میرے ٹوٹے ہوئے بازو' سیاہ چہرہ'

مونڈھی ہوئی داڑھی یہ مار پیٹ اور تذلیل دیکھ کر جو مجھے نہ پہچان سکیں وہ سن لیں میں اپنا تعارف خود کرواتا ہوں ۔ من عرفنی فقد عرفنی۔ فمن لم یعرفنی فانا مالک بن انس۔ جو مجھے جانتا وہ جانتا ہے جو مجھے نہیں پہچانتا وہ جان لے میں مالک بن انس امام دارالہجرت اور امام مسجد نبویؐ ہوں اور ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ جبر کی طلاق ہرگز ہرگز جائز نہیں۔

یہ تھے اہلحدیث کے وہ مایہ ناز سپوت جس نے سب کچھ تج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی عظمت کی آبرو رکھی۔

عباسیوں اور علویوں نے مل کر امویوں کے خلاف زیر زمین تحریک چلائی انقلاب کی کامیابی کے بعد عباسیوں نے علویوں کو شریک اقتدار کرنے سے انکار کر دیا اور علماء و فقہاء اور محدثین پر کڑی نظر رکھی کہ کہیں وہ علویوں کی حمایت تو نہیں کرتے! امر واقع یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اہل بیت کا صاف انکار کر دیا' کچھ طبقوں نے اہل بیت کو ہمدوش ثریا کر دیا یہ دونوں نکتہ نظر اہلحدیث اور محدثین کے نکتہ نگاہ سے صحیح نہیں ہیں لیکن عباسی نشہ اقتدار سے بدمست ہو کر علماء اہلحدیث کو نشانہ ستم بناتے رہے امام محمد بن ادریس شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا موقف بھی معتدل' متوازن اور مدلل تھا۔ چنانچہ عباسیوں نے علویوں کی حمایت کی وجہ سے امام محمد بن ادریس الشافعیؒ کو گرفتار کر لیا جب امام شافعیؒ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کی گئی اور امام شافعیؒ پر تشدد کر کے حب اہل بیت سے روکنا چاہا تو امام صاحب کو جب نذر زنداں کیا گیا تو انہوں نے عدالت میں بیان دیتے

ہوئے کہا۔

ان کانؐ حب اہل البیت ترافضا" ۔ فلیشهد الثقلان انی رافضی

کہ اگر حب اہل بیت کا نام رافضیت ہے تو جن و انسان گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں حالانکہ حب آل بیت کوئی عیب کی بات نہیں بلکہ اہل بیت سے محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مترادف ہے۔ جیسا کہ قرآن گواہ

ہے۔ **ولا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی** (سورۃ شوریٰ)

اہلحدیث کے فرزند جلیل نے جیل جانا قبول کر لیا لیکن جادۂ اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

مہدی جو حضرت حسنؓ کی اولاد میں سے تھا اس نے ابو جعفرؒ کے خلاف خروج کیا مدینہ میں امام مالکؒ اور مکہ میں امام شافعیؒ نے کوفہ میں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کی حمایت کی اور اس کی اہمیت کو بیان کیا چنانچہ طلاق المکرہ' حب اہل بیت کے شاخسانے ان سے سیاسی انتقام لینے کے لئے بنائے گئے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کو بھی اس سیاسی عدم ہمنوائی کی سزا دینے کے لئے اچھوتا اور بالکل ہی نیا طریقہ نکالا گیا۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ کو بغداد میں بلایا گیا اور امام صاحب سے کہا گیا کہ تمہیں اسلامی سلطنت کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) بناتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا میں اس کا اہل نہیں انہوں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو امام صاحب نے کہا جھوٹا جج نہیں بن سکتا اس نے امام صاحب کو پس دیوار زنداں بھیج دیا۔ جیل میں نوک دار پتھریلی اینٹوں کی شماریات کا ان کو انچارج بنا دیا وہ ہاتھ جو کتابیں لکھتے تھے' مسائل لکھتے تھے بڑے نازک تھے اینٹیں شمار کرنے سے نہ صرف لہولہان ہوگئے بلکہ گوشت پوست سے محروم ہو کر ہڈیاں نکل آئیں امام صاحب کا جنازہ جیل سے اٹھا امام صاحب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے شیدائی تھے اور صاف فرماتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مل جائے تو میری بات چھوڑ دینا ایک جگہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلہ میں میری بات کو دیوار پر پھینک دینا لہٰذا ثابت ہوا کہ اعتقاداً اور عملاً امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بھی کارواں حدیث اور قافلہ عمل بالحدیث کے رکن تھے ان کے کسی قول سے تقلید کی تلقین ثابت نہیں ہے یہ تو یار لوگوں کی سینہ زوری ہے کہ ان کو مقلد ٹھہرا کر ان کی تقلید واجب قرار دی جاتی ہے۔(۱)

۱۔ یہ تمام تفصیلات البدایہ والنہایہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں

دوسرا باب

اعتقادی فتنے

پہلی صدی کے اختتام کے بعد سکندریہ (مصر) فلسطین اور شام کے مسیحیوں نے حالات کا بغور جائزہ لے کر مسلمانوں کے عقیدہ میں تزلزل ڈالنے اور بعض مسلمات کو مشکوک ٹھہرانے کی کوشش کی۔ اپنی فلسفیانہ کتابوں کا ترجمہ کر کے ان کو عالم اسلام میں پھیلایا اور ان کی مساعی کے نتیجہ میں جہمیہ' قدریہ اور معتزلہ کے فاسدانہ خیالات نے جنم لیا۔ عیسائی مبلغین نے یہ کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام کلمہ کن سے پیدا ہوئے ہیں کلمہ غیر مخلوق ہے' غیر مخلوق کے ذریعہ جو چیز معرض وجود میں آئے گی وہ بھی غیر مخلوق ہو گی' اللہ کی ذات گرامی غیر مخلوق ہے۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام بھی غیر مخلوق ہیں' اور مسیح علیہ السلام بھی آقانیم ثلاثہ میں سے دوسرے ہیں۔ معتزلہ نے یہاں پسپائی اختیار کی اور جواباً کہا کہ کلمہ مخلوق ہے مخلوق کے ذریعہ جو چیز تخلیق ہوگی وہ بھی مخلوق ہوگی' عیسی علیہ السلام کلمہ (مخلوق) کے ذریعہ پیدا ہوئے لہٰذا وہ مخلوق ہیں' مخلوق نہ تو خدا کا حصہ بن سکتی ہے اور نہ ہی آقانیم ثلاثہ میں شمار ہو سکتی ہے ان کا یہ جواب کتاب و سنت کی تعلیمات کے مخالف تھا کہ اگر قرآن کو مخلوق مانا جائے تو مخلوق پر موت طاری ہونا ضروری ہے بلکہ اہل حدیث (اہلسنّت) کے نزدیک صحیح موقف یہ ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ عباسی خلفاء اور ان کے سرکار و دربار میں معتزلی فکر رکھنے والے حضرات خاصا اثر و رسوخ حاصل کر چکے تھے اور خلفاء کو اپنی بد اعتقادی میں شریک و سہیم بنا چکے تھے۔ ہارون الرشید کے دوسرے بیٹے مامون الرشید خصوصی طور پر معتزلی اعتقاد کے علمبردار بن گئے اور پوری اسلامی سلطنت کے عمال کے نام اس مضمون کا سرکلر جاری کیا کہ سب علماء پر واضح کر دو کہ (نعوذ باللہ) قرآن اللہ کی مخلوق ہے

جو اسے نہ مانے اس کو جبر و تشدد کے شکنجے میں کس دو۔ عباسی خلیفہ کی اس جارحیت سے عالم اسلام کے مرکزی شہروں کے علماء پر سناٹا طاری ہوگیا' کوفہ' بصرہ' دمشق' حلب' حمص' انطاکیہ' بیت المقدس' فسطاط' صنعاء' حضر موت' مدینہ منورہ' مکہ مکرمہ ہر جگہ خاموشی طاری ہوگئی البتہ مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالعزیز کنانی نے پوری پامردی سے اس فتنہ عام کا مقابلہ کیا اور اہلحدیث کے صحیح موقف پر ڈٹے رہے انہیں جب موقع ملا انہوں نے فتنہ خلق قرآن کی تردید کی۔ بغداد چونکہ عباسی خلافت کا مرکز تھا وہاں سختی سب سے زیادہ تھی۔ بغداد کے چار علماء نے عباسی گورنمنٹ کے اس غلط اور کتاب و سنت کے منافی عقیدہ کی نہ صرف ہمنوائی نہیں کی' بلکہ اس کی تردید کی۔ چنانچہ ان چار علماء کرام کو گرفتار کر لیا گیا اور ان کو جیل کی تاریک کوٹھڑیوں میں بھیج دیا گیا۔ اتفاق ملاحظہ ہو ان میں ایک عالم نے معافی مانگ لی' ایک پہلی رات ہی فوت ہوگیا ایک نے اول فول باتیں کرنا شروع کیں گورنمنٹ نے اس کو دیوانہ سمجھ کر رہا کر دیا' صرف ایک عالم امام اہلسنّت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ باقی رہ گئے جنہیں تین خلافتوں نے خوب لتاڑا اور جبر و تشدد کی ان پر انتہاء کر دی۔ مامون الرشید اس وقت "رے" شہر میں تھا۔ جلادوں نے امام صاحب کا انگ انگ توڑ ڈالا' پورا جسم لہولہان کر دیا امام صاحب روزے سے تھے اور اپنے خون آلود کپڑوں میں بغداد کی جامع مسجد میں نماز ظہر پڑھی' سرکاری مولویوں نے دزدیدہ نگاہوں سے دیکھا اور کہا یہ خون آلود کپڑوں میں نماز پڑھ رہا ہے جبکہ ایسے کپڑوں میں نماز جائز نہیں۔ امام الہند مولانا ابولکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ کہاں یاد آئے (اللہ تعالیٰ ان پر اپنی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے) وہ "تذکرہ" میں لکھتے ہیں کہ راہ حق میں بہنے والا اگر یہ خون ناپاک ہے تو بتایا جائے کہ پھر مقدس خون کسے کہتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اس راہ عزیمت کے مسافر کے جسم سے بہنے والا یہ خون اس قدر اعلیٰ و بالا ہے کہ لاکھوں پاکیزگیاں اور کروڑوں طہارتیں اس پر قربان کی جا سکتی ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا

ایک جگہ جلاد مجھے پیٹ رہے تھے میری شلوار کا ازار بند ٹوٹ گیا۔ میں نے دل میں دعا کی۔ اے الہ العالمین! کتاب و سنت کی سربلندی کے لئے مجھ پر یہ تشدد کافی ہے ان ظالموں کے سامنے مجھے ننگا ہونے کی رسوائی سے بچا لے۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی اور میرا ازار بند ازخود جڑ گیا۔ پھر امام صاحب کے پاؤں میں بیڑیاں ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر کشتی میں سوار کر کے دریائے دجلہ میں ڈال دیا گیا انہیں مامون الرشید کے پاس رے شہر میں پہنچانے کا پروگرام بن گیا۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے بندھے ہاتھوں سے دعا کی کہ یااللہ مجھے موت آجائے میں اس ظالم کے سامنے پیش ہونے سے بچ جاؤں یا اسے موت آجائے میں اس بدبخت کو نہ دیکھ سکوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول کر لی۔ ہم تیسرے روز دریائے دجلہ میں کشتی پر سوار تھے کہ ایک سرکاری گھوڑ سوار نے یہ بتایا کہ کل مامون الرشید فوت ہوگیا ہے میں بغداد اطلاع دینے جا رہا ہوں۔ ہماری کشتی وہیں سے بغداد کی طرف موڑ دی گئی اور مجھے پھر بغداد کی جیل میں ڈال دیا گیا۔ (البدایہ والنہایہ) معتصم باللہ مامون الرشید کا دوسرا بھائی خلیفہ بنا اس نے جیل سے مجھے اپنے دربار میں بلایا اور مجھے کہا **یا احمد اشفق علیک کشفقتی علی ابنی احمد**۔ کہ احمد تم میری بات مان جاؤ اور قرآن کو مخلوق تسلیم کر لو۔ میں تم پر ایسے ہی شفقت کروں گا جیسے اپنے بیٹے احمد پر کرتا ہوں۔ تمہیں عباسی سلطنت کا شیخ الاسلام بنایا جا سکتا ہے۔ چیف جسٹس بھی بنا سکتا ہوں، وزارت عظمیٰ بھی پیش کر سکتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا کہ دنیوی پیشکشوں سے میرا ایمان اور ضمیر نہیں خریدا جا سکتا۔ میں منڈی کا مال نہیں ہوں یہ عہدے بڑی بات ہے "**ایتونی من کتاب اللہ** اور **من سنتہ رسول اللہ**" اگر آپ مجھے قائل کرنا چاہتے ہیں تو عہدوں کے لالچ سے میں ہرگز نہیں مانوں گا مجھے منانا ہے تو اللہ کی کتاب یا اللہ کے رسول کی سنت سے کوئی دلیل پیش کرو۔ اگر آپ اسلام کے ان دو سرچشموں سے کوئی دلیل پیش کر دیں تو میں آپ کا بے

دام غلام بننے پر فخر کروں گا۔ مامون کے بعد معتصم باللہ جبر و تشدد میں مامون سے بھی کئی قدم آگے بڑھ گیا۔ واثق باللہ نے بھی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی لیکن اللہ تعالٰی نے استقامت و عزیمت میں مجھے قائم رکھا۔ میرے پاؤں میں کوئی لغزش یا لرزش پیدا نہیں ہوئی امام صاحب کے بیٹے حضرت عبداللہ جو خود ایک بہت بڑے محدث ہیں بیان کرتے ہیں کہ ایک روز تہجد کے وقت امام صاحب رحمہ اللہ ابا الھیثم' رحم اللہ ابا الھیثم دعا کرنا شروع ہوئے میرے جی میں آیا یا تو کسی محترم استاد کی شفقتیں یاد آرہی ہیں جن کے لئے یہ دعا ہو رہی ہے یا مخلص خدمتگار کوئی شاگرد یاد آرہا ہے جو اس مبارک وقت میں دعا کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ ابا جی! کس خوش قسمت انسان کیلئے آپ ایسے وقت میں دعا فرما رہے ہیں؟ آپ نے جواباً فرمایا۔ بغداد کے مشہور ڈاکو ابوا لھیثم کیلئے۔ ڈاکو کا نام سن کر میں مجسمہ حیرت بن گیا۔ فرمانے لگے' حیرت و استعجاب کی کوئی وجہ نہیں بات اصل میں یہ ہے کہ ایک دن میں اس سوچ و بچار میں مستغرق تھا کہ عالم اسلام کے تمام علماء خاموش ہیں' کہیں مجھے ہی غلطی نہ لگ گئی ہو اسی کشمکش میں بیٹھا تھا کہ ایک کڑیل نوجوان جس کے دونوں بازوں مونڈھوں سے کٹے ہوئے تھے مجھے کہنے لگا جانتے ہو۔ میں کون ہوں۔ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا میں بغداد کا مشہور ابوا لھیثم نامی ڈاکو ہوں۔ متعدد بار جیل میں آچکا ہوں یہ بھی جانتا ہوں کہ ڈاکہ نہایت گندہ پیشہ ہے' ہمارے خوف کی وجہ سے لوگ ہماری عزت کرتے ہیں لیکن مجھے جب جیل سے رہائی ملتی ہے تو فوراً ڈاکہ ڈالتا یا ڈلواتا ہوں میں نے واضح طور پر حکومت سے کہہ دیا ہے کہ تم جتنا مرضی زور لگا لو جب تک جسم میں جان باقی ہے میں ڈاکے سے باز نہیں آسکتا آپ راہ حق کے مسافر' عزیمت کے علمبردار' راست بازی اور حق گوئی کے پرچارک ہیں آپ کا موقف صحیح اور آپ کی دعوت سچی ہے' گورنمنٹ کے تشدد سے کہیں گھبرا نہ جانا استقامت و عزیمت کا دامن تھام کر رکھنا آپ کو مٹانے والے مٹ جائیں گے

آپ ہمیشہ زندہ اور باقی رہیں گے۔ ڈاکو چلا گیا لیکن میرے پاؤں میں استقامت کی میخیں گاڑ گیا ممکن ہے اگر ابوالہیشم میرے پاس نہ آتا تو میں اپنے موقف میں کہیں تبدیلی کر لیتا یا معافی مانگ کر رہائی حاصل کر لیتا میں سمجھتا ہوں ابوالہیشم میرا محسن تھا' محسنوں کے لئے مبارک اوقات میں خلوص سے دعا کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں۔ اندازہ فرمائیں کہ فکر اہلحدیث کے اس علم بردار نے ایثار و قربانی' استقامت و عزیمت کی وہ روایت قائم کی جس کی مثالیں تاریخ میں بہت کم ہیں۔ (البدایہ والنھایہ)

تیسرا باب

دوسری صدی ہجری

دوسری صدی ہجری میں حکومت و اقتدار امویوں سے عباسیوں کے پاس منتقل ہو گیا۔ جیسے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو دیر ہوتی چلی گئی ویسے ویسے دینی طور پر گرفت بھی ڈھیلی ہوتی گئی۔ خصوصاً خلفائے راشدینؓ کے بعد مسند حکومت پر ملوک و سلاطین کا قبضہ ہو گیا۔ جو دل کو خوش رکھنے کے لئے اپنے کو خلفاء بھی کہلاتے تھے۔ جبکہ خلافت موروثی نہیں ہوتی۔ اور ملوکیت کا دارومدار خاندانی وراثت پر ہوتا ہے۔ ملوک و سلاطین کے عہد میں قانون سازی کا وہ طریق کار باقی نہ رہا جو حضور اکرمؐ نے شروع فرمایا تھا۔ اور جس پر خلفاء راشدینؓ اپنے عہد میں عمل کرتے رہے تھے۔ اس طریق کار میں مرکز کے پاس علماء کی بہت بڑی تعداد قانون سازی کا کام کیا کرتی تھی۔ اور یوں دین میں کسی تبدیلی کا اندیشہ نہ تھا۔ لیکن ملوک و سلاطین کے دور میں جب یہ طریق کار قائم نہ رہا تو دین میں تبدیلی کے آثار بلکہ خطرات پیدا ہو گئے۔ اس تبدیلی کا دوسرا نام تقلید ہے۔ کیونکہ کسی ایک دور کے علماء کسی مسئلہ میں غلطی کریں تو بعد میں آنے والے ان کی تقلید شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے اصل دین مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی خطرہ کو سب سے پہلے دوسری صدی کے علماء نے محسوس کر لیا تھا۔ اس لئے دوسری صدی ہجری میں دین کو محفوظ رکھنے کے لئے علماء ربانی نے اپنی مساعی کا آغاز کر دیا۔ اور دین کی حفاظت کی طرح ڈالی۔ اور ایسا طریق کار اختیار کیا کہ دین میں کوئی رخنہ اندازی نہ کر سکے۔ دین کے دونوں سرچشمے اور مصادر کی حفاظت و صیانت کا بندوبست کیا۔ تیسری صدی ہجری میں علماء ربانی کی مساعی کے نتائج سامنے آنا شروع ہو گئے۔

چوتھی صدی میں امت میں جب تقلید نے راہ پانی شروع کی تو علماء ربانی نے اپنے کام کی رفتار میں اور تیزی کر دی۔

محدثین کی خدمات

چنانچہ اس سلسلہ میں محدثین کی خدمات قابل صد احترام ہیں اور دینی و اسلامی تاریخ میں محدثینؒ کے کارنامے سنہری حروف میں لکھے جائیں گے۔ محدثین کرامؒ نے اپنی شب و روز کی محنت اور کدوکاوش سے ایسی کتابیں تصنیف کیں جن کے ذریعے آج تک دین محفوظ ہے۔ دین گفتہ خدا اور گفتہ رسولؐ کا نام ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث عالم اسلام میں بکھری ہوئی تھیں۔ محدثین نے اپنی شبانہ روز محنت سے ان کو اکٹھا کیا۔ مختلف ناموں سے ان کے مجموع مدون کئے۔ محدثینؒ نے مختلف طریقوں سے دین کی حفاظت میں اپنی ذمہ داریاں اور فرائض خوش اسلوبی سے ادا کئے۔

محدثین کرام کے عملی نتائج تیسری صدی ہجری میں سامنے آئے۔

دین کی حفاظت کے مختلف طرق

محدثینؒ کرام نے دین کی حفاظت کے سلسلہ میں مختلف طریقے اختیار کئے اور اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں نہایت عمدہ طریقہ سے ادا کیں۔ محدثینؒ نے دین کی حفاظت و صیانت اور تبلیغ و اشاعت میں جو طریقے اختیار کئے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) پہلا طریقہ یہ تھا کہ رسول اللہؐ کی سنت کو کتابوں میں محفوظ کیا۔ اور سب سے پہلے یہ کام حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ متوفی ۱۷۹ھ نے انجام دیا۔ چنانچہ آپ نے اپنے شاگردوں کو ایک مجموعہ حدیث لکھوایا اور اس کا نام موطا رکھا۔ موطا کا معنی ایسا راستہ جس پر لوگ چل رہے ہوں۔ وہ راستہ لوگوں نے اپنے پاؤں سے روندا ہو۔ اس سے مراد امام مالک کی وہ سنت رسولؐ ہے جس پر صحابہؓ و

تابعینؒ کی جماعت عمل کر رہی تھی۔ یعنی ایسی شاہراہ اعظم جس پر صحابہؓ تابعینؒ و تبع تابعینؒ نے بالعموم مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے باشندوں نے خصوصی طور پر عمل کیا ہو۔

اس لئے امام مالک کی اس کتاب کو حدیث کی دوسری کتابوں میں اول درجہ دیا گیا ہے۔ کیونکہ امام مالکؒ کی زندگی میں مدینہ منورہ میں صحابہؓ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ موجود تھے۔ اور بیرونی ممالک کے علماء مدینہ کے لوگوں سے آ آ کر استفادہ کیا کرتے تھے۔

تعامل اہل مدینہ کا مقام

مدینہ میں رہنے والوں کا دینی طور پر کیا مقام تھا۔ اس کا اندازہ اس سے فرمائیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسی سنت کی شیدائی شخصیت کوفہ میں رہائش پذیر تھی۔ وہ لوگوں کو جو فتوے دیتے پھر ان کی تصدیق مدینہ میں جا کر وہاں کے علماء سے دریافت کرتے۔ اور اگر اہل مدینہ کا تعامل ان کے خلاف ہوتا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں واپس جا کر اعلان کرا دیتے کہ بھائی میں نے ان فتوؤں سے رجوع کر لیا ہے۔ اب ان کی بجائے ان پر عمل ہونا چاہئے۔ (المدارک۔ جلد اول۔ ص ۶۲)

اسی صفحہ پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا واقعہ بھی مذکور ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ اہل مدینہ کو لکھا کرتے تھے کہ تمہارے پاس جو حدیثیں ہیں وہ لکھ کر مجھے بھیجو تاکہ میں اس کے مطابق فتویٰ دے سکوں۔ (المدارک)

امام محمد اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہما متوفی ۲۰۴ ہجری فرمایا کرتے تھے **اما اصول اهل المدينه فليس فيها حيلته من صحتها** (المدارج) کہ اہل مدینہ کے اصول دین میں کوئی حیلہ اور بہانہ صحیح بات سے پھرنے والا نہیں ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ **كل حديث ليس له اصل بالمدينته ففيه ضعف**

(المدارک) جس حدیث کی اصل مدینہ میں نہ ہو اس میں کسی قسم کا ضعف ضرور ہوگا۔ اس کی وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو قرار دیا کرتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ منبر رسولؐ پر اکثریہ اعلان فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایسی حدیث بیان کرے جس پر اہل مدینہ کا عمل نہیں ہے اس کو قبول نہ کرو۔ (اعلام الموقعین جلد ۳ ص ۲۲۔ تاریخ بغداد۔ جلد ۱۳۔ ص ۳)

امام ابن حزمؒ

اسی طرح امام محمد بن ابوبکر بن حزمؒ جو قاضی تھے جب کوئی فیصلہ صادر فرماتے ان کا بھائی عبداللہ اعتراض فرماتے کہ یہ مسئلہ فلاں حدیث کے خلاف ہے تو ابن حزم جواب میں فرماتے کہ جس مسئلہ پر علمائے مدینہ کا اجماع ہو چکا ہے۔ اس کے خلاف کوئی حدیث قبول نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کہ علماء مدینہ کبھی حدیث رسولؐ کے خلاف اجماع نہیں کرتے۔ (تاریخ بغداد) امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ فرمایا کرتے تھے کہ **السنته المتقدمته من سنته اهل المدینته خیر من الحدیث** (المدارج) کہ جو طریقہ اہل مدینہ سے سابقہ دور میں گزر چکا ہے وہ اس لئے حدیث سے بہتر ہے کہ اہل مدینہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے شیدائی اور پابند تھے۔ گویا حدیث کی صحت ضعف پہچاننے کے لئے تعامل اہل مدینہ ایک پیمانہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

قاضی عیاضؒ

قاضی عیاضؒ نے جو مالکی مسلک رکھتے تھے ایک تفصیلی بحث میں فرمایا کہ امام مالکؒ کا مسلک اھل مدینہ کا مسلک ہے۔ اور اس کی مخالفت وہی لوگ کرتے ہیں جو جاہل ہیں یا انہوں نے تعصب سے امام مالکؒ کی طرف غلط باتیں منسوب کی ہیں۔ یا وہ غیر محقق ہیں۔ ورنہ کوئی محقق امام مالکؒ کے مسلک کی مخالفت نہیں کرتا۔ (تاریخ بغداد)

امام ابن تیمیہؒ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ حرانیؒ متوفی ۷۲۸ھ نے ایک جگہ فرمایا کہ اہل مدینہ کے اجماع سے دو قسم کی باتیں ہم تک پہنچی ہیں۔ ایک وہ جو موطا میں مذکور ہیں۔ دوسری وہ جو صحابہؓ اور تابعین کے عمل سے ہم تک پہنچی ہیں۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ۔ المدارک)

امام ابویوسفؒ

امام ابو حنیفہؒ کے تلمیذ خاص امام ابویوسفؒ جب مدینہ تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنے سابقہ مسلک کی کئی باتوں کو ترک کر دیا۔ جب لوگوں نے پوچھا آپؒ نے امام ابو حنیفہؒ متوفی ۱۵۰ھ کا مسلک کیوں ترک کیا ہے۔ تو آپؒ نے فرمایا۔ اگر امام ابو حنیفہؒ وہ کچھ سمجھ لیتے اور دیکھ لیتے جو میں نے سمجھا اور دیکھا ہے تو وہ بھی یقیناً اپنے مسلک سے رجوع کر لیتے۔ (المدارک جلد اول ص ۶۸)
جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ اجماع دو قسم کا ہے ایک وہ جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ اور حضرت عمرؓ متوفی ۲۴ھ کے زمانہ میں منعقد ہوا اس میں کسی عالم کا اختلاف نہیں۔ یہی امام مالکؒ کا مسلک ہے۔ دوسرا وہ اجماع ہے جو حضرت عثمانؓ متوفی ۳۵ھ اور حضرت علیؓ متوفی ۴۰ کے زمانہ میں منعقد ہوا۔ اس میں بعض علماء کا اختلاف ہے۔ اس لئے امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب قدماء اہل مدینہ کو کسی عمل پر کوئی پالے تو اس میں کسی قسم کا شک نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ وہ حق ہے۔ (المدارک)

امام احمد بن حنبلؒ

امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ خلفاء راشدینؓ کا طریق اہل مدینہ کے پاس ہے اور یہی اصحاب مالکؒ کا مسلک ہے۔ جو لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں

وہ محض تعصب کی بنا پر کرتے ہیں (غایتہ الامالی ص ۳۳) رفع الملام عن ائمہ الاعلام ص ۸۳)

ان سب اقوال سے ثابت ہوا کہ دین میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعی دلیل کا درجہ حاصل ہے۔ یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موطا امام مالکؒ میں محفوظ کر دی گئی ہے۔ جس میں صحابہؓ' تابعینؒ' تبع تابعینؒ کے متواتر اعمال کو پیش کیا گیا ہے۔ لہٰذا احادیث میں سب سے اول درجہ موطا امام مالکؒ کا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ متوفی ۱۱۷۶ھ کا بھی یہی مسلک ہے باقی احادیث کا درجہ دوسرا ہے۔

دوسرا طریقہ

دوسرا طریقہ صحیح احادیث کو جمع کرنے کا ہے۔ اس سلسلہ میں محدث ابن حبانؒ اور محدث ابن خزیمہؒ نے بھی صحیح کے نام سے کتابیں تصنیف کی تھیں لیکن یہ نایاب ہو چکی ہیں۔ اور ان کی جگہ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ متوفی ۲۵۶ھ کی صحیح بخاری اور امام مسلم نیشا پوری متوفی ۲۶۱ھ کی صحیح مسلم نے لے لی ہے۔ آج دنیا میں وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے نام سے مشہور ہیں۔ محدثین کی اصطلاح میں صحیح سے مراد ایسی احادیث کا مجموعہ ہے۔ جس کی ہر حدیث کے راویوں کا سلسلہ متصل طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے اور وہ راوی ثقہ بھی ہوں۔

راوی کی سات صفات

ثقہ سے مراد ایسا راوی ہے جس میں مندرجہ ذیل سات صفتیں پائی جاتی ہوں۔

اول۔ یہ کہ وہ عام معاملات اور دینی مسائل میں جھوٹ بولنے والا نہ ہو۔

دوم۔ اس راوی کا حافظہ مضبوط ہو کمزور نہ ہو۔

سوم۔ وہ ہمیشہ سنت کا تابع ہو اور اس کا کوئی قول و عمل سنت کے خلاف نہ ہو۔

چہارم۔ اس کا عقیدہ صحیح ہو۔ وہ فاسد عقیدہ نہ رکھتا ہو یعنی رافضی اور خارجی نہ ہو۔

پنجم۔ وہ اپنے استاد سے حدیثیں تحریر کرنے والا نہ ہو بلکہ حفظ کرنے والا ہو اور ہر حدیث اسے زبانی یاد ہو۔

ششم۔ اس کی روایت میں خلاف فطرت بات کوئی نہ ہو۔ یعنی وہ ایسی روایت نہ کرتا ہو جو قرآن کے خلاف ہو یا فطرت کے خلاف ہو۔

ہفتم۔ اس کی روایت میں اتصال ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ اتصال پہنچتا ہو۔

اقسام حدیث

اس لئے کہ جو روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے وہ مرفوع کہلاتی ہے اور جو روایت صحابی تک پہنچتی ہو اور صحابی اس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ کرتا ہو تو یہ موقوف کہلاتی ہے۔ اگر کوئی تابعی صحابیؓ کا نام ذکر نہ کرتا ہو اور وہ پیغمبر علیہ الصلوۃ و السلام سے روایت کرتا ہو تو یہ مرسل کہلاتی ہے اور اگر راویوں کے سلسلہ میں سے کسی ایک راوی کا نام چھوٹ جائے یعنی ذکر نہ ہو تو وہ منقطع کہلاتی ہے۔ اور صحیح وہ روایت ہے جو مرفوع ہو موقوف بھی نہ ہو مرسل بھی نہ ہو اور منقطع بھی نہ ہو تو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اپنی کتابوں میں صحیح روایات ذکر کرنے کا التزام کیا ہے۔ ان دونوں کتابوں میں فرق یہ ہے کہ امام بخاریؒ اپنی چھ ہزار احادیث کو مختلف بابوں میں پھیلا کر ذکر کرتے ہیں اور ایک ہی حدیث متعدد جگہوں میں ذکر ہوتی ہے اور ہر جگہ علیحدہ مسئلہ امام بخاریؒ اس سے استنباط کرتے ہیں۔ اور ان کا یہ استنباط

ان کی مجتہدانہ بصیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ امام مسلمؒ اپنی چار ہزار احادیث کو اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ ہر حدیث جتنے راویوں کے سلسلہ سے پہنچی ہو ان تمام سلسلوں کو ایک ہی جگہ ذکر کر دیتے ہیں اس طرح مختلف سلسلوں میں الفاظ کا اختلاف ہو تو ان سے حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے۔

محدثین کے عظیم کارنامے

صحیح احادیث کی جمع و تدوین اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ تیسری صدی ہجری میں شروع ہوا۔ اس دور میں محدثین نے تقسیم کار کے طور پر الگ الگ کام اپنے ذمہ لے لئے۔ ایک طبقہ نے تحقیق و تنقید اور جرح و تعدیل کا کام اپنے ذمہ لیا اور پانچ لاکھ راویوں کے حالات ضخیم کتابوں میں جمع کر دیئے۔ ہر راوی کے ثقہ و غیر ثقہ ہونے کی وضاحت کر دی۔ ان محدثین کو نقاد فن حدیث کہا جاتا ہے۔ اور ان کے مدون کردہ علم کو علم اسماء الرجال کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ محدثین کے ایک گروہ نے ان نقادوں سے ثقہ راویوں کے حالات معلوم کئے اور پھر ان ثقہ راویوں سے جو حدیثیں روایت ہوئی تھیں ان کو اپنی کتابوں میں جمع کیا اور ان کتابوں کا نام صحیح رکھا۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے پانچ لاکھ احادیث میں سے صرف چھ ہزار حدیثیں بخاری شریف میں جمع کیں اور امام مسلمؒ نے تین لاکھ روایات میں سے صرف چار ہزار روایات ذکر کی ہیں۔

فقہی طرز پر تدوین حدیث

تیسرا محدثین کا وہ طبقہ ہے جنہوں نے فقہی مسائل کی ترتیب پر احادیث کو جمع کیا۔ مثلاً پہلے بحث طہارت۔ پھر بحث نماز۔ اسی طرح باقی عبادات اور معاملات کے مباحث ہیں اس قسم کی کتابوں کو سنن کہا جاتا ہے۔ سنن کی سات کتابیں مشہور ہیں۔ (۱) سنن ابی داوَد (۲) سنن ترمذی (۳) سنن نسائی (۴) سنن ابن ماجہ ان چاروں کو سنن اربعہ بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ بخاری اور مسلم کو

صحیحین کہا جاتا ہے۔ اور ان چھ کتابوں کو صحاح ستہ کہتے ہیں۔ (۵) سنن بیہقی (۶) سنن دار قطنی (۷) سنن دارمی۔ ان کتابوں میں ائمہ کا اجتہاد بھی کتابوں کے آخر میں ذکر کیا جاتا ہے۔ چونکہ ان کتابوں میں صحیح اور غیر صحیح ہر قسم کی روایات جمع ہوتی ہیں۔ اس لئے جس روایت میں کمزوری ہو۔ مصنف اس کو ذکر کرتے ہیں۔

محدثین کا طبعی میلان

امام ابوداؤدؒ زیادہ تر احادیث کی اسناد پر بحث کرتے ہیں۔ یعنی ان کا موضوع، راوی ہوتا ہے کہ حدیث میں فلاں فلاں راوی کمزور ہے۔ امام ترمذیؒ حدیث کا درجہ بیان کرتے ہیں کہ وہ اول درجہ کی صحیح ہے یا دوسرے درجہ کی صحیح ہے۔ امام نسائیؒ زیادہ زور فقہی دلائل پر دیتے ہیں۔ اور ابن ماجہؒ عقلی دلائل سے روایات کے درجہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اسی طرح باقی سنن میں بھی جس قدر حدیثیں مذکور ہیں ان کی قوت و ضعف کے متعلق مختلف طریقوں سے اشارے کئے جاتے ہیں اور ان سے فقہی قوانین پرکھنے میں زیادہ مدد ملتی ہے۔ اس لئے کہ یہ حدیثیں فقہی مسائل کی ترتیب پر تالیف کی گئی ہے۔ اور مصنفوں کا مقصد بھی یہی ہے کہ فقہی مسائل کو ثابت کیا جائے۔

چوتھا طریقہ

حفاظ حدیث نے احادیث کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کو واضح کرنے کے لئے اختیار کیا ہے۔ اس طریقہ میں حروف تہجی کی ترتیب سے صحابہؓ کے ناموں سے حدیثوں کو جمع کیا ہے۔ اور ہر صحابیؓ کے بارہ میں واضح کیا گیا ہے کہ ان سے صرف اتنی حدیثیں روایت ہیں۔ اگر ان کے علاوہ ان کی طرف کوئی روایت منسوب کی جائے تو وہ غلط ہوگی۔ مثلاً باب الالف میں حضرت ابوہریرہؓ کی جتنی روایات ہیں۔ وہ ایک جگہ اکٹھی کر دی گئی ہیں تاکہ جو عالم حضرت ابوہریرہؓ کی

روایت کردہ حدیث کو دیکھنا چاہیئے تو اس میں موجود ہوں گی۔ اگر وہاں نہ ملے تو غلط ہوں گی۔ اس قسم کی کتابوں کو مسانید کہا جاتا ہے جیسے مسند معمرؒ یا مسند ابن علیؒ جو آج کل ناپید ہیں۔ مسند ابو عوانہؒ، مسند ابویعلیؒ، مسند ابو داوٗد طیالسیؒ، مسند دارمیؒ اور مسند امام احمدؒ۔ ان میں سے مسند امام احمدؒ بہت زیادہ معتبر اور جامع ہے۔ اس میں امام احمدؒ نے دس ہزار حدیثیں جمع کر کے آخر میں لکھا ہے کہ جو حدیث ان میں نہ ہو وہ غلط ہوگی۔ لیکن شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے "منہاج السنہ" میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ کے لڑکے عبداللہؒ بن احمدؒ نے ضعیف حدیثیں بھی اس میں شامل کر دی ہیں۔ اب علماء کا فرض ہے کہ مسند احمد کی حدیث کو پرکھ کر فتویٰ دیں۔

ویسے محدثین کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے جس سے صحیح اور غیر صحیح احادیث میں امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ محدثینؒ نے یہ خدمت انجام دے کر امت مسلمہ پر بڑا احسان کیا ہے۔ جزا ھم اللہ خیرا"۔

پانچواں طریقہ

پانچواں طریقہ مستدرکات کا ہے۔ مستدرکات میں سابق محدثین پر تنقید کی گئی ہے کہ فلاں فلاں حدیث ان کی شرطوں کے مطابق صحیح تھی مگر انہوں نے ان کو ترک کر کے غلطی کی ہے۔ اس سلسلہ میں جو کتابیں تصنیف کی گئی آج ان کی اکثریت ناپید ہے البتہ امام حاکمؒ نیشا پوری کی مستدرک حاکم چار جلدوں میں موجود ہے جس میں انہوں نے صحیح احادیث کو درج کیا ہے جو بخاریؒ اور مسلمؒ کی شرطوں کے مطابق صحیح تھیں۔ مگر بخاریؒ و مسلمؒ نے ان کو ذکر نہیں کیا۔ مصنفؒ نے تقریباً تین ہزار حدیثیں جمع کر دی ہیں۔ کیونکہ مصنفؒ فن حدیث کے نقاد میں سے تھا۔ اس لئے ان کی بیان کردہ احادیث علماء میں معتبر سمجھی جاتی ہیں۔ یہ وہ پانچ طریقے ہیں جن کے ذریعہ صحیح اور غلط حدیث کو پرکھا جا سکتا ہے۔

ایک اور قسم

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ حدیث میں دوسری قسم کی کتابیں بھی موجود ہیں ان میں سے ایک قسم کو مصنف کہا جاتا ہے۔ جیسے مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ۔ یہ دونوں امام بخاریؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ لیکن انہوں نے اپنی کتابوں میں ہر قسم کی روایتیں جمع کر دی ہیں۔ اس لئے ان کتابوں کا نام مصنف رکھا گیا ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں ہر قسم کی روایات جمع کر دی گئی ہیں۔

دوسری قسم

ان کتابوں کی ہے جن کو معجم کہا جاتا ہے۔ جیسے معجم طبرانی۔ اس موضوع پر بھی زیادہ طور پر معجم طبرانی اوسط ہی دستیاب ہے۔ ان کتابوں میں بھی مصنفوں نے اپنے اساتذہ کے نام کی ترتیب سے ہر قسم کی روایات جمع کر دی ہیں۔ اسی لئے علماء ان دونوں قسموں کا کلی طور پر اعتبار نہیں کرتے۔ ان پانچ طریقوں سے محدثین کرامؒ نے دینی مسائل کو غلط مسائل سے ممیز کرنے کی نہایت عمدہ کوششیں کیں۔

علم اصول حدیث اور اسماء الرجال

ان پانچ قسم کی کتابوں میں جن راویوں کے نام آچکے ہیں۔ ان کے لئے ایک علیحدہ علم ترتیب دیا گیا ہے۔ جس کو علم اسماء الرجال کہتے ہیں۔ کیونکہ راوی کے مقام کے تعین سے روایت کا مقام متعین ہوتا ہے۔ محدثینؒ نے احادیث کو پرکھنے کے لئے اسماء الرجال کے ساتھ ساتھ علم اصول حدیث بھی وضع کیا ہے۔ جیسے امام حاکمؒ کی معرفت علوم الحدیث خطیب بغدادی کی الکفایہ' امام نوویؒ کی التیسیر' امام سیوطیؒ کی تدریب الراوی' مقدمہ ابن صلاح اور الفیہ عراقی اس

موضوع پر شاہد عدل کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ کتابیں کتب خانوں سے دستیاب ہیں۔ یہ ہیں محدثین کی وہ خدمات جن کی دنیا بھر میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

محدثین کا مقصد

اکثر یہ کتابیں اور یہ علوم تیسری صدی ہجری سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک تصنیف کئے گئے۔ البتہ امام مالکؒ کا موطا دوسری صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ محدثین کے نزدیک ان سب کوششوں کا مقصد صرف ایک تھا کہ عوام و خواص خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو چھوڑ کر غیر معصوم علماء کی تقلید نہ کریں۔ اور نہ ہی کسی جھوٹی بات کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنے کی جسارت کریں۔ ان علماء حدیث کو تاریخ و سیر اور اسماء الرجال کی کتابوں میں اصحاب الحدیث یا اہلحدیث کے نام سے پکارا جاتا رہا ہے۔ دوسری صدی ہجری سے لے کر پانچویں صدی ہجری کے آخر تک یہ علماء اہل حدیث اور اصحاب حدیث کہلاتے رہے ہیں۔ علماء ربانی' علمائے حق نے جا بجا یہ تصریح کی ہے کہ ان علمائے حدیث نے جو مسلک پیش کیا ہے وہی مسلک حق ہے۔ چنانچہ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ متوفی ۱۱۷۶ھ نے حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۲' ص ۱۲۳ پر علماء حدیث کے مسلک کو حق قرار دیا ہے۔

صحاح ستہ کے مولفین کا مختصر تذکرہ

اب ہم ان اہل حدیث میں سے ان محدثین کا مختصر ذکر کرتے ہیں جو صحاح ستہ کے مولف ہیں۔ جن کی خدمات حدیث پر تمام امت متفق ہے اور جن کی مساعی حسنہ کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت سے نوازا ہے اور وہ قیامت تک زندہ' تابندہ' درخشندہ اور باقی رہیں گی۔

امام بخاریؒ

امام بخاریؒ جن کا نام محمد بن اسماعیل بخاریؒ ہے۔ بچپنے میں بیمار ہوئے بیماری کی وجہ سے ان کی بینائی جاتی رہی۔ ان کے والد صاحب پہلے ہی وفات پا چکے تھے۔ ان کی والدہ اس پر بڑی پریشان ہوئیں۔ وہ ہمیشہ بچے کی بینائی کی واپسی کی دعا کرتی رہیں۔ ایک رات کو خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی انہوں نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا "مبارک ہو اللہ نے تمہارے بیٹے کی بینائی واپس لوٹا دی۔" اور جب صبح بیدار ہوئیں تو بیٹے کو بینا پایا۔ پھر اس کو تعلیم کیلئے مدرسے میں داخل کروا دیا۔ آپ دس سال کی عمر میں ہی احادیث کے ماہر ہو چکے تھے۔ چنانچہ بخارا شہر کے مدرسہ میں ایک عالم داخلی نام سے مشہور تھے وہ حدیثیں پڑھایا کرتے تھے۔ امام بخاریؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ایک حدیث کی سند میں یہ بیان کیا کہ سفیانؒ ابی زبیرؒ سے روایت کرتے ہیں۔ اس پر امام بخاریؒ نے اعتراض کیا کہ سفیانؒ ابی زبیرؒ سے کوئی حدیث روایت نہیں کرتے۔ استاد یہ سن کر غصے میں آگئے امام بخاریؒ نے کہا اگر آپ کے پاس اس حدیث کا کوئی نسخہ لکھا ہوا ہے تو اس کو دیکھ لیں۔ وہ عالم اپنے گھر میں تشریف لے گئے اور اپنی تحریر دیکھی اور واپس آکر بخاریؒ سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک سفیانؒ کس سے روایت کرتا ہے امام بخاریؒ نے کہا کہ سفیانؒ زبیر بن عدیؒ سے روایت کرتا ہے۔ استاد نے شاگرد کے حافظہ کی داد دی۔ امام بخاریؒ جب سولہ برس کے ہوئے تو عبداللہؒ بن مبارکؒ اور حضرت وکیعؒ کی نقل کردہ ساری حدیثیں یاد کرلیں۔ پھر حج کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علماء سے حدیثیں حاصل کیں۔ اپنے وطن میں بخارا کے قریب خرتن نامی گاؤں میں صحیح بخاری تصنیف کی۔ ان کا روزانہ کا یہ معمول تھا پہلے غسل کرتے دو رکعت نفل پڑھتے پھر اللہ سے دعا کرتے کہ اے اللہ حدیثیں نقل کرنے میں مجھے غلطی سے محفوظ رکھنا پھر حدیث لکھنا شروع کرتے۔ اسی طرح آپ کی والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔

آپ ایک آزمائش میں مبتلا ہوگئے وہ یہ کہ حاکم بخارا نے آپ سے کہا کہ تم میرے گھر آکر میرے بچوں کو حدیث کی تعلیم دو آپ نے فرمایا میں حاکموں کے دروازوں پر حاضر ہو کر رسول اللہ کی حدیث کی توہین نہیں کرنا چاہتا۔ حاکم نے کہا کم از کم آپ اپنے حلقہ درس میں میرے بیٹوں کو دوسرے طالب علموں سے علیحدہ پڑھائیں کیونکہ میرے بیٹوں کا ان کمینہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنا توہین ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا کہ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں کوئی کمینہ نہیں۔ حاکم بخارا اس پر ناراض ہوگیا۔ سرکاری و درباری علماء سے امام بخاریؒ کے الحاد کا فتویٰ حاصل کیا کہ یہ شخص قرآن کو غیر مخلوق مانتا ہے۔ آپ کو جلا وطن کر دیا گیا۔ آپ وہاں سے نیشا پور چلے گئے۔ وہاں کے علماء نے بھی آپ کی مخالفت کی اور شہر بدر کروا دیا۔ ان مسلسل صدموں سے آپ بیمار ہوگئے اور واپس اپنے گاؤں میں پہنچ کر انتقال فرما گئے۔ آپ کی ولادت ماہ شوال ۱۹۴ھ میں ہوئی اور اور آپ کی وفات شوال ۲۵۶ھ میں ہوئی۔ گویا امام بخاریؒ نے کل ۶۲ برس عمر پائی۔ (بستان المحدثین)

امام مسلمؒ

امام مسلم بن حجاج **قشیری** نیشا پوری عربی نسل نہیں تھے مگر قبیلہ **قشیر** کے کسی مسلمان کے ہاتھ پر آپ کے بزرگوں نے اسلام قبول کیا تھا اس لئے **قشیری** مشہور ہوگئے تھے۔ امام مسلمؒ نیشار پور شہر میں پیدا ہوئے اور اپنے دور کے مختلف علماء سے علم حدیث حاصل کیا۔ امام بخاریؒ بھی آپ کے استاد ہیں۔ آپ نے مختلف علاقوں کے سفر کر کے حدیث حاصل کی اور بالاخر نیشا پور میں جو شمالی ماوراء النہر میں واقع ہے درس حدیث شروع کیا اور وہاں ہی صحیح مسلم بھی تصنیف فرمائی۔ امام مسلمؒ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ انتقال دو شنبہ ماہ رجب ۲۶۱ میں ہوا۔

امام ابوداودؒ

امام ابوداود بجستانی کا نام سلیمان بن اشعث ہے علامہ ابن خلقانؒ نے کہا کہ یہ بجستان بصرہ کے پاس ایک گاؤں تھا۔ لیکن تاج الدین سبکیؒ نے کہا ہے یہ بلاد ہند کا سیستان نامی شہر تھا۔ اس کو عربی میں بجستان بنا دیا گیا۔

امام ابوداود نے بھی مختلف ملکوں کے دور دراز کا سفر کر کے حدیثیں حاصل کیں پھر سنن ابی داود تالیف فرمائی اسے امام احمد کو دکھایا گیا امام احمد نے اس کو بہت پسند فرمایا آپ کو پانچ لاکھ حدیثیں یاد تھیں لیکن انہوں نے اپنی کتاب میں صرف چار ہزار آٹھ سو حدیثیں جمع کیں آپ کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی ماہ شوال ۲۷۵ھ میں آپ فوت ہوئے گویا آپ نے تہتر برس زندگی پائی۔ چونکہ آپ کی موت بصرہ میں ہوئی تھی اس لئے وہیں آپ کو دفن کر دیا گیا ان کا مرقد شریف بصرہ میں ہے۔ (بستان المحدثین مصنفہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ)

امام ترمذیؒ

امام ترمذی کا نام محمد بن عیسیٰ ہے شمالی ایران کے مشہور شہر ترمذ کے قریب آپ ایک گاؤں کے رہنے والے تھے اس لئے ترمذی مشہور ہوئے۔ امام ترمذی' امام بخاری کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں انہوں نے بھی مختلف علاقوں کا سفر کر کے علم حدیث حاصل کیا اور پھر جامع ترمذی تالیف کی پہلے اسے حجاز کے علماء کو دکھایا پھر اس کو علماء عراق کے سامنے پیش کیا ان سب نے جامع ترمذی کو بہت پسند فرمایا امام ترمذی کا حافظہ کمال کا تھا ان کی ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی ماہ رجب ۲۷۹ھ بروز دو شنبہ ان کا انتقال پر ملال ہوا گویا انہوں نے زندگی کی انہتر بہاریں گزاریں۔ انہیں ترمذ کے قریب بوغ نامی گاؤں میں دفن کیا گیا۔ (بستان المحدثین)

امام نسائیؒ

امام نسائی کا نام احمد بن شعیبؒ تھا۔ آپ نیساء نام گاؤں میں رہنے والے

تھے۔ جو خراسان میں واقع ہے۔ امام نسائیؒ نے بھی مختلف امصار و بلدان کا سفر کر کے علم حدیث حاصل کیا۔ پھر اپنی مشہور کتاب سنن نسائی تالیف فرمائی امام نسائی نے اپنی کتاب مصری علماء کو دکھائی وہ بہت خوش ہوئے۔ پھر آپ شام چلے گئے۔ اور دمشق کی جامع اموی میں اہل بیت کے فضائل و مناقب پر حدیثیں سنانا شروع کیں۔ مجمع میں سے ایک شخص نے اٹھ کر سوال کیا کہ امیر معاویہؓ کے فضائل میں بھی حدیثیں سنائیں تو آپ نے جواباً فرمایا کہ حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں کوئی حدیث ہو تو سناؤں اس پر مجمع غضبناک ہوگیا اور آپ کو اتنا پیٹا کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے آپ کا ایک شاگرد آپ کو اٹھا کر گھر لے گیا کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا مجھے مکہ مکرمہ پہنچادو جب مکہ مکرمہ پہنچے تو ضربات کی شدت کی وجہ سے آپ کا وہیں انتقال ہوگیا آپ کی ولادت ۲۱۴ھ میں ہوئی اور وفات ماہ صفر ۳۰۲ھ میں اس طرح آپ کی عمر اٹھاسی برس بنتی ہے۔ (بستان المحدثین)

امام ابن ماجہؒ

امام ابن ماجہؒ کا نام محمد بن یزید قزوینی ہے' قزوین شمالی عراق کا ایک شہر ہے۔ وہاں آپ پیدا ہوئے تھے۔ اور آپ کی ماں کا نام ماجہ تھا۔ آپ کی نسبت اپنی ماں کی طرف ہے۔ موصوف نے بھی مختلف علاقوں کا سفر کر کے علم حدیث حاصل کیا اور پھر سنن ابن ماجہ تالیف فرمائی جس میں چار ہزار حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی آپ کی وفات ماہ رمضان ۲۷۳ھ میں ہوئی۔ اس طرح آپ نے چونسٹھ برس کی زندگی پائی۔ (بستان المحدثین)

گویا تیسری صدی ہجری کے اواخر سے پانچویں صدی ہجری کے اختتام تک حدیث کی بے شمار کتابیں منظر عام پر آئیں لیکن صحاح ستہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی تصنیفات ہیں۔ بلکہ درحقیقت تیسری صدی ہجری کی ہی ہیں۔ انہیں قبولیت عامہ اور شہرت دوام چوتھی صدی ہجری میں حاصل ہوئی یہ حدیث کی تمام

تصنیفات تقلید شروع ہونے سے بہت پہلے کی ہیں اور ان کا ایک ہی مقصد ہے کہ مسلمان صرف قرآن و حدیث کی اتباع کریں کسی کی تقلید نہ کریں علماء کرام ہر دور میں حدیث کی خدمت کرتے رہے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ معجزہ

یہ بات علی وجہ البصیرۃ کہی جا سکتی ہے کہ موجودہ علوم و فنون کا مصدر صرف اسلام ہے۔ تاریخ کا وجود اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔ لیکن اس میں صرف قصے' کہانیاں اور ملوک و سلاطین کے تعریفی قصائد ہی ہوتے تھے۔ ایک داستان سرائی کا سا انداز تھا۔ بنی اسرائیل میں عجیب عجیب گپ نما حکایات مروج تھیں۔ اسرائیلی حکایات اگر بیان کی جائیں تو موجودہ پڑھی لکھی دنیا انگشت بدنداں رہ جائے۔ مسیح علیہ السلام کے علاوہ آج قطعیت کے ساتھ کسی پیغمبرؑ کی ولادت اور وفات نہیں بتائی جا سکتی۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اور اعجاز ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے لے کر تادم واپسیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی گوشہ' کوئی واقعہ' کوئی سفر' کوئی معاملہ حتیٰ کہ گفتگو کے الفاظ کوئی بیان کرنا چاہے تو صحیح طور پر پوری سند کے ساتھ مل سکتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو پانچ لاکھ انسانوں نے روایت کیا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ قیامت تک زندہ تابندہ اور درخشندہ رہے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نے پانچ لاکھ انسانوں کی زندگی محفوظ کر دی۔ محدثین نے پوری عرق ریزی سے شبانہ روز کی محنت کے بعد اسماء الرجال کا فن نہ صرف وضع کیا بلکہ قیمتی کتب تصنیف کر کے دنیائے انسانیت پر بہت بڑا احسان فرمایا جب تک قرآن باقی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث باقی ہے اور جب تک حدیث باقی ہے تو اس وقت تک پانچ لاکھ انسانوں کی زندگی محفوظ ہے۔

محدثین نے راویوں کو پرکھنے کے لئے ایسے اصول وضع کئے اور ایسے پیمانے بنائے کہ آج تک کوئی ان کی تغلیط نہیں کر سکا اور نہ ہی کوئی تیس مار خاں ان کے مقابل کوئی اصول وضع کر سکا ہے ہمارے دور کے منکرین حدیث محدثین کی اگلی ہوئی جگالی کو ہی پیش کر رہے ہیں۔

علمائے اہلحدیث کی خدمات کا تذکرہ

چونکہ تفسیر قرآن کا عملی نمونہ اسوہ سید الرسل سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ نے جن کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوہ حسنہ اور نمونہ صرف حدیث کی کتابوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان کا یہ ذکر حدیث کی کتابوں میں ہی مذکور ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات سے تین صدیاں بعد تک فلاں عمل پر امت کا اجماع رہا ہے۔ یہ سنت متواترہ ہے۔ پھر ان کتابوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ فلاں حدیث رسولؐ کو صحابہؓ کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے یہ خبر مشہور ہے۔ یا فلاں حدیث کو کسی ایک یا دو صحابیوں نے نقل کیا ہے یہ خبر واحد ہے۔ اسی لئے ہم حدیث کی کتابوں کا تذکرہ پہلے کر چکے ہیں۔

چوتھا باب

قدامت اہل حدیث

امام ذہبیؒ نے حضرت ابوسعید خدریؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آپ اپنے شاگردوں کو فرمایا کرتے تھے۔ انکم خلوفنا واھل الحدیث بعدنا (تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۹۵ شرف اصحاب الحدیث ص ۲۱) گویا صحابہؓ اور ان کے شاگرد اہل حدیث تھے اور تحریک اہل حدیث کا سرچشمہ صحابہ کرامؓ ہیں۔ شیخ عبدالسلام امام ابن تیمیہؒ "نقض المنطق" میں فرماتے ہیں۔ اھل الحدیث فی کل زمان کاھل الاسلام فی سائر الادیان۔ (نقض المنطق ص ۷۷) یعنی اہل حدیث ہر زمانہ میں اسی طرح صداقت پر ہیں جس طرح اہل اسلام باقی دینوں میں ہیں۔ اسی طرح امام ابن تیمیہؒ نے منہاج السنہ میں لکھا۔ اھل السنتہ مذھب معروف قبل ان یخلق اللہ ابا حنیفتہ ومالکا" و شافعیا" واحمد بن حنبل فانہ مذھب الصحابتہ تلقوہ عن نبیھم ومن خالف ذلک کان مبتدعا" عند اھل السنتہ والجماعتہ (منہاج جلد اول ص ۲۰) امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام اہل السنہ احمد بن حنبلؒ کی پیدائش سے قبل ہی اہل سنت کا مذہب مشہور تھا کیونکہ صحابہؓ کا بھی یہی مسلک ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک جو اس کی مخالفت کرے گا وہ بدعتی ہے۔

محدث شعبیؒ جو امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ میں سے ہیں وہ فرمایا کرتے تھے روایت اور رواۃ کے بارہ میں کوئی نئی چیز نہ پیش کر سکے ہیں اور نہ پیش کر سکیں گے۔ خالی الذہن نوجوانوں میں تشکیک پیدا کرنے کے لئے نہایت گھٹیا اور متبذلانہ انداز میں حدیث پر برسنے کی جسارت کرتے ہیں۔ ان بدبختوں نے قرآن پاک کی آیات میں بھی مین میخ نکالنے کی ناکام کوششیں کیں جنہیں امت نے

مسترد کر دیا۔ اسی طرح علامہ اقبال کے اشعار سے بھی زنا بالجبر کا ارتکاب کرتے ہیں۔

دعوت فکر

ہمیں نیا فرقہ کہنے والے اور ہمارے خلاف بغض و عداوت رکھنے والے اہل علم سے گزارش ہے کہ خدارا ازراہ انصاف ہمارے تابناک ماضی کا مطالعہ فرمائیں۔ بالاختصار پانچویں صدی ہجری تک حدیث' فن حدیث اور اس کے متعلقات پر جتنا کام ہوا ہے وہ علماء اہلحدیث نے کیا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ اس کی شہادت اس وقت کے جید علماء نے بھی دی۔ ان کے بعد آنے والے صدیوں کے انصاف پسند علماء حق نے بھی اہل حدیث کی خدمات کا اعتراف کیا۔ حجتہ اللہ فی الارض حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ حجتہ اللہ البالغہ میں اس کا کھلے بندوں اعتراف کرتے ہیں اور علمائے اہلحدیث کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

دو مکاتب فکر

چوتھی صدی ہجری تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور سنت کا آئینی طور پر سکہ رواں دواں رہا۔ آئمہ مجتہدین کے وہ اقوال جو انہیں حدیث نہ ملنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے متصادم تھے وہ یہ کہہ کر ان سے بری ہوگئے کہ جب تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مل جائے تو میرے قول کو چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو مختلف آئمہ نے مختلف انداز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ملنے پر اپنے قول و عمل کو چھوڑنے کی تلقین فرمائی۔

تقلید شخصی کا آغاز چوتھی صدی ہجری کے آخر یا پانچویں صدی ہجری کے شروع میں ہوا۔ لیکن عراق اور ایران میں رہنے والے اہل علم اپنے دل میں

عقل اور رائے کو اہمیت دینے' فقہاء کے اجتہادات کو معتبر ماننے کے باوجود احساس کمتری کا شکار رہے۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا مقابلہ کرنے کی جرات کر سکے اور نہ ہی محدثین کے علم و تقویٰ کا سامنا کر سکے۔ لیکن اندر ہی اندر وہ جلتے بھنتے رہے۔ ان کے قلب و ذہن میں جو اک لاوا سا پک رہا تھا۔ وہ چوتھی صدی ہجری کے آخر میں پھٹ پڑا۔ حالانکہ اس سے قبل تقلید شخصی' اور تقلید جامد کا کوئی وجود ہی نہیں ملتا تو گویا اب امت میں دو مکاتب فکر آمنے سامنے تھے۔ اہل حدیث (اہل سنت) اھل رائے (اہل فقہ) حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی کی تقسیم پانچویں صدی ہجری میں ملتی ہے۔ ہم یہ پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ آئمہ مجتہدین نہایت متقی' پرہیز گار' اصحاب علم و فضل' ارباب تحقیق و دانش تھے۔ ان کے جو اقوال حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متصادم ہیں وہ انہیں صرف حدیث نہ ملنے کی وجہ سے ہیں۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں حدیث کی جمع و تدوین ابھی نہیں ہوئی تھی۔ اور یہ احادیث پورے عالم اسلام میں بکھری ہوئی تھیں۔ جن سے وہ استفادہ نہ کر سکے۔ مخلص فقہاء اور مجتہدین صواب و خطا میں ثواب کے برابر کے حق دار ہیں۔ **المجتهد يخطي و يصيب۔** مجتہد سے غلطی بھی ہو سکتی ہے اور اس کا اجتہاد درست بھی ہو سکتا ہے۔ غلط اجتہاد میں اس کو ایک ثواب اور درست اجتہاد میں اس کو دو اجر ملیں گے۔ آئمہ فقہاء اور مجتہدین کے بارہ میں نامناسب الفاظ استعمال کرنا اور آئمہ فقہاء کی علمی' تحقیقی اور فقہی کدو کاوش کا مذاق اڑانا یہ انتہائی بد نصیبی اور سفلہ پن ہے وہ ہمارے واجب الاحترام عظیم اسلاف تھے۔ ہم ان کی محنت شاقہ کو نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھتے بلکہ ان کو ملت اسلامیہ کا عظیم سرمایہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان کے وہ اقوال جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے متصادم ہیں۔ انہیں ماننا ہمارے لئے ضروری نہیں بلکہ نہ ماننا ضروری ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ خذما صفا و دع ما كدر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے بعد ہم کسی بھی شخص کی ہر بات ماننے کے مکلف نہیں جو بات قرآن و سنت کے مطابق ہوگی۔ ہم اس کو بلا چوں و چرا تسلیم کریں گے اور جو ان سے متصادم ہوگی' ہم اس سے بڑے احتیاط کے ساتھ اظہار براءت کریں گے۔

ہم ذیل میں دونوں مکاتب فکر کا نقطہ نظر اختصار کے ساتھ پیش کریں گے۔

اہلحدیث (اہل سنت)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپؐ کی اداؤں پر مرمٹتے تھے۔ دینی اور دنیوی امور و معاملات میں ان کا نقطہ نظر ایک ہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ صحابہ کرامؓ نے اپنی پوری زندگیاں سنت کی پیروی میں گزار دیں۔ اور پوری زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہونے میں سرمو فرق نہیں آنے دیا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جن کو بظاہر معمولی سمجھا جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت کی پیروی میں انہیں بھی عملی جامہ پہنانا ضروری سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آپ کی سنت کا صحیح مقام آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرامؓ سے ہی ہو سکتا ہے۔ جس استاد کے شاگرد عظیم الشان مقام رکھنے والے ہوں تو ظاہر ہے ان کے استاد کا مقام یقیناً فقید المثال عظمتوں کا حامل ہوگا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا عامل بنا کر بھیجتے ہوئے فرمایا تھا کہ معاذ تم دور دراز علاقوں میں جا رہے ہو ممکن ہے پھر ملاقات نہ ہو سکے۔ وہ لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ ان کے جھگڑے اور تنازعے آپ کے پاس آئیں گے۔ آپ ان کے فیصلے کیسے کریں گے؟ حضرت معاذؓ نے کہا کہ سب سے پہلے میں کتاب اللہ دیکھوں گا اس نے جو ہماری رہنمائی فرمائی ہے اس کی روشنی میں فیصلہ کروں گا اور جو چیز مجھے اللہ کی

کتاب میں نہیں مل سکے گی پھر میں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں حل کروں گا' اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات تک میری رسائی نہ ہو سکی تو میں کوشش کروں گا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کی روشنی میں اس کا کوئی بہتر حل نکالوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے فرمایا۔ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے اپنے رسول کے قاصد کی صحیح رہنمائی فرمائی۔ (محلی ابن حزم' بیہقی' ترمذی)
اس ارشاد اور واقعہ سے یہ اندازہ کرنا کوئی دشوار نہیں کہ اسلام کا اولین ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار ارشادات اس باب میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں کہ کتاب و سنت ہی سرچشمہ ہدایت ہیں۔ قرآن و حدیث پر عمل ہی مسلمان کو اعتقاد اور عمل کی گمراہی سے بچا سکتا ہے۔ اسی پر صحابہؓ کاربند تھے۔ ان کی زندگی کا مشن بھی کتاب اللہ اور سنت رسولؐ اللہ پر عمل کرنا ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بعد تابعینؒ عظام اور تبع تابعینؒ نے بھی ہر معاملے میں' زندگی کے ہر گوشے میں اور حیات مستعار کے ہر پہلو میں قرآن و حدیث ہی پر عمل کیا۔ اسی کی دعوت دیتے رہے۔ قرآن و حدیث ہی کو اپنے لئے باعث نجات اور باعث کامیابی سمجھتے رہے۔ صحابہؓ' تابعینؒ' تبع تابعینؒ کے زمانے میں قرآن و حدیث میں پیوند کاری کی کسی کو جرات نہ ہو سکی اور اگرچہ عجمیوں کا ایک گروہ سنت کے خلاف مفلوج الذہن تھا۔ لیکن کتاب و سنت کے قیود و حدود کے سامنے ان کے بیمار ذہن کو جرات نہ ہو سکی۔ صحابہؓ اور تابعینؒ کے بعد ایسی نابغہ عصر شخصیتیں اور عبقری انسان پیدا ہوئے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تحفظ اور بقاء میں اپنی زندگیاں کھپا دیں۔ اور اپنی ہڈیوں کی کھاد دے کر اسلام کے چمن کی حفاظت کی۔ اور کتاب و سنت کے شجرہ طوبٰی کی اپنے خون سے آبیاری کی۔ آئمہ حدیث اور محدثین کرامؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تحفظ اور قرآن پاک کی تعلیمات

کے فروغ کیلئے وہ زریں کارنامے انجام دیئے' اس طرح ذخیرہ حدیث مرتب کیا' اس انداز سے حدیث کی کتابیں مدون کیں۔ کہ چشم کائنات نے آج تک ایسا پاکباز' ایسا متقی' ایسا مخلص' ایسا مجسمہ اخلاص گروہ نہیں دیکھا۔ محدثینؒ نے حدیث کے تحفظ کیلئے علم اصول حدیث وضع کیا۔ روایات کی عظمت کو زندہ و باقی رکھنے کے لئے راویوں کی چھان پھٹک کا ایک ایسا علم ایجاد کیا جو نہ ان سے پہلے کوئی ایجاد کر سکا اور نہ بعد میں آنے والے ادوار میں اس میں حک و اضافہ کر سکا۔ یعنی علم اسماء فن رجال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نے پانچ لاکھ انسانوں کی زندگیوں کا تحفظ کیا۔ یہ وہ فن ہے کہ پوری کائنات میں جس کا قبل از اسلام کوئی تصور موجود نہیں۔ شخصی تقلید چوتھی صدی ہجری کے آخر یا پانچویں صدی ہجری کی ابتداء میں شروع ہوئی۔ اگرچہ کچھ لوگوں کے قلوب و اذھان سنت کی شاہراہ اعظم سے ہٹ کر دوسری پگڈنڈیوں پر چل رہے تھے۔ وہ اپنے میں اظہار خیال کی جرات نہ کر سکے۔ اس وقت کوئی فرقہ بندی تھی نہ کوئی فقہی گروہ بندی عالم وجود میں آئی تھی۔ نہ کسی امام کے نام پر مذھب کی کھچڑی پکی تھی۔ بلکہ وہ سب مسلمان تھے۔ سب اہلحدیث تھے۔ صحابہؓ' تابعینؒ تبع تابعینؒ اور محدثینؒ جو کچھ اپنے عہد ہمایونی میں پیش کرتے رہے ہم بھی اسی کے علمبردار ہیں' اسی کی دعوت دیتے ہیں' یہی ہمارا مشن ہے۔ آئمہ اربعہ جن کے نام پر پانچویں صدی میں فقہی مذہب عالم وجود میں آئے۔ وہ خود اہلحدیث تھے۔ اور چوتھی صدی کے آخر تک بدعات و محدثات' سیئات و منکرات اور تقلید شخصی کا کوئی نام اور وجود نہ تھا۔ اہل علم اور عامتہ المسلمین کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر ہی عمل پیرا تھے' اگر کوئی مبتدع کہیں نظر آتا اور وہ قیاس و رائے سے مسائل بیان کرتا تو تابعینؒ و تبع تابعین اس کی فوراً گوشمالی کرتے اور سختی سے روکتے تھے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "حجتہ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے تک مسلمان کسی معین اور خاص مذہب و فرقہ کی

تقلید کے پابند نہ تھے۔ اسی طرح شاہ صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں عوام کا طریق عمل یہ تھا کہ جو اجماعی مسائل علی العموم مسلمانوں یا جمہور مجتہدوں میں بلااختلاف چلے آئے تھے۔ ان میں بجز صاحب شرع کے کسی اور کی پیروی نہ کرتے تھے۔ اور وضوء، غسل، نماز، زکوٰۃ وغیرہ ایسے مسائل اپنے باپ دادا یا شہر کے معلموں سے سیکھ لیتے تھے اور اسی طریق پر چلتے تھے۔ کبھی کوئی خاص واقعہ پیش آجاتا تو کسی خاص مفتی یا عالم کے بلا تخصیص مذہب اس سے پوچھ لیتے تھے۔ (حجتہ اللہ البالغہ)

شاہ صاحب کی اس تحریر سے واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے اواخر تک عالم، مجتہد، فقیہ، مجدد اور کوئی بڑے سے بڑا انسان تو ایک طرف رہا تمام مسلمان بھی ایک معین مذہب کی تقلید سے ناآشنا تھے ان میں یا فقہائے کرام میں کوئی بنیادی اور اصولی اختلاف نہ تھا۔ البتہ دوسری صدی ہجری میں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ کے ایک شاگرد قاضی ابویوسف نے فقہ حنفیہ کی خوب اشاعت کی۔ ان کو خوب فروغ دیا۔ کیونکہ وہ ہارون الرشید کے عہد میں اسلامی قلمرو کا چیف جسٹس تھا۔ اس عہدہ جلیلہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امام صاحب کی فقہیات اور خیالات کو خوب پھیلایا بظاہر مذہب حنفی کی داغ بیل ڈالی لیکن ان تمام تر مساعی اور سرکاری وسائل کے باوجود چوتھی صدی ہجری کے آواخر تک حنفی مذہب کو وہ رواج نہ دے سکے۔

مختصر یہ کہ اس وقت تمام اسلامی قلمرو میں قاضی ابویوسف کی پوری تگ و دو کے باوجود فکر اہلحدیث اور فکر محدثین کی ہی کار فرمائی تھی۔

اہل الرائے و اہل الفقہ

دو سو سال سے اختلاف اور فقہ و اجتہاد کا جو لاوا پک رہا تھا۔ وہ چوتھی صدی ہجری کے آخر میں پھٹ پڑا اس کے پھٹنے سے مسلمانوں کی ملی وحدت میں

خاصی بڑی کمزوری آگئی اور مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ اہل سنت یا اہل حدیث کے نام سے موسوم ہوا۔ دوسرا اہل الرائے یا اہل الفقہ کہلانے لگا۔ اہلحدیث (اہل سنت) ہر بات اور ہر معاملے میں کتاب اللہ اور احادیث نبویؐ کی اطاعت ضروری قرار دیتے تھے اور قرآن و حدیث کے علاوہ نہ کسی چیز کو وہ قبول کرتے اور نہ ہی اس کی ضرورت سمجھتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی دینی طور پر صحیح مقام رکھتے ہیں اقوال و آراء کا سہارا لینا ان کے مسلک اور مشرب کے منافی تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ان کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ان اہلحدیثوں کو ایسی رائے کی ضرورت نہ رہی جو اپنے سے پہلے کی تقلید کریں۔ اگرچہ آثار و احادیث ان مذاہب کے خلاف تھیں۔ اہلحدیث لوگ ایسی بات کو ہی پکڑتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہو۔ یا صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور مجتہدینؒ کے آثار میں ہو۔ بشرطیکہ وہ ان ضابطوں پر پوری اترے جو ان کو جانچنے کے لئے انہوں نے قائم کر رکھے ہیں (حجتہ اللہ البالغہ)

دوسری جگہ پر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا۔

"مسلمانوں میں جو اہلحدیث جماعت تھی۔ وہ شب و روز حدیث کی خدمت میں مصروف رہتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرامؓ کے آثار وہ اس کثرت سے باہم پہنچاتی تھی کہ کسی مسئلہ اور کسی معاملہ میں اب دوسری چیزوں کی ضرورت و احتیاج باقی نہ رہی تھی۔" (حجتہ اللہ البالغہ)

ان کے بالمقابل ایک دوسرا گروہ کھڑا ہوا جسے اہل الرائے یا اہل الفقہ کہا جاتا ہے۔ یہ گروہ اہل السنہ والحدیث کی بالکل ضد تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو نظر انداز کر رکھا تھا اور یہاں تک کہ حدود و قیود سے

تجاوز کر گئے کہ کسی مسئلہ میں نصوص قرآنیہ سے سہارا لینا اور کتاب اللہ میں تلاش کرنا بھی چھوڑ دیا۔ ان کی جسارت کا یہ عالم تھا کہ وہ قال اللہ و قال الرسولؐ کی بجائے اپنی رائے اپنے قیاس اپنے قول اپنے اجتہاد اور اپنی فقہ کو ترجیح دیتے تھے۔ اپنے متعین امام کے قول کو ثابت کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی دور ازکار تاویلیں کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ اگر یار دوست ناراض نہ ہوں تو کہنے دیجئے کہ اہل الرائے حضرات نے اسلامی اصولوں سے منہ موڑ کر فروعات کو غالب کیا۔ دین میں نئے نئے مسائل داخل کئے۔ شریعت کے مد مقابل فقہ کی بنیاد رکھی۔ اور اگر حدیثیں بھی جمع کیں تو اس صورت میں کہ مطالب و معانی اور اصل عبارات کو توڑ مروڑ کر موضوعات کا ایک دفتر لایعنی اکٹھا کر لیا۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ان لوگوں کا نقشہ یوں کھینچا ہے

وکان بازاء هولاء فی عصر مالک و سفیان و بعد هم و قوم لا یکر هون المسائل ولا یهابون الفتیا و یقولون علی الفقه بناء الدین فلا بد من اشاعته ویهابون روایته رسول الله صلی الله علیه وسلم والرفع الیه (حجته الله البالغه)

"اہلحدیث کے مقابلہ میں ایک دوسری جماعت تھی۔ امام مالکؒ امام سفیان ثوریؒ اور ان کے بعد کے زمانے میں یہ لوگ نہ تو غیر ضروری مسائل دریافت کرنے سے باز رہے۔ نہ ان کے جواب بتانے میں ڈرتے۔ اور یہ کہتے کہ دین کی جڑ فقہ ہے۔ لہذا اس کی اشاعت ضرور ہونی چاہیئے۔ جبکہ یہ اہل الرائے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے اور صحیح حدیث بیان کرنے میں لڑتے اور جھگڑتے تھے۔"

ان کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ وہ مسائل فقہیہ کا مجموعہ تیار کرنے کی تگ و دو میں رہتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی طرف انتساب کرنے سے بھی ڈرتے کیونکہ ان کے دل و دماغ میں اجتہاد و استخراج مسلط تھا۔ یہ فقہ کے

دلدادہ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین و ارشادات پر ائمہ اور مجتہدین کے اقوال کو ہمیشہ غالب رکھتے۔ اپنی رائے اپنے قیاس اپنے اجتہاد اور اپنی فقاہت کو ہر چیز سے مقدم گردانتے ان کا کوئی قول و عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے خلاف ہوتا تو اپنے قول کو صحیح ثابت رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی من مانی تاویلیں کرتے بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
کس قدر بے توفیق ہیں فقیہان حرم

ان اہل الرائے اور اہل فقہ کے بارے میں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے حجتہ اللہ البالغہ میں جو فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

پس ان لوگوں (اہل الرائے) نے اپنی مصلحت کے مطابق دوسری طرز پر حدیث' فقہ و مسائل کو جمع کیا۔ اس گروہ کے پاس اس قدر احادیث و آثار نہ تھے۔ جس کے ذریعے یہ اہلحدیثوں کی طرح ان کے پسندیدہ اصول کے مطابق مسائل کا استنباط کر سکتے یہ اتنے کھلے دل کے مالک بھی نہ تھے۔ کہ اپنے مقامی علماء کے اقوال و تصانیف پر تنقیدی نگاہ ڈالتے۔ اس پر بحث کرتے وہ خود احساس کمتری میں مبتلا تھے اپنے آئمہ کے بارے میں ان کا اعتقاد یہ تھا کہ ان کی تحقیق سب سے اونچی ہے۔ اب کوئی ایسی تحقیق نہیں کر سکتا۔ جبکہ ان کے قلوب و اذھان پہلے ہی آئمہ مجتہدین پر فریفتہ تھے۔"

شاہ صاحبؒ کے اس اقتباس سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ان کو اہل الرائے اس لئے کہا گیا کہ ان کے پاس ذخیرہ حدیث نہ ہونے کے برابر تھا۔ جو کچھ تھا اسے بھی لوگوں سے چھپا چھپا کر رکھتے تھے۔ لوگوں کے مسائل دریافت کرنے پر حدیث کی روشنی میں ان کا جواب دینے کے بجائے' اپنی رائے اور قیاس سے کام لیتے تھے۔ قیاس اور رائے سے مسئلہ بتانے پر ان کو انشراح ہو

جاتا۔ حدیث و سنت کی روشنی میں مسئلہ بیان کرنے میں ان کو ہمیشہ انقباض رہتا۔ حدیث و سنت سے گریز آثار صحابہؓ سے فرار کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے اپنا رخ موڑ لیا۔ آئمہ مجتہدین اور فقہاء کے اقوال سے نہ صرف رشتہ جوڑ لیا بلکہ ان کو اپنی زندگی کا مشن ٹھہرا لیا۔ اس کج فکری' کم فہمی کتاب و سنت سے گریز آثار صحابہ سے فرار کے نتیجے میں تقلید شخصی نے راہ پائی۔ فرقہ بندی کا آغاز ہو گیا۔ ملت واحدہ میں انتشار و خلفشار کی قلمیں لگا دی گئیں۔ امت میں اختلاف کی نہ صرف آندھیاں چلیں بلکہ طوفان برپا ہو گیا۔ ان اہل الرائے کی مساعی سے حنفی' شافعی' حنبلی' اور مالکی میں امت بٹ گئی۔ مسلمانوں کی عظمت رفتہ قصہ پارینہ بن گئی۔

دین حق را چہار مذھب ساختند
رخنہ در دین نبی انداختند

تقلید شخصی نے ملت اسلامیہ کا ستیا ناس کر دیا۔ اجتہاد کے دروازے بند ہو گئے ذہنی ارتقاء رک گیا۔ تحقیق و تفاحص کے پیمانے بدل گئے۔ حق و صداقت کو دریا برد کر دیا گیا۔ مسلمان ملت اسلامیہ کی شاہراہ اعظم سے کٹ کر اختلاف و انتشار کی پگ ڈنڈیوں پر ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے۔ باہمی محبت و اخوت عنقاء ہو گئی۔ حسد و کینہ بغض و عداوت اور نفرت و حقارت کے شعلے آسمان کی بلندیوں سے باتیں کرنے لگے۔ اس فرقہ بندی' گروہ سازی کا کیا رد عمل ہوا اور کیا نتائج برآمد ہوئے؟ علامہ نجیب العراقی اس کے بارے میں فرماتے ہیں

"چوتھی صدی ہجری تک کے مسلمان خواہ وہ ناخواندہ تھے' یا خواندہ' عالم تھے یا جاہل' فرقہ بندی اور گروہ بندی سے مبراء اور محفوظ تھے۔ صرف قرآن و حدیث کی پیروی کرتے تھے۔ اس وقت تقلید شخصی نام کو نہ تھی۔ اور یہ سب لوگ مسلمان ہی کہلاتے تھے۔ لیکن چوتھی صدی ہجری کے آخر یا پانچویں صدی کے آغاز میں ان کے درمیان اختلافات کی خلیج حائل ہو گئی۔ اور امت محمدیہؐ دو

فرقوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ اہلحدیث والسنہ کہلانے لگا۔ جو راستی اور سچ پر تھا۔ اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آثار صحابہؓ کو جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو اپنا دستور حیات اور زندگی کا مشن سمجھتا تھا۔ ان کے پاس احادیث رسول کا ایک گراں بہا ذخیرہ بھی جمع تھا۔ دوسرا فریق اہل الرائے کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے جماعت اہل الحدیث والسنۃ کے خلاف چلنا شروع کیا۔ صحابہؓ کے آثار اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو پس پشت ڈال دیا۔ کتاب و سنت کے احکام و مسائل قرآن و حدیث کے اصول و فرامین کو یہ نظر انداز کر چکے تھے۔ آئمہ مجتہدین اور فقہاء کی آراء و قیاسات اور قول و فعل پر اپنے مذہب و عقائد کی بنیاد رکھی اور اپنی رائے سے من گھڑت مسائل تصنیف کر کے شرع اسلام کے جزو اعظم اور رکن بنا دیئے۔ اس قسم کے احکام و مسائل کا نام انہوں نے فقہ رکھ دیا۔ جو سراسر کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی اور مخالف ہیں۔ امت مسلمہ میں فرقہ بندی کی عمارت کھڑی کرنے اور تقلید شخصی کو فروغ دینے والے بھی یہی حضرات ہیں۔ انہی لوگوں نے اسلامی وحدت کو پارا پارا کیا۔ اور دین مبین کی سالمیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ملت اسلامیہ میں نفرت و حقارت کی تخم ریزی کی۔ افسوس کہ فرقہ بندی کے درخت آج مضبوط جڑ پکڑ گئے ہیں۔" (التاریخ الملۃ جز ۲ صفحہ ۱۳۴)

علامہ نجیب العراقی کے اس مفصل اقتباس سے اہل الرائے مکتبہ فکر کی حقیقت سمجھنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی۔ بالکل اسی طرح مصر کے ایک فاضل سید طاہر مصری کا بے لاگ تبصرہ بھی بڑا قیمتی اور حقائق کو طشت ازبام کرنے والا ہے۔ چنانچہ سید طاہر مصری لکھتے ہیں۔

"اگرچہ دوسری صدی ہجری میں بھی مسلمانوں کے اندر کچھ کچھ اختلافات نمودار ہو چکے تھے پر وہ دینی سے زیادہ سیاسی تھے۔ وہ بنیادی

اور اصولی نہ تھے۔ بعض فروعی اور غیر ضروری مسائل سے متعلق تھے۔ لیکن چوتھی صدی ہجری کے اواخر مین اہل الرائے نے مستقل طور پر ان کو وسعت دی اور ان کو بڑھا چڑھا کر تقلید شخصی کی شکل دے دی۔ مطلب یہ کہ اہل الرائے حضرات اہل تقلید بن گئے۔ انہوں نے کتاب و سنت سے اعراض کیا اور فقہاء و مجتہدین کے اقوال و اعمال کو جناب شارع علیہ السلام کے اقوال و اعمال پر ترجیح دی۔"

(المراۃ الاسلام ۳۸۲)

اس حقیقت سے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی کہ اہل الرائے اور اہل قیاس و فقہ کا مرکز عراق اور عراقی شہر تھے۔ حجاز مقدس اور حرمین شریفین سے ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے سوتے پھوٹتے رہے۔

فقہاء کے نام سے جب مذاہب کی داغ بیل ڈالی گئی۔ تو ان کے ماننے والوں میں بغض و کینہ نفرت و حسد اور عداوت اس قدر جارحانہ عصبیت کی شکل اختیار کر گئی کہ عباسی خلافت کی تباہی' فاطمیوں کی بربادی اور عثمانی حکمرانوں کی بیخ کنی میں اسی مذہبی گروہ بندی اور فقہی تقسیم نے ایک خوفناک کردار ادا کیا۔ حنفیوں' شافعیوں کے بغداد میں وہ مناظرے' تاتاریوں کی غارت گری اور مسلمانوں کے قتل عام کا باعث بنے۔ قصہ مختصر اہل الرائے اور اہل تقلید کا یہ گروہ رفتہ رفتہ اسلام کی روح سے دور ہوتا گیا۔ اور دین کے اصول و احکام سے بہت دور چلا گیا۔ اس نے دین اسلام میں عجیب طرح کی رخنہ اندازی کی۔ اسلام میں محدثات کو فروغ دیا بدعات کو دین کا حصہ گردانا۔ یہ گروہ پہلے اہل الرائے بنا پھر اہل تقلید ہوگیا۔ آخر اس نے اہل بدعت کی صورت اختیار کر لی۔ اسلام کی اس سے بڑھ کر بدقسمتی اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا میں خدا کا سب سے پہلا گھر بیت اللہ جو خدا تعالٰی کی عبادت و ریاضت کیلئے بنایا گیا۔ جس میں ایک نماز پڑھنے سے ایک لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے۔ اس میں فقہی گروہوں نے چار مصلے بنا

ڈالے۔ جن کی چار اذانیں ہوتی تھیں اور بیک وقت چار امام نماز پڑھاتے تھے۔ اللہ بھلا کرے سعودی حکومت کا جن کی بدولت بیت اللہ کے چاروں مصلے اور چار اذانیں موقوف ہوئیں اب ایک ہی امام کی اقتداء میں تمام فرقے اور حرم کی تمام جماعتیں نماز ادا کرتے ہیں۔ غضب خدا کا ہم اگر اللہ کے گھر میں بھی اکٹھے ہو کر ایک ہی امام کی اقتداء میں عبادت نہیں کر سکتے تو ہم سے بڑا بدنصیب کون ہوگا؟

چوتھی صدی ہجری سے آٹھویں صدی تک دینی تحریکیں

چوتھی صدی سے آٹھویں صدی تک اپنے اپنے دور میں مصلحین' مجددین' محدثین اور علمائے ربانی ' شرک و بدعت' محدثات و اختراعات اور سیئات و منکرات کے خلاف برسرپیکار رہے۔ اور بدعات کا قلع قمع کرتے رہے۔ یہ چار صدیاں علماءٰ ربانی اور علمائے سو کے درمیان کشمکش کا باعث بنیں اور ان کے درمیان ہمیشہ نشیب و فراز پیدا ہوتے رہے۔ کبھی علمائے ربانی کی دینی مساعی غالب آجاتیں اور پوری اسلامی قلمرو میں دین اسلام کا غلبہ ہو جاتا۔ حدیث و سنت کی ضیاء پاشیوں سے عالم اسلام منور ہو جاتا اور کبھی اہل بدعت اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتے۔ اور بدعت کا ہی دور دورہ دکھائی دیتا۔ اسی ستیزہ کاری میں سنت و بدعت کی کشمکش جھوٹ و سچ کے نشیب و فراز میں وقت گزرتا رہا۔ صدیاں بیتتی رہیں۔ لیکن تمام اہل الرائے اہل تقلید اہل بدعت کا روپ دھار چکے تھے۔ اور بدعت کے متوالوں نے اسلام اور کتاب و سنت کے خلاف اسلام کے معاندین اور مخالفین کی طرح ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ پہلے پہل یہ لوگ تقلید شخصی کی نذر ہوگئے۔ پھر انہوں نے بدعت کے فروغ کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے نئے مسائل گھڑ گھڑ کر دینی قدروں کو پامال کیا گیا۔ بدعات کی سرپرستی سے ایسے مسائل گھڑ لئے گئے جن کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ اور ایسے عقائد و اعمال کو جزو ایمان گردانا گیا۔ جن کا دین سے ذرا

پھر بھی تعلق نہ تھا۔ صورت حال یہ ہوگئی۔ یہ بندگان خدا اس قدر آگے بڑھے کہ قرآن و سنت کے خلاف قبروں کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ مزارات پر نذر و نیاز دینے کا آغاز کر دیا۔ مردوں سے مرادیں مانگنا۔ غیر اللہ کو مشکل کشاء اور حاجت روا ماننا' ان کے ایمان و عقیدہ میں داخل ہوگیا۔ ہر بات میں سنسنی خیزی اور مبالغہ آمیزی ان کا مقصد حیات ٹھہرا۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور حدیث سے انکار کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو الوہیت کا درجہ دیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قاضی الحاجات' عالم الغیب' حاضر و ناظر اور قادر مطلق گردانا۔ تمام شرکیہ رسوم اور ہندوانہ عقائد کو فروغ دیا۔ اور عقیدۂ توحید کو مکدر کر کے اس میں پیوند کاری کی۔

پانچواں باب

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

چھٹی اور ساتویں صدی ہجری دینی طور پر بڑی پر آشوب صدی ہے۔ اس میں سنت کو بالکل پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ قرآنی تعلیمات بالکل فراموش کر دی گئی تھیں۔ اسوۂ رسول گلدستہ طاق نسیاں بنا دیا گیا تھا۔ تقلید شخصی کا دور دورہ تھا۔ سنت کی جگہ بدعات لے چکی تھیں۔ اصل اسلام کی جگہ نقلی اسلام کار فرما تھا۔ دین میں نئے نئے مسائل گھسیڑ دیئے گئے تھے۔ مولوی اور صوفی آئے روز دین کے نام پر نئے نئے مسائل گھڑ رہے تھے۔ شرکیہ رسوم عام تھیں۔ قبور و مزارات پرستی زوروں پر تھی۔ ضعف اعتقادی مسلمانوں کی بربادی کا سبب بن رہی تھی۔ یہ صاف ستھرا اسلام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے امت تک پہنچا تھا مٹایا جا رہا تھا۔ اسلام کے دونوں سرچشموں کتاب اللہ اور سنت رسول کو علماء سوء' صوفیاء اور نام نہاد مرشدین (پیر) پس پشت ڈال چکے تھے۔ معتزلی' باطنی اور بدعتی اسلام کی بیخ کنی کے درپے تھے۔ ادھر عباسی خلافت ختم ہو چکی تھی۔ فتنہ تاتار طوفان بن کر عالم اسلام کی تہس نہس کر رہا تھا۔ ھلاکو خان' چنگیز خان اور ان کی وحشی نسل افغانستان' ترکستان' ماوراء النہر' خوارزم اور ایران کے شہروں کو تہہ و بالا کر چکے تھے بلکہ ان ظالموں نے مسلمانوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے تھے۔ اسی تاتاری جرنیل کو سب سے بہادر سمجھا جاتا تھا جو مسلمانوں کے سروں کا سب سے اونچا مینار بناتا تھا۔ مستعصم باللہ آخری عباسی خلیفہ کے شیعہ وزیراعظم داؤد علقمی کی غداری اور مخبری سے عروس البلاد بغداد پر حملہ کیا گیا۔ اس وقت دنیا کے اس سب سے بڑے شہر کی ۲۲ لاکھ آبادی سے چند ہزار نفوس بچ سکے۔ سب کو ذبح کر کے دریائے دجلہ میں پھینکا گیا۔ آٹھ دن تک

دریائے دجلہ کا پانی سرخ بہتا رہا۔ پھر بغداد کی یونیورسٹیوں' کالجوں' سکولوں' مدارس اور مشائخ کی ذاتی لائبریریوں سے کتابیں اٹھا کر دریا میں پھینکی گئیں۔ کیونکہ اس وقت سب قلمی نسخے ہوتے تھے۔ تو آٹھ دن دریائے دجلہ کا پانی سیاہ بہتا رہا۔ شیخ مصلح الدین سعدی شیرازیؒ نے حملہ تاتار سے پہلے عروس بلاد بغداد دیکھا تھا۔ اور بغداد کی تباہی کے بعد بھی وہ جب بغداد تشریف لائے تو ضبط سخن نہ کر سکے اس کی تباہی کو دیکھ کر ۸۰ اشعار پر مشتمل بڑا دردناک مرثیہ کہا۔ ہندوستان کے بغداد دہلی کو جب انگریز نے لوٹا تو داغ دہلوی نے بھی اس پر خون کے آنسو بہائے۔ داغ دہلوی کی وفات پر علامہ اقبال مرحوم نے کہا۔ ؎

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہاں آباد پر

فتنہ تاتار پورے عالم اسلام کے لئے خطرہ بن کر ہر چہار طرف پھیل گیا۔ دوسری طرف مسلمانوں میں فرقہ بندی' گروہ سازی' خلفشار و انتشار زوروں پر تھا محدثات' بدعات کی گرم بازاری تھی' تقلید شخصی اور اطاعت غیر اللہ کے پردے دلوں پر چھائے ہوئے تھے' فقہاء و مجتہدین نے مسلمانوں پر کتاب و سنت کے درک و فہم کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ علمی اور عملی تنزل انتہاء کو پہنچا ہوا تھا۔ اس وقت قبور و مزارات پر گنبد و مینار بکثرت بن چکے تھے۔ عظیم الشان خانقاہیں تعمیر ہو چکی تھیں۔ ان کی پرستش مسلمانوں کے ایمان میں شامل تھی۔ علم حدیث برائے نام باقی تھا۔ اگر کہیں دین کی روشنی نظر آتی تھی تو اس کا دارومدار بھی فقہ پر تھا۔ فسق و فجور عام تھا۔ عوام کیا علماء بھی فکر آخرت سے غافل ہو چکے تھے۔ ایسے تیرہ و تار ماحول میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ حرانی نے ساتویں صدی ہجری کے آخر میں آنکھیں کھولیں۔ اگرچہ اس وقت بھی علماء و مشائخ موجود تھے اور خاصی بڑی تعداد میں موجود تھے لیکن احیائے اسلام' تجدید دین اور تمسک بالکتاب والسنہ کی علم برداری کا قرعہ فال امام ابن تیمیہؒ کے نام نکلا۔ صحیح بات یہ ہے کہ ساتویں اور آٹھویں صدی میں بے دینی کی ظلمت و تاریکی کی تہیں جس طرح جمی

ہوئی تھیں ان کو دور کرنے کے لئے بھی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ کی ضرورت تھی۔

امام ابن تیمیہ ؒ ان کی خدمات کا علمی مقام۔ ان کا ذہنی دبدبہ۔ ان کی حمیت اسلام کا طنطنہ اور ان کی انقلابی دعوت کا ہمہمہ کے اقتصاء کیلئے ایک دفتر درکار ہے چند اوراق میں ان کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ سرزمین شام سے اتنی بڑی شخصیت آج تک نہ اٹھی۔ شاید ان کی نابغیت اور عبقریت کے لئے اقبال ؒ کا یہ شعر کس قدر موزوں ہوگا۔ ؎

نہ اٹھا کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل تبریز ہے ساقی

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ کا ماحول دینی طور پر کس قدر سنگین تھا۔ مبتدعین و مقلدین کس قدر دین سے دوری اختیار کر چکے تھے۔ ان کے بارہ میں حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ **لنشات بعدهم قرون على التقليد الصرف لا يميزون الحق من الباطل ولا لجدل عن الاستنباط ولم بات قرن بعد ذلك الا هو اكثر فتنه (الحجته الله البالغته)** ترجمہ۔ پھر قرون وسطیٰ کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوگئے جو تقلید کے سوا کچھ نہ جانتے تھے اور نہ انہیں یہ تمیز تھی کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ استخراج مسائل کا طریق کیا ہے۔ اس کے بعد خیر القرون اور ازمنہ وسطیٰ جیسا زمانہ نہ آیا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ فتنہ پھیل گیا۔

تقلید شخصی زور پکڑ گئی۔ قرآن و حدیث کا ذوق مفقود ہوگیا۔ لوگ دین میں غور و فکر اور تدبر و تفکر کرنے سے لاپرواہ ہوگئے۔ یہ تھے وہ نازک ترین' پرخطر حالات دین و ملت جن کی اصلاح و تعمیر' تجدید' احیاء دین اور تمسک بالدین کے لئے شیخ الاسلام تقی الدین امام ابن تیمیہ حرانی ؒ تشریف لائے۔ آپ نے از سر نو بکھرے ہوئے مسلمانوں کو منظم کیا اور مجاہدین کی تنظیم کی بلاد و امصار میں دعوت و تبلیغ کا کام جاری کیا۔ تاتاری یلغار کو للکارا۔ تہذیب و ثقافت اخلاق و معاشرت میں جو بدعنوانیاں راہ پا گئی تھیں۔ ان کی اصلاح پر کمر ہمت باندھی۔

دین کے احیاء اور قرآن و سنت کے بقاء و ارتقاء کے لئے اپنی مساعی کو مجتمع کیا۔ بدعات و محدثات کا استیصال فرمایا۔ کفر و شرک کا رد کیا۔ مباحثوں' مناظروں' مجادلوں او مقابلوں میں زندگی کی قیمتی گھڑیاں صرف کیں۔ مقابر و مزارات اور غیر اللہ کی پوجا سے مسلمانوں کو منع کیا۔ قرآن و حدیث کی درسگاہیں بکثرت قائم کیں۔ مسلمان اپنے ضعف اعتقادی کی وجہ سے تاتار کی غلامی پر جو قانع ہو رہے تھے ان کو جہاد وغا پر ابھارا۔ ان میں لڑنے مرنے اور خدا کی راہ میں جانیں فدا کرنے کے خوابیدہ جذبات جگائے۔ کیونکہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے تاتار کے طوفان کے سامنے اپنی بہادری و شجاعت سے خود بند باندھا جس کی وجہ سے وہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ بقول اقبال

کعبے کو پاسبان مل گئے صنم خانے سے

کا اشارہ بھی انہیں وحشیوں کی طرف ہے جو امام ابن تیمیہؒ کی شجاعت و راست بازی سے حلقہ بگوش اسلام ہوگئے تھے۔ امام ابن تیمیہؒ نے اپنے جذبہ جہاد اور مومنانہ شجاعت سے اسلام کے دشمنوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں اما شجاعته فبها تضرب الامثال و بتشبه اکابر الا بطال حتی کانه لیث حرب۔ ترجمہ ان کی شجاعت ضرب المثل ہے۔ وہ بڑے بڑے جرنیلوں کے متشابہ ہیں اور جہاد کے میدان میں شیر ببر ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کی دینی خدمات' تبلیغ دین و اشاعت حق' تجدید شریعت اور احیائے توحید و سنت کا یہ اثر ہوا کہ بدعتی کہیں خال خال ہی نظر آتے تھے۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ کا زمانہ پھر عود کر آیا ہے۔ آپ کی علمیت و فضیلت سب کے یہاں مسلم تھی۔ آپ کے مخالف معاصرین نے بھی آپ کو یوں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

ما راینا مثله ولا رای هو مثل نفسه و ما راینا احدا " اعلم بکتاب الله و سنة رسوله ولا اتبع لهما منه۔ ترجمہ نہ ہم نے ان کے مثل کوئی دیکھا نہ انہوں نے کسی کو اپنا ثانی پایا۔ اور نہ ہم نے ان سے کسی شخص کو کتاب و سنت کا زیادہ علم رکھنے

والا اور اتباع کرنے والا دیکھا۔ امام ابن تیمیہؒ کی تعلیمات کا اثر ڈیڑھ، دو سو سال تک باقی رہا۔ پھر اس میں زوال آنا شروع ہوگیا۔ جس مصلح اور مجدد نے اپنا خون جگر دے کر دین کے احیاء اور قرآن و حدیث کی تبلیغ و تلقین فرمائی تھی۔ ان کی تعلیم و تدریس کو پھر فراموش کر دیا گیا۔ چنانچہ نویں اور دسویں صدی ہجری میں خود مرکز توحید اور صدر اسلام میں مبتدعین کی ایک خاصی بڑی جماعت پیدا ہوگئی اور عرب اور اس کے مرکزی مقامات میں پھر وہی حالات پیدا ہوگئے جن کی اصلاح آٹھویں صدی ہجری میں امام ابن تیمیہؒ نے فرمائی تھی۔ جیسا کہ مولانا عبدالمجید سوہدروی لکھتے ہیں عرب اور اس کے آس پاس میں محدثات و شرک و ضلالت کا آغاز درحقیقت شرفاء مکہ کے تعیش، تغلب، مطلق العنانیوں اور بدعنوانیوں سے ہوا۔ چنانچہ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں رؤسائے عرب ملک میں جا بجا فساد و فتنہ پھیلانے لگے۔ حرم پاک میں الحاد و کفر کو فروغ دیا۔ بیت اللہ شریف کو توحید کے بجائے شرک کا مرکز بنایا۔ فسق و فجور کا بازار گرم کیا۔ کتاب و سنت سے روگردانی کی۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑا۔ یہ رؤسا و شیوخ ترکی کے زیر اقتدار تھے۔ اس عہد میں ترک شاہراہ اسلام (صراط مستقیم) سے دور ہوتے چلے گئے۔ اس لئے عرب میں زمانہ قبل از اسلام کی سی جہالت عود کر آئی۔ (سیرت ثنائی)

امام ابن تیمیہؒ کا مقام دعوت و عزیمت

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کا دعوت و عزیمت میں کیا مقام و مرتبہ تھا، اس کے بارے میں امام الہند حضرت مولنا ابوالکلام آزادؒ نے امام ابن تیمیہؒ کو جو خراج تحسین پیش کیا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔

"آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں جب دعوت عامہ و تجدید شریعت و احیائے السنہ بعد موتها و اخماد البدعته بعد شیوعها و ارتفاعوها کی روح

القدس نے آیت من ایات اللہ و حجتہ قائمتہ من حجج اللہ شیخ المصلحین و ملاذ المجددین و سند الکاملین و امام العارفین' وارث الانبیاء و قدوۃ الاولیاء حضرت شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے وجود مبارک میں ظہور کیا اور عہد اواخر کے تمام مسالک دعوت و تجدید کی ریاست و فاتحیت و قطبیت و مرکزیت کا مقام اس مجدد اعظم کے سپرد کیا گیا۔ دیار مصر و شام علماء کاملین سے مملو و مشحون تھا۔ بڑے بڑے حفاظ' نقاد علوم اور خواص و اعاظم' نظر و اجتہاد موجود تھے۔ جن کے بعد اس درجہ کے لوگ عالم اسلام میں پیدا نہیں ہوئے۔ بایں ہمہ یہ حقیقت سورج کی طرح چمک رہی ہے کہ مقام عزیمت و دعوت کا جو مقام خاص ہے وہ ان میں سے کسی کے حصہ میں نہ آیا۔ وہ صرف شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ ہی کے لئے موزوں تھا۔ سب دوسرے کاموں میں رہ گئے۔ مگر انہوں نے وہ سب کام بھی ان سے بہتر کئے جو وہ سب کر رہے تھے۔ پھر ان سے بڑھ کر یہ کہ سب کو راہ عزیمت' دعوت و تجدید احیائے ملت و رفع اعلام و سنت و اخماد بدعت و کشف ابراز معارف مستورہ کتاب و سنت و غوامض اسرار معارف حکمت و نبوت وانفجار ینا بیع الحکمتہ من اللسان والجنان و جہاد فی سبیل اللہ بالسیف والقلم واللسان میں منزلوں پیچھے چھوڑ دیا۔ اور علوم اعمال وھبیہ و ساویہ کی ان بلندیوں پر تن تنہا جا کھڑے ہوئے جہاں ان کے اقران و معاصرین کے وہم و تصور کو بار نہیں حتیٰ کہ خود ان کے معاصرین کو بیک زبان یک قلم ہو کر اعتراف کرنا پڑا ما رابنا مثلہ وانہ مارای مثلہ نہ تو ہماری آنکھوں نے اس کا مثل دیکھا اور نہ خود ان کو اپنا سا کوئی نظر آیا۔

ع اے تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم۔

(مولنا ابوالکلام آزاد' تذکرہ)

جامع کمالات

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی زندگی کا ایک ایک منٹ اللہ کی راہ میں صرف

ہوا۔ اتنی جامع کمالات' جامع حیثیات اور جامع صفات شخصیت لیل و نہار کی لاکھوں گردشوں کے بعد عالم وجود میں آتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

امام ابن تیمیہؒ بیک وقت مصنف' مولف' مدرس' محدث' مبلغ' خطیب' زعیم' مصلح' داعی' مجدد' سیاست دان' اہل اللہ اور جرنیل تھے۔ زندگی کا ایک ایک لمحہ اعلائے کلمتہ اللہ۔ احیائے اسلام تجدید دین۔ تمسک بکتاب اللہ و سنت رسول اللہ۔ احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے وقف رہا۔ دنیا اور زخارف دنیا سے کبھی کوئی علاقہ نہیں رہا انہیں ایک ہی لگن تھی اور ایک ہی دھن تھی کہ بدعتوں کا استیصال کیا جائے۔ نظر و فکر کی گمراہیاں ختم کی جائیں۔ گمراہ کن عقائد کا سدباب کیا جائے۔ گمراہ فرقوں کا تعاقب کیا جائے۔ مزارات و قبور پرستی سے مسلمانوں کو باز رکھا جائے۔ خدا کی توحید سربلند کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے پرچم کی اڑانوں کو پرشکوہ بنایا جائے۔ دعوت و ارشاد کو عام کیا جائے۔ معاشرے کی اصلاح کی جائے' بدی کو مٹایا جائے' نیکی کو پھیلایا جائے۔ مظلوموں کی مدد کی جائے۔ ظالموں کو ظلم سے روکا جائے' تاتاریوں کے طوفان کے سامنے مخلص' صالح' مسلح اور نوجوان مجاہدوں کا بند باندھا جائے۔ پیر پرستی' شخصیت پرستی' تقلید شخصی اور بدعت نوازی کا قلع قمع کیا جائے۔ مسلک سلف کو نہ صرف فروغ دیا جائے بلکہ عالم اسلام کی وسعتوں کو ہر مسلم' عاقل اور بالغ تک پہنچایا جائے۔ یہ ہیں وہ بلند مقاصد جن کے محور پر امام ابن تیمیہؒ کی ساری زندگی گھومتی رہی۔ امام ابن تیمیہؒ کی پوری زندگی پر لکھنا تو ہمارے مضمون میں شامل نہیں۔ لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ امام ابن تیمیہؒ کی ٹکر کی شخصیت نہ پہلے دیکھی گئی نہ بعد کی چھ صدیوں میں کوئی ایسی باکمال شخصیت نظر آئی۔ ہمارا یہ موقف کسی مبالغہ پر مبنی نہیں کہ وہ مائیں بانجھ ہو گئیں جو امام ابن تیمیہؒ جیسی

جامع شخصیت جنا کرتی تھیں۔ وہ پیمانے ٹوٹ گئے جس میں ایسی باکمال شخصیتیں ڈھلا کرتی تھیں۔ زندگی کا کوئی پہلو اور کوئی میدان ایسا نہیں جس میں امام ابن تیمیہؒ کے نقوش پا موجود نہ ہوں۔ ان کی زندگی جہاد باللسان' جہاد بالقلم اور جہاد بالسیف سے عبارت تھی۔ ایسا راست باز' حق گو' مجاہد' خطیب' ادیب' مدرس' عابد' ذاکر' مستجاب الدعاء' ہمدرد خلق' خلیق' متواضع' منکسر المزاج شخص چشم فلک نے کم ہی دیکھا ہوگا۔

امام ابن تیمیہؒ کا سراپا

امام ابن تیمیہؒ کتنے باکمال انسان تھے۔ اس کا اندازہ امام ذہبیؒ کے اس خراج تحسین سے لگ سکتا ہے جو شیخ محمد ابوزہرہ مصری نے حیات ابن تیمیہؒ میں ذکر کیا ہے۔ امام ذہبیؒ امام ابن تیمیہؒ کے معاصر ہیں۔ لکھتے ہیں "سفید رنگ' سیاہ بال' کالی داڑھی جس کے بال کانوں کی لو تک پہنچے ہوئے۔ دونوں آنکھیں کیا تھیں چشم گریاں تھیں۔ چوڑا چکلا بدن' دونوں مونڈھے فراخ' آواز بلند' فصاحت و بلاغت کا جوہر نمایاں' سریع الکلام' کبھی غصہ بھی آجاتا۔ لیکن اس کو حلم سے دبا لیتے۔ بارگاہ الٰہی میں عجز و نیاز' آہ و زاری۔ انابت الی اللہ کے خوگر اور اس سے مدد طلبی میں آپ جیسا شخص دیکھنے میں نہیں آیا۔ امام صاحبؒ کے صفات جمیلہ و نفیسہ پر مستزاد ان کے عقلی و ذہنی فضائل تھے۔ جنہوں نے ان کی شخصیت میں ایک خاص قسم کے رعب اور قوت و تاثیر کا عالم پیدا کر دیا تھا۔ جس سے بات کرتے وہ سیدھی دل میں اترتی چلی جاتی۔ جس سے ملتے وہ ہمہ تن گوش ہو کر ان کی بات سنتے اور وہ مجبور ہو جاتا کہ وہ اپنے قلب و احساس کو انہیں سونپ دے۔ (حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری ص ۶۶۔ ۶۷) اس طرح کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر حلیہ کے عنوان سے یوں لکھا گیا ہے۔ "میانہ قد' گورا رنگ' بولتی ہوئی روشن آنکھیں' آواز بلند' زبان فصیح و بلیغ داڑھی اور سر کے

بال سیاہ آخری ایام میں کوئی کوئی بال سفید ہوگیا تھا۔ سر کے بال کانوں تک ہوتے۔ کبھی کبھی سارا سر منڈا بھی لیا کرتے۔"

(طبقات حنابلہ جلد اول ص ۳۹۵)

امام ابن تیمیہؒ کے افکار

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اسی موقف و مسلک کے علمبردار تھے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا اور اسی دعوت کے داعی تھے۔ جس کو صحابہؓ' تابعینؒ اور تبع تابعینؒ اور محدثینؒ زندگی بھر پیش کرتے رہے۔ جسے اہل حدیث پیش کرتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا زندگی بھر کا مشن رہا۔ کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے ان کے قلم کی توانائیاں' خطابت و تبلیغ کی رعنائیاں' سیف و سنان کی معجزہ نمایاں جاری رہیں۔ اس پر آشوب دور میں حضرت خالد بن ولیدؓ کی مضبوط تلوار جیسے قلم نے مبتدعین کے لتے لئے۔ مشرکین قبور و مزار پرستوں کی دھجیاں بکھیریں۔ جہمیوں' قدریوں' معتزلوں' ناصبیوں' خارجیوں' باطنیوں' تفضیلیوں' نصیریوں' دروزیوں' اثناء عشریوں وحدت الوجودیوں' منطقیوں' فلسفیوں' مسیحیوں' یہودیوں اور غالی مقلدوں کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ ہر ہر موضوع پر ان کے خارا شگاف اور بہار آفرین قلم نے لولوء لالہ بکھیرے۔ مسند تدریس کو فروغ بخشا۔ ہزاروں تلامذہ کو باطل کے خلاف مسلح کر کے آمادہ پیکار کیا۔ حدیث کی کتابوں کے شروح' حواشی اور ذیول لکھے۔ ہر صنف علم پر ان کے قلم نے داد تحقیق دی۔ اتنا بڑا انسان تاریخ کے مطالعہ سے کہیں نظر نہیں آتا۔ ذہانت و فطانت' قوت حافظہ و بدلیع گوئی' حاضر جوابی' داعیانہ سوز و ساز' تجدید و احیائے دین میں کوہ استقامت' ہر وقت باطل سے چومکھی لڑائی لڑنے اور مجاہدانہ تگ و تاز کے اعتبار سے وہ نہ صرف عہد ساز بلکہ نابغہ عصر' عبقری زمان' وحید الدھر' یکتائے عالم اور سرآمد

روزگار شخصیت تھے۔ امام ابن تیمیہؒ کے افکار نہ صرف مصر و شام' نہ صرف عرب ممالک' نہ صرف عالم اسلام بلکہ دنیا بھر میں پھیل چکے ہیں۔ کوئی اہل علم ان کے فکر و نظراور ان کی تحقیق و دانش سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اہل حدیث کی وہ نظریاتی شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اخلاق و کردار حسن معاملات جرات' مردانگی' شجاعت' تفکر و تدبر' ملت کی بہی خواہی' کتاب و سنت کی حجت' صحابہؓ کے احترام' رسول اللہؐ سے عشق' بدعت اور بدعتیوں سے نفرت' گمراہ کن عقائد سے اظہار بیزاری کے اعتبار سے بہت اونچے منصب پر فائز کیا تھا۔

مولفات

فراغت تعلیم کے بعد ان کی زبان اور ان کا قلم احیائے دین و ملت تمسک بالکتاب والسنہ' احقاق حق اور ابطال باطل میں چوکڑیاں بھرتا رہا۔ تین مرتبہ جیل میں جانے کے زمانے میں اور پھر آخری ابتلاء کے دور میں ان کی کتابیں اور لٹریچر ضبط کر لیا گیا۔ حکومت کی جہالت نے انہیں نیست و نابود کر دیا۔ بعض مولفات مخالف معاصرین کے ہاتھ لگ گئیں ان تمام واقعات کے باوجود ان کی مولفات و مصنفات کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز ہے۔ یہ بات بلاخوف لومتہ لائم کہی جا سکتی ہے کہ ان کی زندگی کا حساب کیا جائے تو پچاس صفحے یومیہ اوسط نکلتے ہیں جو وہ لکھتے رہے۔ کمپیوٹر تو اب ایجاد ہوا۔ امام صاحب کی تالیفات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا ذہن آیتہ من آیات اللہ کا درجہ رکھتا تھا۔ اندازہ فرمائیں کہ ان کے فتاویٰ کے ۳۷ جز شائع ہو چکے ہیں۔ اور اگر ان کے تمام غیر مطبوعہ فتاویٰ میسر ہو جائیں تو ان کی تعداد ۵۰ تک پہنچ سکتی ہے۔

منہاج السنہ کی تالیف کا سبب

ابن مطہر حلی نے ایک حکمران کی مطلقہ بیوی کو آگے نکاح کے بغیر اسی کے نکاح میں لانے کے جواز کا فتویٰ دیا۔ جبکہ اہل حدیث علماء اس کی حرمت کا فتویٰ

دے چکے تھے۔ کسی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی نے بھی حکمران کی تائید نہ کی۔ ابن مطہر حلی نے منہاج الکرامتہ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں تقریباً ۴۰ قرآنی آیات کو توڑ مروڑ کر صحابہؓ کے خلاف اور حضرت علیؓ اور اہل بیت کے حق میں پیش کیا۔ اور حکمران سے ان کے دو مطالبے تھے کہ تم مذہباً شیعہ ہو جاؤ تمہاری بیوی میں تمہارے لئے حلال کر دوں گا۔ اور تم میری اس کتاب کو عالم اسلام میں پھیلا دو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ حرانی نے منہاج السنہ یا منہاج الاعتدال کے نام سے ۴ جلدوں میں اس کی تردید لکھی جس میں شیعی عقائد کے تار پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں شیعہ کے جواب میں لاجواب کتاب ہے۔ اور آج تک شیعہ اس کا کوئی معقول جواب نہ لکھ سکے۔

تلامذہ

امام ابن تیمیہؒ کے تلامذہ کی تعداد یوں تو ہزاروں سے متجاوز ہے۔ تاہم چند نامور تلامذہ جو شیوخ بن چکے تھے۔ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ محمد بن علی مفلحؒ، ابن قاضی الجبلؒ، ابو حفص البزارؒ، ابن سعد اللہ حرانیؒ، ابن الوردیؒ، ابوالھادی الزائدؒ، قاضی ابن فضل اللہؒ، عامر بن مریؒ، حافظ ابن کثیرؒ، حافظ ابن عبدالھادیؒ، حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن قیم رحمھم اللہ اجمعین (حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ)

جو چاہیں فیصلہ کریں

جب شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا آخری ابتلاء شروع ہوا۔ قاضی ابن خنائی نے مسئلہ زیارت قبور کے رد کے سلسلہ میں انہیں گرفتار کروایا اور حاکم وقت کو ان کی مجاہدانہ اور رضاکارانہ قوت سے ڈرایا اور کہا کہ یہ کسی وقت تمہارے خلاف مسلح انقلاب بھی برپا کر سکتے ہیں۔ اس اندیشہ ہائے دور دراز کے پیش نظر امام صاحب کی گرفتاری عمل میں لائی گئی اور انہیں بیان دینے کے لئے جج کے

سامنے پیش کیا گیا۔ امام صاحب نے وہاں بڑی جرات سے ایک تاریخی اور مفصل بیان دیا اور پھر اس میں یہ تین نکات بیان کئے کہ تم میرے خلاف حبس دوام جلا وطنی یا سزائے موت کا فیصلہ کر سکتے ہو۔ جج صاحب سن لو "الحبس لی راحتہ والجلاء لی سیاحتہ والقتل لی شھادۃ فاقض ما انت قاض" کہ تم مجھے حبس دوام کی سزا دے سکتے ہو وہ میرے لئے گوشہ عافیت اور سکون و راحت کا باعث ہوگی۔ مجھے جلا وطن کر سکتے ہو۔ وہ میرے لئے سیرو سیاحت اور مکذبین کے انجام کے مشاہدات کا باعث ہوگی۔ سزائے موت دے سکتے ہو اللہ پاک اسے میرے لئے شہادت بنا دیں گے جو چاہیں فیصلہ کریں۔ اللہ اللہ کس قدر خدا کی ذات پر یقین و اعتماد ہے۔ (البدایہ و النھایہ والکواکب)

سنگین سزا

امام ابن تیمیہؒ جیل کے گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر دھڑا دھڑ کتب و رسائل لکھنے میں مصروف تھے۔ حافظ ابن عبدالھادیؒ، حافظ ابن کثیرؒ، حافظ ذہبیؒ اور حافظ ابن قیمؒ فوری طور پر ان کی نقول تیار کر کے عالم اسلام میں پھیلا رہے تھے۔ قاضی اخنائی خناس اور دیگر مبتدعین چلا اٹھے کہ امام ابن تیمیہؒ کا جسم و جان زندان خانے میں ہے۔ لیکن ان کے افکار و خیالات پہلے سے بھی زیادہ تیزی اور نظم سے پھیل رہے ہیں۔ چنانچہ حاکم وقت سے مل کر انہوں نے امام ابن تیمیہؒ کو لکھنے پڑھنے سے قطعی طور پر منع کر دیا۔ کاغذ، قلم، دوات، کتابیں ہر چیز چھین لی گئی اور سختی سے مطالعہ پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ امام صاحب کے لکھے ہوئے مسودات اور تحریریں اور مطالعہ کی کتابیں عاولیہ کے بڑے کتب خانہ میں لا کر ڈھیر کر دی گئیں۔ یہ ساٹھ مجلدات اور ۱۴ نامکمل فائلوں پر مشتمل تھے۔ امام ابن تیمیہؒ نے کوئلے سے ردی کاغذوں پر لکھنا شروع کر دیا وہ بھی ان سے چھین لئے گئے۔ امام ابن تیمیہؒ کے لئے لکھنے پڑھنے سے منع کرنے کی یہ سزا سب سے

سنگین تھی۔ اس سزا پر امام صاحب کو بہت زیادہ کوفت ہوئی بلکہ تہجد کی نماز میں کئی روز روتے رہے کہ یا اللہ زندگی بے کار جا رہی ہے میں نے تو ایک ایک لمحہ زندگی تیرے دین کی سربلندی اور تبلیغ کے لئے وقف کیا تھا۔ لیکن ظالم حکمرانوں اور علمائے سوء نے مجھے اس سے قطعی محروم کر دیا۔ اب تو مجھے اپنے پاس بلا لے۔ اس بیکاری سے موت بہتر ہے۔

یہ واقعہ ۹ جمادی الاخری ۷۲۸ھ کا ہے (البدایہ والنہایہ)

وفات

امام ابن تیمیہؒ حوادث اور مصائب کا پوری عزیمت' ہمت' دلیری اور کوہ استقامت بن کر مقابلہ کرتے رہے۔ ان کا دل بجا طور پر مطمئن تھا کہ بے شک انہوں نے سلطان وقت کے احکام و فرامین کی مخالفت کی ہے لیکن ان پر کوئی بدترین دشمن بھی یہ الزام نہیں لگا سکا کہ طاعۃ خالق کے راستہ سے کبھی ان کے قدم ہٹے ہوں یا بدعت اور برائی کی مخالفت میں انہوں نے مداہنت سے کام لیا ہو۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا امام صاحبؒ پر بہت بڑا احسان یہ ہوا کہ قیود بشریہ سے انہیں آزاد کر دیا اور ان کی روح کو اپنے حضور میں طلب کر کے اپنی خوشنودی اور رضا کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ ۲۰ ذی القعدہ ۷۲۸ھ ۱۳۲۷ء کو امام صاحبؒ اس دنیا ناپائیدار سے رخصت ہو گئے۔ ابتلاء اور مصیبت کا یہ آخری دور تقریباً ۵ ماہ جاری رہا۔ مرض الموت کی مدت کم و بیش صرف ۲۰ دن تھی۔

(البدایہ والنہایہ)

بیماری' وفات اور جنازہ

پروفیسر محمد ابو زہرہ مصری نے حیات امام ابن تیمیہؒ میں اس موضوع پر جو لکھا ہے اس کا اردو ترجمہ سید رئیس احمد جعفری ندوی مرحوم نے کیا ہے۔ ہم ان کے الفاظ ذیل میں درج کرتے ہیں امام صاحبؒ کے بھائی زین الدین

عبدالرحمٰن کا کہنا ہے کہ پانچ ماہ کی مدت میں ہم دونوں نے ۸۰ قرآن مجید بطور دور ختم کئے۔ تین پارے روزانہ کا معمول تھا۔ اکیاسویں مرتبہ شروع کر کے سورۃ القمر ان المتقین فی جنت و نھر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر پر پہنچے تھے کہ وہ راہ گرائے آخرت ہوگئے۔ اسی وقت دو صالح و زاہد اور عالم حضرات عبداللہ بن المحب الصالحیؒ اور عبداللہ الضریرؒ (نابینا) نے سورۃ رحمٰن سے شروع کر کے یہ قرآن مجید بھی ختم کر دیا۔ ان دونوں کی قراءت آپ بہت پسند کیا کرتے تھے۔

کم و بیش ۲۰ دن بیمار رہے لیکن جیل سے باہر عام طور پر یہ بیماری کی اطلاع نہیں ہوئی۔ سوموار ۲۰ ذی القعدہ سحری کے وقت انتقال ہوا۔ خبر وفات کا اعلان قلعہ (جس میں آپ محبوس تھے) کے مینار سے علی الصبح کر دیا گیا۔ اس ناگہانی خبر سے کہرام مچ گیا۔ سارے شہر میں صف ماتم بچھ گئی۔ بازار بند ہوگئے۔ دکانوں پر اس دن کھانا تک نہیں پکا۔ مدرسوں میں عام چھٹی ہوگئی۔ مضافات شہر سے لوگ کثیر تعداد میں قلعہ کے پاس جمع ہوگئے۔ حکومت حیران تھی کہ کیا کرے۔ قلعہ کا دروازہ کھول کر داخلہ کی عام اجازت دے دی گئی۔ علماء' وزراء' امراء' عوام اور اقارب سب امام صاحب کے پاس آتے تھے۔ بلکتے اور روتے تھے۔ زیارت کے لئے پہلے مرد آئے۔ پھر عورتیں آئیں۔ غسل کے وقت سب چلے گئے صرف غسل دینے والی علماء و اعیان کی ایک جماعت رہ گئی جن میں مشہور جلیل القدر محدث اور آپ کے معتقد خاص ابوالحجاج مزی بھی تھے۔ غسل کے بعد جنازہ اٹھایا گیا۔ ہجوم بہت زیادہ ہوگیا قلعہ میں پہلی نماز جنازہ شیخ محمد بن تمامؒ نے پڑھائی۔ اس کے بعد جنازہ جامع اموی میں لایا گیا۔ نماز ظہر کے بعد جنازہ کی نماز پڑھی گئی جس کی امامت نائب الخطابتہ شیخ علاء الدین بن الخراط نے کرائی۔ پھر وہاں سے جنازہ اٹھا۔ ہجوم اس قدر تھا کہ شہر کا شہر اُمڈ کر آگیا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ معذوروں کے سوا سبھی اہل شہر مخالف و موافق جنازہ کے ساتھ شامل تھے۔ سب کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ ہر ایک کی زبان پر دعائیہ

کلمات جاری تھے۔ ہر ایک فرط عقیدت سے بلاواسطہ یا بالواسطہ جنازہ سے مس کرنا چاہتا تھا۔ شدت اژدہام کی وجہ سے جنازہ کی حفاظت و انتظام کے لئے فوج کو جنازہ گھیرے میں لینا پڑا۔ اسی حال میں ایک آواز بلند ہوئی۔ ھکذا تکون جنائز ائمۃ السنۃ والحدیث آئمہ اہل سنت والحدیث کا جنازہ اسی طرح ہوتا ہے۔

ہجوم لمحہ بہ لمحہ بڑھتا ہی گیا۔ دمشق سے باہر ایک وسیع میدان میں جنازہ رکھ دیا گیا۔ تیسری نماز جنازہ علامہ زین الدین عبدالرحمٰنؒ موصوف نے پڑھائی۔ اور عصر کے قریب اس آفتاب علم و مجدد ملت کو اپنے بھائی شرف الدین عبداللہؒ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ پہلے دو جنازوں میں شرکاء کے علاوہ تیسرے جنازہ میں تقریباً دو لاکھ حاضری کا اندازہ کیا گیا۔ ۱۵ ہزار عورتوں کا تخمینہ اس کے علاوہ ہے۔ دمشق کی تاریخ میں اس قسم کے جنازے کی مثال نہیں ملتی۔ بلکہ امام احمد بن حنبلؒ کے جنازے کے بعد اتنی حاضری کبھی نہیں ہوئی۔ ابو حفص سراج الدین بزاز کا بیان ہے۔ اس جنازہ کے موقع پر جو وقار' ہیبت' عظمت اور جلال دیکھا گیا۔ عوام میں اس تعظیم و توقیر کا مظاہرہ اس پیکر علم و عمل اور دنیاوی جاہ و منصب کو خاطر میں نہ لانے والے زاہد کو خراج تحسین ادا کرنے کے لئے کیا۔ اس کی مثال کسی دوسرے جنازہ سے ملنا مشکل ہے۔ دفن کے بعد بھی اطراف و اکناف کے لوگ قبر پر آکر نمازہ جنازہ پڑھتے رہے۔ سارے عالم اسلام کی مساجد میں امام صاحب کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔ مصر' مدینہ منورہ' مکہ مکرمہ' عراق' یمن' تبریز' بصرہ' چین وغیرہ میں حافظ ابن رجبؒ کا بیان ہے اکثر قریبی اور دوسرے دور دراز اسلامی ممالک میں امام صاحب کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی گئی۔ چین میں بھی وہاں کے آنے والے مسافروں کا بیان ہے کہ اقصائے چین کے ایک شہر میں جمعہ کے دن ان الفاظ میں اعلان کیا گیا کہ ترجمان قرآن کی غائبانہ نماز جنازہ ہے۔ امام صاحب کے جنازہ کی عظمت و شوکت کا اندازہ اس سے کیا۔

سکتا ہے کہ تقریباً دمشق میں پانچ سو مکانوں پر زیادہ ہجوم چڑھ جانے کی وجہ سے چھتیں گر گئیں۔ سینکڑوں یہودی جنازے کی عظمت کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔ (حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ تالیف پروفیسر محمد ابوزہرہ)
(اردو ترجمہ رئیس احمد جعفری ندوی۔ ص ۱۵۷ تا ۱۵۹)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

مصر کے در یتیم بخاری شریف کے شارح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ۱۲ شعبان ۷۷۳ ہجری کو اس دنیا میں تشریف لائے۔ ۱۸ ذی الحجہ ۸۵۲ھ کو اس عارضی کون و مکان سے رخصت ہوگئے حافظ ابن حجرؒ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے معاصرین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یہ مصر میں پیدا ہوئے۔ عسقلان شام میں ایک قصبہ ہے جہاں سے ان کے آباء و اجداد مصر میں منتقل ہوئے اسی لئے وہ عسقلانی کہلاتے تھے' نہایت ذہین و فطین' متقی' پاکباز' تمام علوم و فنون کے ماہر' اپنے دور کے ممتاز محدثین میں سے تھے۔ اپنے وقت کے اکابر اور جید اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ حافظہ بلا کا تھا۔ تقریباً تمام فنون و علوم پر انہیں نہ صرف عبور و استحضار تھا بلکہ اس باب میں وہ مجتہدانہ بصیرت کے مالک تھے۔ مصر' شام' عراق اور حجاز میں ان کی علمی رحلتیں جاری رہیں۔ فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور وقت کے جید علماء کو ان سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ وہ مسند افتاء پر بھی فائز تھے۔ ان کے فتوے بڑے مدلل اور محقق ہوتے تھے۔ فتویٰ ہمیشہ قرآن و حدیث کی روشنی میں دیتے اہل علم ان کے فتویٰ پر ہمیشہ مطمئن رہے۔ محنت' خلوص' اور للہیت کی وجہ سے ان کی شہرت آسمان کی بلندیوں تک پہنچ گئی۔ دور دراز سے اہل علم ان کے میخانہ علم سے علمی لب تشنگیاں بجھانے کے لئے آئے۔ ان کا مسلک اور موقف سلف صالحین کا تھا' امام ابن تیمیہؒ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ خوش اخلاق' خوش مزاج' متقی' پرہیزگار'

عابد و زاہد' شب زندہ دار' سنت رسولؐ پر مر مٹنے والی شخصیت تھے۔ بے شمار ذخیرہ حدیث ان کے نہاں خانہ دماغ میں محفوظ تھا۔ اس لئے لوگ انہیں حافظ الحدیث کہا کرتے تھے' وہ اکیس برس مصر میں عہدہ قضاء پر فائز رہے۔ محدثین انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا کرتے تھے۔ نوجوانی (اٹھارہ سال کی عمر میں) مسند تدریس پر فائز ہوئے۔ جامع ازھر' جامع عمرو بن العاص قاہرہ میں بہت عرصہ تک نہایت کامیاب خطیب رہے۔ آپ کی تصنیفات تقریباً دو سو سے زائد ہیں۔ شب و روز زندگی بھر فن حدیث سے قلبی لگاؤ اور شغل رہا۔ اسی کے نتیجے میں صحیح بخاری کی شرح فتح الباری کے نام سے تصنیف فرمائی۔ جیسے صحیح بخاری ایک بے مثال اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ رکھتی ہے اسی طرح حافظ ابن حجر کی فتح الباری بخاری کی شروح میں سب سے اونچا مقام رکھتی ہے۔ حافظ ابن حجر کا وہی عقیدہ تھا جو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا تھا۔ آپ مسلک سلف صالحین کے مبلغ قرآن و حدیث کی حفاظت میں صحابہ کرامؓ' تابعینؒ' تبع تابعینؒ' محدثینؒ اور مولفین صحاح ستہ کے جان نشین اور علمبردار تھے۔ زندگی بھر وہی دعوت پیش کرتے رہے۔ جسے فکر اہل حدیث' فکر محدثین کہا جا سکتا ہے۔ گویا عقائد و نظریات میں وہ اہلحدیث سے ہم آہنگ تھے۔ اسی لئے ہمیشہ اہلحدیث اساتذہ حدیث صحیح بخاری شریف کی تدریس میں فتح الباری پیش نگاہ رکھتے ہیں اور تمام شروح بخاری پر اس کی فوقیت اور برتری کے حامی ہیں۔ جب تک صحیح بخاری موجود ہے فتح الباری سے کوئی اہل علم مستغنی نہیں ہو سکتا ہمارے اسلاف کا یہ وہ علمی کارنامہ ہے تاریخ جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

تصنیفات

تہذیب التہذیب' لسان المیزان' تقریب التہذیب' اسمائے رجال' بلوغ المرام ان کی مایہ ناز تصنیفات ہیں۔ درر کامنہ فی حیات علماء مائۃ ثامنہ۔ جو لوگ

علم خصوصاً حدیث اور اس کے رجال پر کام کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے ان کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ بلکہ حافظ ابن حجرؒ عسقلانی کی یہ تصنیفات اہل علم کے لئے ہمیشہ مرجع رہی ہیں۔ الاصابتہ فی تمیز الصحابتہ صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت پر بے مثال کتاب ہے بحمد اللہ مذکورہ بالا تمام کتب میرے پاس موجود ہیں۔ اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی جملہ تصنیفات ایک سے ایک بڑھ کر ہیں۔ ان کے تعارف کے لئے ایک بہت بڑی کتاب کی ضرورت ہے ایک مختصر مضمون میں ان کا تذکرہ ناممکن ہے۔ صفحات کی قلت دامانی اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

غرض اہلحدیث کے اسی فرزند جلیل نے وہ علمی کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ آج نہ صرف ان کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی بلکہ حدیث اور اس کے متعلقات پر کام کرنے والے اہل علم حافظ ابن حجرؒ عسقلانی کی تصنیفات اور ان کے علمی کارناموں سے کبھی بے نیاز اور مستغنی نہیں ہو سکتے۔

چھٹا باب

برصغیر میں اہل حدیث کی آمد

برصغیر پاک و ہند ایک قدیم آباد اور وسیع ملک ہے۔ ہندوستان کے عربوں سے تعلقات بہت قدیم زمانے سے چلے آرہے ہیں۔ عرب تاجر پیشہ تھے وہ آس پاس کے ملکوں کی منڈیوں سے تجارتی مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ ویسے بھی عربوں اور ہندوستانیوں میں قدر مشترک بت پرستی اور غیر اللہ کی پوجا پاٹ تھی۔ بقول مولنا محمد اسحاق بھٹی ہندوستان کی بعض اقوام بہت عرصہ پہلے عرب چلی گئی تھیں اور انہوں نے عربی بودوباش اختیار کرلی اور عربی بول چال سیکھ لی تھی۔ زط یہ ہمارے جاٹ کا عربی ترجمہ ہے۔ (تفصیلات کے لئے دیکھئے "برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش" مصنف مولنا محمد اسحٰق بھٹی)

یہ ہندوستانی اقوام بھی برصغیر اور عربوں میں روابط کا باعث تھیں۔ عرب تاجر عموماً جنوبی ہند کی بندرگاہوں میں مال لاتے اور لے جاتے تھے۔ بعض عرب تاجروں نے جنوبی ہند کے ساحلی شہروں میں رہائش اختیار کرلی تھی۔ جیسا کہ قاضی اطہر مبارکپوری "ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں" میں لکھتے ہیں۔ مولنا محمد اسحاق بھٹی نے "برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعض واقعات کا تذکرہ درج فرمایا ہے۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہندوستان کا تذکرہ موجود ہے۔ روایات میں غزوۂ ہند کا ذکر آتا ہے۔ صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کا ہندوستان میں ورود مسعود بھی ثابت ہے۔ چنانچہ ۲۵ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہندوستان میں تشریف لائے۔ ۱۲ صحابہؓ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت میں، پانچ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں اور تین حضرت علیؓ کے دور امارت میں اور چار حضرت معاویہؓ کے

عہد حکومت میں' ایک یزید بن معاویہؓ کے دور حکمرانی میں۔ اب ان کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ (عہد فاروقی میں حضرت عثمان بن ابوالعاص ثقفیؓ۔ ۲۔ حکم بن ابوالعاص ثقفیؓ۔ ۳۔ ربیع بن زیادہ حارثی مذحجیؓ۔ ۴۔ مغیرہ بن ابوالعاص ثقفیؓ۔ ۵۔ حکم بن محمد بن عمرو بن مجدع ثعلبی غفاری۔ ۶۔ عبداللہ بن عبداللہ بن عتبان انصاریؓ۔ ۷۔ سہل بن عدی بن مالک خزرجی انصاریؓ۔ ۸۔ شہاب بن مخارق بن شہاب تمیمیؓ۔ ۹۔ صحار بن عباس عبدیؓ۔ ۱۰۔ عاصم بن عمرو تمیمیؓ۔ ۱۱۔ عبداللہ بن عمیر اشجعیؓ۔ ۱۲۔ نصیر بن وسم بن ثور عجلیؓ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلافت کے زمانہ میں درج ذیل پانچ صحابہ برصغیر میں تشریف لائے۔ ۱۳۔ حکیم بن جبلہ اسدیؓ۔ ۱۴۔ عبیداللہ بن معمر بن عثمان قرشی تمیمیؓ۔ ۱۵۔ عمیر بن سعدؓ۔ ۱۶۔ مجاشع بن مسعود بن ثعلبہ سلمیؓ۔ ۱۷۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب قرشی تمیمیؓ۔ حضرت علی رضی اللہ کے زمانہ حکومت میں درج ذیل تین صحابی برصغیر میں تشریف لائے۔ ۱۸۔ خریت بن راشد ناجی سامی۔ ۱۹۔ عبیداللہ بن سوید تمیمی شقریؓ۔ ۲۰۔ کلیب ابووائلؓ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد امارت میں چار صحابہ کرامؓ تشریف لائے۔ ۲۱۔ مہلب بن ابوصفرہ ازدیؓ۔ ۲۲۔ عبداللہ بن سواد بن حمام عبدیؓ' یاسر بن سواد بن حمام عبدی' مسنان بن سلمی بن محقق ہذلی' جناب یزیدؒ بن معاویہؓ کے دور حکومت میں منذر بن جارود عبدیؓ تشریف لائے۔

برصغیر میں اسلام کے اولین علم بردار

گویا برصغیر وہ ملک ہے جسے صحابہؓ کے قدوم میمنت لزوم کی قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی۔ صحابہؓ کی اکثریت مغربی ہند اور جنوبی ہند میں وارد ہوئی۔ بلوچستانی ساحل' سندھ کے ساحل' اور جنوبی ہند کے ساحل ان کے قدوم سے مشرف ہوئے۔ ہندوستان وہ خوش قسمت ملک ہے جس کی سرزمین کو صحابہؓ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ (برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش)

تابعینؒ کی آمد

صحابہ کرامؓ اصحاب الحدیث کا وہ اولین کارواں تھا۔ جو ہندوستان میں وارد ہوا اور انہوں نے لوگوں کو اپنے عقائد و اعمال کی درستی کی تلقین کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات لوگوں تک پہنچائے کیونکہ صحابہ کرامؓ عوام الناس کے سامنے قرآن پیش کرتے تھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان پیش کرتے تھے اور یہی اہلحدیث کا مسلک ہے۔ کیونکہ اہلحدیث کتاب و سنت سے براہ راست استفادہ کے قائل اور عامل ہیں۔ اسی بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو حکم دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے فرمایا ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنتہ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم (موطا و مشکوۃ شریف) صحابہؓ کے تلامذہ بھی اسی طرح باعظمت ہیں جیسا کہ خود صحابہ کرامؓ تھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لا تمس النار سلما" رانی ورای من رانی اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم (مشکوۃ شریف) یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (مشکوۃ ج ۲) محدثین کا اتفاق ہے کہ خیر القرون کا مبارک زمانہ ۲۲۲ھ تک ہے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس بوڑھے آسمان کے نیچے سب سے مقدس' محترم' مکرم اور معظم جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ہے۔ چشم کائنات نے انبیاء کے بعد ان سے بڑھ کر افضل و اعلیٰ کسی انسان کو نہیں دیکھا۔ صحابہؓ کے تلامذہ' تابعینؒ اور تابعینؒ چونکہ عہد خیر القرون میں پیدا ہوئے' پھلے' پھولے۔ وہ بھی اللہ کے نزدیک بہت اونچا مقام رکھتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے جنتی ہونے کی بشارت بھی اللہ کے رسولؐ نے فرما دی تھی۔ یہ امت کی تینوں ممتاز' جماعتیں اسلام کے دونوں سرچشموں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داعی تھیں۔ ہماری بھی یہی دعوت اور موقف

ہے۔ گویا یہ تمام لوگ اصحاب الحدیث تھے۔ ہم ان کے وارث اور پیروکار ہیں۔ ہم دنیا بھر کے مسلمانوں کو اسی کی دعوت دیتے ہیں۔

ہندوستان میں وارد ہونے والے تابعینؒ کے اسماء گرامی

برصغیر میں ۴۲ تابعینؒ کا ورود مسعود ثابت ہے۔ جیسا کہ قاضی اطہر مبارکپوری رجال السندھ والہند میں لکھتے ہیں اور تابعین کی ایک فہرست مہیا کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان کے اسماء گرامی درج کرتے ہیں۔

(۱) ابن اسید بن اخنسؒ (۲) ابو شیبہ جوہریؒ (۳) ساغر بن زعرؒ (۴) حاتم بن قبیصہؒ (۵) حکم بن منذر عبدیؒ (۶) راشد بن عمر والجذیدی ازدیؒ (۷) زائدہ بن عمیر طائی کوفیؒ (۸) زیاد بن حواری عمیؒ (۹) ابو قیص زیاد بن رباح قیسی بصریؒ (۱۰) حکم بن عوانہ کلبیؒ (۱۱) معاویہ بن قرہ مزنی بصریؒ (۱۲) مکحول بن عبداللہ سندھیؒ (۱۳) عبدالرحمٰن بن عباس ہاشمیؒ (۱۴) عبدالرحمٰن سندھیؒ (۱۵) قطن بن مدرک کلابیؒ (۱۶) قیس بن ثعلبہؒ (۱۷) قیس بن حسن بصریؒ (۱۸) یزید بن ابو کبشہ سکسکی دمشقیؒ (۱۹) موسیٰ سیلانیؒ (۲۰) موسیٰ بن یعقوب ثقفیؒ (۲۱) عبدالرحمٰن کندیؒ (۲۲) عبدالرحمٰن بیلمانیؒ (۲۳) عمر بن عبیداللہ قرشی تیمیؒ (۲۴) ثمر بن عطیہ اسدیؒ (۲۵) سعید بن اسلم کلابیؒ (۲۶) سعید بن قندیل قشیریؒ (۲۷) سعد بن ہشام انصاریؒ (۲۸) حباب بن فضالہ زہریؒ (۲۹) عبدالرحمٰن بن عبداللہؒ (۳۰) حارث بن مرہ عبدیؒ (۳۱) حارث بن بلیمانیؒ (۳۲) ایوب بن زید ھلالیؒ (۳۳) جری بن جری باہلیؒ (۳۴) عباد بن زیاد امویؒ (۳۵) یزید بن مفرغ حمریؒ (۳۶) ربیع بن صبیح سعدی بصریؒ (۳۷) مجاعہ بن سعد تمیمیؒ (۳۸) عطیہ بن سعید عوفیؒ (۳۹) حسن بصریؒ (۴۰) صیفی بن فسیل شیبانیؒ (۴۱) ابوسالمہ زطیؒ (۴۲) محمد بن قاسمؒ (برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش)

تبع تابعینؒ کا ورود مسعود

صحابہؓ کے شاگردوں کے تلامذہ کو تبع تابعین کہا جاتا ہے۔ تبع تابعینؒ بھی دینی طور پر بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں امت میں دو رائیں نہیں ہیں۔ تبع تابعینؒ بھی عہد خیر القرون کے حامل ہیں۔ ان کی دینی عظمت اور اسلامی سربلندی مسلم ہے۔ صحابہؓ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے سرچشمہ ہدایت کو ماننے والے ہیں۔ تبع تابعینؒ میں سے ۱۸ بزرگ برصغیرپاک و ہند میں تشریف لائے۔ یہ لوگ صحابہؓ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اور کتاب و سنت کے سرچشمہ ہدایت کے علمبردار ہیں اور عہد خیر القرون سے تعلق رکھتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے نام درج کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ (۱) اسرائیل بن موسیٰ بصریؒ (۲) کرز بن ابوکرز عبدیؒ (۳) معلّٰی بن راشد بصریؒ (۴) جنید بن عمرو العدوانی المکیؒ (۵) محمد بن زید عبدیؒ (۶) محمد بن غزان کلبیؒ (۷) ابو عیینہ ازدیؒ (۸) سندی بن شماس السمان بصریؒ (۹) عبدالرحمٰن دیبلی سندھیؒ (۱۰) عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعیؒ (۱۱) عبدالرحمٰن السندھیؒ (۱۲) عمرو بن عبید بن بابہ سندھیؒ (۱۳) فتح بن عبداللہ سندھی (۱۴) قیس بن بسر سندھی البصریؒ (۱۵) ابو معشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی (۱۶) محمد بن ابراہیم بیلمانیؒ (۱۷) محمد بن حارث بیلمانیؒ (۱۸) یزید بن عبداللہ قرشیؒ سندھی۔

(برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش ص ۱۹۷ تا ۲۱۸)

برصغیر میں رسول اللہؐ کی حدیث

صحابہ کرامؓ کا ہر قول اور ہر عمل حدیث رسولؐ اور ارشادات پیغمبر سے ہم آہنگ تھا۔ وہ جہاں جاتے فرامین نبوتؐ ان کے ساتھ جاتے۔ جن سے زندگی کے تمام نشیب و فراز میں وہ راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ برصغیرپاک و ہند میں بھی احادیث کا دل نواز اور روح پرور ذخیرہ ان کے ساتھ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے چار سال بعد ۱۵ھ میں صحابہ کرامؓ کی جو جماعت یہاں آئی۔

وہ حدیث رسولؐ اپنے ساتھ لائے۔ اس طرح کہنا چاہئے کہ پندرہویں ہجری میں اس خطے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ پہنچنی شروع ہو گئی تھیں۔

صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت کے سفر حیات کی منزلیں آنحضرتؐ کے فرامین و ارشادات کی روشنی میں طے ہوتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی طرز معاشرت کا ہر گوشہ اور اسلوب زندگی کا ہر پہلو آپ کے اسوۂ اور عمل کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ وہ گھر میں ہوں یا باہر سفر میں ہوں یا حضر میں۔ حالت جنگ میں ہوں یا امن میں' زراعت میں مشغول ہوں یا تجارت میں' ہر لمحہ اور ہر حال میں ان کے پیش نگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احادیث کا ذخیرہ رہتا تھا۔ یہی ان کا اوڑھنا' بچھونا' یہی سرمایہ زندگی تھا۔ وہ جس ملک اور جس علاقہ میں گئے اور جس منصوبہ کے تحت گئے۔ حدیث رسولؐ اپنے ساتھ لے کر گئے۔ برصغیر پاک و ہند میں آئے تو یہ متاع بے بہا ان کے ساتھ تھی۔ اور انہوں نے جو قدم اٹھایا ان کی رہنمائی میں اٹھا۔

(برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش ص ۴۶ - ۴۷ مصنف مولنا محمد اسحاق بھٹی)

جنوبی ہند میں فکر اہلحدیث

برصغیر کی اکثر بندرگاہیں جنوبی ہند میں واقع ہیں۔ گوادر۔ کراچی اور بمبئی کے بغیر اکثر بندرگاہوں کا تعلق جنوبی ہند سے ہے۔ چٹاگانگ مشرقی ہند کی بندرگاہ تھی جو اب بنگلہ دیش میں واقع ہے۔ کئی صدیاں ایشیا' افریقہ اور یورپ کے سمندروں پر مسلمانوں کی حکمرانی رہی۔ بحمد اللہ مسلمان بڑے کامیاب امیر البحر گزرے ہیں۔ بنیادی طور پر عرب تاجر پیشہ تھے۔ اور دنیا بھر میں ان کی تجارت کا سلسلہ قائم تھا۔ برصغیر چونکہ ایک زرخیز' شاداب اور سرسبز ملک تھا۔ یہاں کے لوگ خوش حال اور فارغ البال تھے۔ ہندوستانی شہر مال و اسباب سے بھرے

ہوئے تھے۔ ہندوستان کا کپڑا اور گرم مصالحے بین الاقوامی شہرت رکھتے تھے۔ اس لئے جنوبی ہند کی بندرگاہیں عرب تاجروں کے لئے آماجگاہ تھیں۔ وہ جہاز بھر بھر کے ہندوستان کی منڈیوں میں مال لاتے اور یہاں سے مال خرید کر لے جاتے۔ بہت سے عرب تاجروں نے جنوبی ہند کے ساحلی شہروں میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ چوتھی صدی ہجری کے اواخر تک امت میں نہ کوئی گروہ بندی تھی نہ فرقہ واریت اور نہ ہی تقلید شخصی کو فروغ ملا تھا۔ مسلمانوں کی ہدایت کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے یعنی مسلمان اس وقت براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے عامل اور حامل تھے۔ عرب تاجر جہاں جہاں جاتے اپنے دینی اور اسلامی ثمرات پھیلاتے تھے اور عرب تاجر کبھی بھی اپنی تبلیغی ذمہ داریوں سے غافل نہیں رہتے تھے۔ ان کا تبلیغ کا مرکزی نقطہ نظر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا فروغ اور استحکام تھا۔ یہی اہلحدیث کی دعوت ہے' یہی مشن اہلحدیث پیش کرتے ہیں۔ ہم نے جو یہ لکھا ہے جہاں جہاں عرب تاجر گئے وہاں وہاں مسلک اہلحدیث پھیل گیا۔ ہمارے اس موقف کی تائید بین الاقوامی شہرت کی شخصیت مولنا سید ابوالحسن علی ندوی حفظہ اللہ یوں فرماتے ہیں :

"فلسفہ تاریخ اسلام کا یہ نقطہ نظر ہے کہ جن ملکوں میں اسلام عربوں کے ذریعہ سے پہنچا وہاں حدیث کا علم بھی اسلام کے ساتھ پھلا اور پھولا کہ اس کو عربوں کے مزاج' ان کی قوت حافظہ' ان کی عملیت' حقیقت پسندی اور ذات نبویؐ سے گہری وابستگی سے خاص مناسبت تھی وہ جہاں گئے اپنے ساتھ علم حدیث بھی ہمراہ لیتے گئے اور ان کی قیادت کے دور تک اثر و نفوذ کے حلقہ میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کے ساتھ اعتناء کیا گیا اور اس کے درس اور اس کے مختلف پہلوؤں پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ پوری سرگرمی سے جاری رہا۔ یمن' حضر موت' مصر و شام' عراق' شمالی افریقہ اور اندلس (اسپین) جیسے ملکوں کا یہی حال ہے۔ خود ہندوستان میں صوبہ گجرات اس کی ایک مثال ہے۔ جس نے شیخ علی متقی برہانپوری

متوفی ۹۷۵ھ "صاحب کنز العمال" اور شیخ محمد طاہر پٹنی متوفی ۹۸۶ھ "صاحب مجمع بحار الانوار" جیسے بلند پایہ محدث پیدا کئے۔ اس کی وجہ یہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ گجرات کا تعلق حجاز مقدس سے دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں زیادہ رہا۔ وہاں علماء عرب کی آمدورفت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد پنجم ص ۱۸۶)

اس لئے گجرات' صوبہ مہاراشٹر' کیرالہ' ٹرانکو کوچین اور مالا بار میں پورے تسلسل سے اہلحدیث موجود ہیں۔ ان کا فکر موجود ہے۔ اور وہاں شوافع کی کثرت بھی اسی بات کا بین ثبوت ہے۔ آج بھی ان علاقوں میں رہنے والے مسلمانوں پر عربیت کی چھاپ نمایاں ہے۔ ان کے رہنے سہنے کے طریقے' ان کے رسم و رواج' ان کے عادات و خصائل عربوں سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان صوبوں میں سے کسی ایسی شخصیت نے جنم نہیں لیا جس نے ہواؤں کا رخ موڑا ہو۔ حالات میں کوئی تبدیلی اور انقلاب برپا کیا ہو۔ یا وہ تعلیم و تدریس میں مرجع خلائق بن گیا ہو بقول مولنا سید ابوالحسن ندوی جنوبی ہند کے ساحلی شہروں' ساحلی علاقوں اور ساحلی صوبوں میں حدیث کو ماننے والے حدیث پر عمل کرنے والے اور حدیث و سنت کا اعتقاد رکھنے والے اور سلف صالحین کے عقائد کو تسلیم کرنے والے ہر دور میں موجود رہے لیکن ان سے کوئی ایسی شخصیت نہ اٹھ سکی جو عالمی طور پر نہ سہی برصغیر پر ہی اثر انداز ہوتی جیسا کہ شمالی ہند میں بڑی نابغہ عصر اور یگانہ روزگار شخصیتیں پیدا ہوتی رہیں جن کے اثرات عالمی طور پر بھی پھیلے اور ان کے علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کا سکہ برصغیر میں رواں رہا۔

(تاریخ دعوت و عزیمت)

سندھ میں مسلک اہلحدیث

مکران' لسبیلہ اور سندھ کے راستہ سے آنے والے تمام مسلمان فاتحین

عرب تھے اور اہلحدیث تھے۔ محمد بن قاسمؒ فاتح سندھ و ملتان بہت بڑے داعی تھے اور کتاب و سنت پر خالص عقیدہ رکھنے والے بزرگ تھے۔ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی تشریف آوری کا معنی مسلک اہلحدیث کی تبلیغ ہے۔ جب محمد بن قاسم اور تابعین کرامؒ اپنی مجاہدانہ تگ و تاز سے سندھ اور ملتان پر فاتح کی حیثیت سے چھا گئے۔ اس وقت آئمہ اربعہ کی فقاہت' اجتہادات' عدم آباد میں تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کی پیدائش ۸۰ھ کی ہے۔ امام مالکؒ' امام شافعیؒ' امام احمد بن حنبلؒ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ فاتح سندھ محمد بن قاسمؒ وہ کسی فقیہ یا کسی مجتہد کے مبلغ نہیں تھے بلکہ ان کی آمد کا سب سے بڑا مقصد برصغیر کے باسیوں کو اسلام سے روشناس کرانا اور دولت اسلام سے مالا مال کرنا تھا۔ تقلید شخصی کا اس وقت تصور بھی نہ تھا۔ اہلحدیث اور اسلام دو مترادف لفظ ہیں۔ ان کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ گویا محمد بن قاسم ثقفیؒ فاتح سندھ و ملتان اہلحدیث کے عظیم مبلغ تھے۔ اسی وجہ سے پہلی تین صدیوں میں لسبیلہ' مکران اور سندھ کے علاقوں میں اہلحدیث کی کثرت رہی۔ سندھ کے وڈیرے خاندانوں میں ان کے اسلاف کے اہلحدیث ہونے کے آثار موجود ہیں جیسا کہ مولنا غلام رسول مہر اپنے ایک مضمون "سندھ اور اس کے کتب خانے" میں لکھتے ہیں

"تال پوروں' جتوئیوں' بروہیوں' راشدیوں' سادات اور دیگر بڑے خاندانوں کے کتب خانوں میں فاتح سندھ محمد بن قاسمؒ سے لے کر اب تک کسی بھی موضوع پر شائع ہونے والی کتابیں ان کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ مرور زمانہ۔ گردش لیل و نہار' شب و روز کی آمدورفت کی وجہ سے ان میں کمزوری پیدا ہوتی چلی گئی۔ کیونکہ درۂ خیبر کے راستے آنے والے فاتحین وہ سب کے سب حنفی تھے اور وہ حنفیت کے فروغ کا باعث بنے۔ ہندو معاشرہ کے اختلاط کی وجہ سے ان میں ہندوانہ اور مشرکانہ رسوم نے راہ پالی۔ اگرچہ سندھ میں تاریخ کا

کوئی دور بھی کسی محدث اور تحریک اہلحدیث کے علمبردار سے خالی نہیں رہا۔
چونکہ عرب فاتحین کی سندھ میں آمدورفت رک گئی اور کتاب و سنت کے فیضان
کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ اگرچہ بعد میں آنے والی صدیوں میں سندھ نے بڑے
بڑے مردان کار اور حدیث و سنت کے رجال پیدا کیئے۔ جن کا تذکرہ آگے آئے
گا۔ ہمارے اس موقف کی تائید میں مولنا حکیم سید عبدالحیؒ لکھنوی لکھتے ہیں۔"
"جب سندھ میں عربوں کی حکومت ختم ہوگئی۔ اور ان کے بجائے غزنوی
اور غوری سلاطین سندھ پر قابض ہوئے۔ خراسان اور ماوراء النہر سے سندھ میں
علماء آئے تب سے علم حدیث اس علاقہ میں کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ معدوم
ہوگیا۔ اور لوگوں میں شعرو شاعری' فن نجوم' فن ریاضی اور علوم دینیہ میں فقہ و
اصول فقہ کا رواج زیادہ ہوگیا۔ یہ صورت حال عرصہ تک قائم رہی۔ یہاں تک
کہ علماء سندھ کا خاص موضوع یونانی فلسفہ رہ گیا۔ اور علم تفسیرو حدیث سے
غفلت بڑھ گئی۔ مسائل فقہیہ کے سلسلہ سے جو تھوڑا سا تذکرہ کتاب و سنت میں
آجاتا تھا۔ بس اسی پر قانع ہوگئے۔
(الثقافتہ الاسلامیتہ فی الھند مصنفہ حکیم مولنا سید عبدالحئ لکھنوی مرحوم)
سندھ نے بڑے بڑے رجال حدیث پیدا کیئے جنہوں نے حدیث اور سنت
کی خدمت میں عالمی شہرت پائی اور فکر اہلحدیث کو اجاگر کرنے میں کوئی لمحہ ضائع
نہیں کیا۔ سندھ کو باب الاسلام بھی کہا جاتا ہے کیونکہ سندھ کے آس پاس ۱۵ھ
میں اسلام پہنچ گیا تھا۔ عرب جہاں جہاں گئے وہاں وہاں قرآن و حدیث بھی گئے۔
دوسری اور تیسری صدی میں سندھ میں علماء اہلحدیث کی خدمات ناقابل فراموش
ہیں بعض سندھی علماء اہلحدیث اور محدثین نے اتنے بڑے بڑے دینی ادارے
بنائے کہ خود عرب کے لوگ ان سے استفادہ کے لئے سندھ میں تشریف لائے۔
مسعود' بشاری' مقدسی' ابن حوقل' تمام مورخین سندھ کے علماء کے مقام و مرتبہ
کا تذکرہ کرتے ہیں تمام مورخین ان کی خدمات حدیث کا اعتراف کرتے ہیں اور

ان کی زبان دانی کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور یہاں تک لکھتے ہیں کہ سندھی علماء عربی اور سندھی دونوں زبانیں رواں دواں بولتے تھے۔ ابن بطوطہؒ نے تو یہاں تک لکھا کہ سندھ کے چرواہے بھی عربی بولتے تھے کیونکہ سندھ کے اہل علم نے عرب کے علماء سے عربی زبان میں اکتساب فیض کر کے حدیث اور فقہ میں اتنا اونچا اور اتنا بلند مقام حاصل کر لیا کہ خود عرب لوگ ان کے حلقہ درس میں داخل ہوگئے۔ مشہور مصنف علامہ سمعانیؒ نے اپنی مشہور کتاب "الانساب" میں ان سندھی علماء اور محدثین کے نام لکھے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے مدرسے کھولے خصوصاً دیبل اور ٹھٹھہ میں ان کی درس گاہیں عالمی شہرت رکھتی تھیں اور ان شہروں میں بڑے ممتاز محدثین اور اسلام کے مفکرین رہائش پذیر تھے۔ اور ان شہروں کو محدثین اور راویان حدیث کے شہر قرار دیا گیا تھا۔ علامہ بلاذریؒ فتوح البلدان میں لکھتے ہیں کہ امام علی بن موسیٰؒ دیبلی سندھی کی درس گاہ تو نہ صرف بہت بڑی تھی بلکہ دیبل کی سب سے بڑی درس گاہ تھی جس میں حدیث بھی باقاعدگی سے پڑھائی جاتی تھی اور فیضان حدیث عام کیا جاتا۔ علامہ خطیب بغدادیؒ لکھتے ہیں کہ ابو محمد حسن بن حامدؒ سندھی حدیث کی روایت کرنے والا سب سے بڑا تاجر تھا۔

سندھ کا تیسرا بڑا شہر منصورہ تھا جس کی بنیاد عربوں نے رکھی تھی اور اسے ابوجعفر منصور دوسرے عباسی خلیفہ کی طرف منسوب کیا تھا اور وہ سندھ کا دارالحکومت بھی تھا۔ یہ شہر موجودہ حیدر آباد سندھ سے شمال مغرب کی طرف ۴۷ میل کی مسافت پر دریائے سندھ کے قریب پرانے راستہ پر واقع تھا۔ علمی فیضان دینی مدارس خصوصاً حدیث کی تعلیم کے اعتبار سے اسے بغداد ثانی کہا جاتا تھا اور کسی زمانے میں اسلام کی آمد کی وجہ سے سندھ بہت بڑا مرکز اہلحدیث تھا۔ مقدسی نے سندھ کی سیاحت کے بعد لکھا کہ سندھ کا منصورہ نامی شہر اپنی عمارات علمی رونق اور نظم و صفائی کے اعتبار سے دمشق کے مشابہ تھا۔ علامہ مقدسی نے

۳۷۵ھ میں سندھ کی سیاحت کی تھی وہ لکھتے ہیں کہ منصورہ کے لوگ عموماً ذہین اور متقی ہیں دل سے اسلام کا احترام کرتے ہیں اور سختی سے اسلام کے احکام و فرامین پر عمل پیرا ہوتے ہیں مسلمانوں کی اکثریت اہلحدیث افراد پر مشتمل ہے بعض مقامی آبادیوں میں حنفی بھی موجود ہیں۔ لیکن شافعیؒ' مالکیؒ' حنبلیؒ یا اور نقطہ نظر رکھنے والے مسلمانوں کا کہیں وجود نہیں۔ منصورہ علم اور علماء کا بڑا قدر دان ہے۔ اسلئے کہ اہلحدیثوں کی اکثریت ہے اور اسی وجہ سے علم حدیث کو یہاں بہت فروغ حاصل ہے۔ (الانساب مقدسی ص ۴۷۹' ۴۸۰ عرب و ہند کے تعلقات)

ڈاکٹر عبدالمجید سندھی نے روزنامہ جنگ کراچی ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء کے ایڈیشن میں لکھا ہے کہ سندھ میں قدیم زمانے سے ہی علمائے اہلحدیث چلے آئے ہیں۔ اور اس میں انہوں نے اٹھارہ بیس علماء کا نام ذکر کیا ہے۔ سندھی علماء کی عظمت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ علامہ محمد حیات سندھیؒ متوفی ۱۱۶۳ھ کے سامنے شیخ محمد بن عبدالوہاب متوفیؒ ۱۲۰۶ اور امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ نے زانوئے تلمذ طے کئے۔ اسی طرح علامہ محمد معین ٹھٹھوی اور شیخ علامہ محمد عابد سندھیؒ بھی علامہ محمد حیات سندھی کے اجلہ تلامذہ میں سے ہیں۔ مولانا غلام رسول مہر "تاریخ سندھ" جلد دوم ص ۲۴۴ میں رقم طراز ہیں کہ ۹۴ھ تک پورے سندھ میں اسلام غالب ہو چکا تھا۔ سندھ میں اسلام کی آمد ہی مسلک اہلحدیث کے آغاز کا نام ہے۔ اور سندھ میں مسلک اہلحدیث کا دور دورہ ہوگیا علامہ خلف بن سالم سندھیؒ تیسری صدی ہجری کے مشہور حافظ حدیث تھے۔ سندھ کے رہنے والے تھے آل محب ان کو سندھ سے عراق لائے اور یہ کوفہ میں مقیم ہوگئے علم حدیث کے ذہین اور شوقین طالب علم تھے' انہوں نے حجاز' شام' عراق کے تمام علمی ذخائر چھان مارے۔ (فقہائے ہند جلد ا ص ۸۸ مصنفہ محمد اسحٰق بھٹی)

ابوالعباس احمد بن مصالح منصوری سندھی یہ بہت بڑے سندھ کے محدث

تھے اور منصورہ کے منصب قضاء پر فائز تھے مسلکا" ظاہری تھے۔ علامہ سمعانیؒ نے "الانساب" کے ص ۵۴۳ پر ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ مولنا محمد اسحٰق بھٹی فقہائے ہند جلد ا ص ۹۸ پر ابوالعباس منصورؒ سندھی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہیں شہر کا عہدہ قضاء تفویض کیا گیا ۳۷۵ھ تک یہ خاندان منصورہ میں آباد رہا مسلک اور مرتبہ فی الحدیث کی وجہ سے پوری وادی سندھ میں اس خاندان کو عزت و تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا الغرض سندھ اسلام کی آمد یعنی پہلی صدی ہجری سے ہی اہل حدیث کا مرکز اور گہوارہ رہا لیکن تین صدیاں گزرنے کے بعد مرور زمانہ اور گردش لیل و نہار کی وجہ سے اس میں کمی آنا شروع ہوگئی جیسا کہ حکیم مولنا سید عبدالحئیؒ لکھنویؒ مرحوم "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" میں لکھتے ہیں کہ درہ خیبر سے آنے والے فاتحین چونکہ حنفیت سے تعلق رکھتے تھے اور وہ سندھ پر بھی قابض ہوگئے اور اس سے حنفیت کو فروغ ملنا شروع ہوگیا اور مسلک اہلحدیث سمٹنا شروع ہوگیا۔

درہ خیبر کے راستہ اسلام کی آمد

برصغیر میں اسلام تین راستوں سے پہنچا۔ اولاً۔ جنوبی بندرگاہوں اور ساحل مالا بار سے عرب تاجروں صحابہؓ کرام' تابعینؒ' تبع تابعینؒ کی آمدورفت سے کیونکہ جہاں جہاں صحابہ کرامؓ' تابعینؒ اور تبع تابعینؒ جاتے۔ وہاں وہاں قرآن و حدیث بھی لے جاتے تھے۔ لوگوں پر اسلامیت و عربیت کی چھاپ لگتی تھی صحابہؓ کرام اور ان اولیاءؒ عظام کی صاف ستھری زندگی پاکیزہ سیرت' صحیح معاملات اور دیانتدارانہ کاروبار کو دیکھ کر ہندوستان کے لوگ نہ صرف ان سے متاثر ہوتے بلکہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ اور دین کی دولت سے مالا مال ہو جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی جنوبی ہند کے رہنے والے مسلمانوں کی عادات و خصائل طرز بودو باش انداز زیست میں عربوں کی تتبع پائی جاتی ہے اور وہ بہت جلد عربی زبان سیکھ

لیتے ہیں۔ ثانیاً۔ بلوچستان' سجستان' مکران' لسبیلہ اور سندھ کے راستے سے اسلام برصغیر میں داخل ہوا۔ ۱۵ھ سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ عظام بھی برصغیر میں تشریف لائے بلوچستان کے ساحلی شہروں اور سندھ میں تشریف لائے۔ جیسا کہ تاریخ فرشتہ اور البدایہ والنھایہ سے ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں سجستان اور مکران فتح ہوگئے تھے کئی جنگی مہمات خشکی کے راستے سے سندھ کو فتح کرنے کے لئے روانہ کی گئیں۔ سری لنکا کے قافلہ کو جب راجہ داہر کے دیبل کے رہنے والے قزاقوں نے سری لنکا سے آنے والے بچوں' بوڑھوں اور قابل احترام خواتین کے جہاز کو لوٹ لیا اور حجاجؒ بن یوسفؒ کے دربار تک اس کی صدائے بازگشت پہنچی تو حجاجؒ بن یوسفؒ نے راجہ داہر کو لوٹے ہوئے قافلہ کی رہائی اور بازیابی کیلئے لکھا تو راجہ داہر نے نفرت و حقارت سے ان کے خط کو زمین پر پھینکا اور بڑا متکبرانہ اور بدتمیزانہ جواب دیا۔ حجاجؒ بن یوسفؒ ان کی اس بدتمیزی سے آگ بگولا ہوگیا اور اس مہم کو سر کرنے اور راجہ داہر کی گوشمالی کرنے کیلئے اپنے داماد اور بھتیجے محمدؒ بن قاسمؒ ثقفی کو بارہ ہزار کا لشکر دے کر سندھ کی مہم پر روانہ کیا اور ہر استعمال کی چیز حتیٰ کہ سوئی دھاگہ تک اس کے لئے مہیا کیا۔ قلیل عرصہ میں محمد بن قاسم نے دیبل برہمن آباد اور دیگر سندھ کے شہروں کو یکے بعد دیگرے فتح کر لیا راجہ داھر کو جہنم واصل کیا۔ حتیٰ کہ محمد بن قاسمؒ کی یہ فوجی یلغار کچھ موجودہ بہاولپور ڈویژن اور ملتان کو تسخیر کرتی ہوئی شور کوٹ شہر تک پہنچی یاد رہے جہاں جہاں کھجوریں زیادہ نظر آتی ہیں وہاں وہاں عرب لشکر کا پڑاؤ رہا ہے کیونکہ عرب مجاہدین کی فوجی غذا کھجوریں ہوتی تھیں محمد بن قاسمؒ نے ۹۶ھ میں بلوچستان' سندھ' ملتان' مکمل طور پر فتح کر لئے تھے اور پورے سندھ پر اسلام کا غلبہ ہوگیا۔ عوام الناس فوج در فوج اور موج در موج حلقہ بگوش اسلام ہو کر دین کی دولت سے مالا مال ہوگئے محمد بن قاسمؒ تابعی تھا اور مسلک اہل حدیث کا اولین مبلغ اور داعی تھا۔

ثالثاً اسلام درہ خیبر کے راستے برصغیر میں داخل ہوگیا۔ محمد بن قاسم کے علاوہ برصغیر میں جتنے فاتحین داخل ہوئے وہ سب درۂ خیبر کے راستے سے داخل ہوئے۔ محمود غزنوی کے بارہ میں مشہور ہے کہ وہ حنفی نہیں تھا۔ جیسا کہ صاحب تاریخ فرشتہ کا بھی یہی خیال ہے بلکہ وہ خالص کتاب و سنت کا علمبردار تھا۔ غوری' لودھی' تغلق' سوری' سادات' غلامان' مغل اور دیگر فاتح خاندان خواہ وہ افغانی النسل تھے یا ترکی النسل وہ سب کے سب پکے حنفی المذہب تھے کیونکہ اسلام حجاز سے چلا۔ عراق' ایران' ماوراء النہر' ترکستان' منگولیا' ازبکستان اور افغانستان سے ہوتے ہوئے ہندوستان پہنچا۔ ظاہر ہے کہ اتنی لمبی مسافت طے کرنے کے بعد اس میں آمیزش ہو جانا ایک فطری امر ہے۔ پھر یہ خاندان اپنے ساتھ اپنے علماء لے کر آئے ان علماء نے اپنے حنفی اثرات سے پورے ماحول کو حنفی المذہب بنا دیا۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں عرب فاتحین عرب شیوخ' عرب رجال' محدثین' عرب تاجر جہاں پہنچے یا عربوں کے ذریعہ اسلام پہنچا۔ وہاں وہاں خالص کتاب و سنت کی تعلیمات پہنچیں کیونکہ عربوں نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کیا اور معاشرے میں ان کے اثرات نہ صرف نمایاں رہے بلکہ اب تک باقی ہیں' اس کے بالمقابل جن ملکوں میں اسلام اہل عجم کے ذریعے پہنچا ان کی صورت حال ان سے یکسر مختلف ہے جیسا کہ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی حفظہ اللہ لکھتے ہیں "لیکن جن ملکوں میں اہل عجم کے ذریعہ اسلام پہنچا وہاں کا یہ حال نہیں ہندوستان ترکی النسل یا افغانی النسل خاندانوں نے حکومتیں قائم کیں اور ان مشائخ اور داعیان اسلام کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ اور اشاعت ہوئی۔ جن میں بیشتر عجمی نژاد ایران اور ترکستان کے باشندے تھے۔ پھر جب ہندوستان میں درس و تدریس کے قیام اور نصاب کی ترتیب کا زمانہ آیا تو اس پر عجمی فضلاء اور دانشمندان ایران کا پورا اثر ہو چکا تھا۔ ایران میں صفوی حکومت کے قیام اور شیعیت کے سرکاری مذہب ہو جانے کی وجہ سے (جو دسویں صدی

ہجری کے ابتداء ہی کا واقعہ ہے) ایران کا (جس نے ایوان حدیث کے اہم ستون پیدا کیے تھے) حدیث سے رشتہ ٹوٹ چکا تھا۔ اس لئے اس کے ذریعہ سے ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت اور اس کی اہمیت و عظمت قائم ہونے کا کوئی امکان نہ تھا اس کے برعکس جس قدر اس کا اثر ہندوستان کے علمی حلقوں پر گہرہ ہوتا جاتا تھا حدیث سے بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی" (تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۵ ص ۱۷۷) توگویا درہ خیبر سے آنے والے فاتحین علماء' اولیاء اور مشائخ قریباً حنفی المسلک تھے لیکن اس کے باوجود جنوبی ہند' مغربی ہند اور پنجاب کے بعض مقامات پر ایسے علماء اور محدث ضرور پیدا ہوتے رہے جنھوں نے حالات کی ناخوشگواری کے باوجود بدعات کے طوفانوں اور رسم و رواج کی آندھیوں میں حدیث و سنت کی شمع کو فروزاں رکھا اور بساط بھر حدیث و سنت کی خوشبوؤں سے مشام جان کو معطر رکھا۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ سندھ میں ساڑھے تین صدیاں حدیث و سنت کا ڈنکا بجتا رہا اور سندھ کے عوام کی اکثریت اہلحدیث رہی' مرور زمانہ' گردش لیل و نہار اور درہ خیبر سے آنے والے فاتحین اور علماء کی آمد کی وجہ سے روز بروز سندھ کے عوام کا مسلک کمزور ہوتا گیا حتیٰ کہ سندھ پر بھی حنفیت غالب آگئی حالانکہ دیبل' ٹھٹھہ اور منصورہ میں حدیث کی بڑی بلند و بالا عالمی شہرت رکھنے والی درس گاہیں قائم کی گئی تھیں۔ سندھ نے حدیث و سنت کے بڑے بڑے رجال اور نابغہ عصر شخصیتیں پیدا کیں۔

علامہ صغانی لاھوری

ابوالفضائل حسن بن محمد بن حسن بن حیدر بن علی عدوی عمری صغانی لاہوری۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کی اولاد سے تھے کنیت ابوالفضائل لقب رضی الدین' اصل وطن صغان تھا۔ جسے فارسی میں چغان کہا جاتا ہے۔ یہ شہر علاقہ

ماوراء النہر میں واقع ہے۔ ان کے آباء و اجداد صغان سے لاہور آگئے تھے ان کی ولادت بعہد خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی پندرہ صفر ۵۷۷ھ میں ایک روایت کے مطابق ۵۷۷ھ میں لاہور میں ہوئی اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد سے تحصیل علم کی۔ یوں تو امام صاحب تمام علوم میں ماہر کامل تھے۔ مگر حدیث' فقہ اور لغت میں اپنے دور کے امام مانے جاتے تھے۔ نہایت نیک' کم گو' متین اور صادق القول تھے۔ عمر میں کچھ آگے بڑے اور علمی شہرت پھیلی تو سلطان قطب الدین ایبک نے لاہور شہر کا منصب قضاء پیش کیا لیکن قبول نہ فرمایا اور غزنی چلے گئے۔ وہاں تدریس اور افادہ عام میں مشغول ہوگئے غزنی سے عازم عراق ہوئے۔ اور وہاں کے علماء عظام سے اخذ علم کیا اور بہت سے علماء عراق سے سند و اجازہ حاصل کیا۔ پھر مکہ مکرمہ گئے اور سعادت حج سے بہرہ اندوز ہوئے۔ وہاں خاصی مدت تک قیام کیا' اور وہاں عدن کے محدثین سے علم حدیث کی سماعت کی۔ عباسی خلیفہ کے ایام خلافت یعنی ۶۱۵ھ میں پھر عراق گئے اس نے ان کو خاص طور سے اپنے ہاں دعوت دی۔ خلعت سے نوازا اور ۶۱۷ھ میں شاہ ہند سلطان شمس الدین التمش کے نام ایک مکتوب دے کر اس کے پاس بطور سفیر بھیجا اس سلسلے میں ایک عرصہ تک ہند میں سکونت پذیر رہے۔ آپ مسلک محدثین کے علمبردار اور فکر محدثین کے داعی تھے۔ شمالی ہند میں آپ ایک بار پھر ۶۲۴ھ میں ہندوستان سے نکلے مکہ مکرمہ پہنچے حج کیا اور وہاں سے یمن گئے یمن سے وارد بغداد ہوئے اس زمانے میں المستنصر باللہ بغداد کے تخت خلافت پر متمکن تھا۔ ادھر سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی سلطانہ رضیہ ہندوستان کی حکمران تھی۔ المستنصر باللہ نے ان کو سند سفارت دے کر رضیہ کے پاس بھیجا۔ اس مرتبہ تیرہ سال ہندوستان میں رہے اور ۶۳۷ھ میں مراجعت فرمائے بغداد ہوئے ان کے تلامذہ کی فہرست بھی بڑی وسیع ہے۔ جس میں شیخ شرف الدین دمیاطی' نظام الدین محمود بن عمر حروی' محی الدین ابوالبقاء' صالح بن عبداللہ بن جعفر بن علی بن صالح

اسدی کوفی المعروف بابن الصباغ۔ شیخ برھان الدین محمود بن ابو الخیر اسد بلخی اور دیگر بہت سے حضرات شامل ہیں۔

شیخ حسن بن محمد صغانی جہاں بہت بڑے محدث فقیہ اور لغوی تھے وہاں کثیر التصانیف بھی تھے۔ ان کی تصانیف کا دائرہ حدیث' فقہ اور لغت تینوں مضامین کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ ان کی تصانیف میں سے درج ذیل کتب خصوصیت سے لائق تذکرہ ہیں۔

تصانیف

۱۔ مشارق الانوار النبویہ فی صحاح الاخبار المصطفویۃ ۲۔ مصباح اللجی من صحاح احادیث المصطفی۔ ۳۔ شمس المیزہ من الصحاح الماثورہ۔ ۴۔ تبیین الموضوعات۔ ۵۔ عقلۃ العجلان۔ ۶۔ وفیات صحابہؓ۔ ۷۔ زبدۃ المناسک۔ ۸۔ کتاب الفرائض۔ ۹۔ درجات العلم والعلماء۔ ۱۰۔ کتاب الشوارب۔ ۱۱۔ کتاب الافتعال۔ ۱۲۔ کتاب العروض۔ ۱۳۔ کتاب العباب۔ ۱۴۔ شرح صحیح بخاری۔ ۱۵۔ شرح القلادۃ السمطیۃ فی توشیح الدریہ۔ ۱۶۔ کتاب التکملہ۔ ۱۷۔ مجمع البحرین۔ ۱۸۔ کتاب نوادر لغت۔ ۱۹۔ کتاب السماء الفائقہ۔ ۲۰۔ کتاب اسماء الاسد۔ ۲۱۔ کتاب اسماء الذئب۔ ۲۲۔ کتاب شرح ابیات المفصل۔ ۲۳۔ کتاب بغیۃ الصدیان۔

یہ ان کی مشہور تصانیف ہیں اور اس کے علاوہ ان کی اور کتابیں بھی ہیں جو ان کے علمی تبحر پر دلالت کناں ہیں۔ مشارق الانوار کو تو حلقہ اہل علم میں بہت شہرت حاصل ہے یہ عرصہ تک درس میں شامل رہی اور طلباء و علماء اس کو باقاعدہ اساتذہ سے پڑھتے اور استفادہ کرتے رہے۔ ان کی وفات ۶۵۰ھ میں بغداد میں ہوئی۔ اور انہیں اپنے مکان حرم طاری (بغداد) میں بطور امانت دفن کیا گیا۔ پھر ان کی وصیت کے مطابق اسی سال ان کے بیٹے ان کی میت مکہ مکرمہ لے گئے

اور وہاں دفن کئے گئے بغداد سے مکہ مکرمہ میت لے جانے والوں کو ان کے بیٹوں نے پچاس دینار عطا کئے (محدث زیب فصحاء) شیخ حسن صغانی کے بارہ میں تذکرہ علمائے ہند کے اردو مترجم جناب محمد ایوب قادری کے الفاظ بھی قابل ذکر ہیں۔

"مولانا حسن صغانی لاہوری کا تعلق' بدایوں سے بھی تھا۔ حضرت نظام الدین بدایونی نے لکھا (اور از بدایوں" اور ان ہی کی روایت ہے کہ وہ کول کے نائب مشرف بھی رہے اس سے بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے اور انہوں نے رضی الدین مغانی بدایونلی اور رضی الدین صغانی لاہوری کو دو جداگانہ شخصیتیں قرار دیا ہے۔ صاحب نزہتہ الخواطر اور انڈین کنٹری بیوشن ٹو دی سٹڈی آف حدیث لٹریچر کے مولف کو بھی تسامح ہوا ہے۔ ابجد العلوم نواب صدیق حسن ص ۸۹۰' ۸۹۱۔ اتحاف النبلاء ص ۲۴۳' ۲۴۴ حدائق الحنفیہ مولوی فقیر محمد جہلمی ص ۲۵۳ تا ۲۵۵۔ سبحتہ المرجان فی آثار ہندوستان۔ غلام علی آزاد بلگرامی ص ۲۸' ۲۹ فاثر الکرام جز ا ص ۱۸۰ تا ۱۸۲۔ تذکرہ علماء ہند (فارسی) مولوی رحمٰن علی ص ۴۸ تذکرہ علماء دیوبند اردو محمد ایوب قادری ص ۱۶۲' ۱۶۱ نزہتہ الخواطر مولنا عبدالحی حسنی لکھنوی جلد اول ص ۱۳۷ تا ۱۴۱۔ بحوالہ فقہائے ہند جلد اول ص ۱۳۳ تا ۱۳۶ مصنفہ مولانا محمد اسحٰق بھٹی۔

گجرات کاٹھیہ واڑ

گجرات کاٹھیہ واڑ بھارت کا وہ صوبہ ہے جو ایک طرف سندھ راجپوتانہ۔ مدھیہ پردیش اور صوبہ مہارشٹرا سے ملا ہوا ہے۔ آج کل اس کا نام صوبہ سوراشٹر ہے۔ بڑودہ اور احمد آباد اس کے مشہور شہر ہیں یہ علاقہ مسلم تہذیب کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ صوبہ گجرات چونکہ سندھ اور ساحل سمندر سے قریب تھا۔ یہاں بھی عربوں کی خاصی' آمدورفت تھی اس میں بھی کسی دور میں مسلک اہلحدیث کے

حاملین اور عاملین کثیر تعداد میں تھے لیکن وہ سندھ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تاہم گجرات نے بھی حدیث و سنت کے عہد ساز اشخاص پیدا کئے۔ ان کی دینی محنتیں اور علمی کاوشیں ہمیشہ اپنا رنگ دکھاتی رہیں گجرات کے بارہ میں مولانا سید ابوالحسن ندوی حفظہ اللہ نے لکھا کہ عربوں کی آمد سے مسلک اہلحدیث اور تعلیمات کتاب و سنت کو فروغ ملتا رہا۔ وہاں محدثین پیدا ہوتے رہے کتاب و سنت کی تعلیمات عام ہوتی رہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں

"خود ہندوستان میں صوبہ گجرات اس کی ایک مثال ہے جس نے شیخ علی متقیؒ برہان پوری صاحب کنز العمال متوفی ۹۷۵ھ شیخ محمد طاہرؒ محدث پٹنی متوفی ۹۸۶ھ صاحب مجمع بحار الانوار جیسے بلند پایہ محدث پیدا کئے اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ کہ گجرات کا تعلق حجاز مقدس سے دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں زیادہ رہا۔ اور وہاں علماء عرب کی آمدورفت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۵ ص ۱۷۶)

مولانا ندوی صاحب موصوف مزید لکھتے ہیں۔

"گجرات کو مستثنیٰ کر کے یہاں علماء عرب کی تشریف آوری اور حرمین شریفین کی آمدورفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہو چکی تھی اور علامہ علی متقی برھان پوری اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد طاہرؒ پٹنی پیدا ہوئے تھے (دسویں صدی ہجری میں) ہندوستان صحاح ستہ اور ان کے مصنفین کی کتابوں سے ناآشنا تھا جنھوں نے نقد حدیث اور رد بدعت کا کام کیا۔ اور سنت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں زندگی کا نظام العمل پیش کیا۔"

(تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۵۔ ص ۱۷۴)

شیخ علی بن حسام الدین المتقیؒ

شیخ علی بن حسام الدین المتقیؒ صوبہ گجرات میں مسلک اہلحدیث کے بانیان

میں شمار ہوتے ہیں یہ ۸۸۵ھ میں برھان پور میں پیدا ہوئے پھر ملتان میں شیخ حسام الدین المتقیؒ کے ہاں دو سال رہ کر علوم کی تکمیل کی۔ غالباً المتقی کا لقب انہیں استاذ کی نسبت سے حاصل ہوا۔ پھر حجاز مقدس پہنچ کر وہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا۔ جن میں ابن حجر مکیؒ شیخ ابوالحسن بکریؒ اور شیخ محمد بن محمد سخاویؒ زیادہ مشہور ہیں آپ کے تلامذہ میں شیخ محمد طاہر پٹنیؒ، شیخ عبدالوہاب متقیؒ، شیخ محمد بن فضل اللہ برھانپوریؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حدیث کا معروف دائرہ المعارف جو کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال کے نام سے مشہور ہے آپ کی ہی تصنیف ہے جو علامہ سیوطیؒ کی جمع الجوامع اور الجامع الصغیر کی تبویب و تہذیب ہے جن کے بارہ میں انہی کے شیخ ابوالحسن شافعیؒ کا قول معروف ہے کہ علامہ سیوطیؒ کا تمام علماء پر احسان ہے اور علامہ علی متقیؒ کا علامہ سیوطیؒ پر احسان ہے۔"

(شذرات اخبار بحوالہ پاک و ہند میں اہلحدیث کی خدمات)

شیخ محمد طاہر محدث پٹنی

شیخ محمد طاہر پٹنیؒ متوفی ۹۸۶ھ پٹن ضلع احمد آباد گجرات بھارت میں پیدا ہوئے۔ پٹن سے مراد پاکستان کا پاک پتن نہیں۔ اس پاکپتن کو تاریخ میں اجودھیا کہتے ہیں۔ یعنی اس کا پرانا نام اجودھیا ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو احمد آباد کے قریب واقع ہے اور اب بھی اسی نام سے وہ مشہور ہے۔ اسی پٹن کو معرب کر کے فتن کہتے ہیں اور اسی نسبت سے شیخ محمد بن طاہرؒ فتنی کہلاتے ہیں۔ شیخ موصوف کا شیخ علی متقیؒ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتا ہے۔ شیخ کے حدیث کا فیضان اور اثرات پورے صوبہ گجرات پر حاوی تھے۔ شیخ محمد بن طاہرؒ کی مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار تذکرہ الموضوعات فی قانون الموضوعات اور مغنی فی اسماء الرجال مشہور تصانیف ہیں۔ ان کی تصنیفات کے مطالعہ سے ان کی طبیعت میں تقلید و جمود کے برعکس تحقیق اور اتباع سنت کا رجحان عیاں ہوتا

ہے۔ اسی طرح مادہ قطر کے تحت توضاء و علیہ عمامتہ و قطریتہ حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ولیہ ابقاء العمامتہ حال الوضوء وھو یرد علی کثیر من الموسوسین نیز عون عمائمھم عند الوضوء وھو من التعلق المنھی عنہ کل خیر فی الاتباع وکل شرفی الابتداع (مجمع بحار الانوار جلد ۳ ص ۱۵۶) یعنی اس حدیث میں حالت وضو میں پگڑی سر پر رکھنے کا ثبوت ہے اور اس میں بہت سے ایسے لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو وسوسے کا شکار ہیں اور وضوء کے وقت اپنی پگڑیوں کو اتار لیتے ہیں۔ یہ ایسا تکلف ہے جس سے منع کیا گیا۔ تمام تر بھلائی اتباع میں ہے۔ اور تمام تر شر بدعت میں ہے اسی طرح مادہ بطل کے تحت مشہور حدیث کہ جس عورت نے بغیر ولی کے نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے کے تحت میں لکھتے ہیں لذا اضطر لہ الحنفیتہ لتارۃ تیجا سرون بالطعن فی سندہ من غیر مطعن الخ (مجمع بحار الانوار جلد ۱ ص ۹۹) اس حدیث کے بارے میں حنفیہ بڑے مجبور ہوئے ہیں کبھی بلاوجہ اس حدیث کی سند پر طعن کی جسارت کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اسی جسارت پر مبنی دوسرے مطاعن کا ذکر کیا ہے یہ اور نوعیت کی مزید تصریحات اس بات کی غمازی کرتی ہیں کہ موصوف فقہی مکاتب میں سے کسی ایک مکتب فکر کے نہ وہ دلدادہ تھے اور نہ ہی پابند۔ بلکہ اتباع حدیث کا رجحان ان پر غالب تھا۔
(پاک و ہند میں علماء اہلحدیث کی خدمات حدیث ص ۱۷، ۱۸)

مالا بار

جنوبی ہند میں وہ علاقہ ہے جہاں مسلک اہلحدیث اور تعلیمات کتاب و سنت صحابہؓ، تابعینؒ اور عرب تاجروں کے ذریعے پہنچیں۔ ہندوستان ایک بہت بڑا ملک ہے جو برصغیر کے نام سے مشہور ہے۔ محمد بن قاسم کے بغیر جتنے بھی مسلمان فاتحین ہندوستان میں داخل ہوئے۔ وہ ترکی النسل یا افغانی النسل تھے ان کی وجہ سے حنفیت کو فروغ ملا اور کتاب و سنت کے نیر تاباں کو آہستہ آہستہ ٹمٹماتا ہوا

چراغ بنا دیا گیا اور یہ ترکی اور افغانی حکمران حنفیت کی روشنی میں مسلمان ہوئے اور حنفیت کے ہی دلدادہ تھے۔ چنانچہ مولنا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ہمارے موقف کی تائید کرتے ہوئے یوں لکھا "جہاں تک ہندوستان کے تحتی براعظم کا تعلق ہے اس میں اس طرز فکر اور جمع و تطبیق کی اس کوشش کا سراغ نہیں ملتا اور اس کے تاریخی اور علمی اسباب ہیں۔ تحتی براعظم شروع سے ان فاتحین اور بانیان سلطنت کے زیر نگیں رہا جو یا ترکی النسل تھے یا افغانی النسل اور یہ دونوں قومیں تقریباً اپنے اسلام قبول کرنے کے زمانے سے۔ مذہب حنفی کی حلقہ بگوش بلکہ اس کی حمایت اور نشرو اشاعت میں سرگرم اور پرزور رہیں۔ یہاں اسلام کی تقریباً آٹھ سو سال کی تاریخ میں مذہب مالکیؒ اور مذہب حنبلیؒ کو قدم بھی رکھنے کا موقع نہیں ملا۔ شافعیؒ مذہب سواحل مالا بار تک محدود رہا یا جنوبی ہند مدراس' کرناٹک' کیرالہ میں محدود رہا ان میں بھی مالا بار (قدیم بلاد المعبر) کو مستثنیٰ کر کے جہاں زیادہ تر شافعی مسلک کے داعیان اسلام تجار' مشائخ' فقہاء اور عالم آئے شیخ مخدوم فقیہی علی مہائمی۔ متوفی ۸۳۵ھ صاحب تفسیر تبصیر الرحمٰن و تیسیر الرحمان۔ اور مالا بار کے شیخ مخدوم اسماعیل فقیہی السکری الصدیقی متوفی ۹۴۹ھ نیز مخدوم شیخ زین الدین ملیباریؒ' متوفی ۹۲۸ھ صاحب فتح المعین کے علاوہ ہمارے محدود علم میں اس پایہ کے شافعیؒ محدث نہیں پیدا ہوئے۔ جو ہندوستان بالخصوص شمالی ہند کے علمی حلقوں پر گہرا اثر ڈالتے ہیں اور علماء حنفیہ کو فقہ شافعیؒ پر عمیق نظر ڈالنے اور اس سے استفادہ پر آمادہ کرتے۔ البتہ ہندوستان سے جو علماء اور طالبان حدیث و فقہ حجاز جاتے (جو ترکی سلطنت کے زیر انتظام تھا اور ترک ہر دور میں سو فیصد سنی اور حنفی رہے ہیں) وہ بھی زیادہ تر اپنے ہی مذہب کے علماء اور خصوصیت کے ساتھ اپنے ہم وطن اساتذہ فقہ و حدیث سے رابطہ رکھتے۔ جو وہاں ہندوستان یا افغانستان سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے اور ان کے شاگردوں کا بڑا حلقہ تھا۔ جیسا کہ علامہ شیخ علی متقی برہانپوریؒ' علامہ قطب الدین نہروالیؒ۔

ملا علی قاری ہروی مکی۔ شیخ عبدالوہاب متقیؒ اور شیخ محمد یار سندھیؒ

(عرب و دیار ہند بحوالہ دعوت و عزیمت جلد ۵ ص ۱۹۸۔ ۱۹۹)

دہلی

شاہجہان آباد دہلی تقریباً تمام فاتح خاندانوں کا دارالحکومت رہا ہے۔ دھلی کو عروس البلاد کہا جاتا ہے۔ اور دہلی ہمیشہ علم و فضل اور تحقیق و دانش کا مرکز رہا ہے۔ پورے برصغیر بلکہ افغانستان ایشاء کوچک اور ترکستان سے اہل علم' اہل فن' اہل دانش' اہل شعر و شاعری سمٹ سمٹا کر دہلی میں پہنچتے کیونکہ دہلی میں اصحاب علم اور ارباب فن کو بڑی عزت و احترام اور قدرومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا مغلیہ دور میں بھی دہلی علماء اور دانشوروں کا مرکز تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ متوفی ۱۰۵۲ھ بن سیف الدین بخاری نے اس شہر (دھلی) میں آنکھیں کھولیں اور علوم میں دسترس حاصل کی۔ اور دارالسلطنت دہلی میں اپنی مسند بچھا کر حدیث کے فروغ کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ اپنی ذہنی صلاحیتیں' دماغی قابلیتیں اور لسانی توانائیاں حدیث کی تدریس اور فروغ کے لئے وقف فرمائیں بے شمار خلق خدا نے ان سے استفاد کیا بہت سے علماء کرام نے آپ کے درس حدیث سے حدیث کی تکمیل کی۔ حدیث کے فن میں ان کی ذات سے خلق خدا کو بہت نفع پہنچا آپ نے اپنے پیش رو علماء سے حدیث میں بہت زیادہ جدوجہد کی۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں نے یہاں تک کہا کہ ہندوستان میں فن حدیث کو لانے والے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہیں یہ بات قطعی غلط ہے اور تاریخ اس کی صحت کو ماننے سے منکر ہے۔ شیخ عبدالحق نے مشکوۃ کی شرح پہلے اللمعات لکھی۔ پھر اس میں مزید اضافہ کر کے اشعۃ اللمعات لکھی۔ علماء اولیاء کے حالات پر اخبار الاخیار تصنیف کیں۔

(حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۴۳)

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس وقت مسند تدریس بچھائی جس وقت شمالی ہندوستان علم حدیث سے تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ اور ان کی حدیث کی اس روشن کردہ شمع سے طلباء پروانہ وار وہاں جمع ہونے لگے اور شمالی ہندوستان میں بھی حدیث کی تدریس جاری ہوگئی اور حدیث کا مرکز ثقل گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آگیا' اور دہلی سے قال اللہ و قال الرسول کی دلنواز صدائیں آنے لگیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے درس کا غلغلہ بلند ہوگیا (حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۴۳)

یاد رہے شیخ عبدالحق مسلکاً" حنفی تھے اور حنفیت کے بارے میں وہ کبھی کسی قسم کی مداہنت کا شکار نہیں ہوئے۔ حیرت ہے کہ اتنا بڑا محدث اتنا بڑا مدرس حدیث کے فیوض و برکات سے کیوں محروم رہا۔ جب عہد جہانگیر میں شیخ مجدد الف ثانی حضرت احمد فاروقی سرہندی پر ابتلاء کا دور آیا تو شیخ عبدالحق نے کلمہ حق کہنے کی بجائے سبک ساران ساحل کا کردار ادا کیا اور خاموشی اختیار کر لی حالانکہ ابوالفضل فیضیؒ اور ان کے والد ملاں مبارک کی بے دینی سے مغلیہ بادشاہ اکبر کے دربار میں سجدہ تعظیمی واجب کیا گیا عرشی فرشی اسلام کو لازم ٹھہرایا گیا انبیاء کی مشترکہ سنت "ختنہ" کو ممنوع قرار دیا گیا۔ بچوں کے نام محمد اور احمد رکھنے پر بندش لگا دی گئی ۔ گائے کا ذبیحہ حرام قرار دیا گیا۔ خنزیر کا گوشت حلال ٹھہرایا گیا۔ اکبر کے دین الہی کا فتنہ برپا کیا گیا۔ عملاً توحید و سنت کے خلاف بغاوت کی گئی۔ بے شمار مشرکانہ اور ہندوانہ رسوم ہندوؤں کی رعایت سے جاری کی گئیں۔ محبوب سبحانی شیخ مجدد الف ثانیؒ نے مغلیہ شہنشاہوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور افضل الجہاد من قال کلمتہ حق عند سلطان جائر کا حق ادا کرتے رہے۔ ان کی بے مثال قربانی اور عظمت استقامت سے اللہ تعالیٰ نے یہ تمام شرکیہ رسوم بند کروا دیں اور مغلیہ شہنشاہوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور شیخ

مجدد خالص توحید کے علمبردار اور تمسک بالسنہ کی دعوت کی بدولت اس ابتلاء سے سرخرو ہو کر نکلے نہ جانے شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ نے ایسے موقع پر کیوں خاموشی اختیار کی اور کیوں حق گوئی اور بے باکی کا مظاہرہ نہیں فرمایا؟ سکوت اور عافیت کو کیوں اختیار کیا؟ جیسا کہ مولنا ارشاد الحق اثری نے لکھا ہے کہ شیخ عبدالحق دہلوی کو خدمات حدیث اور اس کی تدریس و تالیف کے سلسلہ میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔ ان تمام اوصاف کے باوجود وہ نقل روایت میں علامہ سیوطیؒ کی طرح محتاط نہیں۔ (پاک و ہند میں علماء اہلحدیث کی خدمات حدیث ص ۲۲' ۲۳)

نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں کہ انہوں نے حضرات محدثین کی طرح علم حدیث حاصل نہیں کیا بلکہ ان کا مدار اجازہ اور استجازہ پر تھا۔ ان کی جملہ تصنیفات سے یہ عیاں ہے لیکن بصرف علم الحدیث علی وجهه بل علی حجته الاجازة والاستجازة كما يلوح ذلك من مصنفاته (ابجد العلوم ص ۹۰۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ نور الحق متوفی ۱۰۷۲ھ نے اس علم کی نشرو اشاعت کا بیڑا اٹھایا اور ان کے بعد تلامذہ اور انکی اولاد نے بھی اس فن کی خدمت کی ہے۔ مثلاً شیخ الاسلام شارح بخاری۔ شیخ نور الحق صاحب کا صاحبزادہ مولنا سلام اللہ مصنف محلی و کمالین (اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں ص ۱۰۸) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ذوق' رجحان خلوص اور توجہ سے امید تھی کہ وہ سلسلہ درس حدیث کو اور صحاح ستہ پر حاشیہ اور شروح کی نئی تحریک پیدا کریں گے۔ ان کے جانشین افراد خاندان جو اپنی جگہ محدث' مصنف اور مدرس بھی تھے۔ اس سلسلہ کو مزید آگے بڑھائیں گے مگر ایسا نہ ہو سکا حالانکہ ان کے صاحبزادے شیخ نور الحق نے چھ صدیوں میں صحیح بخاری کی فارسی میں پہلی شرح لکھی۔ شمائل ترمذی پر بھی ان کی شرح پائی جاتی ہے۔ وہ اس شروع کئے

ہوئے سلسلہ کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکتے تھے۔ لیکن غالباً عہدۂ قضاء کی وجہ سے جس پر وہ اکبر آباد (آگرہ) جیسے مرکزی شہر میں فائز تھے۔ ان کو زیادہ درس و تدریس اور اشاعت علم کا موقع نہیں مل سکا۔ ان کا بیٹا بھی بہت بڑا محدث تھا جن کی صحیح بخاری پر فارسی میں مبسوط شرح ہے۔ لیکن بعض معلوم اور بعض نامعلوم اسباب کی بناء پر ان حضرات کی انفرادی مساعی سے ہندوستان میں حدیث کی طرف وہ رجوع عام اور اس کی اشاعت' درس و تدریس میں وہ جوش اور سرگرمی پیدا نہیں ہوئی جس کی توقع تھی۔ شاید اس وجہ سے بھی کہ ان حضرات پر حدیث کے ذریعہ مذہب حنفی کی تائید کا جذبہ اور رجحان طاری تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ بارہویں صدی کے وسط میں تعلیم و تعلم کا مرکز دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو رہا تھا۔ ملا نظام الدین سہالوی متوفی ۱۱۶۱ھ کے بابرکت اور طاقت ور ہاتھوں سے نئے نصاب کی تشکیل ہو رہی تھی۔ اس نصاب کے واضعین اور مصنفین کا علمی رابطہ حرمین شریفین اور ان مقامات سے قائم نہیں ہو سکا تھا جو حدیث کے درس و تدریس اور خدمت و اشاعت کے مرکز تھے۔ اور ان کو جیسا کہ درس نظامی کی تاریخ و کتب سوانح اور تذکرہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ علوم حکمت اور علوم ذہنیہ میں سے اصول فقہ کا غلبہ تھا۔ تاریخ دعوت و عزیمت جلد پنجم ص ۱۸۲)

سندھ

جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ سندھ تقریباً تین صدیاں اہلحدیث کا مرکز رہا کیونکہ یہاں آنے والے فاتحین صحابہؓ' تابعینؒ' تبع تابعینؒ اور محدثین سب کے سب اہلحدیث تھے اور معارف توحید و سنت کے عامل اور حامل تھے۔ اسی وجہ سے دیبل ٹھٹھہ اور منصورہ میں حدیث کی عظیم الشان درس گاہیں تھیں جو بغداد اور دمشق سے کسی اعتبار سے کم نہ تھیں ان درسگاہوں کی عظمت اور قدر کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ حدیث کے طالب علم اور علم حدیث اور

فن حدیث کے حصول کے متمنی خود اہل عرب ان میں داخل ہوتے اور حدیث کے فیوض و برکات سے جھولیاں بھر کر واپس لوٹتے رہے۔

حدیث کی ان تینوں درس گاہوں نے بڑے بڑے محدثین اور حدیث و سنت کے عظیم رجال پیدا کئے۔ جب کہ ہم بعض علمی اشخاص اور محدثین کے اسماء اور ان کا ہلکا پھلکا تعارف لکھ چکے ہیں۔ اب بھی ان محدثین کا ذکر خیر مقصود ہے جو دسویں' گیارہویں یا گیارہویں بارہویں صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔ تا کہ تاریخ کے ہر دور میں اہل حدیث کے علماء اور محدثین کا ذکر خیر تسلسل سے ثابت رہے۔

شیخ ابوالحسن سندھیؒ

آپ کا نام محمد کنیت ابوالحسن لقب نور الدین تھا۔ محمد بن عبدالهادی السندھی التتوی (ٹھٹھوی) ثم المدنی سندھ کے مرکز علم ٹھٹھہ میں پیدا ہوئے۔ ٹھٹھہ کو معرب کر کے تتوی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پھر حجاز مقدس کا سفر کیا۔ اور مدینہ طیبہ میں شیخ ابراہیم کورانی سید محمد بن عبدالغفور برزنجی اور شیخ عبداللہ بن سالم وغیرہ سے استفادہ کیا اور سند حاصل کی۔ پھر حرم نبویؐ یعنی مسجد نبوی مدینہ منورہ میں تفسیر' حدیث اور فقہ کا درس دینا شروع کر دیا۔ ان کے سن وفات میں اختلاف ہے ۱۱۳۹ھ' ۱۱۴۱ھ' ۱۱۳۸ھ اور ۱۱۳۶ھ بیان کی گئی ہے۔ ان کی تصنیفات میں صحاح ستہ پر حواشی کو خاصی شہرت حاصل ہے۔ صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن نسائی اور ابن ماجہ پر ان کے حواشی طبع ہو چکے ہیں۔ سنن ابی داؤد پر حاشیہ بنام فتح الودود حضرت مولنا سید محب اللہ شاہ راشدی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اور جامع ترمذی پر حاشیہ ناقص ہے اس کے علاوہ مسند امام احمد الاذکار للنووی' شرح نخبتہ الفکر لابن حجر پر حواشی کے علاوہ فقہ کی مشہور کتاب الھدایہ کی شرح فتح القدیر لابن ھمام پر بھی حاشیہ لکھا جو کتاب

النکاح تک ہے۔ بعض الناس نے انہیں حنفی لکھا ہے مگر شیخ محمد عابد سندھی لکھتے ہیں۔

کان الشیخ عاملاً بالحدیث لا یعدل عنه الی مذهب کہ شیخ ابوالحسن حدیث پر عمل پیرا تھے۔ حدیث کے علاوہ کسی مذہب کو قابل اعتناء قرار نہیں دیتے تھے آپ کو نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے اور رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنے کے جرم میں وقت کے قاضی نے جیل بھیج دیا تھا۔ جس کا تفصیلی ذکر شیخ عابد سندھی نے تراجم الشیوخ میں اور انہیں کے حوالے سے مسلک الانصاب میں حضرت مولنا سید رشد اللہ شاہ راشدی سندھی پیر آف جھنڈہ نے اور حضرت علامہ بدیع الدین صاحب راشدی نے التعلیق المنصور علی فتح الغفور میں کیا ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ کے حواشی سے بھی یہ عیاں ہوتا ہے کہ آپ عامل بالحدیث اور فقہی حد بندیوں سے بیزار تھے۔

(فقہائے ہند ص ۱۷۴' ۱۷۵' ۱۷۶ جلد پنجم حصہ دوم)

شیخ ابوالحسن سندھی صغیرؒ

شیخ ابوالحسن سندھی صغیر کے نام سے اس لئے مشہور ہوئے تاکہ شیخ ابوالحسن نور الدین محمد سندھی کبیرؒ کے نام سے التباس نہ ہو۔

موصوف اپنے دور کے امام' عالم' محدث اور بہت بڑے شیخ تھے ان کا مولد بھی ارض سندھ ہے مدینہ منورہ میں انہوں نے سکونت اختیار کر لی۔ سرزمین سندھ نے بڑے بڑے حدیث کے رجال' اساتذہ اور محدثین پیدا کئے ہیں ان میں سے ایک آپ بھی ہیں جب یہ مدینہ منورہ میں پہنچے تو وہ دور شیخ محمد حیات سندھیؒ کے درس کا دور تھا۔ مدینہ منورہ میں ان کی مسند تدریس بچھی ہوئی تھی۔ وقت کے جید ذہین اور عظیم القدر علمائے کرام ان کے حلقہ تلمذ میں شامل تھے۔ شیخ ابوالحسن سندھی صغیر بھی اسی حلقہ میں شامل ہوگئے اور طویل عرصہ تک ان سے

اخذ علم اور اکتساب فیض میں مصروف رہے۔ دینی علوم سے فراغت کے بعد اسی مقدس سرزمین میں خود سرگرم تدریس ہوگئے۔ اور ان کا حلقہ درس بھی خاصہ وسیع ہوگیا۔ اور ان کے عہد میں کثرت درس و افادہ میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ درس و تدریس تعلیم و تعلم کے ساتھ ان کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ وہ متعدد بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں جن میں شرح جامع الاصول اور مختار الاطوار فی اطوار المختار لائق تذکرہ اور قابل ستائش ہیں ان علمی شاہ پاروں سے خلق کثیر نے استفاد کیا۔ یہ حدیث و سنت کے پاسبان عظیم محدث ممتاز مدرس مشہور محقق ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۸۷ھ کو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ اور جنت البقیع مدینہ منورہ میں دفن ہوئے۔ (تحفتہ الاکرام ص ۲۱۷' نزھتہ الخواطرج ۶ ص ۵ بحوالہ فقہاء ھند ج پنجم حصہ دوم)

حضرت علامہ محمد حیات سندھیؒ ' علامہ محمد حیات سندھیؒ بہت بڑے عالم' محدث اور اکابر شیوخ حدیث میں شمار ہوتے ہیں بارہویں صدی کے نامور محدثین اور مشہور فقہاء میں انہیں گردانا جاتا ہے۔ وہ عادل پور ضلع سکھر سندھ میں پیدا ہوئے۔ انکا تعلق چاچڑ قبیلہ سے تھا جو آج بھی ضلع سکھر میں خاصی بڑی تعداد میں موجود ہے۔ انکا گاؤں عادل پور خاصی شہرت رکھتا ہے۔ عادل پور میں ہی نشونما حاصل کی اور ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ٹھٹھہ میں منتقل ہوگئے جو اس وقت علوم و فنون کا بڑا مرکز تھا۔ اور پورے سندھ میں ٹھٹھہ کی علمی مرکزیت مسلم تھی وہاں مولنا محمد معین بن مولنا محمد ٹھٹھوی سندھیؒ سے علم حاصل کیا۔ پھر حرمین شریفین جانے کا پروگرام بنایا۔ حجاز مقدس پہنچے بیت اللہ کا حج کیا اور مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔ مولنا ابوالحسن محمد بن عبدالھادی سندھی مدنیؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اور ہمیشہ انکی سرکار سے وابستہ رہے اپنا کیسۂ علم انکے فیضان سے بھر لیا۔ اور انکی وفات کے بعد انکی مسند تدریس کو رونق بخشی اور پورے چوبیس برس انکی مسند تدریس پر بیٹھ کر حدیث اور دیگر علوم کا درس دیا۔

ان سے استفاد کرنے والوں اور شرف تلمذ حاصل کرنے والوں کی تعداد احاطہ تحریر میں لانا بہت مشکل ہے۔ تاہم انکے تلامذہ میں چند جید علماء کا ذکر کرتے ہیں۔ الشیخ عبداللہ بن السالم البصیری المکیؒ۔ شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الوطی المدنیؒ۔ الشیخ حسن بن علی العجمیؒ۔ الشیخ محمد بن عبدالوہابؒ شیخ عبدالمحسن بن محمد صادق سندھیؒ۔ شیخ احمد بن عبدالرحمٰن سندھیؒ۔ الشیخ سعید مقر۔ الشیخ عبدالقادر خلیل کدکؒ۔ سید عبدالقادر بن احمد بن عبدالقادرؒ۔ الشیخ عبدالکریم بن عبدالرحیم داغستانی۔ الشیخ علی بن صادق داغستانیؒ۔ الشیخ علی بن عبدالرحمٰن سلام پوری۔ شیخ علی بن محمد زھریؒ۔ مفتی محمد بن عبداللہ الحلیفی المدنیؒ۔ الشیخ علیم اللہ بن عبدالرشید مدفون دمشق۔ شیخ خیر الدین بن محمد زاہد سورتی۔ امیر محمد بن اسماعیل یمانیؒ۔ حاجی فقیر اللہ علوی شکار پوریؒ۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب۔ شیخ محمد فاخرزائر الہ آبادیؒ۔ سید غلام علی بلگرامی وغیرہ یہ سب انکے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور یہ انکے تلامذہ میں سے زیادہ مشہور ہیں انہوں نے ایک درجن سے زائد علمی کتابیں لکھیں۔ مسلکاً پختہ اہلحدیث تھے انی تصانیف سے ان کا مسلک بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ سنت کے انکار اور حدیث پر عمل کرنے کیلئے انہوں نے "تحفتہ الایمان فی العمل بالحدیث النبوی" علیہ الصلوۃ والسلام ایک بہترین کتاب لکھی اسی طرح ان کا ایک رسالہ "فی النھی عن عشق صور المرد والنسوان۔" تصویر کشی اور مرد و زن کی تصویروں سے محبت کرنے کے رد میں ہے اسی طرح انکی مشہور تصنیف الایقاف علی اسباب الاختلاف اہل علم میں مشہور ہے۔ انکی باقی تصانیف بھی اس طرح علم و تحقیق کی آئینہ دار ہیں۔ علامہ النواب سید صدیق حسن خانؒ نے اتحاف النبلاء میں ان کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ موصوف بروز بدھ ۲۶ صفرالمظفر ۱۱۴۳ھ کو فوت ہوئے اور مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (نزھتہ الخواطر جلد ۶۔ ص ۳۰۱، ۳۰۲)

مزید تفصیلات دیکھنی ہوں تو فقہاء ہند جلد پنجم حصہ دوم کا مطالعہ فرمائیں۔

ساتواں باب

دسویں صدی ہجری (الف)

دسویں صدی ہجری عالم اسلام میں بالعموم برصغیرپاک و ہند میں بالخصوص بڑی پر آشوب بلکہ فتنوں کے اعتبار سے خطرناک صدی ہے۔ ہندوستان مذاہب و اقوام کے اعتبار سے ایک عجیب و غریب ملک ہے۔ یہاں بے شمار اقوام پائی جاتی ہیں اور بے شمار مذاہب پائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے جہاں اقوام زیادہ ہونگی ان کے کلچر' ان کی تہذیب' ان کی عادات' ان کے خصائل اور ان کے انداز زیست میں بھی اختلاف ہوگا۔ ان کے رسم و رواج میں بھی نمایاں فرق ہوگا۔ اسی طرح جب مذاہب زیادہ ہوں گے تو ان کے نقطہ ہائے نظر میں اختلاف ایک بدیہی اور فطری امر ہے۔ ان میں بت پرست' چاند اور سورج کی پوجا کرنے والے' توحید کے علمبردار' تثلیث کے حامی۔ اپنے آپ کو مقرب بارگاہ خداوندی گردانے والے آتش پرست وغیرہ۔ الغرض ہر قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں۔ وہاں تھوڑی سی سستی اور کاہلی اپنے مکتبہ فکر کے اصولوں اور ضوابط میں ڈھیلا پن پیدا کر سکتی ہے۔ برصغیر میں پہلی صدی ہجری کے اواخر میں یہاں مسلمان آئے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے دو ہی راستے ہیں ایک سندھ اور بلوچستان کا دوسرا شمالی مغربی سرحدی صوبہ درہ خیبر کا۔ پہلے راستے سے صحابہؓ' تابعینؒ' تبع تابعینؒ کی آمد ثقہ حوالوں سے ہم کتاب کے شروع میں لکھ چکے ہیں۔ غزنوی' غوری' تغلق' سادات' غلامان' سوری' لودھی' مغل تمام فاتحین درہ خیبر کے راستے آئے۔ ایشاء کوچک اور وسط ایشاء کی ریاستوں میں سرکاری طور پر حنفیت کو بالادستی حاصل رہی۔ یا یوں کہئے کہ مذکورہ بالا تمام فاتح خاندان حنفی مکتبہ فکر کے حامی تھے۔ اس لئے شمالی ہندوستان' وسطی ہندوستان' مشرقی ہندوستان میں مجموعی طور پر حنفیت ہی کار فرما رہی۔ مغربی ہند' ساحل مالا بار اور جنوبی ہند کی

بندرگاہوں میں عرب تاجروں کی آمدورفت جاری رہی۔ اس لئے مسلک اہلحدیث' فکر اہلحدیث ان راہوں سے ہندوستان میں پہنچا۔ آج بھی مدراس' ٹرانکو کوچین' کیرالہ اور دیگر ساحلی شہروں میں اہلحدیث اور شوافع پائے جاتے ہیں۔

سوریوں اور مغلوں کی محاذ آرائی

ظہیر الدین بابر نے جب ہندوستان پر حملہ کیا۔ تو یہاں لودھیوں اور سوریوں کی حکومت تھی۔ بابر اگرچہ فاتح کی حیثیت سے ہندوستان میں آیا تھا۔ لیکن اسے افغانستان اور ترکستان کے پہاڑوں سے محبت تھی۔ وہ فاتح ہونے کے باوجود بیشتر وقت اپنے وطن مالوف میں گزارتا۔ چار سال کی حکمرانی کے بعد وہ فوت ہوگیا۔ نصیر الدین ہمایوں اس کا بیٹا اس کا جانشین بنا۔ ہمایوں کی سوریوں سے ٹھن گئی۔ سوریوں کے تابڑ توڑ حملوں کے سامنے ہمایوں ٹک نہ سکا۔ چنانچہ شیر شاہ سوری ہمایوں کے تعاقب میں لگ گیا۔ ہمایوں نے سالہا سال پورے ملک میں دربدر کی ٹھوکریں کھائیں' صحراؤں' دریاؤں' ریگستانوں اور بیابانوں میں چھپ کر صبح کہیں' شام کہیں' دن کہیں' رات کہیں' اسی بھاگ دوڑ میں رہا۔ اسی دوران مغلیہ خاندان کا سب سے بڑا منتظم شہنشاہ جلال الدین اکبر پیدا ہوا۔ اسی بادیہ پیمائی اور صحرا نوردی میں نہ وہ کہیں ٹک سکا اور نہ ہی کہیں اس کی تعلیم کا بندوبست کر سکا۔ بارہ تیرہ سال کی بھاگ دوڑ کے بعد ہمایوں چل بسا۔ سترہ سال کی عمر میں جلال الدین اکبر سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اور اپنے قوت بازو سے اپنے باپ دادا کی سلطنت کی بازیابی کی۔ پانی پت کے میدان میں لودھیوں کو شکست دی اور ہندوستان کو سوریوں کی ترکتازیوں سے محفوظ کیا۔ چند برسوں میں اکبر پورے ہندوستان پر قابض ہوگیا جبکہ اس سے قبل مختلف فاتح خاندان' جنوبی شمالی' مشرقی' مغربی' وسطی ہند کے علاقوں کے حکمران ضرور رہے لیکن پورے ہندوستان پر کسی کو حکومت نصیب نہ ہو سکی۔ لیکن جلال الدین اکبر نے پورے ہندوستان پر قبضہ

ہی نہیں کیا نہایت منظم حکومت کی علم و فضل سے محروم یہ بادشاہ نہایت ذہین و فطین اور طباع تھا فارسی میں بہت اچھے شعر کہ لیتا تھا سخن فہم' سخن ور اور سخن شناس تھا۔ چونکہ اس نے خاصی محنت و تگ و دو اور ہمت و شجاعت سے اپنی مفتوحہ سلطنت کی بازیابی کی تھی اس لئے وہ سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص نظر کرم اور اس کی بے پایاں رحمت سے سوریوں کی جارحیت سے نجات ملی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کی رضا جوئی کے کام کرنے چاہئیں۔

اکبر کی مذہبی سوچ

ابتداء میں اکبر بادشاہ مذہبی تھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد بھی اکبر کا ذہن خاصا مذہبی تھا۔ ارکان اسلام کا پابند تھا اور اسلامی شعائر کا بہت احترام کرتا تھا۔ علماء کی قدر و منزلت صوفیاء سے محبت و عقیدت اور مشائخ سے عزت و احترام سے پیش آنا ان کا معمول تھا۔ بہت سی مساجد تعمیر کرنے عبادت خانے بنانے میں خاصی دلچسپی لیتا رہا۔ صوفیاء اور مشائخ کو خوش کرنے کے لئے اس نے کئی بڑی بڑی خانقاہیں تعمیر کیں۔ وہاں ذکر و فکر کی مجالس برپا کرنا اس کا مشغلہ تھا۔ بڑے بڑے علماء اس کے دربار میں بڑی عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے لیکن علماء کی اکثریت محض دنیا داروں اور بندگان ہوا و ہوس پر مشتمل تھی (رود کوثر حیات مجدد تعلیمات مجددیہ) امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ اکبر کے دربار میں علماء سوء کا غلبہ تھا۔ وہ ایک دوسرے کی پگڑی اچھالتے' ایک دوسرے پر غلاظت کے چھینٹے اڑاتے' ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ میں اپنی برتری ثابت کرنے کے لئے دوسروں کی تذلیل اور تضحیک کروں۔ وہ کتوں کی طرح ایک دوسرے پر جھپٹتے اور کمینے دنیا داروں کی طرح ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے۔ ایک عالم کسی چیز کی حرمت کا فتویٰ دیتا

دوسرا اسے بالکل حرام قرار دیتا۔ ان کے قول و فعل کے یہ تضادات ان کے فکر و نظر کی یہ گمراہیاں ان کے حرص و آز کے یہ ہتھ کنڈے دیکھ کر اکبر اعظم روز بروز ان سے دور ہوتا چلا گیا علماء سوء کے کردار نے اکبر اعظم کے مذہبی بندھنوں کو ڈھیلا کر دیا اور روز بروز علماء سوء کے اسی کردار سے اس کے اعتقاد و عمل میں کمزوری پیدا ہونا شروع ہوگئی۔ نتیجتہ" اکبر بادشاہ مذہب سے خاصہ دور بلکہ بیزار ہوگیا۔ پھر شیعی علماء نے ان کے یہاں اثر و رسوخ حاصل کرنا شروع کیا اور اکبر کو اپنے ڈھب پر لانے کیلئے سازشیں شروع کر دیں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات' خلفائے ثلاثہؓ اور صحابہ کرامؓ کے خلاف ان کے ذہن کو مسموم کیا۔ حتیٰ کہ اکبر شیعی علماء کی سازشوں سے متاثر ہوگیا اس نے اپنے دربار میں مزید شیعہ علماء بلا لئے۔ ان شیعہ علماء نے اس کی رہی سہی مذہبی کسر بھی پوری کر دی اس کو مکمل مذہب بیزار بلکہ مذہب دشمن بنا دیا (رود کوثر)

اکبر کی سیاسی سوچ

ہندوستان بہت بڑا ملک تھا اب بھی دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور ہندو غالب اکثریت میں تھے۔ ہندوستان پر اپنا کنٹرول قائم رکھنا شورش' ہنگاموں اور بغاوتوں سے اسے بچانا بہت بڑی بات تھی۔ پشاور سے راس کماری اور کوئٹہ سے چاٹ گام تک یہ وسیع ملک تھا اس کا تحفظ اس کی بقاء اس کی بالا دستی قائم رکھنا اکبر کیلئے بہت ضروری تھا۔ چنانچہ اکبر نے اپنے طور پر یہ سوچ رکھا تھا کہ ہندوؤں سے دلداری اور ان پر کنٹرول ضروری ہے۔ چنانچہ یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے ہندو بیگمات کو اپنے حرم میں داخل کیا ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دیئے' ہندوؤں پر بڑا اعتماد کیا۔ تا کہ ہندو خوش ہو کر اس کے فرمانبردار رہیں اس سے تعاون کریں اس نے سب سے پہلے مذہبی

اختلاط کا آغاز کیا۔ ہندو مسلم میں فلسفہ اختلاط کو فروغ دیا۔ اکبر کے دربار اور حرم سرا میں ہندو بیگمات کا عمل دخل ایک فطری بات ہے۔ اور سرکار دربار میں ہندوؤں کو بہت اثر و رسوخ حاصل ہوگیا اس کو سمجھنے کے لئے رود کوثر کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

۱۵۷۹ء میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اختیارات علماء نے مسئلے کو نہایت نازک اور نمایاں صورت میں پیش کیا۔ ابتداء اس کی اس طرح ہوئی کہ متھرا کے قاضی عبدالرحیم نے ایک مسجد بنانے کیلئے مسالہ جمع کیا لیکن ایک مقامی مالدار برہمن نے اس پر قبضہ کر لیا اور مسالے کو ایک مندر کی تعمیر میں صرف کیا۔ جب قاضی اور اس کے ساتھیوں نے اسے روکنا چاہا تو اس نے بانی اسلام کو گالیاں دیں اور اہل اسلام کی اہانت کی قاضی یہ شکایت لے کر شیخ عبدالنبی صدر الصدور کے پاس پہنچا۔ شیخ نے برہمن کو بلا بھیجا وہ نہ آیا۔ چنانچہ دربار سے ابوالفضل اور (راجہ) بیربر کو بھیجا گیا وہ جا کر برہمن کو لے آئے اصل وقوعہ کی نسبت ابوالفضل نے تصدیق کی کہ برہمن نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کی ہے۔ اب سوال پیدا ہوا کہ اسے کیا سزا دی جائے اس پر علماء میں اختلاف پیدا ہوگیا بعض کہتے تھے کہ اہانت نبویؐ کی شرعی سزا موت ہے۔ دوسرے کہتے تھے کہ قتل کے علاوہ کوئی دوسری سزا بھی دی جا سکتی ہے اور امام اعظم کا فتویٰ سناتے تھے کہ اگر ایک ذمی پیغمبر کی شان میں بے ادبی کرے تو عہد شکنی اور ابرائے ذمہ جائز نہیں ہوتا۔ شیخ نے بادشاہ سے استصواب کیا بادشاہ ٹال مٹول کرتا رہا صریحاً کچھ نہ کہتا لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا رہا کہ سیاسیات شرعی تمہارے متعلق ہیں مجھ سے کیا پوچھتے ہو؟ اس کش مکش میں معاملہ نے بہت طول کھینچا برہمن دیر تک قید خانہ میں رہا۔ اور بادشاہ کی راجپوت

بیویاں اس کی رہائی کیلئے کوشاں ہوئیں۔ شیخ نے بادشاہ سے پھر پوچھا اور حد سے زیادہ اصرار کیا بادشاہ نے کہا کہ میں اس معاملے میں اپنا خیال بتا چکا ہوں اب تم جانو اور یہ ملزم۔ چنانچہ شیخ نے برہمن کو قتل کروا دیا اس پر اندر رانیوں اور باہر راجا مصاحبوں نے کہنا شروع کیا کہ ان علماء کو حضور نے اپنے سر پر چڑھا رکھا ہے کہ اب آپ کی خوشی کا بھی خیال نہیں کرتے۔ (رود کوثر ص ۱۰۱' ۱۰۲)

اس واقعہ سے اندازہ فرمائیں کہ بادشاہ اکبر کی حرم سرا اور دربار کے ہندوؤں میں کس قدر خودسری پیدا ہوگئی تھی علماء کا زوال تیزی سے شروع ہوگیا اکبر علماء سوء سے سخت متنفر ہوگیا کیونکہ صدر الصدور شیخ عبدالنبی اور شیخ الاسلام عبداللہ سلطان پوری ملان یزدی قسم کے رافضی مولویوں نے اپنے اخلاق و کردار سے اکبر کو مذہب دشمن بنا ڈالا۔

ملاں مبارک کا فتنہ

ملاں مبارک کو بعض علماء نے اس کی جہالت کی وجہ سے بادشاہ اکبر کے دربار سے نہ صرف نکلوا دیا بلکہ وہ انجام بد سے بچنے کے لئے حکومت سے چھپتا رہا مرور زمانہ اور گردش لیل و نہار سے اس نے اکبر کے دربار میں ازسرنو اثر و رسوخ حاصل کر لیا اس نے علماء سے انتقام لینے کے لئے اکبر کو بد راہ کرنے کی کوشش کی اس کے ذہن میں عجیب و غریب چیزیں ڈالی گئیں' اس نے اکبر سے کہا کہ اسلام صرف ایک ہزار سال کے لئے آیا تھا وہ ہزار سال بہت پہلے بیت چکے ہیں۔ اب اسلام کا دور ختم ہوگیا۔ اللہ نے حضرت آدمؑ کو دنیا میں بھیج کر اپنی خلافت کا سلسلہ شروع کیا تھا اس دور کا خلیفہ شہنشاہ اکبر اعظم ہے۔

چنانچہ ملاں مبارک نے بادشاہ سے کہا کیونکہ اسلام ایک ہزار سال کے لئے آیا تھا اور ہزار سال گزر چکے ہیں لہٰذا اب تمہیں اجتہاد سے کام لینا چاہئے آپ اولوالامر ہیں۔ اولوالامر کی اطاعت شرعاً واجب ہے۔ اولوالامر جو اجتہاد فرمائیں

امت کے لئے اس کو تسلیم کرنا شرعاً ضروری ہے۔ ملاں مبارک کے بیٹے ابوالفضل نے ایک محضر نامہ مرتب کیا جس میں قرآن کی ایک آیت اور بعض موضوع روایات کا سہارا لے کر بادشاہ کو دین میں ردوبدل کا اختیار دے دیا گیا اور اسے سلطان اور اسلام سے کہف الانام امیرالمومنین ظل اللہ علی عالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ ابدا" اعدل و اعلم قرار دیا۔ علماء کے اجلاس میں یہ محضر نامہ پیش کیا گیا جس میں بحث و تمحیث کے بعد علماء کی مہریں ثبت ہوئیں مہریں لگانے والوں میں مخدوم الملک شیخ عبدالنبی' قاضی جلال الدین' قاضی خان بدخشی وغیرہ تھے۔

(منتخب التواریخ ص ۸۰ تا ۸۳ مصنف ملاں عبدالقادر بدایونی)

چنانچہ ملاں مبارک کی اس بدراہی سے شہنشاہ اکبر پٹڑی سے اتر گیا اور اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ اللہ ایک ہے اکبر اس کا خلیفہ ہے اس کے دین کا نام دین الہٰی ہے۔

دین الہٰی کی حقیقت

ملاں مبارک کے دونوں بیٹے فیضی اور ابوالفضل بڑے ذہین فطین زرخیر ذہن کے مالک تھے زبان اور بیان پر انہیں پوری دسترس حاصل تھی۔ فصاحت اور بلاغت ان کے گھر کی لونڈی تھی اپنے تمام تر علم و فضل کے باوجود خالص بے دین' ملحد' زندیق' لالچی اور دنیا دار تھے۔ ابوالفضل کی فصاحت و بلاغت اور وسعت علم کا اندازہ اس سے لگائیں کہ پورے قرآن کی تفسیر عربی میں لکھی اور کوئی حرف نقطے والا استعمال نہیں کیا بلکہ اس کا نام ہی تفسیر بے نقط رکھا۔ چونکہ اس کے والد ملاں مبارک کو بادشاہ کے دربار سے ذلت سے نکلوایا گیا تھا اس لئے ان کے دلوں میں ان علماء کے خلاف شدید انتقامی جذبات موجزن تھے۔ اپنے علم کی رعنائی و زیبائی کے باوجود علماء کے سامنے ان کا علمی چراغ نہ جل سکا تو وہ

بظاہر حسد اور بغض کی آگ میں جلے بھنے ہوئے تھے اس لئے دربار اکبری میں اپنے اثر و رسوخ سے بڑی دولت اکٹھی کی اور علماء کو نشانہ ستم بنایا اکبر کو گمراہ کیا اور اس کو یہ سیاسی نکتہ سمجھایا کہ اگر تم ہندوستان پر کامیاب حکمرانی کرنا چاہتے ہو تو ہندو رعایا کے جذبات کا لحاظ کرو دین الٰہی کے نام پر ایسا ملغوبہ تیار کرو کہ ہندو مسلم معاشرہ میں کوئی دوئی باقی نہ رہے بلکہ ان میں اختلاط پیدا ہو جائے۔

اکبر کے دین الٰہی میں سجدہ تعظیمی لازم گردانا گیا محمد اور احمد کے نام پر بچوں کے نام رکھنے کی ممانعت کر دی گئی۔ انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت "ختنہ" سے روک دیا گیا۔ گائے کے ذبیحہ کی بندش کر دی گئی' سور (خنزیر) کا گوشت حلال ٹھہرایا گیا سوروں اور کتوں کی پرورش ثقافت قرار دی گئی۔ شرعی پردہ کا مذاق اڑایا گیا' شیعہ کے عقائد کی شدومد سے حمایت کی گئی شرکیہ رسوم کو جائز گردانا گیا۔ مندروں کی سرپرستی کی گئی اور مساجد پر کفل لگا دیئے گئے۔ مشائخ اور صوفیاء کرام کی تحقیر کی گئی۔ علماء کو جبر و تشدد کے شکنجوں میں کسا گیا حالات اس قدر سنگین تھے۔ دار و گیر سے ماحول اس قدر دہشت زدہ تھا کہ بڑے بڑوں کے پتے آب آب ہوگئے حتیٰ کہ شیخ عبدالحق دہلوی شارح مشکوۃ شریف ایسے عظیم محدث نے بھی خاموشی اور عزلت گزینی میں ہی اپنی عافیت سمجھی۔ پورے برصغیر میں دینی حلقوں میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ منبر و محراب خاموش تھے۔ اکبر کے دین الٰہی کا فتنہ اس قدر شدید اور خوفناک تھا کہ علماء نے خاموشی اور لوگوں کے ہجوم سے علیحدگی اختیار کرنے ہی میں اپنی بہتری سمجھی۔ (رود کوثر' تعلیمات مجددیہ' حیات مجدد)

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ

ایسے تیرہ و تار ماحول میں جبکہ ہر طرف کفر و ضلالت' رسم و رواج' بدعات و سیئات اور فواحش و منکرات کی آندھیوں بلکہ طوفانوں میں ۹۷۱ھ کو بروز

جمعہ نصف شب ۱۴ شوال کو ایک عہد ساز' نابغہ عصر شخصیت نے جنم لیا۔ جس کو عرف عام میں شیخ احمد سرہندی فاروقی کہا جاتا ہے۔ جن کا لقب بدر الدین اور کنیت ابوالبرکات اور خاندانی نسب نامہ حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے۔

جب ظلمت و تاریکی بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ آفتاب عالم تاب کو طلوع ہونے کا حکم دیتے ہیں۔ جس سے رات کی تاریکی چھٹ جاتی ہے۔ اور دن کی روشنی چار دانگ عالم میں پھیل جاتی ہے۔ مسلمہ اصول ہر فرعون را موسیٰ کے تحت کفر و ضلالت کی تاریکیوں کو ختم کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ایسی عبقری زمان شخصیت کو پیدا کر دیتا ہے کہ وہ استقامت کا پہاڑ بن کر باطل کے سامنے سینہ سپر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان میں پیغمبرانہ اوصاف ودیعت فرماتے ہیں۔ وہ باطل کے طوفانوں میں بھی چراغ حق روشن کرتے ہیں۔ تلوار کی دھار پر کلمہ حق کہنے میں وہ اپنی سعادت اور نجات سمجھتے ہیں فطری بات یہ ہے کہ جتنے حالات سنگین ہوں گے ماحول خوفناک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے مقابلہ کے لئے بھی ایسی بہادر' اولوالعزم' اشجع' مخلص' راستباز شخصیتوں کو جنم دیتے ہیں۔ تاکہ ہواؤں کا رخ موڑا جا سکے۔ طوفانوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اور کلمہ حق کی پشتیبانی کی جا سکے۔ اکبر اعظم کا دور انتہائی خوفناک اور سنگین دور تھا۔ بڑی بڑی شخصیتیں خوف و ہراس سے سہمی ہوئی تھیں۔ اور ان میں مصلحت بینی گھر کر چکی تھی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ دس سال کی عمر میں انہوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا۔ والد صاحب سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد سیالکوٹ آ گئے۔ سیالکوٹ میں مولنا کمال الدین کشمیری سے بعض کتابیں بڑی تحقیق اور تدقیق سے پڑھیں اور حدیث کی کتابیں اس وقت کے بہت بڑے محدث مولینا محمد یعقوب کشمیری سے پڑھیں۔ حصول علم سے فراغت کے بعد تعلیم و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ اور اپنے والد محترم کی مسند کو فروغ بخشا (حیات مجدد ص ۲' ۳) اور یہ تمام منزلیں آپ نے سترہ سال کی عمر میں طے کر لیں۔

حکیمانہ فیصلہ

شیخ مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اس کی سنگینی اور اکبر بادشاہ کی اس میں دلچسپی کو دیکھا تو حالات کا جائزہ لیا' علماء کے ذہنوں کو پڑھا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ زیر زمین تحریک شروع کی جائے۔ حکومت کے اعضاء و جوارح سے راہ و رسم پیدا کی جائے۔ ان سے ربط و تعلق کو بڑھایا جائے۔ ان کے ذہنوں کو صاف کیا جائے اور ان کو اکبر بادشاہ کے الحاد و زندقہ سے باخبر کیا جائے۔ اسلام کی مظلومیت' اسلام کی صداقت ان پر واضح کی جائے۔ تاکہ دینی انقلاب کا آغاز ذمہ داران حکومت اور خواص سے شروع ہو۔ شیخ مجددؒ خوب سمجھتے تھے کہ ایک تو میں ابھی نوعمر ہوں شاید میری بات اتنی موثر نہ سمجھی جائے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ اس الحاد و زندقہ کا بانی خود اکبر اعظم اور اس کے علماء سوء ہیں۔ ملاں مبارک' ابوالفضل اور فیضی کا بادشاہ کو گمراہ کرنے میں ایک خصوصی کردار ہے۔ کیونکہ یہ بے دین مولوی اکبر کو علماء سے بیزار کر چکے ہیں۔ اسے اسلام کا باغی بنا چکے ہیں۔ اسے مجتہد مطلق قرار دے چکے ہیں اور اکبری ہفوات کو دین اسلام گردان چکے ہیں۔ اس گمراہی کو پھیلانے کے جواز میں اس کے ذہن میں مخلوط حکومت کا سیاسی نکتہ ڈال چکے ہیں۔ اب اکبر سے براہ راست محاذ آرائی کے بجائے حکیمانہ انداز میں اونچے سرکاری حلقوں سے روابط بڑھانا ضروری ہیں۔ تاکہ ان کے جانشین کے زمانے میں اسلامی اور دینی انقلاب پوری کامیابی سے برپا کیا جا سکے۔ علماء سوء اسلام کے فرائض کو ساقط قرار دے چکے تھے۔ بعض مولوی حج کی فرضیت کے ختم ہونے کے دعویدار تھے۔ (حیات مجدد ص ٦٧) علماء سوء کا کیا کردار تھا۔ اس کا اندازہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ کے اس اقتباس سے فرمایئے "کہ علماء میں اچھے لوگ بھی موجود تھے لیکن ان کی کوئی پیش نہیں چلتی تھی۔ غازی خاں بدخشی نے کہا کہ بادشاہ کو سجدہ کرنا جائز ہے۔ علماء نے

کان کھڑے کئے' غل مچایا' گفتگو کے سلسلے پھیل کر الجھے' معترض مسلمانوں کے جوش نہ دم لیتے تھے' نہ لینے دیتے تھے' سجدہ تعظیمی کے جواز کے طرف دار بڑی ملائمت سے انہیں روکتے تھے۔ اور اپنی بنیاد جمائے جاتے تھے۔ کہتے تھے کہ اپنے عہد سلف پر نظر کرو امت ہائے قدیم کو دیکھو وہ عموماً اپنے بزرگوں کے سامنے تحفہ عجز و نیاز سمجھ کر ادب سے پیشانی زمین پر رکھتے تھے۔ مثلاً ملائکہ نے سجدہ حضرت آدمؑ کو کیا تھا۔ جواب ظاہر ہے کہ سجدہ تعظیمی' باپ اور بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کیوں تھا؟ (جواب تحفہ ادب پیش کیا تھا نہ کہ پرستش و بندگی" (تذکرہ مولانا ابوالکلام آزادؒ)

شیخ صاحب لکھتے ہیں داڑھیاں منڈوانے کے متعلق شیخ امان پانی پتی کے ایک بھتیجے ملاں ابوسعید نے فتویٰ دیا۔ وہ اپنے عم بزرگوار کے کتب خانے سے ایک کرم خوردہ کتاب لے کر تشریف لائے۔ اس میں سے حدیث دکھائی کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک صحابیؓ آئے۔ ان کا بیٹا ساتھ تھا۔ اس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ نے دیکھ کر فرمایا "کہ اہل بہشت کی ایسی ہی صورت ہوگی۔" بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے ان علماء نے ایسے ایسے فتوے صادر فرمائے۔ (حیات مجدد ص ۶۸) (رود کوثر ص ۶۵)

چار طریقے

اندریں حالات شیخ مجددؒ نے سوچا کہ اس سخت کٹھن کے ماحول میں مسلسل جدوجہد کی جائے اور آہستہ آہستہ حالات کا رخ پھیر دیا جائے اس کے لئے انہوں نے درج ذیل چار طریقے اختیار کئے۔

اولاً۔ اپنے مریدوں اور تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد کو تیار کر کے دین کی تبلیغ کے لئے آمادہ کیا۔ انہیں حکم دیا کہ ملک میں پھیل کر اسلام کی تبلیغ کریں۔ سنت کا مقام بیان کریں۔ اور

لوگوں کو اتباع سنت کی دعوت دیں۔ اور لوگوں سے کہو کہ دائرہ شریعت میں واپس آجاؤ کیونکہ اسی میں نجات ہے۔ یہ موثر طریقہ تبلیغ اندرون ھند اور بیرون ہند پورے زور دار طریقے سے اختیار کیا گیا۔

ثانیاً۔ ملک اور بیرون ملک کی نامور شخصیتوں سے مراسلت کا سلسلہ شروع کیا اور ان کی کثرت نے اس کی اشاعت کو پسند کیا۔ خطوط میں مذہبی حقائق پر بحث ہوتی تھی اور اتباع سنت پر زور دیا جاتا تھا۔

ثالثاً۔ شیخ مجددؒ نے کہا دربار شاہی کے بڑے بڑے امراء کو اپنا مرید بنایا جائے۔ اور ان کے ذمہ لگایا جائے۔ کہ وہ اپنے اپنے حلقہ اثر میں اسلامی انقلاب کو آگے بڑھائیں اور بادشاہ کے قلب (دل) کو بدلنے کی کوشش کریں۔

رابعاً۔ جب اکبر کا ۱۰۳۴ھ میں انتقال ہوگیا اور جہانگیر تخت نشین ہوا تو شیخ احمدؒ نے کھلم کھلا جدوجہد شروع کر دی۔ اور لوگوں سے یہ عہد لیا کہ خلاف اسلام احکام شاہی کو ہرگز تسلیم نہ کریں۔ اور اس جدوجہد کو شاہی فوج تک وسعت دی گئی۔ ان کا یہ طریق کار ان کے مکتوبات سے اخذ کیا گیا (حیات مجدد ص ۲۹)

عہد جہانگیر

جہانگیر اکبر کا جان نشین بنا اس نے بھی اپنے باپ کے دین الٰہی کو جاری رکھا۔ اور اس کے الحاد و زندقہ کو سینے سے لگائے رکھا۔ شیخ مجددؒ نے اکبر کے زمانے میں نہایت خاموشی اور تسلسل سے دینی انقلاب برپا کرنے' بدعات کو مٹانے' شرکیہ رسوم کو ختم کرنے کے لئے جو تحریک شروع کی تھی۔ اب اس کے برگ و بار سامنے آرہے تھے۔ اور شیخ مجددؒ اب اپنی کئی سالہ مساعی کے نتیجے میں

اس پوزیشن میں تھے کہ جہانگیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کی بے دینی کو ختم کرنے کا مطالبہ کریں۔ اور حق و صداقت' توحید خالص اور سنت کے احیاء و تحفظ کے لئے انہوں نے اپنی مساعی میدان عمل میں جھونک دیں۔ اپنے خطبات جمعہ' دروس قرآن' مجالس ذکر اور دینی محافل میں رائے عامہ کو اسلام کی حمایت اور اکبری و جہانگیری الحاد کے خلاف منظم کرنا شروع کیا۔ ان کی ایک ایک بے دینی کو نشانہ بنایا' خصوصاً سجدہ تعظیمی کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ اور دیگر ملحدانہ حرکات کے خلاف کتاب و سنت کی روشنی میں علم جہاد بلند کیا۔ ویسے بھی اس دور میں فقہ حنفی کا دور دورہ تھا۔ حدیث صرف مشکوۃ اور مشارق الانوار تک تبرکاً" پڑھی جاتی تھیں۔ اس پر عمل ہرگز نہیں کیا جاتا تھا۔ علماء سوء نے جہانگیر کے کان بھرنا شروع کر دیئے۔ کہ سرھند کے احمد نامی نوجوان نے بادشاہ سلامت کے خلاف کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی ہے۔ اس نے امراء سلطنت کو اپنے مکتوبات سے بہت زیادہ متاثر کیا ہے۔ خصوصاً عبدالرحیم خانخاناں' حسام الدین' شیخ فرید بخاری۔ مرزا فتح اللہ حکیم۔ مرزا داراب' محمد قلیج خاں۔ مرزا ایرج' خان اعظم' حکیم صدرا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ انقلاب اقتدار کے ایوانوں کے قریب پہنچ گیا۔ اور جہانگیر کو خاصی فکر دامن گیر ہوئی۔ جہانگیر کو بتایا گیا کہ اس کے باغیانہ ذہن کا اندازہ اس سے لگ سکتا ہے کہ وہ تمہیں کبھی سجدہ تعظیمی نہیں کرے گا۔ العیاذ باللہ۔ وہ باغیانہ سلام کہے گا۔ چنانچہ جہانگیر نے شیخ مجدد ؒ کو اپنے دربار میں بلایا۔ اور علماء سوء کی مخبری کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ شیخ مجدد ؒ جب شاہی دربار میں پہنچے تو سنت کے مطابق انہوں نے السلام علیکم و رحمتہ اللہ کہا شیخ مجدد ؒ سے کہا گیا کہ اگر آپ سجدہ تعظیمی جائز نہیں سمجھتے تو کم از کم سر کو جھکا کر ہی سلام عرض کریں۔ لیکن شیخ مجدد ؒ سنت کے خلاف ایسی بات کیسے کر سکتے تھے وہ تو احیاء اسلام' تجدید دین اور تمسک بالسنہ کے علمبردار تھے۔ چنانچہ ان کے اسی مسنون سلام کو بادشاہ کی گستاخی اور بے ادبی گردانا گیا' اور فوری طور پر ان کی گرفتاری

عمل میں لائی گئی۔ (حیات مجدد و تعلیمات مجددیہ)

شیخ مجددؒ قلعہ گوالیار میں

قلعہ گوالیار میں پیشہ ور مجرموں' رہزنوں' قاتلوں' باغیوں' سرکشوں' زانیوں اور شرابیوں کو سزا دینے کے لئے قید کیا جاتا تھا۔ قلعہ گوالیار کے محبوسین کی اکثریت اسی قماش کے افراد کی ہوتی تھی۔ شیخ مجددؒ کو قلعہ گوالیار میں قیدی بنا کر اس لئے بھیجا گیا کہ یہ نیک' پاکباز' عالم باعمل جب وہاں نیکی کی باتیں کرے گا اور قیدیوں کو اسلام کے ارکان پر عمل پیرا ہونے کی تبلیغ و تلقین اور تاکید کرے گا تو یہ جرائم پیشہ لوگ بپھر جائیں گے ان کی اس تبلیغ کو وہ اپنی ہتک قرار دیں گے۔ اور ان پر قاتلانہ حملہ کر کے انہیں قید حیات سے فارغ کر دیں گے۔ (رود کوثر)

دینی انقلاب

شیخ مجددؒ جب قلعہ گوالیار میں پہنچے تو وہاں کے قیدیوں کو دیکھا ان کی بے عملی اور مجرمانہ ذہنیت پر آنسو بہائے اور ان کی اصلاح کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر اپنے مشن کا آغاز کیا۔ تمام قیدیوں کو توبہ اور انابت الی اللہ کی توجہ دلائی۔ اقامت صلوٰۃ' تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کی تلقین کی۔ انہیں بتایا اگرچہ تمہیں کسی جرم کی سزا کیلئے یہاں بھیجا گیا ہے لیکن اگر تم اپنی اصلاح کر لو اور اپنے ذہن کا رجحان خدا کی طرف موڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہو جاؤ' اس کی رجوع کر لو تو یقیناً وہ تواب بھی ہے' رحمان بھی ہے' رحیم بھی ہے' غفور و غفار بھی ہے۔ وہ تمہیں معاف کر دے گا اور تم وقت کے اولیاء بن جاؤ گے۔ چنانچہ ایک ہی ہفتہ میں قلعہ گوالیار کی کایا پلٹ گئی۔ دینی انقلاب برپا ہو گیا۔ اور مجرمین کا یہ قلعہ اہل اللہ کا مرکز بن گیا۔ قیدیوں نے گناہوں سے توبہ کی اپنی اصلاح کا آغاز کر دیا۔ تزکیہ باطن کی کوششیں شروع کر دیں۔ تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کو

اپنا مشغلہ بنا لیا۔ شیخ مجددؒ کی صحبت' ہم نشینی اور مجلس نے قلعہ گوالیار کو ذکر و فکر کی ایک بہت بڑی خانقاہ کی صورت میں بدل دیا۔ جدھر دیکھو کوئی تلاوت کر رہا ہے کوئی نوافل پڑھ رہا ہے۔ کوئی ذکر الٰہی میں مصروف ہے۔ کوئی شیخ مجددؒ کی مجلس میں بیٹھ کر اپنی اصلاح کیلئے مسائل دریافت کر رہا ہے۔ جہانگیر کو بہت جلد احساس ہوگیا' کہ میں ایسی شخصیت سے ٹکرا رہا ہوں جس کے اثرات سے حکومت کے در و بست بھی محفوظ نہیں۔ میرے امراء ان سے متاثر ہیں' فوج کے جرنیل ان کے مرید بن گئے ہیں۔ اگر میری یہ روش جاری رہی تو ممکن ہے کہ میرے خلاف مسلح انقلاب نہ برپا ہو جائے۔ چنانچہ اس نے بڑے باوقار اور پوری عزت و احترام سے شیخ مجددؒ کو قلعہ گوالیار سے رہا کیا اور شہر سے دور جا کر ان کا استقبال کیا۔ ان کے ہاتھ پر توبہ کی اور تمام وہ بے دینی اور الحاد جو دین الٰہی کے نام پر جاری کیا گیا تھا۔ اس کو یکسر ختم کرنے کا حکم دیا۔ سجدہ تعظیمی ختم کر دیا گیا۔ ختنہ کی سنت جاری کر دی گئی' محمد اور احمد کے نام پر پابندی کو خیرباد کہہ دیا گیا۔ گائے ذبح کرنے کی عام اجازت دے دی گئی۔ خنزیر کا گوشت حرام قرار دیا گیا۔ وہ تمام ہندوانہ رسوم اور مشرکانہ عقائد و اعمال یک قلم بند کر دیئے گئے۔ ان سے جہانگیر ہی نہیں متاثر ہوا بلکہ شاہجہان ان کا بیٹا ان سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اسی کے نتیجے میں شاہجہان نے اپنے ہونہار بیٹے غازی محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کو پڑھنے کیلئے شیخ مجددؒ کے صاحبزادے شیخ محمد معصومؒ کے پاس سرہند بھیجا۔ شیخ مجددؒ تقریباً ایک سال قلعہ گوالیار میں رہے۔ ۱۰۲۸ھ میں وہ گرفتار ہوئے ۱۰۲۹ھ میں وہ جیل سے رہا ہوئے۔ ۱۰۳۴ھ میں شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ اس دنیا سے تشریف لے گئے (حیات مجدد)

شیخ احمدؒ کا کیا مقام ہے؟ اس کے بارے میں علامہ اقبالؒ کی یہ رباعی حقیقت واضح کرتی ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

جس کے نفس گرم سے ہے گرمئی احرار

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

شیخ احمد سرہندی فاروقی کی مساعی حسنہ اور دینی انقلاب کے نتائج

شیخ احمد فاروقی سرہندی نے جب شعور کی آنکھیں کھولیں اور علم سے فراغت حاصل کی تو ہر طرف دینی طور پر اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ ابوالفضل اور فیضی نے اکبر اعظم کو بد راہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا تھا اکبر کے دین الٰہی کے نام پر جو الحاد پھیلایا گیا وہ ان دونوں کے زرخیز' فتنہ ریز اور فتنہ انگیز ذہن کا کیا دھرا تھا۔ شیخ احمد فاروقی نے مسلسل اکتالیس برس اکبری الحاد اور ابوالفضل و فیضی کی فتنہ سامانیوں کے خلاف جہاد کیا۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اکبری الحاد و زندقہ کو مٹا دیا۔ شرکیہ عقائد دم دبا کر بھاگ گئے۔ ہندوانہ رسوم نے رخت سفر باندھا۔ جہالت کی عادات و خصائل مٹ گئیں کفر میدان چھوڑنے پر مجبور ہوگیا۔ توحید کا پرچم سربلند ہوا تجدید و احیاء دین کی تحریک اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ تمسک بالسنہ کو فروغ ملا' حدیث کے پھریرے لہرائے' علماء سوء کا قلع قمع ہوا' علماء ربانی کا وقار بحال ہوا' فقہ کی بندشیں ڈھیلی ہوگئیں' دینی چرچہ عام ہوا' کتاب و سنت سے براہ راست استفادہ کا ذہن پیدا ہوا' بدعات کی دھجیاں بکھر گئیں' سیئات و منکرات کے بخیے ادھڑ گئے' کتاب و سنت کی تعلیمات کو عام کرنے کا راستہ ہموار ہوگیا۔ شیخ مجددؒ اگرچہ بظاہر حنفی المسلک تھے لیکن حدیث و سنت کے بارہ میں ان کا ذہن نہ صرف صاف ستھرا بلکہ قابل رشک تھا۔ شیخ مجدد وہ پہلے حنفی عالم ہیں جنھوں نے اپنی تعلیمات کی بنیاد کشف و الہام' جھوٹی حکایات اور من گھڑت کرامات کی بجائے کتاب و سنت پر رکھی اور سب سے پہلے کتاب و سنت سے براہ راست استفادہ کی کوشش کی اور اپنے مکتوبات میں

واضح کیا کہ اسلام کا منبع، دین کا مصدر اور ماخذ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہماری اور ان کی یہی قدر مشترک ہے کیونکہ اسلام کے دونوں سرچشموں کی تعلیمات کی دعوت دینا ہمارا موقف اور مشن ہے شیخ مجددؒ نے بھی عوام کے سامنے یہی دعوت پیش کی تفصیلات کے لئے شیخ مجددؒ کے مکتوبات کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور "تعلیمات مجددیہ" بھی اس کے لئے مفید ہو سکتی ہے۔

تعلیمات مجدد

ہم چاہتے ہیں کہ شیخ مجددؒ کے مکتوبات سے ان کی تعلیمات اور ارشادات کا خلاصہ بالکل اختصار کے ساتھ درج کر دیں تا کہ تعلیمات مجددیہ کو سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔

۱= "ہر بدعت سنت کو دور کرنے والی ہے خواہ وہ حسنہ ہو یا سیئہ"
(مکتوبات دفتر اول ص ۱۸۶)

۲= "طریقت کی ضرورت اس لئے ہے کہ شرعی تکلیفات کو بجا لانے میں آسانی ہو اور استدلالی یقین کشف سے بدل جائے اور اطمینان نصیب ہو مشاہدے اور مکاشفے شرع کے خلاف ہوں تو انہیں نیم جو کے بدلے میں قبول نہیں کرنا چاہئے۔ (مکتوبات)

۳= "جو کچھ اعتبار کے لائق ہے وہ کتاب و سنت ہے جو وحی قطعی سے مقرر ہوئے ہیں۔ علماء کا اجماع اور اجتہاد مجتہدین بھی ان دو اصولوں سے رجوع کرنا ہے۔ ان کے علاوہ جو کچھ ہو خواہ صوفیاء کے معارف ہوں یا ان کے کشف و الہام اگر ان اصولوں کے موافق ہوں تو مقبول ہیں ورنہ مردود" (مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۲۱ بنام ملاں طاہر بدخشی)

۴= "شریعت کے تین جزء ہیں علم، عمل اور اخلاص۔ طریقت اور حقیقت شریعت کی تیسری جزء یعنی کامل کرنے میں اخلاص کے ساتھ شریعت

کے خادم ہیں۔" (مکتوبات)

۵ = "وہ معارف جو کشف و الہام کے بغیر بیان کئے جائیں سراسر افتراء اور بہتان ہیں معارف کا کمال یہ ہے کہ وہ شرع کے ہمنوا ہوں۔"

(مکتوبات)

شیخ مجددؒ براہ راست کتاب و سنت سے استفادہ کے علمبردار اور داعی تھے حج بیت اللہ اور حرمین کی زیارت نے ان پر حدیث و سنت کا رنگ چڑھا دیا تھا شیخ مجددؒ الف ثانی کی کتاب و سنت کی اس زور دار تحریک سے جہاں بدعتیوں' رافضیوں' خدا و رسول کے منکروں اور دین کے دشمنوں کی کمر ٹوٹ گئی وہاں حدیث و سنت کا فروغ اسی خالص دینی تحریک کے برگ و بار ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مخلصانہ مساعی' جرات' حوصلہ' تحمل' استقامت اور اخلاص کی بدولت تقریباً ایک صدی تک ان کے اثرات زندہ و باقی رہے۔

شاہ محمد فاخر زائر

آپ کی ولادت ۱۱۲۰ھ میں الٰہ آباد میں ہوئی۔ آپ کا اسم گرامی محمد فاخر تخلص زائر تھا آپ شیخ محمد یحیٰی الٰہ آبادی کے خلف الرشید تھے۔ علامہ میر غلام علی آزادؒ بلگرامی نے فارسی میں تقصار جنود الدرو من تدکار جنودالابرار ص ۲۲۵ پر آپ کی بڑی جامع الفاظ اور ادبی انداز میں سوانح حیات لکھی ہے۔ یاد رہے علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامیؒ شیخ محمد یار سندھی کے یہاں مدینہ منورہ میں ہم سبق تھے میر غلام علی آزاد بلگرامی علامہ محمد یار سندھی کی تعلیم و تدریس سے اور شیخ محمد فاخر الٰہ آبادی کی مستقل ہم نشینی سے مسلکاً" اہلحدیث ہوگئے تھے۔ ان کی سیرت پر صحبت استاد اور رفاقت' مخلص رفیق کا رنگ چڑھ گیا تھا۔ یہ بات تو آپ کے علم میں ہوگی کہ الٰہ آباد صوبہ اتر پردیش (یو۔ پی) کا ایک ضلع اور مشہور تاریخی شہر ہے۔ نہرو خاندان کی جنم بھومی کا بھی اسے فخر حاصل ہے۔ شیخ محمد فاخر

زائر گیارھویں بارھویں صدی کے ایک محدث اور سلفی عالم تھے ان کے فیضان نظر سے اہل دیار میں مسلک اہلحدیث کو خوب فروغ ملا ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے والد گرامی اور برادر اکبر شیخ محمد طاہرؒ سے حاصل کی۔ والد صاحب شیخ محمد یحییٰ جب فوت ہوگئے تو آپ ان کے مسند نشین بن گئے ۱۱۴۹ھ میں آپ کو تعلیم کی مزید تکمیل کا خیال ہوا۔ چنانچہ آپ حرمین شریفین چلے گئے۔ اور مدینہ منورہ میں علامہ محمد یار سندھی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے۔ مدینہ منورہ میں علامہ محمد یار سب سے بڑے محدث تھے جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ شیخ محمد یار سندھی سلفی عالم، راسخ العقیدہ، پختہ فکر، اہلحدیث عالم تھے مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی بھی ان کے ساتھ تھے۔ بلکہ آپ کے وہ جگری دوست تھے۔ آپ کس قدر خوبیوں اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے؟ مولنا سید عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں کہ تمام لوگ ان کی تعریف پر متفق ہیں اور ان کے حسن کردار کے معتقد تھے اس باب میں ان کی شخصیت مرجع خلائق کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ کسی ایک فقہی مذہب کے پابند نہ تھے بلکہ کتاب و سنت کی نصوص پر عمل کرتے اور خود اجتہاد کرتے تھے اور وہ اس کی پوری صلاحیت رکھتے تھے۔

(نزہتہ الخواطر ج ۶ ص ۲۴۱)

اسی طرح مجدد الوقت، مجتہد العصر، السید النواب صدیق حسن خاںؒ نے شیخ محمد فاخر زائرؒ کے بارہ میں لکھا کہ وہ شیخ الشیوخ اور سرزمین ہند میں متبعین سنت کے امام اور مشاہیر علماء میں درجہ رکھتے تھے۔

(تقصار الجنود الاحرار ص ۱۱۵)

شیخ فاخرؒ فارسی زبان میں بہت اچھے شعر کہہ لیتے تھے چنانچہ مسلک اہلحدیث کے بارہ میں رسالہ نجاتیہ میں رقمطراز ہیں۔

ما اہل حدیثیم دغا را نہ شناسیم صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ و فن نیست

زائر از کشکول اہل رائے نتواں لقمہ خورد بر سر خوان رسول اللہ مہما نیم ما!

از احادیث رسول آوردہ ام اسرار دین   نیست غیر از گوہر شہسوار در دکان ما

موصوف نے نور السنہ اور قرۃ عینین در اثبات سنت رفع یدین نامی دو کتابیں فارسی نظم میں لکھیں۔ اور نماز کا وہی طریقہ استعمال کیا ہے جس پر اہلحدیث عمل پیرا ہیں وہ بارہویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم محدث اور فقیہ تھے وہ تقلید شخصی سے سخت بیزار تھے۔ اتباع سنت اور عمل بالحدیث کے عامل اور داعی تھے جیسا کہ امام خان مرحوم نے تراجم علمائے حدیث ہند کے صفحہ ۳۱ پر ان کے رسالے کے آخری صفحہ کی عربی عبارت کا یوں ترجمہ کیا کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر لی تو پھر مجھے امام ابوحنیفہؒ امام ابوسفیانؒ ثوری اور امام زہریؒ کی پرواہ نہیں (تذکرہ علماء مبارکپور ص ۹۵)

تراجم علماء اہلحدیث ہند میں مولنا ابویحییٰ خان نوشہروی نے مسلک کے بارہ میں ان کا ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ شیخ محمد فاخر زائر الہ آبادی ایک مرتبہ دہلی میں گئے تو جہری نماز میں جامع مسجد دہلی میں بلند آواز سے آمین کہی۔ دہلی میں یہ بہت بڑا حادثہ تھا کہ شیخ فاخر دہلی میں آمین کہتے ہوئے موقع پر پکڑے گئے لوگ مارنے پیٹنے کے لئے تیار ہوگئے تو شیخ فاخر نے فرمایا کہ مجھے دہلی کے سب سے بڑے عالم کے یہاں لے چلو جو وہ فرمائیں گے اس پر عمل کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہ حجۃ اللہ فی الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ شخص بلند آواز سے آمین کہتا ہوا پکڑا گیا ہے اس کے بارہ میں کیا حکم ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ حدیث میں ایسے بھی ثابت ہے۔ مجمع چھٹ گیا۔ شیخ زائر الہ آبادی نے شاہ ولی اللہؒ سے کہا کہ آپ کب کھلیں گے۔ انہوں نے جواباً فرمایا اگر کھلا ہوتا تو آپ کو کیسے چھڑاتا۔ (تراجم علماء حدیث ہند ص ۲۷۸)

ان کا فارسی میں ایک دیوان بھی شائع ہوا ہے۔ ''سفر السعادت منظوم'' کا فارسی نثر میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ سنت کا یہ فدائی' حدیث کا یہ عاشق' مسلک اہلحدیث کا یہ شیدائی اور کتاب و سنت کا یہ داعی ۱۱۶۴ھ میں خلد آشیاں ہوگیا۔

اس در شہسوار اور گوہر آبدار نے صرف چوالیس برس عمر پائی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی

قاضی ثناء اللہ پانی پت میں پیدا ہوئے۔ یہ شیخ جلال الدینؒ کی دسویں پشت میں سے تھے انہوں نے سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ سولہ سال کی عمر میں جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ پر حاوی ہوگئے تکمیل حجتہ اللہ فی الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے کی اور شاہ محمد عابد سنامی سے بیعت کی آپ کے پیرو مرشد مرزا مظہر جان جاناں نے آپ کو العلم الہدیٰ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بیہقی وقت کا خطاب دیا۔ نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے انہیں اتحاف النبلاء کے ص ۲۴۰' ۲۴۱ پر زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ ان کی علمی گہرائی زہد و ورع تقویٰ و خلوص اور جذبہ اتباع سنت کا تذکرہ فرمایا اسی طرح نواب صاحب نے تقصار جنود الاحرار من تذکار جنود الابرار میں بھی ان کا ذکر نہایت اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ یوں تو آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں مگر تفسیر مظہری عربی میں ایک بہترین تفسیر ہے جس کا اندازہ اور اعتراف تمام متقدمین اور متاخرین علماء نے کیا ہے۔ ایک ان کا رسالہ "حرمت متعہ" ہے لیکن اس کی زیارت نہیں ہو سکی روافض کے رد میں سیف المسلول ہے جو اپنے موضوع پر لاثانی حیثیت رکھتا ہے اور شاہ عبدالعزیز کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ سے پہلے کا ہے اور بھی چھوٹے چھوٹے رسالے آپ نے لکھے ہیں خاص طور پر حضرت شاہ ولی اللہ کا وصیت نامہ کی آپ نے تشریح فرمائی اور اس کا نام المقالتہ الوضیہ فی النصیحہ والوصیتہ آپ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ آپ فکر ولی اللہی کے صحیح ترجمان اور پاسبان تھے معارف شاہ ولی اللہؒ اور افکار شاہ ولی اللہؒ کو زندگی بھر اپنا مشن قرار دیا بظاہر حنفی تھے لیکن تقلید جامد سے بیزار تھے ہر مسئلے کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرنے کے عادی تھے سنی سنائی باتوں پر اور توہم پرستی سے بہت

دور تھے ہر باب میں کتاب و سنت کو اہمیت دیتے۔ بدعات و رسوم سے دامن بچا کر رکھتے پانی پت دہلی کے قریب ضلع کرنال کی تحصیل تھی وہ ملک بھر میں اس اعتبار سے امتیازی حیثیت کے مالک تھے کہ وہاں قرآن حفظ کا عام رواج تھا۔ بچے بچیاں قرآن کے حافظ تھے بلکہ قرآن کی تلاوت میں پانی پتی لہجہ نہایت معروف اور متعارف ہے۔ جھنگ شہر اور جھنگ صدر کے مہاجرین میں پانی پتیوں کی کثرت ہے اب بھی ان کے بچے بچیاں کثرت سے قرآن پاک کے حافظ ہیں۔ اس روایت کے قیام میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کو بھی خاصہ دخل ہے۔ مولنا الطاف حسین حالیؒ کی عظمت' قومی شاعری اور مسلمانوں کے اصلاح کے جذبے نے بھی پانی پت کی عظمت کو شہرت دوام بخشی۔ قاضی ثناء اللہ بہت سے مسائل میں حنفیوں سے شذوذ رکھتے تھے۔ امام ابو حنیفہؒ رفع یدین کے قائل نہ تھے لیکن قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس کو سنت سمجھتے تھے جیسا کہ "مالا بدمنہ" میں لکھتے ہیں "رفع یدین نزد ابی حنیفہ سنت نیست۔" لیکن اکثر فقہاء و محدثین اس کے سنت ہونے کے قائل ہیں۔ تفسیر مظہری میں انہوں نے بات اس قدر واضح فرما دی ہے۔ " اذا صح عند احد حدیث مرفوع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم سالما عن المعارضتہ ولم یظھر لہ ناسخ وکان فتوی ابی حنیفتہ رحمہ اللہ مثلا خلافہ وقد ذھب علی وفق الحدیث احد من الائمتہ الاربعتہ یجب علیہ اتباع الحدیث الثابت ولا یمنع الجمود علی مذھبہ من ذلک کیلا یلزم اتخاذ بعض بعضا "اربابا" من دون اللہ (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۳۹۳)

جب ایسی حدیث کہ مرفوع ہو اور تعارض النسخ سے بالاتر ہو خواہ امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ اس حدیث کے خلاف کیوں نہ ہو لیکن اگر دوسرے ائمہ میں سے کسی کا رجحان بھی اس حدیث پر ہو تو اس وقت حدیث کا اتباع واجب ہے نہ کہ تقلید پر قائم رہنا۔ تاکہ آیت یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ کے مواخذہ سے بچا جا سکے۔ اسی طرح آپ نے وصایا میں اس حقیقت ولزوم اتباع سنت کو اور بھی

آشکارا کر دیا ہے ان کی تصنیفات کے ہر ہر لفظ میں شان ولی اللٰہی ٹپکتا دکھائی دیتا ہے۔ عقیدہ توحید اور تمسک بالسنہ میں ان کا ذہن بالکل صاف اور عقیدہ سلف سے ملتا جلتا تھا لیکن اپنے استاد حضرت شاہ ولی اللہ استاد زادوں شاہ عبدالقادرؒ شاہ رفیع الدینؒ شاہ عبدالغنیؒ شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی اور اپنے مرشد مرزا مظہر جان جاناںؒ کی طرح عقیدہ توحید و سنت میں بے لاگ ہونے کے باوجود حکمت عملی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے کو سنت کے سلسلہ میں مستتر رکھا لیکن جو نتائج شاہ اسماعیل شہیدؒ کی جرات مجاہدانہ سے برآمد ہوئے اور توحید و سنت کر فروغ ملا ان کی حکمت عملی ایسے نتائج پیدا نہ کر سکی موصوف کی تفسیر مظہری عربی میں سات جلدوں پر مشتمل ہے اس کا فارسی میں ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

۲۔ مالا بدمنہ یہ فارسی میں ہے اور اردو میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

۳۔ السیف المسلول یا شمشیر برہنہ رو روافض میں ہے۔

۴۔ تذکرۃ الموتی والقبور و تذکرۃ المعاد و حقوق الاسلام

۵۔ رسالہ در حرمت اباحت سرور

۶۔ شہاب ثاقب

۷۔ رسالہ اصول فقہ

اپنے وقت کے یہ جلیل القدر عالم، عظیم محدث، اور ممتاز فقیہ ۱۲۲۵ھ کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔

آٹھواں باب

حجتہ اللہ فی الارض حضرت امام شاہ ولی اللہؒ محدث دہلویؒ

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کی تجدیدی مساعی اور ان کی تحریک تجدید احیائے دین کے اثرات غازی سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کی حیات مستعار تک باقی رہے سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے ہندوستان کو اسلامی قانون دینے کے لئے علماء کی ایک پوری جماعت سے فتاویٰ عالمگیری مرتب کروایا اورنگ زیب عالمگیر کا یہ معمول تھا کہ علماء جتنا فتاویٰ عالمگیری دن میں لکھ دیتے وہ سونے سے پہلے پہلے اسے ضرور پڑھ لیتے اورنگ زیب عالمگیر نے ایک دینی طالب علم کی طرح اس نے پورے آٹھ برس سرہند بسی میں شیخ محمد معصوم بن شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی کے سامنے زانوے تلمذ طے کئے اورنگ زیب کی یہ خواہش تھی کہ مسلمان سچے پکے مسلمان بن کر رہیں تاکہ غیر مسلم اقوام ان کی نشست و برخاست' عادات و خصائل' رسم و رواج' دیانت و امانت اور انداز زیست سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو سکیں۔ ایسا قانون بنایا جائے جو اسلام کی روح کے مطابق ہو اور غیر مسلم لوگوں کو متاثر کر سکے۔ چنانچہ اس کمیٹی کی عظمت کا اندازہ اس سے فرمائیں کہ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد گرامی شاہ عبدالرحیم فاروقیؒ بھی اس کے رکن رکیں تھے۔

فتاویٰ عالمگیری حنفی مسلک کا ترجمان ہے کہ کیونکہ اس وقت حکمران حنفی تھے لہذا انہوں نے مسلمانوں کو فقہ حنفی کے مطابق قانون دیا۔

ولادت

حضرت شاہ ولی اللہؒ ۱۱۱۴ھ میں قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر اتر پردیس (یو۔

پی) میں پیدا ہوئے۔ اس وقت آپ کے والد گرامی شاہ عبدالرحیم کی عمر ساٹھ برس تھی (حیات ولی)

اس وقت سیاسی طور پر ایران میں خلفشار' قتل و غارت زوروں پر تھی۔ باقی عالم اسلام میں سیاسی معاملہ پرسکون تھا مصرو شام' عراق' حجاز' یمن' ایران میں علمی کام (تصنیف و تالیف) بھی جاری تھا علماء اور مشائخ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن میں مشغول تھے۔

عالم اسلام کی علمی کیفیت

ہندوستان میں سندھ کا علاقہ بھی اس وقت علم حدیث کی روح سے خاصہ مالا مال تھا اور بڑے بڑے علماء فن اور اساتذہ حدیث اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشغول تھے۔ علامہ ابوالحسن سندھی الکبیر متوفی ۱۱۳۸ھ۔ علامہ محمد یار سندھی متوفی ۱۱۳۳ھ شیخ اسماعیل العجلونی المشہور بالجراج۔ شیخ ابوطاہر القرانی الکردی۔ شیخ حسن العجیمی حدیث کے بڑے مراکز میں نہ صرف تعلیم و تدریس بلکہ تصنیف و تالیف کا کام بھی کر رہے تھے یمن میں شیخ سلمان بن یحیٰی الاہدل متوفی ۱۱۹۷ھ دیار یمن کے دوسرے محدث جلیل شیخ محمد بن احمد السفارینی مصنف الدرر المصنوعات فی الاحادیث الموضوعات میر محمد اسماعیل الحسنی الصنعانی متوفی ۱۱۴۲ھ صاحب سبل السلام و تنقیح الانزار علامہ محمد سعید السنبل' متوفی ۱۱۷۵ھ علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ جن کو خاتمہ المحدثین بالدیار المصریہ شیخ عبدالغنی النادلسی متوفی ۱۱۴۳ھ۔ جن کی کتابوں اور تلامذہ کا ایک وسیع سلسلہ ہے انہیں استاد اعظم کا خطاب بھی دیا گیا۔ علامہ اسماعیل حقی متوفی ۱۱۲۷ھ صاحب روح البیان فی تفسیر القرآن۔ شیخ عبداللہ حسین سویدی متوفی ۱۱۷۴ھ یہ وہ رجال عظیم اور محدثین ہیں جو شام' عراق' یمن' مصر اور حجاز میں نشر حدیث اور تصنیف و تالیفات میں شب و روز مشغول تھے۔ لیکن ہندوستان ایسی کسی باکمال شخصیت سے یکسر خالی تھا اگر

بعض علماء جیسے شاہ عبدالرحیم مرحوم موجود تھے تو وہ صرف فقہ حنفی کے خادم تھے کتاب و سنت سے ان کا کوئی علاقہ نہ تھا۔ قدیم دینی مدارس میں جامعہ ازہر مصر' جامعہ الزیتونیہ تیونس جامعہ قرویینیہ فاس۔ مراکش موجود تھے۔ دمشق کے مدرسہ المدرسۃ الشتریہ اور المدرسۃ العذرابیہ بھی اپنا کام کر رہے تھے۔ اور بھی مشائخ موجود تھے جن کا سلسلہ تبلیغ ترکی سے انڈونیشیا تک پھیلا ہوا تھا۔ افغانستان اور ہندوستان پر تشیع کی چھاپ نمایاں تھی۔

ہندوستان کی سیاسی حالت

سلطان عالمگیرؒ نے ہندوستان کی زمام سلطنت اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد پوری مستعدی مجاہدانہ سپرٹ اور ہوش مندی سے نظام حکومت چلایا اور جمیع اطراف ملک سے ربط و تعلق بڑھایا ایسی مستعدی سے کام کیا کہ پورے ملک میں ان کی ساکھ اور دھاکہ بیٹھ گئی۔ اکبر اعظم عہد جہانگیر اور شاہ جہاں کے زمانہ میں جو رسوم معاشرے میں گھس گئی تھیں اکبر کے زمانے میں شیعیت نے جو اپنی قباحتیں پھیلائیں تھیں۔ مجوسیت انہی تہذیبی اثرات از قسم ایرانی تقویم اور جشن نوروز پائے جاتے تھے سلطان اورنگزیب عالمگیرؒ نے ایک ایک کر کے ان سب کو مٹایا ہندوانہ رسوم ختم کیں مجوسیت کو فنا کے گھاٹ اتارا مشرکانہ بدعقیدگی کا انسداد کیا' گورنمنٹ کی غیر مشروع آمدنیاں ختم کیں رزق حلال' کسب کمال اور صدق مقال کی سرپرستی کی۔

ع   کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی

سلطان عالمگیرؒ نے شرعی منصب کا ایک نیا عہدہ قائم کیا تاکہ وہ منہیات اور محرمات سے لوگوں کو منع کرے سلطان اورنگزیب نے رقص و سرود کی محافل یکسر ختم کر دیں مے نوشی و میخواری کی قطعی بندش کر دی شرعی قاضی مقرر کئے اور ان کو اعلیٰ اختیار دے کر معاشرہ میں اسلام کے قالب میں ڈھالنے کی طرح ڈالی

اسی طرح اسلامی قانون کے نفاذ کیلئے فتاویٰ عالمگیری کے نام سے ایک ایسا مجموعہ تیار کیا جو ملک میں اسلام کو صحیح راہ پر ڈال سکے مصرو شام اور ترکی میں الفتاویٰ الہندیہ کے نام سے وہ مشہور ہے۔ اسی طرح مغلیہ بادشاہوں کے دربار میں کورنش و آداب بجا لانے کا غیر اسلامی اور غیر موحدانہ طریقہ منسوخ کیا اور مسنون سلام کو جاری کیا' بقول اقبال ؎

شعلہ توحید را پروانہ بود = چوں ابراھیم کہ اندریں بت خانہ بود

اورنگ زیب کا ان اصلاحی انقلابی اور دینی کارناموں کے ساتھ ساتھ اس کا سب سے نمایاں وصف اس کی بیدار مغزی' مستعدی' فرض شناسی اور امور سلطنت میں جزو کل سے واقفیت اور نظم و نسق پر کلی طور پر حاوی ہونے کی کوشش ہے۔ جو اس خدادا وسیع سلطنت کے فرمانروا کے لئے شرط اول ہے۔

(تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۴۴)

اورنگ زیب عالمگیر کے کمزور جانشین

اورنگ زیب عالمگیرؒ ۱۱۱۸ھ میں فوت ہوگئے ان کی وفات سے چار سال قبل دہلی میں شاہ ولی اللہ دہلوی پیدا ہوئے۔ شاہ ولی اللہؒ کی ولادت ۱۱۱۴ھ ہے۔ ۱۱۷۶ھ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات کے بعد گیارہ مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے اورنگ زیب کا پہلا جانشین شاہ عالم بہادر شاہ اول تھا۔ ۱۱۱۸ھ تا ۱۱۲۴ھ چھ سال میں اس بدبخت نے عالمگیر کے دینی اقدامات اور انقلابی کارناموں کو ایک ایک کر کے ختم کر دیا خود شیعہ سے نہ صرف متاثر ہوا بلکہ شیعہ مذہب اختیار کر لیا شیعہ کی حمایت شروع کر دی سنی علماء کو مناظروں کے چیلنج دینا شروع کئے فوج کے جو سو فیصد اہلسنّت پر مشتمل تھی بادشاہ کی اس قلب ماہیت سے جذبات ٹھنڈے پڑ گئے اور ان کا فوجی مورال گرنا شروع ہوگیا۔ اس بدبخت نے علماء پر عتاب شاہی شروع کیا۔ علیٰ ہذا القیاس عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں آگئے۔

شیروں کے کچھاروں کے مالک گیدڑ بن گئے نتیجہ ظاہر ہے طوائف الملوکی' سیاسی خلفشار' دینی انتشار اور ملی اضمحلال اور قومی ضعف انتہاء کو پہنچ گیا۔ مغلیہ شہنشاہوں کی دہشت سے کبھی زمین کانپا کرتی تھی اب ان میں بے بصیرتی' بے ہمتی اور بے غیرتی انتہاء کو پہنچ گئی اور نوبت بایں جا رسید ع حمیت نام تھا جس کا گئی وہ تیمور کے گھر سے

علمی اور روحانی حالت زار

اس وقت کوئی ایسی علمی مرکزی شخصیت نہ تھی جو عوام کے دینی' ذہنی اور روحانی سکون کا باعث بنتی' طمانیت قلب اور سکون خاطر صرف قرآن پاک کی تلاوت اور اللہ کے ذکر سے ملتا ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے۔ **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** دوسرا ذہنی اور روحانی سہارا رسول اللہؐ کی حدیث سے ملتا ہے۔ ہندوستان میں قرآن و سنت کے یہ دو چشمے فقہ حنفی کے متوالوں نے بند کر دیئے تھے البتہ درس نظامی کے نام پر غیر دینی علوم کو ان کے ہاں اس وقت بھی بڑی اہمیت تھی چنانچہ اسی دور میں مولانا احمد دین عرف ملاں جیون متوفی ۱۰۴۷ھ یا ۱۱۳۰ھ صاحب نورالانوار ملاں حمد اللہ سندیلویؒ متوفی ۱۱۶۰' صاحب "حمد اللہ" ملاں محمد حسن متوفی ۱۱۹۹' ملاں رستم علی قنوجی متوفی ۱۱۷۸' شیخ صفت اللہ خیر آبادیؒ متوفی ۱۱۵۷ھ شیخ علی اصغر قنوجی ۱۱۴۰ھ مولنا غلام نقشبندیؒ متوفی ۱۱۳۶ قاضی محب اللہ البخاریؒ متوفی ۱۱۱۱ھ مصنف "سلم العلوم" و "مسلم الثبوت" قاضی مبارکؒ متوفی ۱۱۶۲ھ مصنف شرح سلم۔ اسی طرح ملاں نظام الدین لکھنوی ۱۱۶۱ھ مرتب مشہور درس نظامی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ذہانت و فطانت میں اعلیٰ پائے کے انسان تھے لیکن بدقسمتی سے سو سال تک انہوں نے مغلق اور بے فائدہ کتابوں میں ملت اسلامیہ کو الجھائے رکھا اور کوئی انقلابی رجل عظیم نہ اٹھ سکا یہ کتابیں علم کے پتھر ہیں ان سے لفظی طور پر تو بہت کچھ بن جاتے ہیں لیکن علمی طور پر ان کا نہ کوئی

انقلابی فائدہ ہو سکتا ہے نہ ہوا ہے اور نہ ہی ہو گا۔

اخلاقی کمزوریاں

اس زمانے میں مسلم معاشرہ اخلاقی طور پر نہایت پست ہو چکا تھا۔ طبقہ امراء اور ارباب دولت اپنے کو کسی ضابطے کے پابند نہیں سمجھتے تھے۔ تعیش اور عیش پرستی ان کا مقصد حیات بنا ہوا تھا۔ مغلیہ بادشاہوں کے تشیع کی طرف رجحان نے ان پر ایرانی تہذیب مسلط کر دی تھی۔ سازشیں' ریشہ دوانیاں' ایک دوسرے کے خلاف خوفناک منصوبے' ایک دوسرے کی کردار کشی ان کا معمول بن چکی تھی۔ جیسا کہ سید ہاشمی فرید آبادی تاریخ ہند باب سوم کے صفحہ ۲۴۲ اور ۲۴۳ پر ہمارے اس موقف کی مزید تائید کرتے ہیں۔ ان میں انتظامی کمزوریاں' نظم و نسق چلانے کی صلاحیتیں مفقود ہو گئی تھیں صرف عیش پرست بن کر رہ گئے تھے۔ کسی انقلابی تحریک میں کوئی کردار ادا کرنے کی ہرگز کوئی صلاحیت نہ تھی۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے ملفوظات عزیزیہ میں نواب قمرالدین کے بارہ میں فارسی میں لکھا ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے نواب قمرالدین کے گھر میں عورتیں اخیر کا غسل گلاب سے کرتی تھیں۔ اور دوسرے نواب کے گھر میں تین سو روپے کے پھول اور پان عورتوں کے لئے جاتے تھے۔ اسی طرح مولانا غلام علی آزاد بلگرامی ماثر الکرام جزء نمبر ا ص ۱۷۰ پر اس معاشرے کی ذہنی پستی' بداخلاقی اور سرمایہ کی وجہ سے تعیش کا ایک نقشہ کھینچتے ہیں۔

ضعیف الاعتقادی اور شرک و بدعات

اس دور میں معاشرتی و اخلاقی پستی سے زیادہ خطرناک خدا تعالیٰ کی نصرت سے محرومی اور قوت و طاقت سے خالی کرنے والی بداعتقادی عام تھی۔ مسلم معاشرہ میں بدعات' ہندوانہ اور شیعوں کی بہت سی رسوم و عادات کا بہت زور تھا۔ بہت سے حلقوں میں شرک جلی سے بھی گریز نہیں کیا جاتا تھا۔ قبر پرستی'

مشائخ کے لئے سجدہ تعظیمی' مزارات اور ان کے قریب و جوار کا حرم کی طرح احترام' قبروں پر چادریں چڑھانا دینی مشن تھا۔ بزرگوں کے نام پر قربانیاں کرنا' مزارات کا طواف' وہاں میلہ لگانا' تہوار منانا' گانا بجانا اور چراغاں کرنا۔ مختصر الفاظ میں ان کو قبلہ و کعبہ' ملجا و ماویٰ سمجھنا' شیخ صدف کا بکرا' سید احمد کبیر کی گائے' غازی میاں کے جھنڈے اور چھڑیاں' محرم کے تعزیئے' غیر اسلامی تہواروں کو شان و شوکت سے منانا' بیماریوں کو دفع کرنے میں ارواح خبیثہ سے مدد مانگنا اور بعض اوقات دیوی دیوتاؤں کی رضاجوئی' چیچک میں سیتلائی تعظیم' اولیاء و صالحین کی منتیں ماننا' قربانیاں کرنا' اولیاء و نیک بی بیوں کے نام سے روزہ کی نیت کرنا' ان سے اپنی حاجت براری اور مقاصد کی تکمیل کو وابستہ کرنا' اور اس سلسلہ میں خاص دن خاص کھانے پکوانا' بی بی کی صحنک' مخدوم صاحب کا توشہ اور ان میں خاص آداب کی پابندی۔ یہ اور ایسے بہت سے عنوانات ہیں جن کے تحت توہمات' عقائد فاسدہ اور رسوم جاہلیت عام تھیں۔ علی بخش' حسین بخش' پیر بخش' نبی بخش' مدار بخش اور سالار بخش ایسے مشرکانہ نام عام تھے۔ غرض بارھویں صدی کا ہندوستان سیاسی' انتظامی' اخلاقی اور بہت حد تک اعتقادی حیثیت سے انحطاط و پستی کے اس نقطہ پر پہنچ گیا تھا۔ جو اسلامی ملکوں کے زوال اور مسلم معاشرے کی پستی کا افسوسناک اور خطرناک مرحلہ ہوتا ہے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت جزء ۵ ص ۶۴)

ہندوستان کے نامور عالم' مشہور محقق اور معروف سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اس مجموعی صورت حال کا نقشہ بڑی بلاغت اور اختصار کے ساتھ کھینچا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"کہ مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا۔ جھوٹے فقراء اور نام نہاد مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے اور اپنے بزرگوں کے مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے

تھے۔ مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ہنگاموں سے پر شور تھا۔ فقہ و فتوی کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی۔ مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا۔ عوام تو عوام۔ خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطالب اور احادیث کے احکام و ارشادات اور فقہ دین کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے۔" (مقالات سلیمانی ص ۴۴)

یہ تھے وہ حالات جن میں حجتہ اللہ فی الارض حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے آنکھیں کھولیں اور نشوونما حاصل کی۔ مولنا ارشاد الحق اثری نے چند واقعات لکھے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان کو یہاں نقل کر دیں اور ان کے حوالہ جات بھی درج کر دیں۔ یہ وہ دور تھا جہاں حنفی مذہب کے بغیر قرآن و سنت بھی متروک تھے۔ تا کہ آپ کو اندازہ ہو سکے کہ اس وقت کس قدر فقہی جمود اور کورانہ تقلید کا دور دورہ تھا۔ مشہور دیوبندی عالم مولنا رشید احمد ارشد لکھتے ہیں۔

۱۔ "یہاں کے علماء حدیث کی اعلیٰ تعلیم کو غیر ضروری سمجھنے لگے بلکہ اس فن میں ان کی انتہائی معراج مشارق الانوار اور مشکوۃ المصابیح کی تعلیم ہوتی تھی اور یہ تعلیم بھی محض برکت حاصل کرنے کے لئے ہوتی تھی۔ اس کا مقصد مسائل کا استنباط اور فقہی مسائل کا اثبات نہ ہوتا تھا۔"

(البلاغ کراچی ص ۲۲ شمارہ نمبر ۱۲ ۱۳۸۷ھ)

۲۔ "اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ شیخ شمس الدین ترک جب آٹھویں صدی ہجری میں سلطان علاء الدین خلجی کے دور میں وارد ہند ہوئے تو یہاں کے حالات کے متعلق سلطان وقت سے مخاطب ہو کر کہتے۔"

۳۔ "میں نے سنا ہے کہ تمہارے شہر میں احادیث مصطفیٰؐ کو نظر انداز کیا جاتا ہے اور فقیہوں کی روایت پر عمل کی دیواریں استوار کی جاتی ہیں۔"

(تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی فقہاء ہند جلد ۱ ص ۲۲۳)

تعجب ہے کہ جس شہر میں لوگ حدیث کی موجودگی میں فقہ کی روایت پر عمل کریں وہ شہر تباہ کیوں نہیں ہو جاتا اور اس پر آسمانی مصائب کیوں نہیں ٹوٹنے پاتے۔

۴۔ اس عہد میں اس ملک میں علم حدیث کے ساتھ لوگوں کو جو بے اعتنائی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے زمانہ میں مسئلہ سماع کی تحقیق کے لئے علماء کی ایک مجلس منعقد ہوئی۔ مناظرہ کے ایک فریق شیخ نظام الدین سلطان الاولیاء تھے۔ دوسری طرف تمام علماء تھے۔ شیخؒ کا بیان ہے کہ جب میں کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو علماء بڑی جراءت اور بے باکی سے کہتے تھے کہ اس حدیث پر فقہی روایت مقدم سمجھی جاتی ہے اور کبھی یہ کہتے اور کبھی یہ کہتے کیونکہ اس حدیث سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے اور وہ ہمارا مخالف ہے اس لئے ہم اس کو نہیں مانتے۔ (مقالات سید سلیمان ندوی ج ۲ ص ۳۰۶۔ ۳۰۷)

۵۔ "یہ واقعہ میر خورد نے سیر الاولیاء میں' مولنا ضیاء الدین صاحب تاریخ فیروز شاہی' نے حسرت نامہ میں اور قاسم صاحب تاریخ فرشتہ میں نقل کیا ہے۔ یہ مجلس مناظرہ چاشت سے سورج ڈھلنے تک قائم رہی۔"

تاریخ فرشتہ کے یہ الفاظ بڑے عبرتناک ہیں۔ شیخ صاحب کے جواب میں وقت کے قاضی نے کہا۔ قاضی گفت ترا بحدیث چہ کار تو مرد مقلدی روایت از ابوحنیفہ بیار تا معرض قبول افتد' شیخ گفت سبحان اللہ من حدیث صحیح مصطفوی نقل میکنم۔ تو ازیں روایت ابوحنیفہ بخواہی۔ یہ الفاظ مولانا نے بھی نقل کئے ہیں کہ جواب میں علماء نے کہا در شہر ما عمل بروایت فقہہ مقدم است بر حدیث کہ ہمارے شہر (العیاذ باللہ) فقہہ پر حدیث سے عمل مقدم ہے۔ جیسا کہ ہم مجدد الف ثانیؒ کے ذکر میں بھی لکھ چکے ہیں۔ اکبری دور میں متھرا کے قاضی عبدالرحیم نے مسجد تعمیر کرنے کے لئے سامان جمع کیا۔ لیکن ایک برہمن نے رات کو وہ سامان

اٹھا کر مندر کی تعمیر میں لگا دیا۔ جب اس سے مسلمانوں نے باز پرس کی تو اس نے آنحضرتؐ کی شان میں گستاخیاں شروع کر دیں۔ وقت کے صدر الصدور قاضی عبدالنبی کی عدالت میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے تحقیق و تصدیق کے بعد سزائے موت کا فیصلہ سنا دیا۔ مولنا عبدالحئی لکھنوی نے ملاں بدایونی سے نزہتہ الخواطر میں لکھا کہ صدر الصدور کے اس فیصلہ پر بڑی لے دے ہوئی۔ اور کہا گیا **والعجب من مولنا ما کونہ من نسل ابی حنیفہ کیف ترک مشرب جدہ** یعنی مولنا عبدالنبی پر تعجب ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسل سے ہوتے ہوئے اپنے دادا کے مشرب کو کیوں چھوڑ دیا۔ بلکہ یہ بھی ہوا جب قاضی عیاض کے حوالہ سے کہا گیا کہ سیاست میں ایسا قتل جائز ہے تو بعض مخالفین نے کہا **لا عبرۃ لقول عیاض فانہ مالکی و عبدالنبی حنفی کیف عمل بخلاف مذہبہ** قاضی عیاض کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور عبدالنبی نے حنفی ہوتے ہوئے اپنے مذہب کے خلاف کیسے عمل کیا؟ (ضرب الاماثل ص ۲۴۸ - ۲۴۹)

۵ - گیارہویں صدی ہجری میں برہان پور میں قاضی نصیر الدین متوفی ۱۰۳۱ھ ایک مشہور عالم محدث اور فقیہ گزرے ہیں جو متبع کتاب و سنت اور پابند احکام شریعت تھے حدیث کو مجتہد کے قیاس پر ترجیح دیتے تھے اور حدیث کے مقابلہ میں قول امام کو ہرگز قبول نہیں کرتے تھے دوسری طرف انہی کے سسر شیخ علم اللہ بیجاپوری متوفی ۱۰۲۴ھ متشدد حنفی تھے ایک مرتبہ شیخ علم اللہ نے کسی مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول سے استدلال کیا تو ان کے داماد قاضی نصیر الدین نے اس کے مقابلے میں حدیث پیش کی۔ شیخ نہ مانے تو قاضی صاحب نے فرمایا **ھو رجل و انا رجل** امام ابوحنیفہؒ بھی انسان تھے میں بھی انسان ہوں اصل شئے جو ہمارے لئے قابل حجت ہے وہ حدیث رسولؐ ہے۔ اس پر شیخ علم اللہ نے غصہ میں آکر تلوار نکال لی اپنے داماد کو قتل کرنے کے لئے ان کے پیچھے دوڑے لیکن قاضی صاحب نے بھاگ کر جان

بچائی۔ (ماثر رحیمی۔ فقہائے ہند جلد ۴ حصہ دوم ص ۲۵۴ و ۳۸۳) یہ تھے اس وقت کے فقہی جمود اور کورانہ تقلید کے حالات۔ مولانا عبدالنبی صدر الصدور میں جو تبدیلی آئی تھی وہ صرف اس لئے تھی کہ انہوں نے حجاز میں جا کر علم حدیث حاصل کیا تھا۔ جیسا کہ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی ؒ لکھتے ہیں کان مسلک علی مسلک المحدثین (ضرب الاماثل ص ۲۴۷)

کہ انہوں نے مسلک محدثین اختیار کر لیا تھا علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم اس کے بارہ میں لکھتے ہیں پھر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی حاضری کا کئی دفعہ اتفاق ہوا اور وہاں علم حدیث کا درس حاصل کیا۔ لوٹ کر وہ کچھ اور ہی چیز ہو گئے۔ (مقالات سید سلمان ندوی ص ۲۱ جلد دوم)

جب عمل تیز ہوتا ہے تو اس کا ردعمل تیز ہونا ایک فطری بات ہے۔ ہندوستان میں حنفیت میں اتنا تعصب اور تصلب آگیا تھا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قول امام کو ترجیح دینا شروع ہوگئے۔ خود شاہ صاحب کے والد محترم شاہ عبدالرحیم مرحوم بھی مذہب حنفی کے پیروکار تھے اور فتاویٰ عالمگیری کی مرتب کنندہ کمیٹی میں شامل تھے لیکن بعض مسائل میں حدیث کے مطابق یا اپنے وجدان سے کسی دوسرے فقہی مذہب کو بھی ترجیح دے دیتے تھے۔ کچھ مسائل میں ان کے تفردات اور استثنا آت بھی ہیں۔ مثلاً امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا یا جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنا۔ (تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۵ ص ۸۳)

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ کو قصبہ پھلت ضلع مظفر گڑھ میں پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں ان کو مکتب میں داخل کر لیا گیا۔ سات سال کی عمر میں سنت ابراہیمی پر عمل ہوا۔ یعنی ختنہ کیا گیا۔ اسی عمر میں نماز کی عادت ڈالی گئی۔ عمر کے ساتویں سال ہی قرآن مجید حفظ مکمل کر لیا۔ اسی سال فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ کافیہ ختم کیا۔ دس سال کی عمر میں شرح جامی مکمل کی۔ چودہ سال کی عمر میں بیضاوی کا ایک حصہ پڑھ لیا۔ پندرہ سال کی

عمر میں ہندوستان میں مروج علوم متداولہ سے فارغ ہوئے اسی خوشی میں ان کے والد گرامی نے بہت بڑی دعوت کی۔ پندرہ سال کی عمر میں مشکوۃ شریف پڑھنا شروع کی۔ اسی سال بخاری شریف شمائل ترمذی مکمل تفسیر مدارک اور بیضاوی مکمل کی۔ جیسا کہ شاہ صاحب نے الجزا اللطیف میں اپنے پڑھے ہوئے نصاب کا تذکرہ کیا ہے۔ فقہ میں شرح وقایہ' ھدایہ' اصول فقہ' حسامی و توضیح التلیح منطق میں شرح شمیہ مکمل عقائد میں مکمل خیالی۔ سلوک میں ایک عوارف اور رسائل نقش بندیہ۔ حقائق میں شرح رباعیات' مولانا جامی وغیرہ یہ کتابیں پڑھیں۔ تکمیل علوم میں شاہ صاحب نے کوئی کسر باقی نہ رہنے دی۔ درس نظامی کے علاوہ بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔

مزید برآں طب میں "موجز" فلسفہ میں شرح "ہدایت الحکمت" معانی میں "مطول" کا بڑا حصہ۔ مختصر المعانی کا اتنا حصہ جس میں ملاں زادہ کا حاشیہ ہے ہندسہ حسام میں بعض مختصر رسائل۔ اپنے والد مرحوم کی تجدید کردہ باذوق کتابیں اور ان کے حصص بھی پڑھے۔

چودہ سال کی عمر میں آپ کے والد ماجد نے آپ کے ماموں شیخ عبداللہ صدیقی پھلتی کی صاحبزادی سے شادی کر دی۔ پہلی بیوی فوت ہو جانے کے بعد آپ کا عقد ثانی سید ثناء اللہ سونی پتی کی صاحبزادی سے ہوا آپ کے چاروں بیٹے شاہ عبدالعزیز' شاہ عبدالغنی' شاہ رفیع الدین' شاہ عبدالقادر رحمھم اللہ جو ہندوستان میں دین کی نشست ثانیہ کے ارکان اربعہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ایک صاحبزادی امتہ العزیز ان کے بطن سے پیدا ہوئی۔ (حیات ولی)

سفر حج

بیس برس کی عمر میں حج بیت اللہ کا ارادہ کیا لیکن حالات کی سنگینی اور راستوں کے پر خطر ہونے کی وجہ سے اپنے ارادہ کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ حالات

یہ تھے کہ شمالی ہند سے جنوبی ہند تک یہ طویل راستہ بیسیوں اونٹ گاڑیوں سے طے کیا جاتا تھا راستے میں مالوہ اور گجرات مرہٹوں کی غارت گری کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے۔ بحر ہند اور بحیرہ عرب کے تمام ساحلوں پر پرتگیزی ولندیزی قزاقوں سے پر تھے۔ اسی طرح بحری راستہ لیٹروں اور ملک گیروں کے حملوں سے پاک نہ تھا۔ یہ صورت حال تھی جس میں شاہ صاحبؒ نے حج بیت اللہ کا عزم مصمم کیا۔ چنانچہ شاہ صاحب "الجزء اللطیف" کے صفحہ ۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ سورت سے جدہ ۴۵ یوم میں کوچ کیا۔ ۱۵ ذیقعدہ کو مکہ میں داخل ہوئے علماء اور طلباء کی درخواست پر مصلی حنفی پر درس شروع کیا۔ شاہ صاحب "جزء اللطیف" میں لکھتے ہیں یہ ۱۱۴۳ھ کا واقعہ ہے حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے ۱۱۴۴ھ میں مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے شیخ ابوطاہر مدنیؒ اور حرمین کے دیگر شیوخ سے حدیث کے سلسلہ میں استفادہ کیا اور ان سے علمی مجالس برابر قائم رہیں ۱۱۴۴ھ کے اختتام پر حج ثانی سے مشرف ہوئے۔ پھر کچھ عرصہ بیت اللہ میں قیام کیا ۱۱۴۵ سے ۱۰ رجب کو بخیر و عافیت جمعہ کے روز اپنے گھر دہلی پہنچے۔

(الجزء الطیف ص ۵)

مشائخ حرمین

حرمین شریفین خصوصاً مدینہ منورہ میں شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکروی المدنی سے خصوصی استفادہ کیا شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم نے اپنے والد گرامی سے علم حدیث کی تحصیل کی۔ شیخ مہدوی بڑے زبردست سلفی عالم تھے چنانچہ ان کے بارے میں علامہ سید نعمان خیر الدین الوسی بغدادی اپنی مشہور کتاب **جلال العنین فی محاکمتہ الاحمدین** میں لکھتے ہیں **وکان سلفی العقدتہ ذابا عن شیخ الاسلام ابن تیمیہ ویذب الذی ما واقع فی کلمات الصوفیہ مما ظھر الحلول او الاتحاد اولعینتہ** وہ سلفی العقیدہ تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا دفاع کرتے تھے اسی طرح صوفیہ کے ان الفاظ کی تاویل کرتے تھے۔ جن سے ظاہری طور پر حلول

و اتحاد یا عینیت کا اظہار ہوتا تھا۔

(جلال العین مطبوعہ مطبعہ المدنی ص ۴۱)

اس سے یہ نتیجہ بھی نکل سکتا ہے کہ امام شاہ ولی اللہ کا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی کتابوں سے تعارف ان کی حمایت اور مدافعت جو شاہ صاحب کی تصنیفات سے نمایاں ہے۔ یہ تمام اثرات شیخ ابو طاہر کی گفتگو اور ان کا اپنے والد ماجد سے شیخ ابن الطانی سے تاثر ان کی سلفیت پر دال ہے شیخ حسین عجیمی سے بھی آپ نے کافی حد تک استفادہ کیا شیخ احمد نخلی شیخ عبداللہ بصری سے شمائل نبوی اور مسند امام احمد دو مہینے سے کم میں پڑھی۔ اسی طرح شیخ عبداللہ لاہوری ملاں عبدالحکیم سیالکوٹی شیخ عبدالحق دہلوی کی کتابوں کا اجازہ حاصل کیا شیخ محمد سعید کوکنی سے بعض عربی کتب اور فتح الباری کا کچھ حصہ ملا علامہ محسن بن یحییٰ ترھتی نے لکھا کہ شیخ ابوطاہر کہا کرتے تھے کہ شیخ ولی اللہ ہندی مجھ سے لفظ کی سند لیتے ہیں میں ان سے حدیث کے مطالب سے استفادہ کرتا ہوں۔

(الیانع الجنی فی اسانید عبدالغنی)

اس وقت کا درس نظامی

اس وقت کا درس نظامی خاص فنی کتابوں پر مشتمل تھا۔ منطق و فلسفہ اصول فقہ اس قسم کی کتابیں غالب طور پر اس میں شامل تھیں ان کتابوں کو آپ پتھر بھی کہہ سکتے ہیں۔ قرآن و حدیث سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔ تبرکاً" مشکوۃ شریف اور مشارق الانوار پڑھا دیتے تھے وہ نصاب کسی اعتبار سے دینی طور پر فائدہ مند نہیں تھا شاہ صاحب تفہیمات الٰہیہ میں اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"میں ان طالبان علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ اللہ کے بندو تم یونانیوں کے علوم کے طلسم اور صرف و نحو و معانی کے دلدل میں

پھنس کو رہ گئے تم نے سمجھ لیا کہ علم اسی کا نام ہے حالانکہ علم یا تو قرآن کریم کی آیات محکم رسول اللہ نے نماز کیسے پڑھی آپ کیسے وضو فرماتے تھے قضاء حاجت کے لئے کس طرح جاتے تھے۔ کیسے روزہ رکھتے تھے کیسے حج کرتے تھے کیسے جہاد کرتے تھے آپؐ کا انداز گفتگو کیا تھا۔ حفظ اللسان کا طریقہ کیا تھا آپؐ کے اخلاق عالیہ کیا تھے تم آپؐ کے اسوہ پر چلو اور آپؐ کی سنت پر عمل کرو۔ اس بنا پر کہ وہ آپ کا طریق اور زندگی اور سنت نبویؐ ہے اس بنا پر نہیں کہ وہ فرض و واجب ہے۔ تمہیں چاہئے تھا کہ تم دین کے احکام و مسائل سیکھو۔ باقی سیر و سوانح اور صحابہؓ و تابعین کی وہ حکایات جو آخرت کا شوق پیدا کریں وہ ایک تکمیلی چیز اور ادھر زائد ہے تمہارے مشاغل اور جن باتوں پر تم پوری توجہ صرف کرتے ہو وہ آخرت کے علوم نہیں ہیں بلکہ وہ دنیاوی علوم ہیں۔ تم اپنے سے پہلے کے فقہاء کے استحسانات اور ان کی تعریفات میں غوطہ لگاتے ہو۔ اور یہ نہیں جانتے کہ حکم وہ جو اس کا رسول دے تم میں کتنے ہی آدمی ہیں جب ان کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچتی ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے حدیث پر نہیں۔ پھر تم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ دینا ماہرین کا کام ہے۔ حضرات ائمہؒ سے یہ حدیث مخفی نہیں ہو سکتی پھر انہوں نے جو اس کو چھوڑا کہ کسی وجہ سے جو ان پر منکشف ہوئی ہوگی مثلاً نسخ یا مرجوحیت یاد رکھو کہ اس کا دین سے کچھ تعلق نہیں اگر تمہارا اپنے نبی پر ایمان ہو تو اس کی پیروی کرو وہ تمہارے مذہب کے مخالف ہو یا موافق۔ خدا کی مرضی تو یہ تھی کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ شروع سے اشتغال کرتے اگر ان دونوں پر عمل کرنا تمہارے لئے آسان ہو تو کیا کہنا۔ اور اگر تمہارے فہم اس سے قاصر ہوں تو پھر کسی سابق عالم کے اجتہاد سے مدد لو اور جس کو زیادہ صحیح صریح اور سنت کے موافق پاؤ اس کو اختیار کر لو۔ علوم آلیہ سے اس ذہن کے ساتھ اشتغال کرو کہ وہ آلات و وسائل ہیں ان کی

مستقل حیثیت اور مقصود کا درجہ نہیں کیا خدا نے تم پر یہ واجب نہیں کیا کہ تم علم کی اشاعت کرو یہاں تک کہ مسلمانوں کے ملک میں شعائر اسلام ظاہر و غالب ہوں تم نے شعائر کا اظہار تو نہیں کیا اور لوگوں کو زوائد میں مشغول کر دیا۔

(تفہیمات الٰہیہ مطبوعہ ڈابھیل ص ۲۱۴، ۲۱۵)

شاہ صاحب اس وقت کے درسی نظام سے کس قدر بیزار تھے اور اسے دینی طور پر کتنا غیر مفید سمجھتے تھے حدیث سے وہ سرشار ہو چکے تھے اور آئمہ حدیث سے ان کی محبت و عقیدت بہت گہری ہو چکی تھی جیسا کہ امام بخاریؒ کے بارہ میں اپنے ایک مرید کو خط لکھا۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں (کلمات طیبات ص ۱۶۸، ۱۷۱) شاہ ولی اللہ مرحوم اپنے استاذ شیخ ابو طاہر سے رخصت ہونے لگے تو استاد نے یہ شعر پڑھا۔ ؎

نسیت کل طریق کنت اعرفہ　　　الا طریقا یودینی لربعکم

میں چلنے کا ہر راستہ بھول گیا سوائے اس راستہ کے جو آپ کے گھر تک پہنچاتا تھا۔

شاہ صاحب نے بھی چلتے وقت فرمایا کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب کچھ بھلا دیا سوائے علم حدیث کے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا شاہ صاحب کی پوری زندگی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ حدیث شریف کی ہی تشریح و تفہیم تدریس و تعلیم اور اشاعت و تفہیم میں مصروف رہے۔ بقول شاعر ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم　　　سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے۔

(تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۱۸۹)

اس دور کے نصاب تعلیم پر ایک فاضلانہ تبصرہ

حضرت شاہ ولی اللہ کے دور کا نقشہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا علماء کے نام شاہ ولی اللہ کے تاثرات و تاسفات کا بھی آپ نے مطالعہ کر لیا ہے۔ اب ہم

ماضی قریب کی ایک معتبر شخصیت تجربہ کار ماہر علوم فاضل دانش ور، مشہور ادیب اور ممتاز مصنف حضرت مولنا حکیم سید عبدالحئ لکھنوی کے اس تبصرہ کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند میں فرمایا ہے۔ یہ اقتباس سینکڑوں صفحات کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے بہتر جامع اور اعلیٰ تبصرہ ممکن ہینہیں ہے۔ چنانچہ مولانا لکھنوی صاحب فرماتے ہیں۔

"جب سندھ میں عربوں کی حکومت ختم ہوگئی۔ ان کے بجائے غزنوی، غوری سلاطین سندھ پر قابض ہوئے اور خراسان اور ماوراء النہر سے سندھ میں علماء آئے تب سے علم حدیث اس علاقہ میں کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ معدوم ہوگیا اور لوگوں میں شعرو شاعری، فن ہندسہ، فن ریاضی اور علوم د ینیہ میں فقہ و اصول فقہ کا رواج زیادہ ہوگیا۔ یہ صورت حال عرصہ تک قائم رہی۔ یہاں تک کہ علماء جن کا خاص مشغلہ یونانی فلسفہ رہ گیا۔ علم تفسیر و حدیث سے غفلت بڑھ گئی۔ مسائل فقہیہ کے لحاظ سے جو تھوڑا سا تذکرہ کتاب و سنت میں آجاتا تھا۔ اس مقدار پر قانع تھے۔ فن حدیث میں امام صغانی کی "مشارق الانوار" کا رواج تھا۔ اگر کوئی شخص اس فن میں زیادہ ترقی کرتا تھا تو امام بغوی کی "مصابیح السنہ" یا "مشکوۃ" پڑھ لیتا تھا۔ اور ایسے شخص کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ محدث ہوگیا ہے۔ یہ سب محض اس لئے تھا کہ لوگ عام طور پر ہندوستان میں اس فن کی اہمیت و مرتبت سے ناواقف تھے۔ وہ لوگ اس علم کی طرف سے بالکل غافل تھے۔ نہ اس علم کے آئمہ کے احوال سے واقف تھے اور نہ اس علم کا ان کے درمیان کوئی چرچا تھا۔ محض تبرکا" "مشکوۃ شریف" پڑھا کرتے تھے۔ ان کے لئے سب سے زیادہ سرمایہ علم فقہ کی تحصیل تھا۔ اور وہ بھی تقلید کے طور پر تحقیق کے طور پر نہیں۔ اس وجہ سے اس زمانہ

میں فتاوی اور روایات فقیہ کا رواج بڑھ گیا تھا۔ نصوص و محکمات متروک ہوگئی تھیں۔ مسائل فقیہ کی صحت کو کتاب و سنت سے جانچنا اور فقہی اجتہادات کو احادیث نبویہ سے تطبیق دینے کا طریقہ متروک ہوگیا تھا۔ پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں اس علم کی اشاعت کا انتظام فرمایا۔ دسویں صدی ہجری میں بعض علماء ہندوستان آئے اور ان کے ذریعہ یہ علم ہندوستان میں رواج پذیر ہوا۔ مثلاً شیخ عبدالمعطی مکی بن حسن بن عبداللہ باکثیر متوفی ۹۸۹ھ شیخ احمد مصری بن بدر الدینؒ متوفی باحمد آباد ۹۹۲ھ شیخ محمد فاکھی حنبلی بن احمد بن علیؒ متوفی باحمد آباد ۹۹۲ھ شیخ محمد مالکی مصری بن محمد عبدالرحمٰنؒ متوفی باحمد آباد ۹۱۹ھ شیخ رفیق الدین چشتی شیرازیؒ متوفی باکبر آباد ۹۵۴ھ شیخ ابراھیم بغدادی بن احمد بن حسنؒ۔

شیخ ضیاء الدین مدنیؒ مدفون کاکوری ضلع لکھنؤ۔

شیخ بہلولؒ بدخشی، خواجہ میر کلاں، متوفی باکبر آباد ۹۸۱ھ اور بہت سے علماء کرام ہندوستان کے کچھ علماء کرام نے حرمین شریفین کا سفر اختیار فرمایا اور وہاں انہوں نے فن حدیث شریف حاصل کیا۔ اور اس فن کو لے کر ہندوستان واپس تشریف لائے۔ اور عرصہ دراز تک گجرات میں درس حدیث دیتے رہے۔ پھر دوبارہ حجاز ہجرت کر گئے۔ شیخ یعقوب بن حسن کشمیری متوفی ۱۰۰۳ھ شیخ جوہر کشمیری متوفی ۱۰۲۶ھ شیخ عبدالنبی گنگوھی بن احمد شیخ عبداللہ سلطان پوری بن شمس الدین، شیخ قطب الدین عباسی گجراتی، شیخ احمد بن اسماعیل مانڈوی، شیخ راجع بن داؤد گجراتی، شیخ علم الدین مانڈوی، شیخ معمر ابراہیم بن ابراہیم بن داؤد مدفون باکبر آباد، شیخ محمد بن طاہر بن علی پٹنی، مصنف بحار الانوار، شیخ عبدالاول حسینی بن علی بن اعلی بن حسین۔"

(الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند
بحوالہ تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۱۷۹' ۱۸۰)

اندریں حالات

آپ نے ہندوستان کے اس وقت کے اخلاقی' دینی' علمی' معاشرتی' سیاسی' اقتصادی حالات بھی پڑھ لئے۔ ان کی دین سے دوری' ان کے مشرکانہ رسوم و عادات ان کی پست اخلاقی' ان کی بے دینی بھی آپ کے مطالعہ میں آچکی ہے۔ حدیث و سنت سے بغاوت اور دین و شریعت سے مذاق' فقہی جمود' توحید و سنت سے بیزاری بیان ہو چکی ہو۔ اندریں حالات اس بارہویں صدی میں ہندوستان کا علمی و دینی حلقہ ایک ایسی شخصیت کا منتظر و محتاج تھا۔ جو حدیث سے اس عشق و فریفتگی کا تعلق رکھتی جو اس کی نشرو اشاعت کا اس نے اپنی زندگی کا اولین مقصد قرار دیا ہو۔ ہندوستان میں یہ شخصیت بارہویں صدی کے وسط میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ذات میں حاصل ہوئی۔ جنہوں نے صحیح معنوں میں اس شعر پر عمل کیا۔

ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم۔ الا حدیث دوست کہ تکرارن می کنیم

وہ شخصیت صرف حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ہو سکتی ہے۔

(تاریخ دعوت و عزیمت ج ۵ ص ۱۸۲)

تحریک تجدید احیائے دین عمل بالحدیث سے وابستہ ہے

ہم جب تحریک تجدید احیائے دین کا مطالعہ کرتے ہیں اور ارباب دعوت و عزیمت کی سوانح حیات پڑھتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ تحریک تجدید احیائے دین کے علمبردار ہمیشہ وہی اشخاص رہے جن میں اللہ تعالیٰ نے عبقریت اور نابغیت کے ساتھ ساتھ حدیث و سنت سے سچی محبت اور اسوۂ رسولؐ سے صحیح لگن اور ارشادات رسولؐ سے عشق کی حد تک جنون عطا کیا تھا۔ یہ بات ایک فطری امر ہے کہ دین کے لئے وہی شخص قربانی دے گا اور وہی

استقامت کا مظاہرہ کرے گا جس کو دین کے اصل سرچشموں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ سے دلی لگاؤ ہوگا۔ وہ اخلاق و کردار سیرت و اعمال کے اعتبار سے حدیث و سنت کے ڈھانچہ میں ڈھلا ہوگا۔ ہمیشہ ارباب دعوت و عزیمت وہی عہد ساز شخصیتیں رہی ہیں جن کی زندگی کا اوڑھنا بچھوڑنا نشست و برخاست اور انداز زیست اللہ کے قرآن اور رسول اللہ کے فرمان کے مطابق رہا ہے۔ جیسا کہ امام دارالہجرت مالک بن انسؒ امام محمد بن ادریس شافعیؒ امام اہلسنت امام احمد بن حنبلؒ امام ابوحنیفہؒ بشیر بن نعمان رحمہم اللہ علیہم شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ امام حافظ ابن قیمؒ حافظ ابن کثیرؒ امام ذہبیؒ امام ابن حجر عسقلانیؒ امام عزالدینؒ محبوب سبحانی شیخ مجدد الف ثانیؒ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ شاہ اسماعیل شہیدؒ شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ نواب والہ جاہ سید صدیق حسن خانؒ مولانا سید عبداللہ غزنویؒ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ سید جمال الدین افغانیؒ اور دیگر عبقری اشخاص جو ہمیشہ افضل الجہاد **ومن قال کلمۃ حق عند سلطان جائر** پر عمل پیرا رہے۔ **من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شہید** پر گامزن رہے۔ تختہ دار پر بھی حق کی پشتیبانی کرتے رہے۔ ہمیشہ رسول اللہ کی سنتوں کیلئے مرمٹنے کا اظہار کرتے رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دین میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے سنت کی قندیلیں روشن ہوئیں۔ ان کی وجہ سے حدیث کی شمع فروزاں رہی' یہی اشخاص دین کی عظمتوں اور اسلام کی سربلندیوں کا باعث بنے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ کی اسی تجدید احیائے سنت کا یہ نتیجہ نکلا کہ جب وہ حرمین سے حدیث و سنت کے فیوض و برکات سے مالا مال ہو کر ہندوستان واپس تشریف لائے۔ تو مسند رحیمیہؒ جو ان کے والد مرحوم کی قائم کردہ تھی اشاعت حدیث اور معارف سنت کا بہت بڑا مرکز بن گئی جہاں ہندوستان بھر کے گوشہ گوشہ سے تشنگان علم حدیث نے پروانہ وار ہجوم کیا۔ ان میں سندھ اور کشمیر جیسے دور افتادہ مقامات بھی تھے دہلی اور اس کے آس پاس کے

لوگ بھی تھے۔ شمالی ہند کا تو کیا کہنا' اپنے چاروں صاحب زادگان کے ساتھ سید مرتضٰی بلگرامی زبیدیؒ متوفی ۱۲۰۵ھ صاحب تاج العروس شرح قاموس۔ اتحاف السادۃ المتقین شرح احیائے علوم الدین جن کے تبحر اور حدیث میں کمال کی دھوم عالم عرب میں مچ گئی۔ جن کے دربار کی چمک دمک سلاطین کے درباروں سے کم نہ تھی ان کے تلامذہ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ۱۲۲۵ھ خلیفہ ارشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں و مصنف تفسیر مظہری و مالا بدمنہ بھی تھے۔ اسی طرح ہندوستان میں صدیوں کے بعد غالباً پہلی مرتبہ علم حدیث کا ایسا چرچہ ہوا اور اس کی طرف ایسا رجوع ہوا کہ ہندوستان یمن کا ہمسر بن گیا اور اس کے جاں فضا جھونکے خود سرزمین حجاز تک پہنچنے لگے۔

مجدد کی ضرورت

وہ دور ایک مجدد کا متقاضی تھا۔ حالات و ظروف' واقعات و مشاہدات اور تغیرات و انقلابات ایک ایسے مجدد کے متقاضی تھے جو بے دینی کے طوفانوں میں چراغ حق روشن رکھے۔ اور بدعات کی آندھیوں میں سنت کی شمع کو نہ صرف بجھنے نہ دے بلکہ فروزاں رکھے۔ کیونکہ اعتقادی' دینی' اخلاقی' سیاسی ہر اعتبار سے مسلم معاشرہ پستیوں کے آخری گڑھوں میں گر چکا تھا۔ یہ وہ حالات تھے جو ایک راست باز' صاف گو' متبحر عالم' علمبردار توحید و سنت شخصیت کے متقاضی تھے۔ تا کہ مسلم معاشرہ پستیوں سے بلندیوں میں آسکے۔ ہم جب ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں کوئی شخصیت دکھائی نہیں دیتی۔ مغلیہ سلطنت کا آفتاب لب بام تھا۔ مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا۔ جھوٹے فقہاء اور جعلی مشائخ خدائی کے دعوے دار بنے پھرتے تھے۔ دینی مدارس میں منطق و حکمت کے ہنگامے برپا تھے۔ مذہب کے بارے میں تحقیق و تفتیش کا ذہن جرم گردانا جاتا تھا۔ قرآن کے مطالب و معانی سے روشناس کرانا گویا اپنے کو گردن زدنی قرار

دلواتا ہے۔ خود شاہ صاحبؒ پر قرآن کے فارسی ترجمہ کی وجہ سے متعدد بار قاتلانہ حملے ہوئے۔ اندریں حالات امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے علاوہ کون سی شخصیت تھی جو ان تقاضوں سے عہدہ برآ ہوتی۔ قرآن کے اسرار و رموز سے عوام کو باخبر کرتی۔ حدیث و سنت کے پرچم کو سربلند رکھتی۔ رسوم و بدعات کی بیخ کنی کرتی۔ وہ شخصیت صرف اور صرف حجتہ اللہ فی الارض امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ہو سکتی تھی۔ حالات جس مجدد کے متقاضی تھے وہ شاہ صاحبؒ کی شکل میں پورے ہو گئے۔ شاہ صاحب حرمین سے واپسی کے بعد بظاہر حنفی ہونے کے باوجود تقلید و جمود سے بغاوت کر چکے تھے۔ ان کی زندگی کا ایک ہی مطمع نظر تھا کہ اسلام کے دونوں سرچشموں قرآن و حدیث سے براہ راست استفادہ کیا جائے۔ آئمہ فقہاء کے اجتہادات سے جو چیز کتاب و سنت کے موافق ہے اسے بلا چوں و چرا تسلیم کیا جائے۔ اور جو چیز قرآن و حدیث سے متصادم ہو اس سے یکسر دست کش ہو جانا چاہئے کیونکہ قرآن و حدیث ایک ایسا میزان و معیار ہے جس میں صحیح اور غلط' جھوٹ اور سچ' حق اور باطل کے پیمانوں میں امتیاز ہو سکتا ہے۔ افراط و تفریط سے ہر مسلمان کو بچنا ضروری ہے غلو اور مبالغہ بھی اسلام کی روح کے منافی ہے۔ چنانچہ شاہ صاحبؒ اس موقف کے حامی اور داعی ہیں۔ شاہ صاحب نہ تو زاہد مرتاض تھے نہ ہی وہ بے عمل عالم دین تھے۔ بلکہ وہ خود "حجتہ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں کہ امت کا صحیح نظام اس طرح چل سکتا ہے کہ فقہاء کے کلام کی تخریج کی جائے۔ اور حدیث کے الفاظ کا تتبع کیا جائے۔ دونوں طرف سے سطحیت کو قبول نہ کیا جائے نہ افراط و تفریط کو مفتی بھا بنایا جائے۔ شاہ صاحب اور ہندوستان کے علماء نے توحید و سنت کی ایسی شاندار خدمات انجام دیں اور سلفی علماء نے حدیث کی کتابوں پر حواشی و ذیول لکھے اور کتب حدیث کی ایسی شاندار شروح اشاعت پذیر ہوئیں کہ پورے عالم اسلام کو اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ مقدمہ مفتاح کنوز السنہ میں سلفی علماء نے جو کچھ لکھا اس کو مشہور

سلفی مصری عالم سید رشید رضا صاحب تفسیر المنار اور ایڈیٹر المنار مصر لکھتے ہیں کہ ان میں اتباع سنت کی تحریک کا شوق پیدا ہوا۔ ولو لا عنانت اخواننا الهند بعلوم الحديث في هذا العصر لقضي عليها بالزوال من امصار الشرق وقد ضعفت في مصر والشام والعراق والحجاز منذ القرن العاشر للهجرة حتى بلغت منتهى الضعف في اوائل هذا القرن الرابع عشر۔ اگر ہمارے بھائیوں علمائے ہندوستان نے اس زمانہ میں علوم حدیث کے ساتھ اعتناء نہ کیا ہوتا تو مشرقی ممالک میں مکمل طور پر ان کا زوال ہو چکا ہوتا' اس لئے کہ مصر' شام' عراق اور حجاز میں دسویں صدی ہجری ہی سے ان میں ضعف پیدا ہو گیا تھا' جو اس چودھویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی انتہاء کو پہنچ گیا۔ (مقدمہ مفتاح کنوز السنہ)

حدیث کے بارہ میں شاہ صاحب کے خیالات

اب یہ معاملہ غور طلب اور فکر کا متلاشی ہے کہ شاہ صاحب حدیث کے ساتھ اشتغال اور پھر اس کی نشرو اشاعت کیلئے سرگرمی اور حدیث کی خدمت کے لئے اپنی زندگی اور صلاحیتیں وقف کرنے کا محرک کیا تھا اس کے وجوہ و اسباب تلاش کرنے کی بجائے خود شاہ صاحب کے افکار کی روشنی میں ہی سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ چنانچہ حجتہ اللہ البالغہ کے مقدمہ کے پہلے صفحہ پر لکھتے ہیں۔ ان عمدة العلوم اليقينيه وراسها ومبنى الفنون الدينيه واساسها هو علم الحديث الذي يذكر فيه ما صدر من افضل المرسلين صلى الله عليه وسلم واصحابه اجمعين من قول او فعل او تقرير فهي مصابيح الدجى و معالم الهدى و بمنزلته البدر المنير' من انقاد لها ووعى فقد رشد واهتدى' واوتي الخير الكثير ومن اعرض وتولى فقد غوى وهو وما زاد نفسه الا التخسير فانه صلى الله عليه وسلم نهى وامر وانذر وبشر' و ضرب الامثال و ذكر وانها مثل القران او اكثر (مقدمہ حجتہ اللہ البالغہ ص ۱' ۲)

ترجمہ علوم یقینیہ کا معتمد علیہ سرمایہ و سرتاج اور فنون دینیہ کی اصل و اساس

علم حدیث ہے جس میں افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا کسی مسئلہ پر ان کے سکوت و رضامندی کا ذکر خیر ہوتا ہے اس لئے یہ حدیثیں تاریکی میں روشن چراغ رشد و ہدایت کا سنگ میل اور بدر کامل کا حکم رکھتی ہیں۔ جو شخص ان پر عمل پیرا ہوتا ہے اور ان کی نگہداشت کرتا ہے تو وہ ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیض یاب ہوتا ہے اور جو بدبخت اس سے اعراض اور روگردانی کرتا ہے وہ گمراہ اور ہلاک ہوتا ہے اور اپنا ہی نقصان کرتا ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی امر و نہی انذار و تبشیر اور نصیحت و تذکیر سے معمور ہے آپ کی حدیثوں میں یہ چیزیں قرآن ہی کی طرح اس سے مقدار میں کچھ زیادہ ہی ہیں۔"

"کلمات طیبات" میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "پہلی چیز جس کو عقل اپنے اوپر واجب قرار دیتی ہے یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے حالات اور ارشادات کا تتبع کیا جائے کہ آپؐ نے احکام الٰہی کے بارہ میں کیا ارشاد فرمایا اور کس طرح ان پر عمل کیا پھر قلب و جوارح سے ان اقوال و احوال کی پیروی کی جائے اس لئے کہ ہماری گفتگو اس شخص کے بارہ میں ہے جس نے یہ حقیقت تسلیم کرلی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے احکام کا مکلف بنایا ہے۔ اور اس شخص نے تکلیف شرعی کی اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کا عزم مصمم کرلیا ہے (ترجمہ فارسی کلمات طیبات ص ۱۷۲)

فقہ و حدیث میں تطبیق

شاہ صاحبؒ سے پہلے فقہاء اربعہ کو ماننے والے خصوصاً حنفی حضرات حدیث کے بارہ میں خاصی سرد مہری کا شکار تھے بلکہ بدنصیبی کی یہ انتہا تھی کہ اقوال ائمہ کی صحت کو قائم رکھنے کے لئے رسول اللہؐ کی حدیث کی تاویلیں کی جاتی تھیں ایسے واقعات تو ملتے ہیں کہ ایک حنفی عالم شافعی بن گیا یا حنبلی اور

مالکی ہوگیا یا مقلد عامل بالحدیث ہوگیا لیکن یہ ناممکن بات تھی کہ ایک امام کا مقلد باقی تین اماموں کے عمل و اجتہاد سے استفادہ کرے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے تقلید کے ان بندھنوں کو توڑا اور بڑی جراءت سے اس موقف کا اظہار کیا کہ حق ایک ہی امام سے وابستہ نہیں ہے آئمہ اربعہ کے ہر اس اجتہاد سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے جو رسول اللہؐ کی حدیث کے خلاف نہ ہو چنانچہ آپ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے فقہ و حدیث کی تطبیق کی راہ ڈالی ہر وہ قول جو حدیث کے مطابق ہوا اسے قبول کیا اور جو جو قول حدیث سے متصادم ہوا اسے ترک فرمایا۔ شاہ صاحب امت مسلمہ میں پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے فقہ و حدیث کی بنیاد رکھی۔ اقوال ائمہ کی تاویل کی یا انہیں ترک کر دیا لیکن رسول اللہؐ کی حدیث کا دامن نہیں چھوڑا۔ فروعات میں حنفی رہتے ہوئے بھی رسول اللہؐ کی حدیث کی عظمت اور صحت پر اعتقاد رکھا اور حدیث رسولؐ کو ہی عملی جامہ پہنانے میں دنیوی کامیابی اور اخروی کامرانی سمجھی۔ وہ علمائے سوء کی طرح قرآن و حدیث کے بارہ میں آراء باطلہ اور تاویلات فاسدہ کے قائل نہیں تھے۔ جیسا کہ اقبال مرحوم نے فرمایا ہے۔۔

زمن بر صوفی و ملاں سلامے کہ قول خدا گفتند مارا
ولے در تاویل ایشاں حیرت انداخت خدا و جبرائیل و مصطفیٰ را

شاہ صاحب کے نزدیک وہ غالی فقہاء اور ان کے پیروکار جو اپنے مذہب سے سرمو انحراف کے لئے تیار نہیں۔ اور وہ ظاہری حضرات جو فقہاء کے بالکل منکر ہیں یہ دونوں انتہائیں ان کو ناپسند تھیں۔ ان کی راہ اعتدال کی راہ تھی۔ ان کا موقف توازن کا موقف تھا۔ وہ ہمیشہ غلو اور افراط و تفریط سے دامن بچا کر چلنے کے عادی تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ الحق امر بین بین۔ ان کے نزدیک نہ پہلا گروہ سو فیصد حق پر تھا نہ دوسرا بلکہ وہ کہا کرتے تھے معاملہ بین بین ہے۔ شاہ صاحب وصیت نامہ فارسی کے صفحہ ۲۔ ۳ پر فرماتے ہیں۔

"فروعی مسائل میں ایسے علماء اور محدثین کی پیروی کرنا
چاہیئے جو فقہ اور حدیث دونوں کے عالم ہوں۔ مسائل فقہ کو
کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ سے ملاتے رہنا چاہیے۔
دوسری جگہ پر فرماتے ہیں امت کے لئے قیاسی مسائل کا
کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ سے تقابل کرتے رہنا ضروری
ہے اس سے کبھی بے نیازی نہیں ہو سکتی۔" (وصیت نامہ
فارسی ص ۳)

وہ جہاں امام ابوحنیفہؒ کی یہ کہہ کر تعریف کرتے ہیں۔ کان عظیم الشان فی التخریج علی منھب ابراھیم واقرانہ دقیق النظر فی وجوہ التخریجات مقبلا" علی الفروع اتم اقبال۔ امام ابوحنیفہؒ کا مرتبہ ابراہیم نخعیؒ اور ان کے ہم مرتبہ علماء کے مذہب پر اجتہاد و استنباط کے سلسلہ میں بہت بلند تھا۔ ان تخریجات کے وجوہ و اشکال میں وہ بڑی دقت نظر رکھتے تھے۔ مسائل جزئیہ اور ان کے فروع کے استخراج میں ان کا انہماک بہت بڑھا ہوا تھا۔ وہ امام مالک کی عظمت اور خاص طور پر موطا کی صحت اور اس کے مقام و مرتبہ کے بھی بہت بڑے حامی تھے۔
(ماخوذ۔ مقدمہ مصفی)

امام احمد بن حنبل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کان اعظم شانا" واوسع روایتہ واعرفھم للحدیث مرتبتہ" اعمقھم فقھا" احمد بن حنبل ثم اسحاق بن راھویہ
(حجتہ اللہ البالغہ جلد نمبر ۱ ص ۱۵۰)

ان فقہاء و محدثین میں سب سے عالی مرتبہ وسیع الروایت' حدیث سے باخبر تفقہ میں عمیق النظر امام احمد بن حنبل پھر اسحاق بن راہویہ ہیں۔ شاہ صاحب نے اس بارہ میں جو مسلک اختیار کیا ہے اور جو اس کی تعبیر کی وہ عین روح شریعت کے مطابق ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ہندوستان میں فقہ کی مبالغہ آرائیوں اور ظواہر کی خشکی' ضد کو بھی نشانہ تنقید بنایا۔ اور معاملہ حق کو اس کے

بین بین قرار دیا۔ اس باب میں معتدل متوازن موقف کو اپنا مسلک قرار دیا۔ اور اس کو مشعل حق گردانا۔ ان کے ہاں نہ فقہاء کی آزاد روی قابل ستائش تھی اور نہ ہی ظواہر کی ضد قابل تحسین تھی۔ وہ ہر معاملہ کو کتاب و سنت کے معیار پر جانچنے کے قائل تھے۔ کتاب و سنت سے براہ راست استفادہ کے حامی تھے۔ وہ آئمہ فقہاء کی ان تمام اجتہادات کے منکر تھے جو کتاب و سنت سے متصادم ہوں۔ وہ مقلد ہرگز ہرگز نہ تھے۔ مرزا مظہر جان جاناںؒ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور امام شاہ ولی اللہ ہرگز ہرگز مقلد نہ تھے۔ شاہ صاحب کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ امتہ العزیز' شاہ عبدالقادر' شاہ رفیع الدین' شاہ عبدالغنی اور شاہ عبدالعزیز رحمہم اللہ۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ۱۱۷۶ھ کو اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ شاہ صاحب نے مسویٰ و مصفی موطا کی عربی و فارسی کی دو شرحیں لکھیں۔ خیر کثیر۔ تفہیمات الٰہیہ۔ حجتہ اللہ البالغہ۔ وصیت نامہ فارسی ان کی بلند پایہ تصنیفات ہیں۔

شاہ صاحب فکر محدثین کے علمبردار' مشن محدثین کے نقیب و ترجمان اجتہاد کے دروازے کو ہمیشہ وا رکھنے کے حامی' متمسک بالسنہ' بدعات و منکرات سے نفور' توحید و سنت کے ترجمان' تقلید شخصی سے بیزار' آئمہ اربعہ سے استفادہ کے قائل' تحقیق و تفتیش کے داعی' فقہ الحدیث کے نام سے ایک نئے مکتب فکر کے موسس اول' فرقہ واریت سے بہت بالا' اتحاد امت کے قدر دان' تعلیمات کتاب و سنت کے مبلغ' عصری و حضری' علمی' اعتقادی' فکری' نظری' اساسی' مذہبی فتنوں کے نقاد' تحقیق و تدقیق' علم و آگہی اور کتاب و سنت کے پرچارک تھے۔

تصنیفات

۱۔ الاربعین عربی ۲۔ الارشاد الی مہمات علم الاسناد عربی ۳۔ ازالتہ الخفاء عن خلافتہ الخلفاء (فارسی) ۴۔ اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم (عربی) ۵۔ الطاف القدس (فارسی) ۶۔ الامداد فی ماثر الاجداد (فارسی) ۷۔ الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ (فارسی) ۸۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین (فارسی) ۹۔ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف (عربی) ۱۰۔ انفاس العارفین (فارسی) ۱۱۔ البدور البازغتہ (عربی) ۱۲۔ بوارق الولایتہ (فارسی) ۱۳۔ تاویل الاحادیث (عربی) ۱۴۔ تحفتہ الموا حدین (فارسی) ۱۵۔ تراجم ابواب البخاری (عربی) ۱۶۔ التفہیمات الالٰہیہ (عربی و فارسی) ۱۷۔ الجزء اللطیف فی ترجمتہ العبد الضعیف (فارسی) ۱۸۔ حجتہ اللہ البالغتہ (عربی) ۱۹۔ حسن العقیدۃ (عربی) ۲۰۔ الخیر الکثیر (عربی) ۲۱۔ الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین (عربی) ۲۲۔ زہراوین (عربی) ۲۳۔ سطعات (فارسی) ۲۴۔ سرور المحزون (فارسی) ۲۵۔ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری (عربی) ۲۶۔ الفوز الکبیر (عربی) ۲۷۔ فتح الخبیر (عربی) ۲۸۔ فتح الودود لمعرفتہ الجنود (عربی) ۲۹۔ الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الامی (عربی) ۳۰۔ فیوض الحرمین (عربی) ۳۱۔ قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین (عربی) ۳۲۔ کشف الغین عن شرح الرباعتین ۳۳۔ المقالتہ الوضیہ فی النصیحتہ الوصیتہ ۳۴۔ المقدمتہ السنیہ فی الانتصار للفرحتہ السنیہ (عربی) ۳۵۔ المقدمہ فی القوانین الترجمہ (فارسی) ۳۶۔ المسوی شرح الموطا عربی ۳۷۔ المصفی شرح موطا (فارسی) ۳۸۔ المکتوب المدنی (عربی) ۳۹۔ مکتوبات مع مناقب امام بخاریؒ و فضیلت ابن تیمیہؒ ۴۰۔ النوادر من احادیث سید الاوائل و الاواخر (عربی)

نوٹ :۔

اسی دور میں عرب میں ایک خالص دینی اور سلفی تحریک کا آغاز ہوا۔ اس تحریک کے بانی امام محمد بن عبدالوہابؒ تھے۔ وہ بھی ایک زبردست اور زوردار دینی تحریک تھی جو عقیدہ سلف صالحین' فکر محدثین اور مسلک عمل بالحدیث کی علمبردار تھی۔ جن کو بدنام کرنے میں ترکوں' مصریوں اور برصغیر کے سارے مسلمانوں نے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی بحمد اللہ وہ کٹھن مراحل سے ہوتی ہوئی آج دنیا بھر کی دینی تحریکوں کی پشتیبان ہے جسے عرف عام میں "وہابی تحریک" بھی کہا جاتا ہے۔ اب ہم کچھ مدت کے لیے عرب جا رہے ہیں پھر ہندوستان حاضر ہو کر امام شاہ ولی اللہؒ کے صاجزدگان سے آغاز کریں گے۔

نواں باب

شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہابؒ اور ان کی تحریک تجدید و احیائے دین

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ حافظ ابن قیمؒ حافظ ابن کثیرؒ حافظ ابن عبدالھادیؒ قاضی فضل اللہؒ حافظ ذہبیؒ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی علمی' دینی' تبلیغی' تصنیفی' تالیفی اور تجدید و احیائے دین میں خدمات کے اثرات تقریباً پونے دو صدیوں تک جاری رہے۔ اس دوران بھی عالم اسلام میں خال خال علماء کرام اور فکر اہلحدیث کے علمبردار اپنے فرائض سے غافل نہیں رہے۔ لیکن دینی طور پر جزیرہ نمائے عرب کی حالت بہت زیادہ دگرگوں ہوگئی۔ چونکہ عالم عرب پر عموماً اور حجاز پر خصوصاً ترکوں کی حکومت کا سکہ رواں تھا۔ ترک بنیادی طور پر نہایت متعصب حنفی تھے۔ شخصی تقلید ان کی بہت بڑی کمزوری تھی۔ عقائد و اعمال میں بھی شرکیہ رسوم ان میں گھر کر چکی تھیں۔ حرمین شریفین میں ان کا ڈھیلا ڈھالا انداز حکومت' قبر پرستی اور شرکیہ رسوم کی ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنا۔ بلکہ ترکوں کے عہد میں ہی بیت اللہ میں چار مصلوں کی بدعت شروع کی گئی۔ جسے سعودی حکومت نے آکر ختم کیا۔ امام محمد بن عبدالوہابؒ کی پیدائش سے پہلے تقریباً دسویں صدی ہجری اور گیارھویں صدی ہجری کا ثلث اول قبر پرستی' شجر پرستی' پیر پرستی اور غیر اللہ کی پرستش کے اعتبار سے عرب عوام اسلام کی ابتداء کے موقعہ پر عرب بت پرستوں جیسی صورت اختیار کر چکے تھے۔ صحابہؓ کی قبروں پر قبے بنائے گئے۔ ان کے عرس بڑی دھوم دھام سے ہوتے۔ جہاں جہاں صحابہؓ کا قیام ثابت ہوتا یا جن جن درختوں کی نسبت صحابہؓ کی طرف ہوتی انہیں مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے۔ حجاز اور مشرقی عرب قبروں کے اعراس کی وجہ سے مشرکانہ میلوں کی شکل

اختیار کر چکے تھے۔ اللہ تعالٰی سے حاجات براری کی بجائے قبروں سے دعائیں مانگی جاتیں۔ ان کی منتیں مانتے۔ ان پر چڑھاوے چڑھاتے' ان کی نذر و نیاز مانتے۔ حضرت زید بن خطابؓ کی قبر عربوں کی قبلہ حاجات تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شاید بت پرستی اتنی عام نہ ہو جو اس وقت مسلمان کلمہ گو کی تھی دینی اور عقیدہ توحید کی حالت پتلی ہو چکی تھی۔ اسلامی معاشرے کی دھجیاں بکھر گئی تھیں۔ دینی عادات و خصائل مٹ چکی تھیں۔ دینی محبت و اخوت کا نام و نشاں باقی نہیں رہا تھا۔ اخلاقی طور پر وہ بہت گراوٹ میں جا چکے تھے۔ باہمی لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا۔ مختصر یہ کہ عقائد و اعمال اخلاق و نظریات' مشرکانہ رسوم پر عمل اور سنت سے گریز بلکہ انکار اور بدعت کے فروغ کے اعتبار سے جزیرہ نمائے عرب بت پرستی میں بہت دور جا چکا تھا۔ وہ شرک و بدعت پرستی کو اسلام سمجھے ہوئے تھے۔ ضعیف الاعتقادی ان کا وظیفہ حیات بن چکا تھا۔ وہم پرستی' قبور اور اصحاب قبور سے خوف ان پر مسلط ہو چکا تھا۔ ایسے ظلمت و تاریکی کے زمانے میں ۱۱۱۵ھ میں امام محمد بن عبدالوہابؒ پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ اور متوسط نصاب تک کیلئے اپنے والد محترم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیئے۔ ان کے والد اور چچا سب ہی علماء کرام تھے۔ درعیہ شہر میں یہ ایک علمی گھرانہ تھا۔ حصول علم کے بعد امام محمد بن عبدالوہاب کو حج بیت اللہ کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ پہنچے حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور مدینہ منورہ گئے پھر وطن واپس آگئے۔ دوسری مرتبہ پھر حج بیت اللہ کیلئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں کے حالات کا جائزہ لیا اور وہاں حج میں شمولیت کرنے والے اور عالم اسلام سے آنے والے حاجیوں سے دینی معلومات حاصل کیں اور ان کی سیاسی کیفیات پوچھیں جس سے ان کو بہت فائدہ ہوا۔ عالم اسلام کے بارے میں ان کی معلومات میں وسعت پیدا ہوئی۔ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور وہیں حدیث کی تعلیم شروع کر دی۔ نجد کے علاقے کے ایک شیخ عبداللہ بن ابراہیم جو المجمع

کے رؤسا میں سے تھے۔ اور بہت بڑے عالم تھے ان کے یہاں ان کی مستقل سکونت اب مدینہ منورہ میں ہو گئی تھی۔ امام محمد بن عبدالوہاب نے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ ان کی ذہانت اور شوق علم کو دیکھ کر ان کو شیخ عبداللہ بن ابراہیم علامہ محمد حیات سندھی کے پاس لے گئے۔ علامہ سندھی اس وقت مدینہ منورہ مسجد نبویؐ میں حدیث کے بہت بڑے استاد تھے۔ ان کا حلقہ تلامذہ بہت وسیع تھا۔ گویا شیخ محمد بن عبدالوہاب نے ایک ہندی محدث سے اپنا کیسہ علم خوب بھرا۔ حرمین میں بھی اس وقت خرافات زوروں پر تھیں۔ بدعات جزو دین سمجھی جاتی تھیں۔ تقلید شخصی اور تقلید جامد اپنی تمام تر قباحتوں کے باوجود عوام کے ذہنوں پر قابض تھیں۔ مدینہ منورہ میں حدیث پڑھنے سے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کایہ پلٹ گئی۔ معلومات میں وسعت پیدا ہو گئی۔ فقہی مسائل سے باخبر ہو گئے۔ بدعات سے نفرت ہو گئی۔ سنت کی اہمیت اور مقام پہلے سے زیادہ اہم ہو گیا۔ اب ان کے دل میں رہ رہ کر یہ جذبات ابھر رہے تھے کہ جزیرہ نمائے عرب کے لوگ توحید کی دولت سے تہی دست ہو گئے ہیں۔ سرمایہ سنت کھو بیٹھے ہیں۔ تقلید جامد اور تقلید شخصی کو کج فہمی سے دین سمجھ بیٹھے ہیں۔ بدعات و خرافات انہیں بہت عزیز ہو گئی ہیں۔ لہٰذا ان کی اصلاح کرنی چاہئے اور ایک ایسا دینی انقلاب لانا چاہئے جو ان کے فکر و نظر میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کر دے ان کے عقائد و اعمال کو درست کر دے اور کتاب و سنت کی ضیاء پاشیوں سے ان کے قلب و ذہن کو منور کر دے۔ شب و روز اسی محور پر سوچتے رہے۔ یہی نقطہ نظر ان کے فکر کا مرکزی سبب قرار پایا۔ مدینہ سے فراغت کے بعد بصرہ گئے۔ بصرہ میں شیعہ کا زور تھا۔ کربلائے معلیٰ کے قرب کی وجہ سے بصرہ کو شیعہ کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ وہاں کے لوگ بھی شرک و بدعات قبروں اور مزارات پرستی میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ وہاں شیخ صاحب نے قبوں اور مزار پرستی بدعات و منکرات اور تقلید جامد کے خلاف اعلان جہاد کیا۔ اور عقیدہ سلف صالحین ان کے سامنے پیش کیا۔ محدثین کی دعوت اور فکر پیش

کیا۔ آپ کا قیام شیخ محمد المجموعی کے یہاں تھا۔ اور وہاں شیخ محمد المجموعی کے دو بیٹے بھی آپ سے متاثر ہوئے۔ لیکن وہاں کے صوفیوں اور علماء نے آپ کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اور ان کی شدید مخالفت شروع کی۔ چنانچہ بصرہ کے امراء و رؤساء اور شیوخ نے آپ کی مخالفت پر کمر ہمت باندھی تاآنکہ عین دوپہر کے وقت تپتی ہوئی دھوپ میں آپ کو بصرہ سے پیدل نکلنے پر مجبور کر دیا گیا۔ آپ باپیادہ بصرہ سے زبیر کیلئے روانہ ہوئے۔ گرمی کی شدت اور پیاس کی حدت کی وجہ سے آپ مرنے کے قریب ہوگئے ایک گدھا سوار نے آپ کو اس نیم بے ہوشی کی حالت میں دیکھا وہ آپ کے نورانی چہرہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے پہلے آپ کو پانی پلایا اور پھر اپنے گدھے پر سوار کیا اور زبیر پہنچا دیا۔ آپ سے کوئی معاوضہ نہیں مانگا۔ لیکن وہاں بھی حالات بہت ناسازگار تھے۔ آپ نے شام کے سفر کا عزم کیا' لیکن زاد راہ ختم ہونے کی وجہ سے اپنے اس عزم کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے۔ آپ وہاں سے الاحساء پہنچے۔ مشہور شافعی عالم عبداللہ بن محمد بن عبداللطیف شافعی کے پاس قیام کیا۔ پھر وہاں سے حریملہ کیلئے روانہ ہوئے۔ کیونکہ آپ کے والد محترم عینیہ چھوڑ کر حریملہ میں آگئے تھے۔ آپ اپنی دینی دعوت و تبلیغ کا مرکز حریملہ کو ٹھہرا کر کام کرنا چاہتے تھے۔ ادھر اچانک آپ کے والد شیخ عبدالوہاب ۱۱۵۳ھ میں انتقال فرما گئے۔ لیکن آپ نے باپ کی وفات کے باوجود اپنی دعوت و ارشاد کا آغاز کر دیا۔ اور کمر ہمت باندھ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے تیار ہوگئے۔ حریملہ کے رہنے والوں میں سے بہت سے نوجوان آپ کی دعوت و تبلیغ سے متاثر ہوئے اور ہر طرف توحید و سنت کا ڈنکا بجنے لگا۔ لیکن وہاں کچھ غلام تھے اور کچھ اوباش تھے۔ جو فسق و فجور اور پبلک پر جبر و تشدد کرنے میں بہت آگے بڑھے ہوئے تھے۔ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے انہیں راہ راست پر لانا چاہا تو وہ سب مخالف ہوگئے اور انہوں نے شیخ کے قتل کا منصوبہ بنایا حتیٰ کہ رات کی تاریکی میں

دیوار پھاند کر ان کے گھر میں داخل ہوگئے۔ لیکن بدوؤں کو پتہ چل گیا تو ان کے شور مچانے سے وہ ناکام و نامراد واپس ہوگئے۔ شیخ صاحب نے حریملہ کو اپنی دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا تھا۔ اور لوگوں کو بڑی حکمت عملی سے قرآن و حدیث اور توحید و سنت کی دعوت دے رہے تھے سلف صالحین کا صحیح عقیدہ پیش کر رہے تھے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے مشن کی تبلیغ و تکمیل ان کا سب سے بڑا مطمع نظر تھا۔ آس پاس کی آبادیوں اور بستیوں میں بھی لوگوں کی آمدورفت شروع ہوگئی تھی۔ نوجوان خاصی بڑی تعداد میں ان کی دعوت قبول کر کے ان کے معتقد ہوگئے۔ آس پاس کی آبادیوں میں سے بھی ایک خاصی بڑی کھیپ نہ صرف متاثر ہوئی بلکہ وہ ان کی ہم نوا ہوگئی۔ اور انہوں نے پوری شرح صدر سے شرک' بدعت اور تقلید جامد سے علیحدگی اختیار کرلی۔ قرآن و حدیث توحید و سنت اور عقیدہ سلف صالحین اختیار کیا۔ لیکن حریملہ کے غلاموں کی سازشیں بدستور جاری رہی۔ شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت و تبلیغ کی صدائے بازگشت عینیہ' درعیہ' منفوحہ اور ریاض تک پہنچ گئی۔ لیکن حریملہ اور اس کے آس پاس کی اکثریت شیخ صاحب کی جانی دشمن بن گئی اور وہ شیخ کے معاونین و معارفین سے اظہار عداوت کرنے لگے۔ بلکہ حریملہ میں دشمنی کی آگ اس قدر تیز ہوگئی کہ شیخ صاحب کو حریملہ سے ہجرت کرنا پڑی۔ اور عینیہ منتقل ہوگئے جب شیخ عینیہ میں پہنچے تو امیر عینیہ عثمان بن معمر نے آپ کا استقبال کیا اور عزت و احترام سے پیش آیا اور آپ سے پورے تعاون کا وعدہ کیا۔ بلکہ آپ سے ربط و تعلق بڑھانے کے لئے اپنی بھتیجی جوھرہ بنت عبداللہ بن معمر سے ان کی شادی کر دی۔ شیخ صاحب نے اپنی دینی دعوت زور و شور سے شروع کر دی اس کے اچھے نتائج برآمد ہونا شروع ہوگئے۔ اور عینیہ میں اچھے لوگوں کی تعداد نے ان کی تحریک میں شامل ہونا شروع کیا۔ آس پاس کی بستیوں اور آبادیوں میں بھی ان کے اثرات پھیلنے لگے اور مخالفت کا منہ توڑ جواب دیا جانے لگا شیخ صاحب نے لسانی دعوت کے ساتھ ساتھ عملی اقدام

کا بھی پروگرام بنایا۔ ہم پہلے لکھ چکے ہیں تمام عرب قبروں اور قبوں کی عبادت میں مبتلا ہوگئے تھے۔ حتیٰ کہ ان درختوں کی پوجا بھی ہونے لگی جو قبوں کے آس پاس لگائے گئے تھے۔ شیخ صاحب نے امیر عثمان بن معمر کو بلا کر کہا کہ ہم دین کی دعوت کے لئے عملی اقدام کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اب اس کا مناسب وقت ہے۔ آپ خدا کے دین کی مدد کے لئے اٹھیں۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا تمہیں تمام عرب کی حکومت عطا کرے گا۔ امیر عثمان نے شیخ صاحب سے مدد کا وعدہ کر لیا۔ شیخ صاحب نے فرمایا جب تک یہ درخت اور قبے موجود ہیں شرک کی آلائشوں سے معاشرہ پاک نہیں ہو سکتا اور توحید کی عظمت سینوں میں نہیں بیٹھ سکتی۔ نیز خدا کی زمین پر خدا کی حدود نافذ کرنی چاہئے تا کہ اسلامی معاشرہ گناہوں سے پاک صاف ہو سکے۔ عینیہ کے اکثر لوگ شیخ کی تحریک میں شامل ہوگئے۔ شیخ نے کچھ لوگوں کو اپنی جیب سے پیسے دے کر ان درختوں کو کاٹنے کے لئے بھیجا۔ وہاں ایک بہت بڑا درخت تھا جس کا نام الذیب تھا۔ اس کو کاٹنے کے لئے شیخ خود بنفس نفیس وہاں گئے۔ وہاں ایک چرواہے نے آپ کو ایسا کرنے سے روکا۔ شیخ صاحب نے عوامی فتنہ سے بچنے کے لئے ان کو قیمتی کپڑا دے کر بھیج دیا۔ شیخ صاحب نے وہ درخت کاٹ دیا جب وہ زمین پر گرا تو اس سے خوفناک آواز نکلی جو ساری وادی میں پھیل گئی۔ اور سدیر کے پہاڑ اس سے گونج اٹھے۔ شیخ صاحب کے ساتھ ستر آدمی اور امیر عثمان بن معمر سمیت وہاں موجود تھے۔ انہوں نے چند دنوں میں تمام درختوں اور قبوں کا صفایا کر دیا۔ جو لوگوں کے شرک کا گڑھ بنے ہوئے تھے۔ حضرت زید بن خطابؓ کی قبر پر بہت بڑا قبہ تھا جو شرک کا مرکز بنا ہوا تھا۔ شیخ صاحب نے امیر عثمان سے کہا اس قبر کے گرانے کی اجازت دو۔ اس نے اجازت دے دی۔ شیخ صاحب نے فرمایا کہ ہمیں خطرہ ہے کہ اہل جبیلہ ہم پر ٹوٹ پڑیں گے۔ آپ بھی ہمارے ہمراہ جائیں۔ چنانچہ چھ سو آدمیوں کو لے کر امیر عثمان ان کے ساتھ ہوگیا۔ اہل جبیلہ نے پہلے تو ان کو روکنا چاہا پھر چھ سو مسلح

اشخاص کو دیکھ کر چلے گئے۔ جب قبہ توڑنے کا وقت آیا تو امیر عثمان نے اس کے توڑنے سے انکار کر دیا۔ شیخ صاحب نے خود کدال لے کر توڑنا شروع کیا تا آنکہ وہ پیوند خاک ہوگیا اب راستہ میں بہت سے لوگ شیخ صاحب پر کسی مصیبت کے نازل ہونے کے منتظر تھے۔ آپ نے حدود اللہ نافذ کر دیں ایک زانیہ کو چار شرعی گواہ بھگتنے کے بعد سنگسار کروا دیا۔ اس سے احساء کے امیر اور قطیف کے امیر آگ بگولا ہوگئے اور عثمان کو دھمکی دی کہ شیخ کو عینیہ سے نکال دو۔ تو امیر عثمان نے مرعوب ہو کر شیخ صاحب کو اپنے شہر سے نکال دیا۔ شیخ صاحب وہاں سے ہجرت کر کے درعیہ پہنچ گئے۔ درعیہ میں دو تین ہفتوں میں آپ کا حلقہ اثر پیدا ہوگیا۔ آپ کی دعوت کی صدائے بازگشت امیر محمد بن سعود تک پہنچ گئی۔ وہ خود شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے شرح صدر سے شیخ صاحب کی دعوت قبول کی۔ آپ نے امیر محمد بن سعود کے سامنے بڑے درد دل سے کہا کہ نجد کے لوگ شرک باللہ' بدعات و خرافات میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ توحید و سنت کو چھوڑ چکے ہیں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ اگر ان میں کوئی دینی انقلاب نہ آسکا تو وہ خدا کے مجرم بن جائیں گے۔ امیر محمد بن سعود نے آپ کی دعوت قبول کی اور کہا جو آپ دین پیش کر رہے ہیں میں آپ سے بھرپور تعاون کا عہد کرتا ہوں آپ کا حکم سر آنکھوں پر رکھوں گا۔ جو لوگ توحید کے مخالف ہیں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ میری دو شرطیں ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہم پر فتوحات کا دروازہ کھولے گا اور ہم کو مال غنیمت عطا کرے گا تو آپ ہمیں چھوڑ کر تو نہیں چلے جائیں گے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ہمیں درعیہ والوں سے ہر سال پھلوں میں سے ایک حصہ ملتا ہے یہ ہمارا مقامی قانون ہے آپ ہمیں اس کے وصول کرنے سے منع تو نہیں کریں گے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے کہا پہلی شرط قبول ہے خون کے ساتھ خون اور موت کے ساتھ موت ہوگی۔ یعنی ہمارا مرنا جینا اکٹھے ہوگا۔ دوسری شرط صحیح نہیں آپ اللہ کے دین کے لئے کمر ہمت باندھ لیں اللہ

تعالیٰ آپ پر فتوحات کا دروازہ کھول دے گا آپ کو درعیہ والوں سے حصہ لینے کی چنداں ضرورت نہ رہے گی۔ اور واقعتہ" ایسا ہی ہوا امیر محمد بن سعود جب توحید کے لئے آمادہ عمل ہوئے تو اللہ نے فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور تمام مالی ضرورتیں پوری کر دیں۔ اس کے بعد امیر محمد بن سعود نے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جس کے الفاظ یہ تھے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دین' جہاد فی سبیل اللہ' شریعت کے نفاذ' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بیعت کرتا ہوں۔ شیخ بیعت لے کر کھڑے ہوئے اور امیر محمد بن سعود کے ساتھ شہر میں داخل ہوگئے۔ توحید کی سربلندی کی سنت کے احیاء' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی ادائیگی بدعات و خرافات کی تردید اور سیئات و منکرات کے انسداد کے لئے جذبہ جہاد کی بدولت اللہ نے یوں ان پر اپنی رحمتوں اور نوازشوں کی بارش برسائی کہ تاریخ نجد کے مولف شیخ عثمان بن بشر نجدی لکھتے ہیں کہ "میں نے اس کے بعد درعیہ کو سعود کے زمانہ میں دیکھا کہ کتنا خوشحال شہر تھا مردوں اور عورتوں کی کثرت سونا چاندی بازاروں میں بھرا ہوا' سونے چاندی سے مزین ہتھیار ہر قسم کے گھوڑے۔ فاخرہ لباس اور زیب و زینت کا سامان اس قدر کثرت سے دیکھا جس کو زبان بیان کرنے سے قاصر ہے۔" امیر محمد بن سعودؒ نے شیخ محمد بن عبدالوہابؒ سے معاہدہ اور بیعت کے بعد منظم طریق سے نجد اور اس کے ملحقات کو کفر و شرک اور بدعات و منکرات سے پاک کرنا شروع کیا۔ جو قبائل ان کی اس تحریک میں مزاحم ہوئے ان سے مسلح جنگ کی اور بہت جلد پورا نجد اور مشرقی عرب شرک کی آلودگیوں اور کفر کی نجاستوں سے پاک ہوگیا۔ بدعت کی جگہ سنت نے لے لی۔ توحید و سنت کے پھریرے لہرائے۔ کتاب و سنت کی تعلیمات عام ہوگئیں عوام نے جوق در جوق امام محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت پر نہ صرف لبیک کہی بلکہ سلف صالحین کے عقیدے کو شرح صدر سے قبول کیا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی تعلیمات' ان کے معتقدات' ان کے نظریات اور ان کے افکار کو

ایک ایک شخص تک پہنچایا۔ ترک جنکا کا پایہ سلطنت استنبول تھا۔ جو خلافت عثمانیہ کے نام سے عالم اسلام میں حکمران تھے۔ موجودہ عرب ممالک ان کے صوبے تھے۔ حجاز پر بھی ان کا کنٹرول تھا۔

(رمزا لجهاد۔ محمد بن عبد الوہاب' ایک بدنام اور مظلوم مصلح)

ترکوں کا حملہ

ترک وہ حجاز کے پہلو میں ٹھنڈے پیٹوں کب اس توحید و سنت کی علمبردار ریاست کو برداشت کرنے والے تھے۔ چنانچہ عثمانی ترکوں نے پہلے انہیں وہابی کہہ کر بدنام کیا اور پھران پر باقاعدگی سے حملے کرنے شروع کیے لیکن خاطرخواہ کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ معرکہ قصیم اور معرکہ ریاض میں ان کو منہ کی کھانا پڑی۔ انہوں نے ۱۲۳۶ھ میں پھر ریاض پر حملہ کیا۔ کیونکہ وہ محسوس کر رہے تھے ہمارے پہلو میں ایک نئی اسلامی سلطنت مضبوط ہو رہی ہے اگر اس کے پاؤں جم گئے تو وہ آس پاس کے عرب علاقوں کو بھی اپنی قلمرو میں شامل کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔ ۱۲۴۰ھ میں امیر ترکی بن عبداللہ آل سعود نے ریاض پر پھر دوبارہ حملہ کر کے ریاض کو فتح کر لیا۔ اس سے پہلے مصر کے حکمران محمد علی پاشا نے ۱۲۳۲ھ میں ینبوع کی بندرگاہ سے اتر کر اپنی ترک تازیوں کا نشانہ قصیم کو بنایا۔ قصیم کے بعد اس نے عنیزہ اور بریدہ بھی فتح کر لئے۔ مشکلات کے باوجود محمد علی پاشا آگے بڑھتا رہا۔ محمد علی پاشا کی فوجوں نے ۱۲۳۳ھ میں درعیہ کا محاصرہ کر لیا۔ امیر عبداللہ نے جان توڑ کر پوری بہادری سے مقابلہ کیا۔ لیکن محاصرے کی طوالت ابراہیم پاشا بن محمد علی پاشا کی قوت اور گولہ باری نے ان کو شکست و ہزیمت اٹھانے پر مجبور کر دیا۔ محرم ۱۲۳۴ھ میں درعیہ پر محمد علی پاشا کے بیٹے ابراہیم نے قبضہ کر لیا۔ ابراہیم پاشا نے امیر عبداللہ کو اپنے حاشیہ برداروں اور غلاموں کے ساتھ چار سو فوجیوں کی نگرانی میں مصر بھیجا۔ امیر عبداللہ کو محمد علی

پاشا کے سامنے کھڑا کیا گیا اور محمد علی پاشا نے اپنے بیٹے کے متعلق ابراہیم سے سوال کیا کہ تو نے اس کو کیسا پایا۔ امیر عبداللہ نے جواب دیا اس نے اپنے فرائض انجام دیئے ہم نے اپنے فرائض انجام دیئے۔ جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا وہ ہوگیا۔ امیر عبداللہ کو دو دن قاہرہ میں رکھا گیا پھر اسے استنبول عثمانی خلیفہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ عثمانی خلیفہ نے اسے بازاروں میں گھمایا اور اس کے بارے میں غلط سلط باتیں کیں۔ تین دن کے بعد اس کے قتل کا حکم صادر ہوا۔ یوں اس سعودی امیر کو شہید کیا گیا۔ اسی طرح سعودی خاندان اپنی سلطنت کی بازیابی میں پھر کامیاب ہوگیا۔ سعود بن فیصل نے مختلف قبائل کو اپنے ساتھ ملایا۔ سعود نے بڑی تیزی سے ۱۲۸۷ھ میں ریاض پر قبضہ جمایا اور اپنی امارت کا اعلان کر دیا۔ عبداللہ بن فیصل نے ان کو امارت کا اعلان کرنے سے روکنا چاہا اور اس سلسلہ میں مختلف قبائل اور قصیم والوں سے مدد لینا چاہی انہوں نے انکار کر دیا آل رشید بھی اس کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ مگر عراق کے ترکوں سے مدد طلب کی۔ مدحت پاشا امداد کے لئے آمادہ ہوگیا اور ترکی کا لشکر تیار کیا۔ کویت کے آل صباح اور قبیلہ بنو خالد نے بھی امداد کا وعدہ دیا۔ ان سب نے مل کر احساء کو سعود بن فیصل کی امارت سے چھین لیا۔ اور اتنے علاقہ کا نام ولایت نجد رکھ دیا۔ عبداللہ بن فیصل نے ریاض پر قبضہ کرنا چاہا مگر شکست سے دوچار ہوگیا۔ اسی دوران ریاض میں شدید قحط برپا ہوا اہل ریاض امیر سعود بن فیصل پر ٹوٹ پڑے اور اسے ریاض سے نکال دیا اور اس کی جگہ اس کے چچا عبداللہ بن ترکی کو امیر مقرر کر دیا۔ القصہ سعودیوں کی خانہ جنگی سے آل رشید نے نجد پر قبضہ جما لیا۔ اور امیر عبدالرحمٰن بن فیصل بن ترکی وہاں سے کویت پہنچ گئے اور جلا وطنی کی زندگی اختیار کی ان کے بیٹے ملک عبدالعزیز نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھا تھا اور وہ سمجھ رہا تھا کہ کن کن وجوہ کی بنا پر سعودی مملکت کا خاتمہ ہوا۔ ملک عبدالعزیز ہمیشہ اپنی سلطنت کی بازیابی کی سکیموں پر غور و فکر کرتے رہے۔ تحمل' برداشت' حوصلہ' صبر

اور شجاعت اسے ورثہ میں ملی تھی۔ گیارہ سال کویت میں انہوں نے جلا وطنی کی زندگی بسر کی۔ جغرافیائی طور پر جرمن' ترکی' روس اور انگریز کی نگاہیں کویت پر مرکوز تھیں۔ آخر کویت انگریزوں کے جال میں پھنس گیا۔ چنانچہ ۱۳۱۷ھ میں انگریز نے کویت کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ ملک عبدالعزیز نے وہاں تعلیم بھی مکمل کی اور حالات کا بھی جائزہ لیا۔ چنانچہ ملک عبدالعزیز نے چالیس جاں نثاروں کا ایک دستہ تیار کیا۔ امیر کویت نے انہیں چالیس اونٹ تیس بندوقیں اور دو صد ریال نقد مدد دی۔ چنانچہ ملک عبدالعزیز نے سعودی خاندان کی مختلف شاخوں سے مدد طلب کی قبیلہ عجمان۔ آل مرہ اور قبیلہ سبیع سے ڈیڑھ ہزار آدمی بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ انہوں نے آل رشید کے حامی قبائل پر شب خون ڈالنے پر وہاں کے قبیلہ مطیر اور قحطان کو شکست فاش دی اور بہت سارا مال غنیمت ان سے حاصل ہوا اور احساء کو اپنا مرکز بنایا۔ ابن رشید نے ترکی سے مدد طلب کی ترکی فوجوں کا سن کر ملک عبدالعزیز کے اردگرد جمع ہونے والے قبائل بھاگ گئے صرف چالیس جاں نثار باقی رہ گئے۔ ۵ رمضان ۱۳۱۹ھ کو ریاض کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ رات کے وقت چلتے تھے۔ ۲۰ آدمی ان کے ساتھ اور شامل ہوگئے۔ شوال کے آخر میں رات کے وقت یہ جاں نثار ریاض پہنچ گئے۔ ملک عبدالعزیز نے اپنے بیس آدمیوں کو ریاض سے دو گھنٹے کی مسافت پر پیچھے چھوڑ دیا۔ ملک عبدالعزیز کو جب قلعہ کی فصیل نظر آئی تو اپنے بھائی محمد کو تیس آدمیوں کے ساتھ وہاں کھڑا کر دیا۔ دس آدمی اپنے ہمراہ لئے اور شہر کی دیوار پھلانگ گئے۔ رشید کا گورنر عجلان کا قصد کیا۔ اس کا مکان قلعہ کے اندر تھا اس لئے ملک عبدالعزیز اور ان کے ساتھی ایک گوالے کے مکان سے چڑھ کر قلعہ میں داخل ہوئے۔ قصہ مختصر ملک عبدالعزیز نے ریاض پر قبضہ کر لیا۔ اور اللہ کی مدد سے آل رشید کا خاتمہ ہوگیا۔ نجد کے قبائل نے آل سعود کا خیر مقدم کیا۔ یوں یہ مملکت عربیہ سعودیہ ملک عبدالعزیز کی جاں نثاری سے بحال ہوئی پھر ۱۳۲۱ھ میں وشم اور قصیم

کو ملک عبدالعزیز نے فتح کر لیا۔ ۱۳۳۲ھ میں عنیزہ اور بریدہ ان کے قبضہ میں آگئے۔ ربیع الاول تک پورے قصیم پر سعودیوں کا قبضہ ہوگیا۔ رفتہ رفتہ ملک عبدالعزیز نے حائل۔ احساء تمام علاقوں پر قبضہ جما لیا۔ جنگ عظیم اول کے بعد ۱۳۴۰ھ میں نیبوع' مدینہ منورہ' رابغ' مکہ مکرمہ' جدہ اور طائف پر سعودی خاندان کا قبضہ ہوگیا اور شریف مکہ وہاں سے بھاگ کر پہلے عراق اور پھر اردن چلا گیا۔ یوں ۱۳۴۴ھ تک بلاد عصیر' بلاد حجاز ان کی سلطنت میں شامل ہوگئے اور ملک عبدالعزیز نجد' حجاز اور ملحقات کے امیر بن گئے۔ جس کا بعد میں المملکتہ العربیہ السعودیہ نام رکھا گیا۔

امام محمد بن عبدالوہاب شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ سے بہت متاثر تھے۔ ان کی تصنیفات کا انہوں نے گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ اپنی پرجوش تبلیغی مساعی میں امام ابن تیمیہؒ کے افکار کی تبلیغ ہی ان کے پیش نظر تھی۔ اور پورے جوش و خروش کے ساتھ افکار ابن تیمیہؒ کو پیش کیا۔ حوالی اور موالی میں افکار ابن تیمیہؒ کو شدومد کے ساتھ پیش کیا گیا۔ امام محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت سعودی عرب اور خلیج عرب کی تمام ریاستوں میں پھیل گئی۔ بحمد اللہ آج افکار ابن تیمیہؒ عقیدہ سلف خالص توحید و سنت کا فیضان دنیا بھر میں پھیل رہا ہے۔ امام محمد بن عبدالوہابؒ کے تجدیدی کارناموں کو آج دنیا خراج تحسین پیش کر رہی ہے۔ احیائے دین اور تمسک بالسنہ کی تحریک نے سعودی عوام پر اپنا ایک رنگ چڑھا رکھا ہے۔ امام محمدؒ بن عبدالوہابؒ کی دعوت' تحریک مشن اور مسلک وہی ہے جو اہل حدیث کی دعوت اور مشن ہے۔ یہی ہمارے اور ان کے درمیان قدر مشترک ہے۔

امام محمد بن عبدالوہابؒ ۱۲۰۶ ہجری میں فوت ہوئے۔ امام محمد بن عبدالوہاب کی بارہویں صدی کی تحریک احیائے دین نے عربوں میں پھر اسلام کو زندہ کیا ان کے ذہنوں میں خالص توحید کو پختہ کیا۔ حدیث و سنت پر عمل پیرا ہونے کا جذبہ

ابھارا۔ آج الحمد للہ ان کی کامیاب تحریک احیائے دین کے برگ و بار ہر جگہ مشاہدہ کیئے جا سکتے ہیں۔

امام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک نے عربوں کی ثقافت کو بھی زندہ کیا اور انہیں سچا' سچا اور پکا موحد مسلمان بنایا۔ جو توحید کا شیدائی اور سنت کا فدائی ہے۔

حسن اتفاق

حسن اتفاق سے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ ۱۱۱۵ھ میں پیدا ہوئے اور حجتہ اللہ فی الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ چار شوال ۱۱۱۴ھ میں پھلت ضلع مظفر نگر یو۔ پی میں دنیا میں تشریف لائے شاہ ولی اللہؒ وہ علمی شخصیت ہیں جنہوں نے ہندوستان میں ایک نئی علمی تحریک کی طرح ڈالی اور برصغیر میں اسلامی' دینی اور علمی انقلاب لانے کے لئے اپنی تمام تر مساعی کو میدان عمل میں جھونک دیا۔ برصغیر کے دینی حالات بھی عرب سے ملتے جلتے تھے یہاں بدعات منکرات عام تھیں سنت نہ صرف متروک ہو چکی تھی بلکہ سنت کی شدید مخالفت کی جا رہی تھی۔ شرکیہ رسوم عام تھیں۔ قبروں اور مزاروں کی پوری باقاعدگی سے پوجا کی جاتی تھی۔ صاحب قبور یعنی مرحوم اولیاء کرام سے استعانت اور استمداد عام تھیں مسجدیں بے آباد اور خانقاہیں بارونق تھیں۔ ہندووانہ رسمیں معاشرے میں گھر کر چکی تھیں۔ اسلامی معاشرے میں اس قدر بگاڑ پیدا ہو چکا تھا۔ جنہیں قلم بیان کرنے سے قاصر ہے۔ ایسے ظلمت کدہ ہند میں امام شاہ ولی اللہؒ دہلوی نے کتاب و سنت اور قرآن و حدیث کی شمع فروزاں کی۔ عام و خاص کے دروازوں پر اسلام کی دستک دی۔ قلم اور زبان سے لوگوں کو اسلام کی تلقین کی۔ بدعات اور شرکیہ رسوم سے منع کیا۔ ایسی صورت حال عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کو درپیش ہوئی دونوں بزرگ اپنے اپنے ماحول میں اسلامی انقلاب برپا کرنے میں شب و روز مصروف رہے۔ دونوں کی زندگی کا ایک ایک لمحہ تجدید احیائے ملت کے لئے وقف

رہا دونوں کی قلم و زبان کی صلاحیتیں اور توانائیاں دین کی سربلندی کے لئے وقف رہیں۔ دونوں نے عقیدہ سلف صالحین کی اشاعت کو زندگی بھر کا مشن ٹھہرایا۔ یہ بھی حسن اتفاق کہئے کہ محمد بن عبدالوہابؒ کو ترکوں کی سیاسی مصلحتوں نے' انگریزوں اور بدعتیوں نے شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان کی تحریک کو وہابی کا نام دیا یہ بھی حسن اتفاق ہے ان دونوں انقلابی اور تجدیدی تحریکوں کا منبع مسجد نبویؐ ایک ہی ہے۔ توحید کی دعوت' اسلام کا احیاء' سنت سے تمسک' عقیدہ سلف صالحین کی اشاعت' فکر محدثین کا فروغ' فقہ و حدیث میں تطبیق' اور افکار ابن تیمیہؒ کی اشاعت ان میں قدر مشترک ہے۔ یہ کہنا ولی اللہی دینی انقلاب کا ماخذ یا مرکز یا اصل محمد بن عبدالوہاب کا انقلاب ہے یہ بات صحیح نہیں اتفاقاً دونوں انقلابات کے بانی مسجد نبویؐ کے خوشہ چین ہیں۔ دونوں کا زمانہ ایک ہی ہے۔ یعنی دونوں انقلاب بارہویں صدی ہجری کے ہیں۔ دونوں کے حالات اور مسائل ملتے جلتے ہیں۔ دونوں کی دعوت اور دونوں کا فکر یکساں ہے۔ البتہ محمد بن عبدالوہابؒ کے پیروکاروں میں توحید کی تبلیغ سنت کی اتباع اور بدعات سے نفرت اور عقیدہ سلف یعنی افکار امام ابن تیمیہؒ پر عمل کرنے میں قدرے سختی پائی جاتی ہے۔ جو شاہ ولی اللہؒ کے پیروکاروں میں نہیں ہے تاہم بظاہر ان میں ہم آہنگی کے باوجود وہ ایک دوسرے سے نا آشنا تھے اور نہ ہی ان میں کوئی ربط و تعلق اور نامہ و پیام قائم تھا۔ مولانا مسعود عالم ندویؒ مرحوم نے اپنی مایہ ناز تصنیف "محمد بن عبدالوہاب" کے صفحہ ۱۸ پر کس قدر شاندار لکھا ہے۔

> "ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ یہ مخلص جماعتیں تھیں جو اللہ کے نام پر اٹھیں اور جہاں تک انسانی کوشش کا تعلق ہے اعلائے کلمۃ اللہ میں انہوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی آپ اس نظر سے ان کے کاموں کا جائزہ لیجئے سنی سنائی باتوں' جاہل مولویوں اور صوفیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر غلط

رائے قائم کرلینا طالب حق کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔"
(محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح ص ۱۸)

امام محمد بن عبدالوہاب کی تصنیفات اور ان کے اصول

امام محمد بن عبدالوہابؒ نے ۹۱ برس عمر پائی۔ آپ کی پیدائش ۱۱۱۵ھ میں ہوئی اور آپ کی وفات کی تاریخ ۱۲۰۶ھ ہے۔ گویا آپ نے پون صدی تجدید ملت' احیائے دین' تحفظ اسلام' اشاعت توحید' تمسک بالسنۃ' فروغ عقیدہ سلف' ترویج افکار شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ متوفی ۷۲۸ھ تردید بدعات' انسداد شرکیہ رسوم میں صرف کی۔ تعلیم و تدریس دعوت و ارشاد وعظ و تبلیغ اور تحریر و تقریر میں آپ نے کوئی کسرباقی نہیں رہنے دی چھوٹے موٹے رسائل اور فتاویٰ کے ساتھ ساتھ آپ کی دو کتابیں بڑی معرکتہ الآرا عالمی شہرت رکھنے والی اور کروڑوں انسانوں کی ہدایت کا باعث بننے والی ہیں "کتاب التوحید" اور مختصر "سیرت رسول صلعم" ان کتابوں کے مختلف زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ کتاب التوحید کی شرح در شرح لکھی گئی اور آج بھی کتاب التوحید کو عالمی طور پر ایک بہت بڑا مقام حاصل ہے۔ امام صاحب نے "کشف الشبہات" کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی اور "ثلاثتہ اصول" ان کی مشہور تصنیف ہے۔ اس میں امام صاحب نے دعوت دین کے تین اصول بیان کئے ہیں۔ شیخ صاحب کی دعوت ہمیشہ تین اصولوں پر مبنی ہوتی تھیں۔

پہلا یہ کہ بندے کا اپنے رب کو پہچاننا اور اس کی معرفت تامہ پیدا کرنا ضروری ہے۔

دوسرا یہ کہ مسلمان کا دین اسلام کی معرفت حاصل کرنا شرک اور مشرکین سے اظہار بیزاری' توحید کو عملی جامہ پہنانے میں شرح صدر سے قبول کرنا۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اور پہچان

حاصل کرنا اور ان کی دعوت کو یقین کامل سے قبول کرنا ان کو اگر پھیلایا جائے تو پوری تفصیلات سامنے آسکتی ہیں ہم نے ان کا ملخص آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔

شیخ صاحب کی دعوت کے نتائج و ثمرات

امام محمد بن عبدالوہابؒ نے جزیرہ نما عرب میں وہی دعوت پیش کی جو اہل حدیث کی دعوت ہے اسی مسلک اور موقف کا اعادہ کیا جس کو اہل حدیث پیش کرتے ہیں انہی تعلیمات کے فروغ کیلئے کوشاں رہے جسے صحابہؓ' تابعینؒ' تبع تابعینؒ اور محدثینؒ پیش کرتے رہے۔ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کے افکار کی اشاعت بھی ان کا نصب العین اور منشور تھا۔ شرک کی تردید' سنت سے تمسک' رسم و رواج کا انسداد' تقلید جامد کے خلاف بغاوت ان کا زندگی بھر کا مشن رہا۔ بحمد اللہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج سعودی عرب رسم و رواج کی لعنتوں' شرک کی نحوستوں' بدعات کی بدبختیوں اور فکر و نظر کی گمراہیوں سے محفوظ ہے۔ سعودی عرب واحد ملک ہے جہاں حدود اللہ کا نفاذ ہے' شریعت کی حکمرانی ہے' علماء کا وقار ملحوظ خاطر ہے۔ اسلام کے ظاہر و باطن کی پاسداری ہے' افکار ابن تیمیہؒ کو ہیئت حاکمہ حاصل ہے۔ سعودی عرب میں تین ہزار مساجد آباد ہیں حرمین شریفین کی عظمت اور خدمت سعودی حکومت کا امتیازی وصف ہے۔ ملک بھر کے تعلیمی نظام میں توحید و سنت اور شریعت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تقریباً سعودی عرب کی ایک کروڑ آبادی میں چھ عظیم الشان یونیورسٹیاں قائم ہیں۔ دینی علوم و معارف کا دور دورہ ہے۔ چار یونیوسٹیوں کا کنٹرول علماء کے ہاتھ میں ہے دو فنی یونیورسٹیاں اہل فن کے کنٹرول میں ہیں۔ قریباً ایک سو دس ملکوں کے ہزاروں طلباء سعودی یونیورسٹیوں سے استفادہ کر رہے ہیں۔ تعلیم' کتابیں اور علاج مفت ہے۔ دنیا بھر میں سعودی حکومت نے کتابوں اور تبلیغی وفود کا جال پھیلا رکھا ہے۔ دو سو سال سے آل شیخ کو علمی اور دینی

پیشوائی حاصل ہے توحید و سنت کا یہ انقلاب سعودی حدود سے نکل کر متحدہ عرب امارات' کویت' عراق' شام' اردن اور شمالی افریقہ کے عرب ممالک تک پھیل چکا ہے۔ اس دینی انقلاب کی صدائے بازگشت یمن اور صومالیہ میں پہنچ چکی ہے۔ براعظم افریقہ اور اس کی کالی دنیا سعودی عرب کی شیخ صاحب کی اس دینی دعوت اور دینی انقلاب سے خوب استفادہ کر رہی ہے۔ برصغیر پاک و ہند سری لنکا' مالدیپ' ملائشیا' انڈونیشیا' فلپائن جنوب ایشیاء کے دیگر ممالک افغانستان اور وسط ایشیاء کے چھ نو آزاد ملکوں ترکی' البانیہ اور بعض یورپین ملکوں تک ان کا فیضان پہنچ رہا ہے۔

اس وقت سماحتہ شیخ عبدالعزیز بن باز' فضیلتہ الشیخ صالح بن العثیمین' فضیلتہ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل رئیس شئون الحرمین الشریفین' فضیلتہ الشیخ عبدالعزیز مدینہ منورہ' فضیلتہ الشیخ عبدالعزیز آل شیخ حفظھم اللہ' خطیب میدان عرفات فی الحج اور دیگر بیسیوں اجلہ علماء کرام و محدثین عظام سعودی حکومت بلکہ عالم اسلام کی دینی اور علمی رہنمائی فرما رہے ہیں۔

دسواں باب

اولاد و احفاد

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے چار صاحبزادے تھے۔

۱۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ متوفی ۷ شوال ۱۲۳۹ھ

۲۔ شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۴۹ھ

۳۔ شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ ۱۲۲۷ھ

۴۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ ۱۲۴۲ھ

ایک بیٹی امتہ العزیز تھی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

شاہ عبدالعزیزؒ ۱۱۵۹ھ کو ایک دینی اور علمی خاندان میں پیدا ہوئے پانچ سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ پڑھ لیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ فارسی کے مختصر رسالے اور ابتدائی صرف و نحو بھی پڑھتے رہے۔ عمر کے گیارہویں سال باقاعدہ تعلیم کا آغاز کیا ان کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے ایک مرشد کے سپرد کر دیا جنہوں نے دو سال میں معقولات 'تاریخ اور جغرافیہ پڑھایا۔ پھر شاہ صاحب نے خود بنفس نفیس ان کی تعلیمی تدریسی ذمہ داریاں ادا کیں۔ پندرہ سال کی عمر میں شاہ عبدالعزیز نے جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ اور رسمیہ سے فراغت حاصل کر لی۔ اور تدریسی ذمہ داریاں سنبھال لیں ابھی عمر کے سترہویں سال میں تھے۔ کہ حجتہ اللہ فی الہند امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وفات پا گئے۔ چونکہ آپ اپنے تمام بھائیوں سے عمر میں بڑے علم میں ممتاز تھے اس لئے حضرت شاہ صاحب کی مسند تدریس و خلافت آپ کو تفویض کر دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے

ان کو بلا کا حافظہ دیا تھا۔ جو عبارتیں طلبا کو زبانی لکھاتے جب کتابوں سے ان کا موازنہ کیا جاتا تو زیر زبر کا فرق نہ ہوتا۔ آپ کے شاگرد مرزا حسن علی صغیر محدث لکھنوی نے لکھا کہ آپ کا حافظہ نسخہ لوح تقدیر کا تھا (تاریخ جزریہ ص ۹۴) آپ کے وعظ میں بلا کی تاثیر تھی۔ آپ جمعہ اور دو شنبہ کو پرانے مدرسہ کوچہ چیلاں میں بیان فرماتے تو تل دھرنے کو جگہ نہ ملتی اور حاضر جوابی میں آپ لاثانی تھے جو معترض بھی آتا منہ کی کھا کر واپس جاتا۔ شیعہ کے رد میں آپ کی شہرہ آفاق تصنیف "تحفہ اثنا عشریہ" فارسی و اردو نے شیعی رازہائے دروں طشت از بام کر دیئے۔ وہ اپنے موضوع پر لاجواب کتاب ہے۔ اسی طرح احوال قیامت ان کا بہترین رسالہ ہے۔ بستان المحدثین کے نام سے محدثین کے حالات پر فارسی میں ایک مختصر فاضلانہ کتاب ہے۔ عجالہ نافعہ' فارسی میں علم اصول حدیث پر ان کا بہترین علمی شاہکار ہے۔ فتح القدیر یا تفسیر عزیزی معارف قرآن پر ان کی قرآنی علوم و استحضار کا شاہکار ہے۔ موصوف فکر ولی اللہی کے ترجمان تھے اور شاہ ولی اللہ کی علمی تحریک فقہ الحدیث کے علمبردار تھے تقلید جامد اور تقلید شخصی میں حق منحصر نہیں سمجھتے تھے بلکہ آئمہ اربعہ میں سے جس کا اجتہاد اقرب الی الکتاب والسنہ ہوتا اس کے علمبردار ہوتے ہندوستان کے دارالحرب ہونے پر ان کا فتویٰ ان کے جذبہ جہاد کا عکاس ہے۔ راجہ رنجیت سنگھ نے پنجابی مسلمانوں پر جب مظالم ڈھانا شروع کئے' ان کی مساجد چھینئے' انھیں نماز اور اذان سے روکنے کی وجہ سے مسلمانوں کو جو ذہنی اور روحانی اذیت تھی اس کی خبریں جب تسلسل سے دہلی پہنچنا شروع ہوئیں تو شاہ عبدالعزیز نے اپنے پیرو مرشد امیرالمومنین سید احمد شہید اپنے بھتیجے شاہ محمد اسماعیل شہید اور بھانجے مولانا شاہ عبدالحی بڈھانوی کو تحریک جہاد کے لئے تیار کیا ان کی تفصیلات آگے آئیں گی۔ شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ میں شاہ رفیع الدین محدث دہلوی' ان کے نواسے شاہ محمد اسحٰق و شاہ محمد یعقوب' مفتی صدر الدین خاں دہلوی' شاہ غلام علی دہلوی' شاہ مخصوص اللہ' شاہ رفیع الدین' میر

محبوب علی دہلوی، مولوی سید عبدالخالق دہلوی، شاہ محمد اسماعیل شہید، شاہ عبدالحی بڈھانوی، مولوی فضل الحق خیر آبادی، مولانا حسن علی ہاشمی لکھنوی، مولانا حسین احمد ملیح آبادی، مولانا سلامت اللہ بدایونی، مولانا رؤف احمد مجددی، سید قطب الہدیٰ، شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی، بیہقی زمان قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولانا خرم علی بلہوری، شیخ فضل الحق کاکوروی، شاہ رحمان بخش چشتی، مولوی سید رمضان علی امروہی نامور بزرگ ہیں۔

شاہ عبدالعزیز کی تین بیٹیاں تھیں۔ ایک کا نکاح مولانا محمد عیسیٰ بن شاہ رفیع الدین محدث سے ہوا۔ دوسری بیٹی شیخ محمد افضل لاہوری سے بیاہی گئی ان کے بطن سے شاہ محمد اسحاق اور شاہ یعقوب پیدا ہوئے تیسری بیٹی مولانا شاہ عبدالحیٔ بڈھانوی کے حرم میں داخل ہوئی۔ ان سے مولانا عبدالقیوم بھوپالی پیدا ہوئے۔ جنہیں مولانا شاہ محمد اسحٰق سے معاصرت کی سعادت حاصل ہوئی۔

شاہ صاحب نے وفات سے پہلے تمام اعزہ و اقرباء کو بلا کر بڑی پر تاثیر وعظ کہی۔ جسے سن کر کوئی آنکھ ضبط نہ کر سکی پھر خدا کے دربار میں بڑی الحاح و زاری سے دعا مانگی۔ بعد میں اپنے عزیز و اقارب کو صحیح شرعی میراث تقسیم کر دی۔ اور سات شوال یک شنبہ ۱۲۳۹ھ کو وفات پائی اور مہندیوں کے قبرستان میں اپنے والد مرحوم کے پہلو میں دفن کر دیئے گئے۔

شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ

شاہ عبدالغنی محدث دہلوی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سب سے چھوٹے فرزند ہیں۔ موصوف نے اپنے علوم کی اکثر تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ خصوصاً فقہ و حدیث کا فیضان ان سے حاصل کیا۔ عمل بالحدیث میں آپ سب بھائیوں سے پیش پیش تھے۔ وضع قطع اور شکل و شباہت کے اعتبار سے آپ اپنے والد گرامی حضرت شاہ ولی اللہ سے بہت مشابہت رکھتے تھے نہایت خدا ترس،

ذاکر، عابد، شب زندہ دار انسان تھے۔ آپ بھی جب تک زندہ رہے درس و تدریس کا شغل جاری رکھا۔ آپ کے صاحبزادے شاہ اسماعیل شہید نے مسلسل جذبہ جہاد سے عالمی شہرت پائی۔ آپ کے شاگردوں میں مولانا محمد قاسم ناناتوی بھی تھے۔ امیرالمومنین سید احمد شہید سے آپ بھی بیعت تھے شاہ صاحب کے چاروں بیٹوں میں سب سے چھوٹے شاہ عبدالغنی تھے اور سب سے پہلے ۱۲۲۷ھ میں فوت ہوئے۔ (حیات ولی ص ۳۵ سوانح احمدی ص ۱۴۰)

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ

شاہ عبدالقادر نے تمام علوم اپنے والد ماجد سے پڑھے۔ علم ظاہری کے ساتھ ساتھ فیضان باطنی بھی ان سے حاصل ہوا عمر کا اکثر و بیشتر حصہ مسجد اکبر آبادی دہلی میں بسر کیا۔ تدریس قرآن و تدریس حدیث سے جو وقت بچتا خدا تعالیٰ کے ذکر میں گزارتے۔ آپ بھی حدیث و سنت پر عمل پیرا ہونے میں خاصے تیز تھے ان کا تصنیفی شاہکار قرآن پاک کا بامحاورہ اردو ترجمہ ہے۔ آج کوئی بھی مترجم ان کے ترجمہ قرآن پاک سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ شاہ عبدالقادر عابد، ذاکر، شب زندہ دار انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وجاہت کی عظمتوں سے بھی خوب نوازا تھا۔ وہ بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ کوئی آدمی ان کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ ۹ / رجب ۱۲۴۲ھ میں فوت ہوگئے ان کے تلامذہ میں مولوی فضل حق خیر آبادی۔ شاہ محمد اسحٰق اور مولانا امام الدین امروہی کے نام ملتے ہیں۔

شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ

شاہ رفیع الدین محدث دہلوی یہ شاہ عبدالعزیز سے چھوٹے تھے لیکن انہوں نے اپنے بہن بھائیوں میں سب سے زیادہ عمر پائی۔ یہ بھی اپنے بزرگوں کی طرح تعلیم و تدریس میں مشغول رہے قرآن کا تحت اللفظ اردو ترجمہ فرمایا۔ جو آج تک

علمی دنیا میں مسلم چلا آرہا ہے۔ آپ کے چار صاحب زادے مولوی محمد موسیٰ' مولوی محمد عیسیٰ' مولوی محمد مخصوص اللہ اور مولوی حسن جان ہیں۔ ترجمہ قرآن کے ساتھ ساتھ موضح القرآن۔ تفسیر قرآن بھی لکھی۔ رسالہ عروض وغیرہ کتابیں بھی لکھیں اور ایک کتاب تکمیل کے نام سے لکھی۔ عمل بالکتاب بالسنہ کے اعتبار سے آپ بہت بے لاگ تھے۔ رفع الیدین بڑے اہتمام سے کرتے آپ کے تلامذہ میں شاہ احمد سعید مجددی' شاہ محمد اسحٰق مہاجر مکی' مولانا محمد شکور مچھلی شہری اور سید محمد بخش مشہور ہیں۔ (ابجد العلوم تذکرۃ الکرام۔ تذکرہ کاملان رام پور) ان کی وفات ۱۲۴۹ھ میں ہوئی۔

سید الطائفہ سیدنا شاہ اسماعیل شہیدؒ

شاہ اسماعیل شہیدؒ شاہ عبدالغنی محدث دہلوی کے صاحبزادے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے اور شاہ عبدالرحیم کے پڑپوتے تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قرآن و حدیث کی جو تحریک شروع کی اور فقہ الحدیث کے نام سے حدیث فہمی کی جو طرح ڈالی۔ اس کا نقطہ آغاز شاہ ولی اللہ اور اس کا نقطہ انجام شاہ اسماعیل شہید سے مکمل ہوا۔ شاہ ولی اللہ سے لے کر شاہ رفیع الدین تک اور مرزا مظہر جان جاناں سے قاضی ثناء اللہ پانی پتی تک۔ حنفی فقہ کے احکام میں مستتر رہ کر خدمت حدیث' اشاعت حدیث' فیضان حدیث کا جو ایک اسلوب اختیار کیا گیا تھا شاہ اسماعیل شہید نے اس نقاب کو اتار دیا۔ بے حجابانہ اور بے باکانہ طور پر عمل بالحدیث کا پرچم سربلند کیا اور کاروان عمل بالحدیث کی حدی خوانی شروع کی۔ مذکورہ بالا بزرگوں نے فتنوں سے بچنے کے لئے جو ایک ظاہری نقاب تھا شاہ اسماعیل شہید کے جذبہ عمل بالحدیث نے اس کو لپیٹ کر کھلم کھلا عمل بالحدیث کا آغاز فرمایا جیسا کہ امام الھند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم لکھتے ہیں دعوت و اصلاح امت کے جو راز پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کر دیئے

گئے تھے۔ اب اس صاحب عزیمت' سلطان وقت کے عزم کی بدولت شاہ جہاں آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ہنگامہ مچ گیا۔ اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گذر کر نہیں معلوم کہاں کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑے بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی۔ وہ اب سر بازار کی جا رہی تھیں اور ہو رہی تھیں۔ اور خون شہادت کے چھینٹے حرف و حکایت کو نقوش و سواد بنا کر صفحہ عالم پر ثبت کر رہے تھے۔

آخر تو لائیں کوئی آفت فغاں سے ہم　　حجت تمام کرتے ہیں آج آسمان سے ہم

پھر کیا اس وقت ہندوستان علم و عمل سے خالی ہوگیا تھا؟ یا حق پر چلنے والے اور حق کا ورد رکھنے والے معدوم ہوگئے تھے' کون ہے جو ایسا کہہ سکتا ہے؟ خود اس خاندان عالی میں کیسے کیسے اکابر اور اساتذہ علم و عمل موجود تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز کے درس و تدریس کی بادشاہت سمرقند و بخارا اور شام تک پھیلی ہوئی تھی۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین علم و عمل کے آفتاب تھے۔ خاندان سے باہر اگر ان کے تربیت یافتوں کو دیکھا جائے تو کوئی گوشہ ایسا نہ تھا۔ جہاں ان کا فیضان علم کام نہ کر رہا ہو۔ بایں ہمہ یہ کیا معاملہ ہے وہ جو وقت کا ایک سب سے بڑا کام تھا اس کے لئے کسی کے قدموں کو جنبش نہ ہوئی۔ سب دوسرے کاموں میں رہ گئے۔ یا حجروں کے کام یا مدرسوں کا لیکن میدان وغا کا معاملہ کسی سے بھی نہ بن آیا۔ وہ گویا خاص پہناوا تھا جو صرف ایک ہی جسم کے لئے تھا اور ایک ہی پر چست آیا۔ دنیا کے لئے خلعت' عظمت اور قبولیت ہر دلعزیزی کاندھے پر ڈالی منتظر کھڑی تھی۔ زمانہ اپنے سارے سامانوں کے ساتھ کب سے اس کی راہ تک رہا تھا۔ امیدواروں پر امیدوار یکے بعد دیگرے گزرتے تھے مگر اس کا مستحق کوئی نہ نکلا۔

بازغم او عرض ہرکس کسے کہ نمودم　　عاجز شدو ایں قرعہ بنامم سر افتادہ

(تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد ص ۲۴۵ و ۲۴۶)

مولد و مسکن دہلی تاریخ ولادت ۱۲ / ربیع الاخر ۱۱۹۳ھ نام محمد اسماعیل۔
لقب شہید خاندان فاروقی۔ چھ برس کی عمر میں پڑھنا شروع کیا۔ دو برس میں قرآن حفظ کر لیا۔ گیارہ سال کی عمر تک صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھ لیں۔ جن کے بعد جملہ منقول و معقول اپنے محترم چچا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے پڑھے۔ ذکاوت' ذہانت اور حافظہ بلا کا پایا تھا۔ صدرا جیسی ادق کتاب کے ایک سو آٹھ صفحے سے کم نہ پڑھتے نہ کبھی مطالعہ کرتے اور نہ اسے کبھی دھراتے۔ اس طرح دوسرے علوم و فنون میں بھی ان کے واقعات یقیناً محیر العقول ہیں۔ منطق و فلسفہ کے زمانہ میں بچپنے کی دو کھیلیں تھیں جن میں وہ حصہ لیتے لیکن اسباق مطالعہ دہرائی اور تیاری کے بغیر زیادہ سے زیادہ پڑھ لیتے تھے۔ درس حدیث کے دور میں۔ تیر اندازی' بندوق کا نشانہ اور گھوڑے کی سواری کا مشغلہ شروع ہو گیا۔ ہم سبق شاہ عبدالعزیز سے ان کی شکایتیں کر بیٹھے ایک دن شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم کھیل کود میں زیادہ وقت صرف کرتے ہو اور مطالعہ نہیں کرتے۔ عرض کیا حضرت مجھ سے پڑھا ہوا کچھ دریافت فرماؤ گے شاہ صاحب نے ایک دو سوال کئے۔ انہوں نے اس عمدگی سے جواب دیا کہ مجمع طلباء دنگ رہ گیا۔ الغرض شاہ اسماعیل شہید مثالی حافظہ' مثالی ذہانت اور مثالی ذکاوت لے کر آئے تھے (حیات طیبہ)

نوٹ = سیدین شہیدین ہماری دوسری کتاب زیر تصنیف ہے اس کی تفصیلات اس میں آئیں گی چھ مئی ۱۸۳۱ء موافق ۲۴ ذیقعد ۱۲۴۶ھ کو ہزارہ کے غدار مسلمانوں کی مخبری سے جنرل شیر سنگھ نلوہ کی یلغار سے بے خبری کے عالم میں بالاکوٹ کی گل پوش وادی کی اترائی میں جام شہادت نوش کر گئے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

شاہ صاحب نے تقویۃ الایمان لکھ کر لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی ہدایت اور توحید اختیار کرنے کا سامان مہیا کر دیا۔ یک روزی جو مسئلہ امکان نذیر پر مولوی فضل حق خیر آبادی کے اعتراضات کا جواب ہے جسے شاہ صاحب نے ایک ہی روز

میں قلم بند کر کے معترض کی خدمت میں بھیج دیا۔ اسی مناسبت سے اس کا نام یک روزی رکھا۔ ۳ عبقات ۴ ۔ صراط مستقیم ۵ ۔ ایضاح الحق الصریح لاحکام المیت والضریح ۶ ۔ اصول فقہ (عربی) ۷ ۔ منصب امامت (فارسی) ۸ ۔ مثنوی مسلک نور ۹ ۔ تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین۔ ان کی یہ تصنیفات ہیں جو اب بھی گم گشتہ راہ انسانوں کے لئے روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے ایک ہی صاحبزادے تھے۔ مولانا محمد عمر صاحب ان کی تفصیل آگے آئے گی۔ آج برصغیر میں اشاعت توحید و سنت کے جتنے سلاسل بھی نظر آتے ہیں یہ سب پود ان کی لگائی ہوئی ہے۔

شاہ محمد مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ

شاہ محمد مخصوص اللہ شاہ ولی اللہ کے پوتے اور شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے صاحبزادے تھے۔ نہایت بزرگ' زاہد' عابد' شب زندہ دار' تعلیم و تدریس کے سوا انہوں نے کوئی مشغلہ اختیار نہیں کیا تھا۔ مسجد واقع قاضی والہ میں ان کی بزم علم و ہدایت آراستہ تھی۔ آمین بالجہر اور رفع الیدین کے عامل تھے۔ سرسید احمد خاں مرحوم بھی ان کے تلامذہ میں شامل تھے اسی وجہ سے سرسید احمد خان آخر تک ان سنتوں کے عامل رہے۔ حیات ولی کے مصنف نے بایں انداز شاہ محمد مخصوص اللہ کا ترجمہ قلم بند کیا ہے۔ تمام علوم کی تحصیل اپنے عم بزرگ جناب مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ' کی خدمت میں کی۔ اور چند ہی دنوں میں اپنے ہم عصروں سے گویا سبقت لے گئے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک زمانہ تک تدریس میں مصروف رہے اور اوقات گرامی علوم دینی کی ترویج میں خرچ کرتے رہے چونکہ ۲۰' ۲۵ سال تک برابر مولانا صاحب کی خدمت میں قراءت کلام الٰہی' اور حدیث رسالت پناہی کرتے رہے۔ اور آپ کی تقاریر گوش ہوش کا ذخیرہ فرماتی رہیں۔ آپ نے حدیث و تفسیر میں وہ کمال باہم پہنچایا تھا ان دونوں فنون کے جو

بیش قیمت اور انمول اجزاء آپ کے صدری خزانہ میں تھے وہ کہیں اور نہ پائے جاتے تھے۔ علاوہ حدیث و تفسیر کے دوسرے علوم پر بھی ان کو عبور و استحضار تھا (حیات ولی ص ۳۴۹)

امیر المومنین سید احمد بریلوی سے بیعت تھے آخری عمر میں ان کا دماغی توازن قائم نہیں رہا تھا۔ آپ کے تلامذہ میں مولوی عبداللہ برادر شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔ ۱۸۵۷ء ۱۲۷۳ھ میں آپ انتقال فرما گئے۔

شاہ محمد اسحٰق مہاجر مکیؒ

آپ کے والد کا نام محمد افضل فاروقی سن ولادت ۱۱۹۲ھ کنیت سلمان حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے تھے نانا کی رحلت کے بعد مرحوم کی مسند علم و خلافت کے مالک ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں سے شاہ عبدالعزیزؒ شاہ عبدالقادرؒ ' شاہ رفیع الدینؒ نمایاں ہیں۔ آپ نے معقولات و منقولات ان سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ ۱۲۴۰ھ میں پہلی مرتبہ حج کے لئے گئے۔ شیخ عمر بن عبدالعزیز مکی متوفی ۱۲۴۷ھ سے سند و اجازہ حدیث حاصل ہوا شیخ عمر ممدوح سے مذاکرات ہوئے تو آپ نے شاہ صاحب کے متعلق فرمایا۔ وقد حلت فیہ برکتہ جدہ الشیخ عبدالعزیز دہلوی ان کے اندر ان کے بزرگ نانا شیخ عبدالعزیز کی برکت حلول ہوگئی ہے۔ اور آپ کے بارے میں شاہ عبدالعزیز مرحوم فرمایا کرتے تھے میری تقریر شاہ اسماعیل شہید۔ تحریر رشید الدین اور تقویٰ اسحٰق نے لے لیا۔ یہاں تک کہ ممدوح نے اپنی زندگی میں اپنا پیش امام آپ کو مقرر کر رکھا تھا۔ اتباع سنت کے شوق و ترویج میں عمامہ کے بغیر ٹوپی رکھ کر نماز پڑھا دیتے بعض غالی حضرات نے حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں شکایت کی ایک روز آپ نے جلال میں آکر فرمایا ابھی تو اسحٰق ٹوپی رکھ کر امامت کرواتا ہے آئندہ میں اسے کہہ دوں گا کہ

ننگے سر نماز پڑھائے اور ساری دنیا کو اس کی اقتداء کرنا ہوگی۔ (الحیات لعد الممات ص ۳۸)

شاہ عبدالعزیز اپنے بھتیجے شاہ اسماعیل شہید اور نواسے شاہ محمد اسحٰق کو دیکھ کر یہ پڑھا کرتے تھے۔ الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل واسحق۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلوی اپنے نانا کی زندگی میں ہی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہو گئے تھے اور نانا کی موجودگی میں برسوں پڑھاتے رہے۔ بعد میں تو خود زینت مسند بن گئے۔ اور اسی تدریس کی وجہ سے صدر الحمید کے لقب سے مشہور ہوگئے۔ جیسا کہ مسوی کے حاشیہ میں لکھا گیا ہے۔ ہجرت حرمین شریفین کے بعد مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں قیام ہوا تو وہاں بھی مشغلہ تدریس جاری رکھا اور ہزاروں علم کے پیاسے اس چشمہ صافی سے سیراب ہوئے سرسید احمد خاں مرحوم فرمایا کرتے تھے میں شاہ اسحٰق کے وعظ میں حاضر ہوتا۔ باہر مردوں کا ہجوم ہے۔ زنانہ میں عورتیں جمع ہوتیں ڈولیوں کا شمار نہ پالکیوں کی گنتی محلات شاہی کی بیگمات حاضر ہوتیں امراء کے ہاں مکلف کھانوں کی دیگیں کہاروں کے کندھوں پر لدی چلی آرہی ہیں۔ صاحب زادی حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں حضرت جی کھانے آگئے۔ فرماتے تقسیم کر دو۔ زنانہ حلقہ وعظ میں سے عورتیں اپنے اپنے برتن پیش کرتیں سب سے پہلے طلباء کیلئے کھانا بھیجا جاتا۔ پھر عورتوں کو بٹتا اس پر بھی بچ رہتا تو صاحب زادی عرض کرتیں حضرت جی کچھ کھانا بچ گیا ہے۔ فرماتے بیٹی ہمارے لئے نہیں بچا ہے اسے رہنے دو شاہ صاحب خود معمولی چپاتی یخنی کا شوربہ گاڑھے کے دستر خوان پر رکھ کر تناول فرماتے۔ میں نے ان کا سا کھانا کسی کو کھاتے نہ دیکھا۔ گرد و نواح کی محتاج عورتیں آجاتیں اور بے فکری سے دولت کدہ پر ہفتہ وار آتیں۔ گویا باوا کے گھر آگئی ہیں جب خود ہی جی چاہتا تو رخصت ہو جاتیں محتاج عورتوں کی اسی طرح کی مہمان نوازی مکہ مکرمہ میں بھی رہی آئی۔"

(تراجم علمائے حدیث ہند ص ۱۲۰)

۱۲۵۸ھ میں آپ اپنے ہمراہ برادر خورد شاہ محمد یعقوب دہلوی کو لے کر بیت الحرام کے قصد سے ہجرت کی۔ پہلی منزل نظام الدین اولیاء تھی جہاں تین روز قیام فرمایا شہر کے اکثر علماء رؤسا باریاب ہوئے۔ ترک قصد کے لئے درخواستیں کیں۔ ریزیڈنٹ تک فسخ عزم کیلئے حاضر ہوئے مگر شاہ صاحب نے التواء نہ فرمایا۔ یہیں مفتی صدر الدین اور حضرت میاں صاحب کو سند حدیث مرحمت فرمائی۔ مکہ معظمہ میں ۱۲۶۲ھ میں وفات پائی غسل جنازہ شیخ عبداللہ سراج کلی متوفی ۱۲۶۴ھ نے فرمایا۔ واللہ لو انہ عاش و قرات علیہ الحدیث طول عمری ثلث کما نالہ۔ ان کی تصانیف میں مسائل اربعین مائتہ مسائل تذکرۃ الصیام مشہور ہیں۔ تلامذہ کی تعداد بے شمار۔ چند چیدہ چیدہ نام درج ہیں۔ شاہ محمد یعقوب آپ کے حقیقی بھائی شاہ محمد عمر بن شاہ اسماعیل شہیدؒ۔ مولوی کرامت علیؒ اسرائیلی۔ شیخ محمد انصاریؒ سہارنپوری۔ سید عبدالخالقؒ دہلوی۔ مولوی صبغتہ اللہؒ شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدثؒ دہلوی۔ شیخ محمد تھانویؒ شاہ عبدالغنی مجددیؒ۔ مولوی علی احمد ٹونکی۔ نواب قطب الدین خان۔ مولوی عالم علی مراد آبادیؒ۔ شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی۔ مولوی محمد حازمیؒ۔ حافظ محمد جون پوریؒ۔ مولوی سبحان بخش شکار پوریؒ۔ مولوی عبداللہ سندھی۔ مولوی گل قابلیؒ۔ مولوی نور علیؒ مولوی محمد فاضلؒ سورتی' مولوی بہاء الدین دکنیؒ' قاری حافظ کرم اللہؒ' دہلوی۔ مولوی نور الحسن کاندھلویؒ' مولوی نصیر الدینؒ' سرسید احمد خاں مرحوم' مولوی عبدالقیومؒ بھوپالی۔ حافظ احمد علی سہارنپوریؒ' محشی الجامع صحیح للبخاری۔ وغیرہ۔ آپ کی دو صاحب زادیاں تھیں ایک مولوی عبدالقیوم بھوپالی کی زینت بنی۔ دوسری حضرت محتشم بن معظم بن مقرب بن شاہ اہل اللہ برادر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے حرم میں داخل ہوئی۔ ان کے پیٹ سے صرف مولوی عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ اس کے بعد سلسلہ خاندان ختم ہوا۔

(تراجم علماء حدیث ہند ۱۲۸ و ۱۲۹)

شاہ محمد یعقوب مہاجر مکیؒ

شاہ محمد یعقوب مہاجر مکی شاہ محمد اسحق دہلوی مہاجر کے چھوٹے بھائی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے تھے۔ علم و فضل، تحقیق و دانش میں ان کا کوئی نظیر نہ تھا۔ خلق جمیل، صفات جزیل، قناعت اور استغنی میں آپ کی کوئی مثال نہ تھی۔ اکثر لوگ آپ کے پاس تحفے تحائف اور ہدایہ لے کر آتے بلکہ آپ کسی چیز کو نگاہ قبول سے نہ دیکھتے اپنے پاس جو پیسے نقدی ہوتے اس سے ہی گزر اوقات کے عادی تھے ہندوستان سے مہاجر ہو کر مکہ پہنچے تو آپ کے یہ اوصاف حمیدہ اور صفات جلیلہ بدستور قائم رہیں۔ اسی قناعت و استغنی میں آپ نے ۲۷ ذیقعد ۱۲۸۳ھ - ۳ اپریل ۱۸۶۷ء میں وفات پائی (الحیات بعد المات)

آپ امیر المومنین سید احمد شہید کی بیعت سے بھی مشرف تھے۔ قیام دہلی کے زمانہ میں بھی درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ قیام مکہ مکرمہ میں بھی اپنے برادر بزرگ صدر الحمید شاہ محمد اسحق کے دوش بدوش یہ مشغلہ جاری رہا۔ دہلی کے زمانہ میں حکیم عبدالمجید خاں رام پوری اور مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران نواب سید صدیق حسن خاں والی بھوپال نے آپ سے سند و اجازہ حدیث حاصل کیا۔ آپ کے یہاں کوئی اولاد نہ تھی (تذکرہ کاملاں رامپور۔ ماثر صدیقی)

مولانا عبدالقیومؒ

مولانا عبدالقیوم بن مولانا شاہ عبدالحیؒ بڈھانوی آپ بھی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نواسے تھے۔ تکمیل علم کے بعد آپ حج کے لئے بیت اللہ تشریف لے گئے۔ نواب سکندر جہاں بیگم والیہ بھوپال حج کے لئے حاضر ہوئیں۔ وہ آپ کا تقویٰ اور زہد و ورع دیکھ کر بہت متاثر ہوئیں۔ آپ کو ہندوستان اور بھوپال آنے کی دعوت دی۔ آپ بھوپال تشریف لے آئے آپ کو بڑی قدر و

منزلت سے رکھا گیا۔ ایک مرتبہ نواب سکندر جہاں بیگم والیہ بھوپال نے آپ کے گھر آنا چاہا اور آپ کی اہلیہ سے ملاقات کی درخواست کی۔ مولانا عبدالقیوم کی اہلیہ نے ملاقات سے انکار فرما دیا۔ اس شرط پر ملاقات مانی کہ چونکہ والیہ بھوپال پردہ نہیں کرتیں میں ان سے برقعہ پہن کر ملوں گی۔ نواب صدیق حسن خاںؒ علماء کے بڑے قدر دان تھے۔ اور آپ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے نہایت حسن اخلاق سے پیش آتے۔ مولانا عبدالقیوم بڑے خوش خوراک تھے نواب صدیق حسن خاںؒ مرحوم جب کھانا کیلئے تشریف لاتے تو مولانا عبدالقیوم کے گھر میں وہ پہلے ہی موجود ہوتے۔ مولانا عبدالقیومؒ جب کبھی دہلی تشریف لے جاتے تو حضرت میاں سید نذیر حسین مرحومؒ خود ملنے کے لئے حاضر ہوتے اور مودب ہو کر بیٹھتے بات بات پر اظہار انکسار فرماتے۔ مولانا عبدالقیومؒ فرماتے صاحب میں تو آپ کا بچہ ہوں عمر میں چھوٹا ہوں ایسا نہ کیا کریں۔ تو میاں صاحب فرماتے حضرت آپ میرے استاد شاہ محمد اسحٰق کے عزیز ہیں میں کیوں نہ آپ کی عزت کروں۔ آپ بھوپال ہی میں ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۲ میں فوت ہوئے۔

مولانا شاہ محمد عمرؒ بن مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ

حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی فرماتے ہیں کہ مولوی محمد عمر بن شاہ اسماعیل شہید۔ عابد و زاہد آدمی تھے۔ نماز نہایت خشوع و خضوع سے ادا کرتے رکوع سجدہ میں اتنا مکث طویل کرتے کہ آدمی **سبحان ربی العظیم' سبحان ربی الاعلی** ۲۷' ۲۸ بار پڑھ لیتا۔ بادشاہ دہلی نے اکثر ان سے ملاقات کی تمنا کی۔ اور اراکین دولت کو پیغام ملاقات دے کر ان کے پاس بھیجا آپ نے جواب میں یہی کہا کہ جس باپ کی نسبت سے بادشاہ میری ملاقات چاہتے ہیں ان کی بزرگی مجھ میں نہیں ہے اور اسی عذر پر کبھی ملاقات نہیں کی۔ (الحیات بعد الممات ص ۱۱۴ تا ۱۱۵)

آپ کے اساتذہ میں سے صرف حضرت شاہ محمد اسحٰق کا اسم گرامی معلوم ہو سکا ہے آپ پر ہی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی صلبی اولاد کا خاتمہ ہوگیا۔ آپ کی تاریخ وفات کا بھی علم نہیں ہو سکا۔

شاہ عبدالحیؒ شہید بڈھانویؒ

موضع بڈھانہ ضلع مظفر نگر (اتر پردیش) آپ کا مولد و منشا ہے۔ آپ کے والد محترم کا نام ھبیت اللہ ولد نور اللہ صدیقی ہے بعض حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کی پھوپھی شاہ عبدالعزیز مرحومؒ کے حرم میں تھی۔ سن رشد کو پہنچتے ہی بغرض تعلیم دہلی آگئے۔ اور ولی اللہی خاندان کے بزرگوں سے تعلیم کی منزلیں طے کرنا شروع کیں۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے علوم فقہ و حدیث کی تکمیل کی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے انہیں اپنی خلافت بھی عطا فرمائی۔ شاہ اسماعیل شہید مادر گیتی بند کے بے مثال نہایت موثر اور کامیاب خطیب تھے جو آدمی ان کی تقریر سنتا وہ ان کا والہ و شیداء ہو جاتا۔ شاہ اسماعیل شہید ایک موقعہ پر نکاح و بیوگان کی ترغیب فرما رہے تھے۔ کسی نے اعتراض کیا کہ آپ کی ہمشیرہ یعنی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی بیٹی گھر میں بیوہ بیٹھی ہے اور دوسروں کو آپ وعظ کر رہے ہیں۔ شاہ اسماعیل اسی وقت حمائل شریف جیب میں ڈال کر مکان پر پہنچے شاہ عبدالعزیز مرحوم سے سارا ماجرا بیان کیا۔ شاہ صاحب نے اسی وقت اپنی بیوہ صاجزادی کا نکاح شاہ عبدالحیؒ بڈھانوی سے پڑھا دیا ان کے بطن سے مولانا عبدالقیوم بھوپالی تولد ہوئے۔ شاہ عبدالحیؒ بڈھانوی نے سفر حجاز میں قاضی شوکانیؒ امام محمد بن علی کی شہرت سنی ادھر امام شوکانی نے بھی آپ کے علم و فضل کی شہرت سن کر اپنی تصنیفات مع اسناد و اجازہ حدیث از خود پیش کیں۔ شاہ اسماعیل شہید سے آپ کی محبت و یک رنگی اس قسم کی تھی کہ دونوں ساتھ ساتھ پڑھتے۔ دونوں ایک ہی امام کی بیعت سے مشرف

ہوئے دونوں کا مقصد حیات تجدید دین اور اعلائے کلمتہ اللہ تھا۔ آپ امیر المومنین سید احمد شہید کے شیدائی تھے ان سے بیعت کا ماجرا یوں ہے کہ جب امیرالمومنین سید احمد شہید دہلی تشریف لائے تو آپ ان کو دریائے جمنا کی طرف لے گئے۔ اور اپنے اقتداء میں دو رکعت نماز نفل پڑھا دی۔ جس کے کیف سے متاثر ہو کر شاہ عبدالحیٔ کسی اور جگہ کے نہ رہے۔ امام جب حج بیت اللہ کیلئے گئے تو آپ بھی ہمراہ تھے تبلیغ کے لئے سیاحت فرمائی تو آپ ساتھ تھے۔ جہاد کے لئے نفیر عام ہوا تو امام کے گھوڑے کی ایک رکاب پر سیدنا شاہ اسماعیل کا ہاتھ تھا تو دوسری رکاب سیدنا شاہ عبدالحیٔ پکڑتے تھے۔ امام آگے بڑھ گئے اور آپ کو بقیہ مجاہدین کی قیادت کے لئے پیچھے چھوڑا۔ لیکن دوسری جنگ کوٹ بہرام علاقہ سوات بونیر آپ امام صاحب سے جا ملے اور کفار سے مقابلہ کیا۔ اسی اثناء میں بواسیر کا مرض لاحق ہوگیا۔ آخر کار میدان جنگ میں سوات بونیر کے علاقہ میں ۸ شعبان ۱۲۴۳ھ میں جام شہادت نوش کیا۔ (تواریخ عجیبہ ص ۱۰۵)

مولانا جعفر تھانیسری لکھتے ہیں کہ آپ سید احمد کے اولیٰ و افضل خلفاء میں سے تھے۔ آپ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے داماد تھے۔ (تواریخ عجیبہ ص ۱۴۰) شیریں سخن' ذکی الفہم تھے کہ صاحب "الیانع الجنی" محسن بن یحییٰ ترہتی بہاری فرماتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے خلفاء میں آپ فقہ و کتب درسیہ میں بہت ماہر تھے۔ میں نے ان کا رسالہ نکاح بیوگان کے مسئلہ پر پڑھا ہے (خلاصہ السید الامام احمد بن عرفان مطبوعہ مصر) تصانیف میں رسالہ مذکور کے سوا کتاب صراط مستقیم (فارسی) مصنفہ حضرت شہیدؒ کے دو باب سلوک میں آپ کے قلم سے ہیں اس کتاب کو عربی لباس بھی آپ نے پہنایا۔ شیخ رشید الدین کشمیری دہلوی متوفی ۱۲۴۹ھ سے آپ کا تحریری مناظرہ ہوا اس کی روداد بھی آپ نے مرتب فرما کر کتابی شکل میں منضبط کر دی۔ مولانا شاہ عبدالحیٔ اللہ کی نشانیوں میں سے تھے۔ تقویٰ' عمل' وعظ' صبر' لباس' غذا کی سادگی' تنفر بدعت و مراسم میں

بے مثال تھے' نور ایمان ان پر چھایا ہوا تھا۔ بشرے سے صلاحیت عیاں تھی اپنی تعریف سے کبیدہ خاطر ہو جاتے اور نصیحت سے خوش۔ الغرض وہ اتنے جامع صفات تھے کہ قلم جن کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔

(خلاصہ السید الامام احمد بن عرفان ص ۳۰ مطبوعہ مصر)

یورپ میں علمی انقلاب

چھٹی صدی ہجری اور تیرہویں عیسوی میں جب شام میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلیبی جنگیں شروع ہوئیں اور یورپ کے مسیحیوں کا مسلمانوں سے میل جول شروع ہوا تو ان کی آنکھیں کھل گئیں یورپ کے عیسائی مسلمانوں کی علمی ترقی سے بہت متاثر ہوئے۔ ان لوگوں نے اسپین (اندلس) کے قرطبہ کے مدرسہ میں جا کر علامہ ابن رشد اور ان کے شاگردوں سے فلسفہ اور سائنس کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی اور یورپ میں جا کر فلسفہ اور سائنس کو قوم کے سامنے پیش کیا ایک سو سال تک عیسائی پادریوں نے ان کی شدید مخالفت کی اور مختلف ممالک میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ انسانوں کو صرف اسی جرم کی پاداش میں قتل کر دیا گیا کہ یہ فلسفہ اور سائنس کے قائل ہیں۔ بالاخر شاہ جرمنی نے خود ان علوم کو حاصل کیا پھر پورے ملک میں ان علوم کے مدرسے قائم کئے جرمنوں کی دیکھا دیکھی دوسرے ملکوں نے بھی ان علوم کے مدرسے قائم کئے۔ یورپ کے مختلف ممالک میں ایک سو سال تک یہ علوم عربی زبان میں پڑھائے جاتے رہے اس کے بعد مغرب نے علمی ترقی کر کے ان علوم کو اپنی زبان میں ڈھال لیا جوں ہی علم کی روشنی پھیلی۔ پادریوں کی مذہبی اجارہ داری کے خلاف اصلاح مذہب کی تحریکیں شروع ہوئیں۔ پندرہویں صدی عیسوی بمطابق نویں صدی ہجری میں مغربی ممالک میں علوم و فنون کی نشاۃ ثانیہ شروع ہوئی۔ اس کے نتیجہ میں ان کا مذہبی جمود ٹوٹا۔ مسیحی پادریوں کی اجارہ داری ختم ہوگئی۔ مسیحی مذہب میں

اصطلاحات کا نفاذ ہوا۔ حریت فکر کو جلا ملی' ذہنی ارتقاء کو تحفظ ملا' ظاہر بات ہے کہ یورپ کی ان اصلاحی تحریکوں سے مسلمان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ نویں صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند میں اسی دینی و اصلاحی تحریک کا آغاز جنوبی ہند سے ہوا۔ سب سے پہلے محدث علی متقیؒ نے احادیث کی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے بیٹے عبدالوہاب متقیؒ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ اور حدیث کی کتاب "کنز العمال" تصنیف کی جسے حدیث کا انسائیکلو پیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ ان کے شاگرد محدث احمد بن طاہر پٹنی نے مجمع البحار لکھ کر حدیث و سنت کو مزید فروغ دیا۔ ان کے شاگرد شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے دہلی میں حدیث کی تعلیم شروع کی۔ اور لمعات کے نام سے مشکوٰۃ کی عربی میں شرح تصنیف کی پھر عام علماء کیلئے مشکوٰۃ کا مختصر ترجمہ و تشریح فارسی زبان میں اشعۃ اللمعات کے نام سے لکھی۔ اسی دور میں شیخ احمد سرہندی فاروقی مجدد الف ثانی نے تجدید احیائے دین کی تحریک چلا کر غلط مسائل کا رد فرمایا اور قرآن و حدیث کی طرف علماء کی توجہ مبذول فرمائی جس کا زبردست اثر ہوا۔ پندرہوں صدی عیسوی تا سترہویں صدی عیسوی۔ نویں صد ہجری تا گیارہویں صدی ہجری کے دور میں یورپ اور مسلمان ممالک میں اصلاحی تحریکات اپنے عروج کو پہنچیں چنانچہ برصغیر میں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے سترہویں صدی عیسوی بمطابق گیارہویں صدی ہجری کے اواخر میں حضرت شاہ ولی اللہ نے قرآن و حدیث کی اس قدر زبردست خدمت فرمائی کہ آج تک برصغیر پاک و ہند میں جہاں کہیں بھی قرآن و حدیث کی روشنی نظر آتی ہے وہ شاہ ولی اللہ کی تحریک کا نتیجہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے قرآن و حدیث کو پورے نظام حیات کی حیثیت سے پیش فرمایا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی نگاہ دور رس

اپنے خاندانی مدرسہ میں حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے اپنے والد گرامی کے

جاری کردہ مدرسہ رحیمیہ کی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہو کر احیائے سنت' اشاعت توحید اور جدید علمی تحریک فقہ الحدیث کے مطابق تدریس شروع کی۔ آپ کا انداز تدریس یہ تھا کہ فارغ التحصیل علماء کرام کو ایک سال قرآن' علوم قرآن اور اس کے متعلقات پڑھاتے تھے۔ دوسرے سال حدیث' علوم حدیث' معارف حدیث اور اس کے متعلقات پڑھا کر سند دیا کرتے تھے۔ کتاب و سنت کو ایک زندہ جاوداں نظام حیات کی حیثیت سے پیش کرتے تھے۔ کیونکہ شاہ صاحب کی چشم بصیرت نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ بہت جلد یورپ جدید علوم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے والا ہے اور جدید اسلحہ کے انبار سے مسلمانوں کو زیر کرنے بلکہ غلام بنانے والا ہے اس کے انسداد کے لئے شاہ صاحبؒ نے مسلمانوں کے عقائد و اعمال کی اصلاح' دین و ملت کی تجدید اور تحریک اعتصام بالکتاب والسنہ شروع کی اور مسلمانوں کو باطل سے جہاد کے لئے آمادہ کرنا شروع کیا۔

بیٹوں میں تقسیم کار

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مرحوم ۱۷۷۱ء ۱۱۷۴ھ میں وفات پا گئے۔ وفات سے قبل اپنے چاروں بیٹوں میں اپنے مشن کی تکمیل کے لئے اور تجدیدی کارناموں کو منطقی انجام تک پہنچانے کے لئے تقسیم کار کیا۔ سب سے چھوٹے بیٹے شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۲۷ھ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے والد گرامی تھے۔ ان کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ تدریسا" قرآن و حدیث کو صرف و نحو کی روشنی میں علماء کو پڑھائیں اور ان کی دینی تربیت فرمائیں اور ان سے بڑے شاہ رفیع الدینؒ متوفی ۱۲۴۹ھ جو سب سے بعد میں فوت ہوئے وہ چوٹی کے عالم اور ممتاز محدث تھے ان سے کہا کہ میرا فارسی کا ترجمہ قرآن دیکھ کر اردو میں قرآن کا لفظی ترجمہ مکمل کریں تاکہ برصغیر کے عام لوگ ان سے استفادہ کر سکیں قرآن

کی روح کو سمجھ سکیں اور قرآن کی تعلیمات ان کے قلب و روح میں اتر سکیں۔ ان سے بڑے بیٹے شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ متوفی ۱۲۴۲ھ ان کے ذمہ یہ کام لگایا گیا کہ پوری توجہ' محنت اور یکسوئی سے قرآن پاک کا بامحاورہ اردو میں ترجمہ کریں اور ایسی ٹکسالی اردو استعمال کریں کہ کبھی اہل علم' اہل ذوق اور اہل دانش اس سے مستغنی نہ ہو سکیں۔ شاہ عبدالقادر محدثؒ نے چالیس سال میں بامحاورہ ایسا اردو ترجمہ لکھا کہ آج تک جتنے بھی اردو میں ترجمے ہوئے ہیں وہ سب شاہ عبدالقادرؒ کے خوشہ چیں ہیں۔ کوئی بڑے سے بڑا عالم' فاضل' ادیب شاہ عبدالقادرؒ کے ترجمہ سے بے نیاز نہیں ہو سکا۔ سب سے بڑے بیٹے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ متوفی ۷ شوال ۱۲۳۹ھ تھے یہ بھی بہت بڑے جید عالم اور محدث تھے فکر ولی اللهی کے ترجمان تھے۔ اور شاہ صاحبؒ کی تجدیدی تحریک کے جانشین اور وارث تھے۔ ان کے ذمہ یہ ڈیوٹی لگائی گئی کہ قرآن پاک کی فارسی میں تفسیر لکھیں۔ علماء سوء مخالف ہوگئے کسی ناکردہ گناہ کے جرم میں ان بھائیوں کو جلا وطن کر دیا گیا۔ ان کی تفسیر کا مسودہ ضبط کر لیا گیا۔ جب جلاوطنی سے رہائی ملی تو شاہ عبدالعزیز کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ اور تفسیر کا مسودہ آپ کی وفات کے بعد واپس کیا گیا۔ اس کے اکثر حصے ضائع ہو چکے تھے۔ صرف ابتدائی اڑھائی پاروں اور آخری دو پاروں کی تفسیر مکمل تھی۔ چنانچہ آپ کے جانشینوں نے تفسیر کے یہی حصے تفسیر فتح العزیز یا تفسیر عزیزی کے نام سے شائع کر دیئے جو آج پورے قرآن کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو رہے ہیں یہ تھے ان کے علمی کارہائے نمایاں اور تجدیدی کارنامے۔

گیارہواں باب

ہندوستان کے تحفظ و بقاء کے لئے تحریک جہاد کا آغاز

سب سے پہلے برصغیر میں امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے محسوس کیا کہ مغلیہ خاندان میں طوائف الملوکی شروع ہو چکی ہے' انتشار اور خلفشار اپنی آخری سرحدوں کو عبور کر رہا ہے۔ صوبیدار اس طرح ماتحت صوبیدار اپنے اپنے صوبے میں بغاوت کر کے اپنی الگ الگ ریاستیں قائم کرنے میں مصروف ہیں۔ مرہٹوں نے بغاوت کر کے لوٹ مار شروع کر دی۔ راستے پر خطر بنا دیئے گئے ملک کا امن و امان تہہ و بالا کر کے رکھ دیا گیا۔ پنجاب کے سکھ بھی انگڑائی لے رہے تھے۔ غازی سلطان اورنگ زیب محی الدین عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ بادشاہوں کی حیثیت ایک کٹھ پتلی کی سی ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کی حرم سرائیں ہی ان کے سیاسی فیصلے کرتی تھیں۔ بدمعاشی اور عیاری انتہاء کو پہنچ گئی۔ عیاش انسان کبھی بہادر نہیں ہوتے۔ تیموری خاندان نے اپنے دست و بازو سے ہندوستان جیسی وسیع اور عظیم سلطنت کا حکمران بنا تھا۔ لیکن اب طاؤس و رباب و شاہد و شباب نے ان کا ستیا ناس کر کے رکھ دیا۔ انتہاء یہ ہے کہ غلام قادر رحیلہ تیموری خاندان کے حرم سراؤں کو بے حجابانہ ناچ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ کسی بھی حرم میں حمیت دینی' احساس عزت پیدا نہ ہو۔ غلام قادر رحیلہ تلوار اور خنجر رکھ کر ایک چارپائی پر لیٹ گیا اور "تکلفا" خراٹے لینا شروع کر دیئے تاکہ کوئی تیمور کی بیٹی اسے غافل پا کر خنجر سے اس کا چراغ زندگی گل کر دے۔ لیکن کسی تیمور کی بیٹی میں یہ احساس پیدا نہ ہوا۔ غلام قادر رحیلہ نے انگڑائی لے کر کہا۔

یوں ہی کچھ دیر تک محو نظر آنکھیں رہیں اس کی
کیا گھبرا کے پھر آزاد سر کو بار مغفر سے

کمر سے اٹھ کے تیغ جانستان آتش فشاں کھولی
سبق آموز تابانی ہوں انجم جس کے جوہر سے
رکھا خنجر کو آگے اور پھر کچھ سوچ کر لیٹا
تقاضا کر رہی تھی گویا نیند چشم احمر سے
بجائے خواب کے پانی نے اخگر اس کی آنکھوں کے
نظر شرما گئی ظالم کی درد انگیز منظر سے
پھر اٹھا اور تیموری حرم سے یوں لگا کہنے
شکایت چاہیئے نہ کچھ تم کو اپنے مقدر سے
میرا مسند پہ سو جانا بناوٹ تھی تکلف تھا
کہ غفلت دور ہے شان صف آرایان لشکر سے
یہ مقصد تھا میرا اس سے کوئی تیمور کی بیٹی
مجھے غافل سمجھ کر مار ڈالے میرے خنجر سے
مگر یہ راز آخر کھل گیا سارے زمانے پر
حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے
(بانگ درا)

مغلیہ سلطنت بڑی تیزی سے نہ صرف زوال پذیر تھی بلکہ ایسے اسباب پیدا ہو چکے اور ہو رہے تھے جو اس ٹمٹماتے چراغ سحری کو ہمیشہ کے لئے گل کر دیں۔ اسی خطرہ کو بھانپتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اسلام اور مسلمانوں کو فکری سنبھالا دینے کی کوشش کی۔ تاکہ یہ عظیم سلطنت اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکے اور اغیار کے دست برد سے محفوظ رہ سکے۔ فرنگی کی شاطرانہ چالوں سے بچائی جا سکے۔ مستقبل میں پیش آنے والے آجر و اجیر' زراعت' تجارت' صنعت' تدبیر منزل اور سیاست مدن کے سلسلہ میں درپیش مسائل کا حل پیش کیا۔ معاشیات اسلامی پر ایک ایسی شاندار اور مدلل کتاب لکھی جو آج بھی برطانیہ کے

عجائب گھر میں موجود ہے۔

ہندوستان میں انگریز کی آمد

انگریز اور دیگر اقوام یورپ علم کی روشنی حاصل کر رہی تھیں اور مسلمانان عالم سطحی فکر اور انتشار و خلفشار کے دلدل میں پھنس چکے تھے۔ عیاشی اور فحاشی نے ان میں ضعف اور جبن پیدا کر دیا تھا۔ ضعیف الاعتقادی' عملی بے مائیگی اور عیاشی نے ان کی صلاحیتیں صلب کر لی تھیں۔ توہمات اور شرکیہ رسوم کا نام اسلام رکھا گیا تھا۔ تاریک براعظم (یورپ) کے لوگ اپنی مسلسل علمی محنت سے آگے بڑھ رہے تھے اور اسلام کی روشنی کے علمبردار اپنی بداعمالیوں' بدعقیدگیوں اور فحاشی کی وجہ سے جہالت کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے۔ اور مسلمان جہاد جیسے زریں اصول کو فراموش کر چکے تھے۔ اندریں حالات فرانسیسی' پر تگیزی' انگریز اور دیگر اقوام یورپ اپنے نو آبادیات کی تلاش میں دنیا بھر کے سمندروں کو کھنگال رہی تھیں۔ اسی سلسلہ میں شاہ جہاں کے عہد حکومت میں انگریز تاجر کے بھیس میں ہندوستان کے جنوبی ساحلی شہروں میں لنگر انداز ہوئے اپنی تجارتی کمپنی کو ایسٹ انڈیا کا نام دے کر سیاسی مہمات شروع کیں۔ شاہ جہاں بیمار ہو گیا۔ اسے بتایا گیا کہ انگریز تجارتی کمپنی جنوبی اور مشرقی ہند کے ساحلی علاقوں میں تجارت کرتی ہے۔ ان میں ایک انگریز بڑا مشہور ڈاکٹر ہے۔ تمام امراض کا ماہر شاہ جہاں کے علاج کے لئے اسے بلایا جائے۔ چنانچہ اسے بلوایا گیا اور شاہ جہان کا اس سے علاج کروایا گیا۔ اتفاق سے انگریز ڈاکٹر کا علاج شاہ جہاں کو فٹ بیٹھا اور وہ صحت یاب ہو گیا۔ شاہ جہاں نے صحت یابی کے بعد اس سے کہا کہ مانگو جو کچھ مانگتے ہو۔ اس نے کہا جناب میں کوئی چیز آپ سے مانگنا نہیں چاہتا۔ صرف ہندوستان کے جنوبی و مشرقی ساحلوں میں ہماری کمپنی کو تجارت کرنے کی اجازت دی جائے ان شہروں میں تجارتی کوٹھیاں بنانے کی مراعات دی جائیں۔ شاہ جہاں نے بڑی خوشی

سے ان کی حسب منشا مراعات دے دیں اور انہیں ایک وثیقہ لکھ کر دے دیا۔ گویا ہندوستان میں انگریز کی مداخلت کی یہ خشت اول تھی جو غیر شعوری طور پر رکھ دی گئی یا ہندوستان میں انگریز کی مداخلت اور تسلط کا یہ نقطہ آغاز تھا۔ جسے شاہ جہاں کی دوربین نگاہ نہ دیکھ سکی۔

انگریز کی سازشوں کا آغاز

انگریز بہادر نے شاہ جہاں سے مراعات حاصل کرنے کے بعد جنوبی اور مشرقی ہند کے دور دراز ساحلی شہروں میں برصغیر کے حصول کیلئے اپنی سازشوں اور شرارتوں کا دام ہم رنگ زمین بچھانا شروع کر دیا۔ سلطان اورنگ زیب محی الدین عالمگیر کے بعد مغلیہ سلطنت میں زوال کے آثار نہ صرف نمایاں تھے بلکہ تیزی سے زوال کی منزلیں طے ہونا شروع ہوگئیں۔ دور دراز کے صوبوں اور شہروں میں مغلیہ سلطنت کی گرفت نہ صرف ڈھیلی ہوگئی بلکہ نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ ادھر بعض صوبیداروں' مرہٹوں اور سکھوں نے بغاوت کے سر اٹھانے شروع کئے۔ انگریز ایسی زیرک' دور اندیش قوم کب خاموش بیٹھ سکتی تھی اس نے اپنی چھ سات ہزار انگریز فوج کے ساتھ جنہیں وہ برطانیہ سے ہمراہ لائے تھے گڑ بڑ شروع کی۔ "پھوٹ ڈالو حکومت کرو" کے بدنام زمانہ اصول کے تحت مسلمان صوبیداروں اور ہندو راجاؤں کو آپس میں لڑانا شروع کیا۔ اور کمزور کو بغیر ڈکار کے ہڑپ کرنے کی ریت ڈالی تاآنکہ مشرقی ہند کے بہت سے علاقوں پر وہ قابض ہوگیا۔ شیر مشرق نواب سراج الدولہ نے انگریز کی سازشوں کو سمجھتے ہوئے ناکام کرنے کی تدابیر کیں اور انگریز کے سیلاب کے سامنے بند باندھنا شروع کیا۔ چنانچہ ۱۷۵۷ء میں پلاسی کے میدان میں انگریز اور نواب سراج الدولہ کی فوجوں کا آمنا سامنا ہوا۔ انگریز کبھی کسی میدان میں مسلمانوں کو زیر نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے مسلمانوں میں غدار پیدا کئے۔ ملت فروشوں اور ضمیر فروشوں کے ذریعے سازباز کر

کے اپنی برتری اور فتح و کامرانی حاصل کرتا رہا۔ چنانچہ اسی اپنی پرانی عادت کے مطابق میر جعفر سے مل بھگت کر کے سراج الدولہ اور ان کی فوجوں کو شکست فاش دی گئی۔ سراج الدولہ کو شہید کر دیا گیا۔ اس کے نتیجہ میں مشرقی ہند پر انگریز کا قبضہ ہو گیا۔

۱۷۹۹ء

جنوبی ہند میں ٹیپو سلطان اور ان کے والد گرامی نے اپنی خداداد صلاحیتوں' شجاعت اور بہادری سے سلطنت میسور پر حکمرانی قائم کی۔ ٹیپو سلطان شہید نہایت منظم' مضبوط اور مستحکم سلطنت بنانا چاہتے تھے۔ بڑے بیدار مغز بہادر اور علم و آگہی سے آراستہ شخصیت تھے۔ ان کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ جنوبی ہند کو اتنا مضبوط' مربوط اور مستحکم کر دیا جائے کہ کوئی بدباطنی اور بدنیتی سے اسے ترچھی آنکھ سے نہ دیکھ سکے۔ اور جنوبی ہند کو انگریز کے منحوس سایہ سے بچایا جا سکے۔ کیونکہ جنوبی ہند میں انگریز کے خطرات کو سب سے پہلے ٹیپو سلطان شہید نے محسوس کیا اور پھر اس سے بچاؤ کی تدبیر کو بروئے کار لانے کی پوری طرح کوشش کی۔ اس سلسلہ میں مرہٹوں اور آصفیہ سلطنت حیدر آباد دکن کے حکمرانوں سے روابط قائم کئے۔ مختلف ریاستوں کے معاصر حکمرانوں سے نامہ و پیام جاری کیا اور ان سے متحد ہونے کی اپیل کی تاکہ مشترک ہو کر انگریز کے اس سیلاب بلا کو روکا جائے۔ بلکہ ٹیپو سلطان نے فرانس (جو اس وقت برصغیر کے بعض علاقوں پر قابض تھا) سے انگریز مخالف ہونے کی بنا پر مدد مانگی لیکن اسے کامیابی نہ ملی۔ قسطنطنیہ کی خلافت عثمانیہ کے پاس سفارت کار بھیجے لیکن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ٹیپو شہید نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے بڑی کوششیں کیں مگر کامیابی نہ مل سکی آخر شیر دکن اور انگریز کی فوجیں آمنے سامنے ہو گئیں۔ ٹیپو شہید کے ساتھی میر صادق انگریزوں سے مل گئے ملت فروشی' ضمیر فروشی اور اسلام سے غداری کرتے ہوئے میر صادق

نے انگریز کی فوجیں قلعہ میں داخل کروا دیں ادھر مسلمان فوجیوں کے مورال کو گرانا شروع کیا' اور ان میں افراتفری پیدا کر دی اور ان کو باور کروایا کہ تم ہتھیار ڈال دو گے اور ٹیپو کا ساتھ چھوڑ دو گے تو تمہاری جان بخشی ہو جائے گی۔ نتیجتہ" ٹیپو کی فوجوں میں انتشار' خود غرضی اور بزدلی پیدا کر دی جس سے ٹیپو بیچارہ بے خبر تھا۔ ٹیپو کے جانثار اس پر نثار ہوگئے اسی دوران میر صادق نے ٹیپو شہید تک انگریز کا یہ پیغام پہنچایا کہ اگر تم انگریز کے باجگزار بن جاؤ اور اس کی ماتحتی قبول کر لو اور ہتھیار ڈال دو تو تمہیں تمہاری سلطنت بخش دی جائے گی۔ ٹیپو شہید نے اس کا تاریخی جواب دیا کہ گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔ میر صادق کی غداریاں اپنا کام کر گئیں سلطان ٹیپو اور اس کے جانثار جام شہادت نوش کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

جعفر از بنگال صادق از دکن ننگ آدم ننگ دین ننگ وطن

اب مشرقی اور جنوبی ہند میں انگریز کیلئے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تھی چنانچہ وسطی ہند کی سلطنت اودھ کو اس نے اپنا ہدف ٹھہرایا پہلے واجد علی شاہ کو شاہد و شباب اور شراب کی عادت ڈالی۔ اس کی صلاحیتوں اور قواء کو مضمحل کر دیا۔ پھر آس پاس کی ریاستوں سے ان کی چھیڑ چھاڑ شروع کروا دی جب اس کی فوجیں کمزور ہوگئیں تو اس پر چڑھائی کر دی سلطنت اودھ پر قبضہ کر لیا مرہٹوں کو مختلف ریاستوں سے لڑایا اور پھر خود اس کا تیا پانچہ کر کے رکھ دیا حتیٰ کی تاجر کے بھیس میں چھ ہزار میل دور سے آنے والے انگریز نے اپنی شاطرانہ چالوں' منصوبہ بندیوں' اور ذہانت سے ایک سو سال میں پورے ہندوستان پر قبضہ کر لیا محمد شاہ رنگیلا نے اپنی فحاشی' عیاشی اور بدمعاشی سے سلطنت مغلیہ کی لٹیا ڈبو دی اور اپنی نااہلی سے چند لاکھ وظیفے کی خاطر اقتدار اور اختیار سے دست بردار ہوگئے اور اپنے جد امجد کے اس مقولے کو عملی جامہ پہنایا ع۔ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

ہندوستان دارالحرب ہے

اندریں حالات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بڑے غور و خوض سوچ و بچار اور فکر و تدبر سے حالات کا جائزہ لیا اور دینی طور پر تمام امور و معاملات پر بڑے غور و خوض کے بعد یہ فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالحرب بن چکا ہے۔ مسلمانوں پر جہاد فرض ہے۔ ہندوستان میں غیر مسلم غلبہ حاصل کر چکے اور کر رہے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے افکار میں جہاں تقلید شخصی کی بندشیں ڈھیلی کیں۔ توحید و سنت کو فروغ دیا اسلام فہمی کے ایک نئے اصول فقہ الحدیث کی طرح ڈالی۔ وہاں مسلمانوں کے جہادی خفتہ جذبات کو بیدار کرنے کی کوشش کی اور حریت فکر کے ساتھ ساتھ جذبہ جہاد کو ابھارا۔ اسی مشن کو آگے بڑھانے کے لئے ان کے سب سے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ نے مسلمانوں سے مسلح جہاد کی اپیل کی۔ اور اس سلسلہ میں اپنے شاگرد اور سید احمد شہید متوفی ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو امیر جہاد مقرر فرمایا اور اپنے بھتیجے سیدنا اسماعیل شہیدؒ اپنے داماد اور بھانجے مولانا عبدالحیٔ شاہ بڈھانویؒ کو ان کے ساتھ کر دیا بعد ازیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ وفات پا گئے۔ شاہ صاحبؒ کے جاں نشینوں نے مرکز میں شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے شاہ محمد اسحاقؒ کو امیر مقرر کیا۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ نے جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں اور مجاہدین کی بھرتی شروع کر دی۔ اس وقت کے حالات کے مطابق مجاہدین کی تربیت اور فوجی تقاضوں کی ٹریننگ شروع کر دی گئی۔ خود شاہ اسماعیل شہیدؒ نے ننگے پاؤں چلنے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سواری کرنے اور جامع مسجد دہلی کے فرش پر شدید گرمی میں ننگے پاؤں چلنے اور دریائے جمنا میں دہلی سے آگرہ تک تیراکی کی مشق شروع کی۔ اور پنجاب میں مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم معلوم کرنے کے لئے بھیس بدل کر دورے کئے۔ اس سلسلہ میں مجاہدین کا لشکر تیار کر لیا۔ اب سید صاحبؒ اور شاہ صاحب نے غور و فکر کیا کہ کون سے علاقہ کو مرکز بنا کر ہندوستان

کی آزادی کی جنگ لڑی جائے۔ انگریزوں اور کفار سے جہاد کیا جائے۔ اس کے لئے شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں قیام اور مرکز بنانے کا فیصلہ ہوا۔ چنانچہ مجاہدین کا یہ لشکر راجپوتانہ' سندھ' بلوچستان' افغانستان سے ہوتا ہوا پشاور پہنچا اور سرحدی قبائل کو معاونت کی دعوت دی۔ وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ سید صاحب اور شاہ صاحب کی قیادت میں آٹھ جنگیں لڑی گئیں۔ جن میں اللہ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی اور سکھوں کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ بات لمبی ہو جائے گی ورنہ ہم ان لوگوں کی ہفوات کا جواب دیتے جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمان مجاہدین کا مقصد انگریز کے لئے سکھوں سے جہاد کرنا ہے۔ یہ صرف الزام ہے تحریری ثبوت وہ پیش نہیں کر سکتے۔ ہم اس کی تمام تفصیلات مدلل طور پر اپنی دوسری کتاب "سیدین شہیدین" میں ذکر کر رہے ہیں۔ اور ان ہفوات کے ایک ایک لفظ کا مدلل جواب دیں گے۔ ان شاء اللہ۔ یہاں بھی اشارہ اور کنایہ کی زبان میں اختصار کے ساتھ تحریک مجاہدین کا ذکر مقصود ہے۔ ان کی تفصیلات بھی ہماری کتاب "سیدین شہیدین" میں آئیں گی۔ نکاح بیوگان' حصول عشر و زکوٰۃ اور اس اسلامی تعزیرات کی وجہ سے سرحدی خوانین مجاہدین سے نہ صرف برگشتہ ہوگئے بلکہ ان کے جانی دشمن بن گئے اور سینکڑوں مجاہدین کو ان ظالموں نے سوتے میں شہید کر دیا۔ (سیرت سید احمد شہید مصنفہ مولانا غلام رسول مہر)

المیہ بالاکوٹ

جنگ مظفر آباد کے بعد امیرالمومنین شاہ اسماعیل شہید' سید احمد شہید اور ان کے رفقاء نے بالاکوٹ کی اترائی میں ڈیرے ڈال دیئے۔ ہزارہ کے سنگ دل' خود غرض' ضمیر فروش مسلمانوں نے شیر سنگھ تلوہ کو مخبری کر کے بے خبری کی حالت میں مسلمانوں پر حملہ کروا دیا۔ اور اسی حادثہ میں سید احمد' شاہ اسماعیل اور ان کے دیگر رفقاء کار ۶ مئی ۱۸۳۱ء بروز جمعتہ المبارک ۲۴ ذی القعدہ ۱۲۴۶ھ کو

جام شہادت نوش کر گئے۔ ہزارہ کے سنگ دل انسانوں نے چند ٹکوں کی خاطر سادات کے اس قافلے کو بے خبری میں حملہ کروا کر جان جان آفریں کے سپرد کرنے پر مجبور کر دیا۔

عجب سرزمین ہے زمین ہزارہ   اس نے جب مارا تو سید ہی مارا

مایوس کن حالات

سید صاحب' شاہ صاحب اور دیگر رفقاء کی اس سانحہ شہادت سے مجاہدین نہایت دل گیر' افسردہ خاطر اور مغموم و پریشان ہو گئے۔ کیونکہ پوری قیادت جام شہادت نوش کر گئی۔ حالات کی عدم مساعدت نے انہیں بہت پریشان کر رکھا تھا۔ چنانچہ مولانا عنایت علی عظیم آبادی برادر صغیر مولانا ولایت علی عظیم آبادی بہار سے بالا کوٹ پہنچے۔ مجاہدین کی ڈھارس بندھائی۔ ان کا حوصلہ بڑھایا اور انہیں اپنے مقدس مشن جاری رکھنے پر آمادہ کیا۔ مولانا ولایت علی عظیم آبادی ان دنوں تبلیغ کے لئے حیدر آباد دکن میں کام کر رہے تھے۔ ان کو اس تبلیغی مشن پر سید احمد شہیدؒ نے بھجوایا تھا۔ مولانا ولایت علیؒ کو جب اس سانحہ کی خبر پہنچی تو تمام سرگرمیاں چھوڑ چھاڑ کر فوراً مجاہدین تک پہنچنے کے لئے عازم سفر ہو گئے۔ اور مجاہدین میں پہنچ کر ان کی قیادت و سیادت سنبھالی۔ ان میں حیات نو کی صور پھونکی۔ ان کو از سر نو منظم و مستعد کیا۔ ان میں جماعتی ربط و ضبط پیدا کیا۔ ان میں جہاد کا ولولہ تازہ پیدا کرنے کے لئے مہمیز لگائی۔ ان کی مایوسیوں' بددلیوں اور پریشانیوں کو عزم و حوصلہ' تحمل و شجاعت سے تبدیل کیا اور ایثار و قربانی کی روح پھونکی۔ اور بقیہ السیف مجاہدین کی قیادت سنبھال کر بہت بڑی ذمہ داری قبول کی اور تحریک مجاہدین کے مشن کو از سر نو زندہ و تابندہ اور درخشندہ کیا۔ امیرالمومنین سید احمد شہیدؒ کی جانشینی کوئی معمولی کام نہیں تھا بلکہ جان جوکھوں میں ڈالنے والی بات تھی۔ پھر اجڑے بچھڑے قافلے اور شکست خوردہ مجاہدین کو منظم کرنا میدان

جنگ میں لانا غیر معمولی کام ہے چونکہ اس موضوع پر ہماری دو کتابیں بہت جلد منظر عام پر آرہی ہیں "سیدین شہیدین" "محاذ جنگ پر صرف ہم" اس میں تمام تفصیلات دلائل اور حوالہ جات کی روشنی میں مذکور ہوں گے اب ہم صرف سید احمد شہیدؒ کے جانشینوں کے اسمائے گرامی اور ان کی خدمات کا چند سطری تعارف پیش کریں گے کیونکہ اگر ان کی تفصیلات ذکر کی جائیں گی تو اس موضوع پر ایک مکمل کتاب بن جائے گی۔ یہ بات ذہن نشین رکھی جائے بلکہ اس کو لوح قلب پر نقش کر لیا جائے کہ سانحہ بالا کوٹ کے بعد تحریک مجاہدین کلیتہ" اہلحدیث کے ہاتھ میں چلی گئی ہمیں خوردبین لگا کر بھی کہیں غیر اہلحدیث دکھائی نہیں دیتے چنانچہ روئیداد مجاہدین کے مصنف محمد خواص خاں اپنی کتاب کے صفحہ ۲۵۰ پر لکھتے ہیں "شروع شروع میں یہ دونوں طبقے یعنی حنفی اور اہلحدیث ساتھ مل کر کام کرتے تھے دونوں کا زور جہاد پر تھا۔ اور ان فروعی مسئلوں میں وہ روادار تھے مگر آگے چل کر جب مجاہدین کی داروگیر شروع ہوئی اور ہر آمین بالجہر کہنے والے پر وہابی کا شبہ کیا گیا اور وہابی کے سرکاری زبان میں معنی باغی کے ہو گئے۔"

(روئیداد مجاہدین ہند مصنف محمد خواص خاں ۲۵۰)

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جب انگریز نے اس جذبہ جہاد کی پاداش میں اہلحدیثوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی' وہابی اور باغی کو ہم معنی قرار دیا۔ تحریک مجاہدین کے منسلکین' موافقین' معاونین اور وابستگان انگریز کا نشانہ ستم بنے تو ہمارے حنفی بھائی جو ابھی دیوبندی اور بریلوی میں تقسیم نہیں ہوئے تھے وہ یک سر تحریک مجاہدین سے الگ ہو گئے بلکہ پس منظر میں چلے گئے۔ اور تحریک مجاہدین کلیتہ" اہلحدیث کے ہاتھوں میں چلی گئی اہلحدیثوں نے جان کے نذرانے پیش کر کے سو سال تک تحریک مجاہدین کو زندہ اور تابندہ رکھا۔ جب موقع ملا انگریز پر شب خون ڈالا اس کی چھاؤنیوں کو تہس نہس کیا۔ شمالی کوہستانوں میں بیٹھ کر انگریز کو ناکوں چنے چبوائے۔ سو سال انگریز سے نہ مصالحت کی نہ مفاہمت کی اور

نہ ہی کسی قسم کی مداہنت کا مظاہرہ کیا۔ جائیدادوں کی ضبطگیاں' مقدمات بغاوت' حبس دوام' عبور دریائے شور اور کالے پانیوں کی سزاؤں کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ اس سلسلہ میں تحریک مجاہدین کے امیروں اور سید احمد شہید کے جانشینوں مولانا ولایت علیؒ متوفی بارہ محرم ۱۲۶۹ھ پانچ نومبر ۱۸۵۲ء مولانا عنایت علیؒ متوفی چھ شعبان ۱۲۷۴ھ۔ ۲۲ مارچ ۱۸۵۸ء مولانا عبداللہؒ متوفی ۲۷ شعبان ۱۳۲۰ھ ۲۹ نومبر ۱۹۰۲ء مولانا عبدالکریمؒ متوفی ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ ۱۱ فروری ۱۹۱۵ء میر نعمت اللہ متوفیؒ ۲۶ شعبان ۱۳۳۹ھ ۴ مئی ۱۹۲۱ء اور امیر رحمت اللہؒ متوفی ۱۹۴۸ء نے ایک مسلم صادق' مومن قانت' بہادر' اشجع انسانوں کا کردار ادا کیا امیر رحمت اللہؒ کے دور میں بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر مجاہدین دو مرکزوں میں بٹ گئے صوبہ بہار' بنگال' اترپردیش (یو۔ پی) مدھیا پردیش (سی۔ پی) اور دیگر مقامات کے مجاہدین "اسمس" میں مقیم رہے۔ سرحد۔ پنجاب اور بعض دیگر علاقوں کے مجاہدین نے چمرقند کو اپنا مرکز ٹھہرایا۔ ایک کی بجائے دو امارتیں قائم ہوگئیں۔ مولانا محمد بشیر لاہوریؒ مولانا فضل الٰہی وزیر آبادیؒ صوفی ولی محمد فتوحی والےؒ امیرالمجاہدین حضرت صوفی عبداللہؒ کا تعلق مرکز چمرقند سے تھا۔ مولانا محمد علی قصوریؒ مرحوم ان دونوں مرکزوں کے تن خفتہ میں بیداری پھونکتے رہے۔ امیر نعمت اللہؒ کا سانحہ شہادت مولانا محمد بشیر لاہورؒ کا المیہ شہادت کا پس منظر اور مرکز ثانی کے قیام کے وجوہ و اسباب ہماری مذکورہ بالا کتابوں میں تفصیلاً" بیان ہوں گے۔ یہ کریڈٹ بھی مجاہدین کی تحریک عالیہ مجاہدین چمرقند کو جاتا ہے کہ مولانا فضل الٰہی مرحومؒ کی قیادت میں موجودہ آزاد کشمیر ان کی مجاہدانہ تگ و تاز سے آزاد ہوا۔ سردار عبدالقیوم خان اور ان کا قبیلہ وہ بھی مولانا فضل الٰہی وزیر آبادیؒ کی قیادت میں مصروف جہاد رہا۔ کیونکہ مولانا فضل الٰہی مرحوم علامہ اقبالؒ کی زبان میں فرمایا کرتے تھے۔

سینچیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے مسلمان کیلئے ننگ ہے وہ بادشاہی

۱۸۵۷ء جنگ آزادی کا ایک بھرپور مگر ناکام وار

برصغیر کے بدعمل اور عیاش حکمرانوں نے اپنے سطحی اور ذاتی مفادات کے لئے ملت فروشیاں' مسلمانوں سے غداریاں کر کے انگریز کو اپنے سر پر مسلط کر لیا۔ انگریز دھیرے دھیرے پورے ہندوستان پر قابض ہو گیا۔ جب مجاہدین سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی قیادت میں سکھوں سے نبرد آزما تھے۔ تو انگریز سکھوں کی پیٹھ ٹھونکتا رہا۔ جب اسے محسوس ہو گیا کہ اب وہ فوجی طور پر خاصا کمزور ہو گیا ہے تو اس نے ان پر چڑھائی کر دی۔ آخری معرکہ مدکی ضلع فیروز پور میں سکھوں نے جندا رانی کی قیادت میں انگریزوں سے معرکہ لڑا یہ معرکہ بڑا خون ریز تھا۔ سکھ اور انگریز دونوں ہی میدان سے بھاگ گئے۔ ریاست فرید کوٹ کے ۱۹۴۷ء کے راجہ کے داوے نے بھاگ کر انگریزوں سے کہا کہ تم کیوں بھاگے ہو جبکہ سکھ بھاگ چکے ہیں۔ پہلے تو انگریزوں نے اسے سازش سمجھا پھر کسی درخت پر چڑھ کر اس کی تصدیق کی۔ اس غداری کے صلہ میں اس سکھ سردار کو ۱۸۰ دیہات پر مشتمل فرید کوٹ کی ریاست دے دی گئی۔ اب انگریز پورے پنجاب پر بھی قابض ہو چکا تھا۔ اس کی فوجی چھاؤنیوں میں اکثریت مسلمان فوجیوں کی تھی اور غیر مسلم فوجی بھی تھے۔ انگریز نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے جذبات کو مجروح بلکہ پامال کرنے کے لئے ایسی گولیاں بنائیں جن کے پیچھے گائے اور خنزیر کی چربی لگا دی گئی۔ اور فائر کے بعد ہر فوجی کو گولی اپنے منہ سے نکالنی پڑتی تھی۔ ہندوؤں کو یہ غصہ تھا کہ ہماری مقدس گئو ماتہ کی چربی اس پر کیوں لگائی گئی ہے۔ مسلمان اس لئے غضب آلود تھے کہ اس میں خنزیر جو اسلام کے نزدیک حرام ہے) کی چربی لگا کر مسلمانوں کی تذلیل کی ہے۔ چنانچہ اضطراب اور بے چینی کا لاوا ہندو مسلم فوجیوں میں اندر ہی اندر پکتا رہا اور مسلمان فوجیوں کا پیغام ایک روٹی کی شکل میں ایک دوسری چھاؤنیوں میں پہنچتا رہا تا آنکہ میرٹھ چھاؤنی سے یہ لاوا ۱۸۵۷ء کو پھٹ گیا اور تمام چھاؤنیوں سے مسلمان فوجیوں نے علم جہاد بلند کر دیا۔ اور جنرل بخت جو پختہ و پکے اہلحدیث تھے کی قیادت میں دہلی پر قبضہ کر لیا۔ آخری مغلیہ

تاجدار بہادر شاہ ظفر کو حکمرانی کے لئے آمادہ کر لیا۔ ایک دوسرے اہلحدیث سپوت مولانا احمد اللہ کی خدمات بھی تاریخ آزادی ہند کا سنہری باب ہیں۔ دیہات و قصبات کے مسلمان عوام خصوصاً اہلحدیث حضرات نے اس تحریک میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر تارا چند نے اپنی کتاب میں لکھا ہے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کے فرقہ اہلحدیث نے ۵ لاکھ انسانوں کی قربانی دی۔ (چٹان لاہور' اٹھارہ سو ستاون از میاں محمد شفیع)

اگر حکیم احسن اللہ خان' مرزا الٰہی بخش' میر رجب علی آف جگرانوں ضلع لدھیانہ کی غداریاں آڑے نہ آتیں تو انگریز کا تیا پانچہ کیا جا چکا تھا۔ اگر ریاست پٹیالہ کے سکھ فوجی انگریز کی حمایت کے لئے دلی نہ پہنچتے تو انگریزوں کا رخت سفر باندھا جا چکا تھا اور سو سال قبل ہندوستان فرنگی سامراج اور انگریز شاطر سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔ انگریزوں کی عیاری اور غداروں کی غداری اور سکھ فوجیوں کی وفاداری نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور انگریزوں نے دلی میں قتل عام شروع کر دیا بقول میاں محمد شفیع مرحوم صرف دہلی میں ہزاروں مسلمان شہید کر دیئے گئے۔ دہلی جو عروس البلاد کی حیثیت رکھتا تھا۔ کہ ہر خوب صورت مرد اور عورت کو انگریز نے تہہ تیغ کر دیا۔ تاکہ انگریز کے مقابلہ میں کوئی حسن و جمال کا دعویدار نہ ہو سکے اسی لئے دہلی کے لوگ اکثر سانولے رنگ کے باقی بچ سکے۔ بندوقوں کی تڑتڑاہٹ۔ گولیوں کی گڑگڑاہٹ سے دہلی اجڑ کر رہ گیا۔ دہلی کے کوچہ و بازار عوام کے خون سے رنگین ہوگئے۔ دہلی کے بازاروں اور سڑکوں میں کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اس کا حسن و جمال غارت ہوگیا۔ اس کی رونق اور زیبائی خواب و خیال بن کر رہ گئی۔ انگریز نے باشندگان دہلی خصوصاً مسلمانوں کے قتل عام سے اپنی آتش انتقام کو ٹھنڈا کیا۔ بہادر شاہ ظفر اور ان کے بیٹے خواجہ نظام الدین اولیاء کے مزار میں جا کر چھپ گئے وہاں سے ان کو گرفتار کیا گیا اور تین دن تک انہیں بھوکا رکھا گیا۔ حالانکہ

بادشاہ سے بادشاہوں جیسے سلوک روا رکھے جاتے ہیں۔ تین دن کی بھوک کے بعد جب بہادر شاہ ظفر نے کچھ کھانے کے لئے مانگا تو اس تہذیب و تمدن کے نام نہاد پیشوا، سنگ دل اور شقی القلب انگریز نے اس کے بیٹے کو ذبح کر کے اس کا جگر اور اس کا گوشت طشتری میں رکھ کر بہادر شاہ کو پیش کیا۔ پھر اونٹ کی ننگی پیٹھ پر ان کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر سوار کر کے رنگون بھجا گیا۔ وہاں بہادر شاہ نے بڑی درد انگیز غزلیں کہیں۔ ایک غزل میں انہوں نے اپنے جذبات کا یوں اظہار کیا ہے۔ ؎

عمر عزیز مانگ کر لائے تھے چار دن دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

اتنا ہے بدنصیب ظفر دو گز زمین بھی نہ مل سکی کوئے یار میں

(دیوان ظفر)

انگریز کے مظالم کی داستان لرزہ خیز اور وحشت انگیز ہے اس کی تفصیلات کے لئے دیکھئے ("۱۸۵۷" مولفہ میاں محمد شفیع مرحوم) (۱۸۵۷ء کی تصویر کا ایک رخ مترجم شیخ حسام الدین بی۔ اے مرحوم) جنرل بخت اور ان کے بہادر ساتھی مولانا احمد اللہ اور ان کے رفقاء نیپال کے جنگلوں میں روپوش ہو گئے تاکہ پھر منظم ہو کر انگریز پر شب خون ڈالیں۔ انگریز نے چونکہ حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی۔ اس لئے اس کا نشانہ ستم مسلمان تھے۔ خصوصاً اہلحدیث تھے۔ کیونکہ اہلحدیث تحریک مجاہدین کی شکل میں مسلح ہو کر ان سے برسرپیکار تھے۔ جالندھر، انبالہ اور اس زمانے میں گورداسپور کی چھاؤنی سے مسلمان فوجی آمادۂ جہاد ہو گئے۔ انگریز نے ان کے چہروں سے جہاد کے جذبات کا اندازہ لگا کر انہیں غیر مسلح کر دیا۔ برسات کا موسم تھا۔ دریائے راوی اپنی طغیانی پر بہہ رہا تھا۔ دریائے راوی کے تریمو گھاٹ سے وہ اسے عبور کر کے شمالی پنجاب اور شمالی مغربی سرحدی صوبہ کے محفوظ مقامات پر پہنچ کر انگریز سے منظم جہاد آزادی شروع کرنا چاہتے تھے کہ متبنی

قادیاں مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضٰی نے مخبری کر کے انگریز فوجوں سے ان پر حملہ کروا دیا۔ انگریز فوجوں نے ہزاروں کی تعداد میں مسلمان فوجیوں کو گولی کا نشانہ بنایا۔ ہزاروں مسلمان دریائے راوی میں ڈوب گئے۔ صرف سینکڑوں نفوس دریا کی طغیانیوں اور سرکش لہروں سے بچ سکے۔ مرزا غلام مرتضٰی کو اس غداری کے صلہ میں سکھوں کی تمام چھینی ہوئی جائیداد واپس مل گئی جبکہ مرزا غلام احمد لکھتا ہے کہ میرے والد نے پچاس گھوڑ سواروں سے غدر کر کے موقعہ پر انگریز کی مدد کی جس کے نتیجہ میں گورنر نے ہمیں ایک شکریہ نامہ بھیجا اور ہماری قادیاں کی جائیداد بحال کر دی گئی۔

انگریز نے ۱۸۵۷ء میں جب اس کی پھانسیاں ختم ہوگئیں تو مجاہدین کو شاہراہ اعظم کے درختوں پر توریوں اور آموں کی طرح لٹکا دیا۔ ان بوسیدہ اور سن رسیدہ درختوں کو اگر اللہ قوت گویائی دے تو وہ زبان حال سے بول اٹھیں گے کہ اتنے مجاہدین کو مجھ پر لٹکا دیا گیا۔ انگریز نے اس کا نام غدر رکھا۔ حالانکہ یہ ہرگز ہرگز غدر نہیں تھا۔ یہ جنگ آزادی کا آخری وار تھا جو میر جعفروں' میر صادقوں' میر رجب علیوں' مرزا الٰہی بخشوں' حکیم احسن اللہ خانوں اور مرزا غلام مرتضاؤں کی غداریوں' مرکزیت کے فقدان اور کمزور تنظیم کی وجہ سے ناکام ہوگیا۔ ڈاکوؤں' لٹیروں' قاتلوں اور انسانیت دشمنوں کو اپنے گھروں سے نکالنا غداری ہرگز ہرگز نہیں۔

(۱۸۵۷ء مولفہ میاں محمد شفیع مرحوم)

انگریز کے وفادار لوگ

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ناکام وار سے انگریز بوکھلا گیا۔ اس کی ہوش کے طوطے اڑ گئے۔ کیونکہ ۱۸۵۷ء کی مسلح تحریک آزادی سے انگریز کو زبردست دھچکہ لگا۔ اور انگریزوں کی حکومت کی چولیں ہل گئیں سکھ فوجوں اور مسلمان غدار

خاندانوں کی بدولت برصغیر میں اس کے دوبارہ پاؤں جم گئے۔ سکھوں اور سکھ فوجوں کے ساتھ ساتھ قادیاں کے مرزا خاندان' پنجاب کے دیگر مسلم و غیر مسلم جاگیردار انگریز کے وفادار اور اس کے دست و بازو' اس کے سرپیر' اس کے خان بہادر' ان کے خطاب یافتہ خاندان ہیں جو برصغیر میں انگریز کی مضبوطی اور استحکام کا باعث بنے۔ اور اس کے صلہ میں انگریز نے انہیں ۱۸۵۷ء کے گزٹ میں مراعات اور خطاب یافتہ قرار دیا اور ان کی وفاداری کو قابل فخر گردانا۔ دوسرے لفظوں میں آپ انہیں ۱۸۵۷ء کے انگریز کے گزٹڈ وفادار خاندان بھی کہہ سکتے ہیں انہیں خان بہادروں کی بدولت انگریز نے سو سال تک بڑے سکون سے داد حکمرانی دی۔ ان کو جاگیریں اور جائیدادیں اسی صلہ میں انگریز نے عطا کیں ان کی تفصیلات مولانا غلام رسول مہر کی ضبط شدہ کتاب "رؤسا پنجاب" میں دیکھی جا سکتی ہیں یا سیاست کے فرعون نامی کتاب میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

انگریز کی فکر مندیاں

انگریز نے اپنی آتش انتقام کو بجھانے کے لئے بے شمار علماء کو شہید کیا۔ ان کی جائیدادیں ضبط کیں ان کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ لیکن مجاہدین شمالی کوہستانی سرحدوں میں بیٹھ کر انگریزوں پر کاری ضربیں لگاتے رہے۔ اور جب انہیں موقع ملتا تو وہ شب خون ڈالتے رہے۔ پوری کوشش کے باوجود انگیز کو مسلمانوں کی تائید و حمایت حاصل نہ ہو سکی وہ ان فکر مندیوں میں مبتلا تھا کہ مسلمانوں کو کس طرح زیر کیا جا سکتا ہے اور ان کے جذبہ جہاد کو کس طرح پامال کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان اسباب و وجوہ کی تلاش کیلئے انگریزوں نے ڈاکٹر ڈبلیو' ڈبلیو' ہنٹر کو ان کی تحقیقات پر مامور کیا کہ وہ یہ معلوم کرے کہ انگریز کے خلاف شورش کا سرچشمہ کون لوگ ہیں ڈاکٹر ہنٹر نے برصغیر میں بالعموم یو۔ پی بہار اور بنگال میں بالخصوص دیہات و قصبات کا خفیہ دورہ کر کے دس سال کی مسلسل محنت

کے نتیجے میں ایک رپورٹ مرتب کی۔ جس کا اردو ترجمہ "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر نے اس میں تحریر کیا کہ شورش کا سرچشمہ ہندوستان کے وہابی علماء ہیں۔ لفظ وہابی کو اس طرح نفرت انگیز بنا دیا گیا کہ انگریز کے نزدیک وہابی اور باغی مترادف الفاظ قرار پائے۔ اور جب تک ان علماء کا اثر عوام میں رہے گا۔ عوام گورنمنٹ کے خلاف رہیں گے۔ ان کا اثر توڑنے کیلئے ان کے خلاف غیر وہابی علماء کو اپنا ہم خیال بنا کر ان سے فتوے لینے چاہئیں۔ تا کہ عوام میں ان کا اثر و رسوخ ختم ہو کر رہ جائے۔

(ہمارے ہندوستانی مسلمان)

تین خطرناک کتابیں

ڈاکٹر ہنٹر نے اپنی اس رپورٹ میں یہ بھی لکھا ہے کہ تین کتابیں انگریز کے خلاف انتہائی خطرناک ہیں۔ غیر وہابی علماء سے ان کی تردید کروانا ضروری ہے۔

۱ = "تقویۃ الایمان" مصنفہ شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ فاروقی عمری۔ متوفی ۶ مئی ۱۸۳۱ء

۲ = "صراط مستقیم" جو سید احمد شہید کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔

۳ = "شرح وقایہ" ــــــــ اس میں ایک کتاب تو توحید کے موضوع پر شاہ ولی اللہ مرحوم کے پوتے کی ہے۔ دوسری کتاب اسی خاندان کے خوشہ چین امیر المجاہدین سید احمد شہید کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ تیسری کتاب شرح وقایہ ہے جو ساتویں صدی ہجری میں لکھی گئی۔ اور آج بھی ہمارے دینی مدارس کے درس نظامی میں پڑھائی جاتی ہے۔ اور یہ حنفی فقہ کی کتاب ہے۔ اس کے خلاف ڈاکٹر ہنٹر نے اس لئے لکھا کہ اس میں جہاد کی فرضیت پر ولولہ انگیز مواد موجود ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر کی تجویز کے مطابق انگریزوں نے وحدت امت کو پارہ پارہ کرتے ہوئے مسلمان علماء میں مختلف فرقے پیدا کئے ۔ شاہ ولی اللہؒ کی تحریک احیائے دین اور علمی مساعی کو بالکل سبوتاژ کر دیا یہ اس لئے کہ مسلمان آپس میں لڑتے بھڑتے رہیں

اور ان کی توجہ انگریز سے ہٹ کر آپس کے مناظروں۔ مجادلوں۔ مذاکروں۔ مباحثوں میں لگی رہے۔ اور دوسرے کے درپے آزار ہو جائیں۔ چنانچہ انگریز بہادر کی مساعی سے شاہ ولی اللہ کے بالواسطہ شاگردوں میں سے بریلوی فرقہ پیدا کیا گیا۔ دیوبندی حنفیوں کے قیام اور استحکام میں انگریز بہادر کی مساعی کو بہت بڑا دخل ہے۔ ان کے مقابلے میں اہلحدیث پہلے ہی موجود تھے۔ فکر ولی اللہی سے وابستہ علماء کو زیر بحث لا کر مطعون کیا گیا۔ مزید انتشار پیدا کرنے کے لئے مرزا غلام احمد قادیانی کو جھوٹی' جعلی' خانہ ساز اور بناوٹی نبوت دے کر آپس کی جنگ کو اور تیز کر دیا جب کہ مرزا غلام احمد "تبلیغ رسالت" جلد ہفتم میں لکھتا ہے کہ میں انگریز کا خود کاشتہ پودا ہوں۔ شیعہ' سنی' حنفی' وہابی' دیوبندی' بریلوی کے جھگڑے پیدا کئے گئے۔ مرزائیوں' آریہ سماجیوں' سناتن دھرمیوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آراء کیا گیا۔ یوں انگریز نے اپنے اختیار و اقتدار کو طول دیا اور اپنے سے مسلمانوں کی توجہ کو ہٹانے میں کامیاب ہوگیا یہ کس قدر ملی بد نصیبی ہے کہ تحریک جہاد میں حصہ لینے والے علمائے کرام اور انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آزادی وطن کا نعرہ لگانے والے علماء کرام سو سال سے بدباطنوں کی تنقید و تنقیص کا نشانہ بنے ہوئے ہیں اندازہ فرمائیں مولانا محمد علی مرحوم جو سید احمد شہیدؒ کی طرف سے مدراس اور جنوبی ہند کے دیگر علاقوں میں مسلمانوں کو جہاد کے لئے تیار کر رہے تھے۔ سانحہ بالاکوٹ کی خبر سن کر انہوں نے ہمت نہیں ہاری بلکہ اپنی سرگرمیوں کو بدستور جاری رکھا۔ جب موصوف آسام مشرقی ہند پہنچے تو وہاں کے سرکار پرست علماء نے اپنے تقدس کو سرکتا ہوا محسوس کیا اور سمجھا کہ اس عالم کی صاف گوئی اور راست بازی ہمارے خلاف عوام میں ہیجان پیدا کر دے گی۔ وہاں کے علماء نے آسام میں پہلی مرتبہ یہ فتویٰ داغا کہ شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے رفقاء العیاذ باللہ گستاخ رسولؐ ہیں۔ سلہٹ شہر میں مختلف کتب خانوں سے تقویۃ الایمان خرید کر مولانا محمد علی مرحوم کے جلسہ میں سامنے لا کر جلا دی گئی۔ اور

وہاں کے انگریز حاکم سے وفد کی شکل میں درخواست کی کہ اس شخص کو صوبہ بدر کیا جائے کہ یہ لوگوں کے عقیدے فاسد کرتا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد علی مرحوم رام پوری کو انگریز حاکم نے سلہٹ اور صوبہ آسام سے جلا وطن کر دیا (تحریک مجاہدین) ڈاکٹر ہنٹر نے اپنی رپورٹ کے ایک حاشیہ پر یہ بھی لکھا ہے کہ اس وقت انگریز کے وفادار کون کون علماء تھے اس نے متعدد علماء کے نام بھی ذکر کئے ہیں۔ ڈاکٹر ہنٹر نے اس باب میں بڑی معلومات دی ہیں۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان اور ان کے پوتے کی تحریک جہاد کے خلاف انگریز نے بڑے بڑے فتنے قائم کئے لیکن علماء حق ہرچہ بادہ باد کے تحت ان کا مقابلہ کرتے رہے۔

از سرنو شیرازہ بندی

سانحہ بالا کوٹ کے بعد مولانا ولایت علی مرحوم نے شمالی کوہستانی علاقوں میں پھیلے اور بکھرے ہوئے مجاہدین کو اکٹھا کیا اور ان کی از سرنو شیرازہ بندی کے بعد مجاہدین کو جہاد کیلئے تیار کیا ہندوستان سے بھی مجاہدین مرکز میں پہنچتے رہے۔ مجاہدین کا مرکز سوات سے آگے ''اسمس'' میں بنایا گیا اور وہاں سے انگریزوں پر شب خون ڈالے گئے اور باقاعدہ حملے کئے گئے ۱۸۶۶ء ۱۸۶۸ء سے انگریز پر حملے اس قدر تیز کئے گئے کہ صوبہ سرحد سے انگریز کے پاؤں اکھڑتے ہوئے دکھائی دیئے۔ (سرگذشت مجاہدین مصنفہ مولانا غلام رسول مہر)

انبالہ کیس

انگریز نے اس بوکھلاہٹ میں ڈاکٹر ہنٹر کی رپورٹ کا مطالعہ کیا اور اس سے انہیں معلوم ہوا پٹنہ کے محلّہ صادق پور میں ایک دینی مدرسہ ہے جس میں زیر زمین جہاد کی تیاری اور تربیت کے لئے تربیت گاہ بنائی گئی ہے اس میں ہر وقت اسلحہ موجود رہتا ہے۔ ہر وقت ان کی جنگی مشقیں جاری رہتی ہیں ان کے امیر مولانا یحییٰ علی ہیں۔ چنانچہ مولانا یحییٰ علی اور ان کے دو ساتھیوں کو گرفتار کر کے

انبالہ چھاؤنی پہنچا دیا گیا۔ ان پر بغاوت کا مقدمہ چلایا گیا۔ اور انہیں سزائے موت دی گئی۔ انگریز افسران کو پھانسی دینے سے قبل چاند کی چاندنی میں دیکھنے کے لئے آیا اور مولانا یحییٰ علی اور ان کے رفقاء کو ہشاش بشاش دیکھ کر ششدر رہ گیا اور جب ان تینوں بزرگوں کا وزن کیا گیا تو دو ماہ میں کئی پاؤنڈ ان کا وزن بڑھ چکا تھا۔ انگریز نے ان سے پوچھا کہ تم خوش کیوں ہو تمہارا وزن کیوں بڑھ گیا ہے۔ حالانکہ تمہیں کل پھانسی کے تختے پر چڑھا دیا جائے گا۔ تو مولانا یحییٰ علی نے جواب دیا کہ شہادت کی خوشی میں ہم ہشاش بشاش ہیں ہمارا مقصد حیات اور تمنائے زیست شہادت ہی ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

انگریز نے بھنا کر ان کی سزائے موت کو حبس دوام میں بدل دیا اور اخلاقی مجرموں میں انہیں کالے پانی بھیج دیا گیا مولانا یحییٰ علی کی داڑھی مونڈھ دی گئی۔ مونڈھی داڑھی کے بالوں کو پکڑ کر مولانا یحییٰ علی زار و قطار رونے لگے اور فرمانے لگے اے مونڈھی ہوئی داڑھی کے بالو تم کتنے خوش قسمت ہو اللہ نے تمہاری قربانی قبول کر لی ہے اور تم پہلے بارگاہ ربوبیت میں پہنچ گئے ہو۔ کاش خدا تعالیٰ ہماری قربانی بھی قبول کر لیتا۔ (تواریخ عجیبہ)

ایک عجیب واقعہ

مشرقی پنجاب ضلع انبالہ کا قصبہ تھانیسر میں ایک زمیندار مولوی جعفر تھانیسری اقامت پذیر تھے اچھا زمیندارہ تھا عرائض نویسی کا کام بھی کرتے تھے جماعت مجاہدین کے رکن رکین اور معاون خاص تھے۔ مجاہدین آتے جاتے وقت وہاں ضرور قیام کرتے۔ تھانیسر میں ایک سرحدی پٹھان قزن خاں انگریز کی فوج میں ملازم تھا اس نے تین بنگالیوں کو دیکھا کہ وہ مولانا جعفر تھانیسری کے گھر ٹھہرے ہیں ان بنگالیوں نے بھی مجاہدین کے ساتھ صوبہ سرحد جاتا تھا۔ قزن خاں

کی جاسوسی پر مولانا جعفر تھانیسری کے مکان پر چھاپہ مارا گیا۔ اور مولانا سمیت ان بنگالیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اسی قافلہ بلا خیز کو کالے پانی بھیج دیا گیا قزن خاں نے اپنے لڑکے کو مجاہدین کی جاسوسی کے لئے مرکز مجاہدین بھیج دیا اس نے واپس آکر انگریز کو اپنی جاسوسی کی مکمل رپورٹ پیش کی یہ ۱۸۶۸ء کا واقعہ ہے۔ ولی اللہ تحریک سے وابستہ علماء انگریز کے خلاف جہاد کرتے رہے۔

(تواریخ عجیب)

انگریز انہیں وہابی کہتا تھا۔ اور یہ بریلوی بھی انہیں وہابی کہتے ہیں۔ جماعت مجاہدین کے امیر مولانا عبداللہ کو قزن خان کے لڑکے کی جاسوسی کی وجہ سے نواب انب کو الہ کار بنا کر گرفتار کرنے کی مساعی مذموم کی گئی۔

روئیداد مجاہدین مصنفہ خواص خاں)

مثالی نظم و ضبط

جماعت مجاہدین کس قدر منظم اور مضبوط تھی ہندوستان بھر سے ان کا ربط و تعلق اس طرح قائم تھا اور انگریز کو جل دینے اور ان کے شر سے بچنے کے لئے جماعت مجاہدین کے لئے خاص اصطلاحات جاری کر رکھی تھیں چٹا گام کی پہاڑیوں' رنگون کے سبزہ زاروں' جنوبی ہند کے دور دراز مقامات سے مجاہدین کو بدستور مالی مدد ملتی رہی انگریز اپنی پوری قہرمانیت کے باوجود ان عزم و ہمت کے پہاڑوں اور ان بوریا نشینوں کی سرگرمیوں کو ختم نہ کر سکا چنانچہ ڈاکٹر ولیم ہنٹر اپنی رپورٹ "ہمارے ہندوستانی مسلماں" میں یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ انگریز ربع ارضی پر داد حکمرانی دینے کے باوجود نہ ان کی خفیہ اصطلاحات کو سمجھ سکا اور نہ ہی مجاہدین کے ذیلی مراکز کا اسے علم ہو سکا۔ بلکہ ڈاکٹر ہنٹر ایک جگہ لکھتا ہے کہ میں کلکتہ میں گیا وہاں ایک دبلا پتلا آدمی نظر آیا جس کے پاس ایک مریل گھوڑا تھا' اس نے کلکتہ کے گلی کوچوں اور بازاروں میں یہ ڈھنڈورا پیٹا کہ فلاں پارک میں

مسلمانوں کا ایک زبردست اجتماع ہو رہا ہے اور ایک مقتدر اور بڑی شخصیت خطاب کرنے والی ہے وہ شہر بھر میں ڈھنڈورا پیٹنے کے بعد اسی پارک میں پہنچ گیا اور اپنے گھوڑے کو ایک درخت سے باندھا۔ گھوڑے کی زین خرجی کو میز بنایا اور وہاں سے دس منٹ کے لئے روپوش ہوگیا اور اپنا بھیس بدل کر اسی عارضی میز کے سامنے کھڑا ہو کر اس نے اپنا خطاب شروع کیا جو تقریباً دو گھنٹے جاری رہا۔ ادھر سامعین سے پارک بھر چکا تھا اس نے بڑی دھواں دار تقریر فرمائی مسئلہ توحید کو پیش کیا اور کتاب و سنت کی روشنی میں جہاد کی فرضیت اور اہمیت واضح کی اور مسلمانوں کو انگریز سے جہاد کرنے کے لئے آمادہ و تیار کیا پھر اچانک پہلے کپڑے پہن کر مریل گھوڑے پر دوسرے شہر کا قصد کیا ولیم ہنٹر لکھتا ہے کہ ان بوریا نشینوں جہاد کے متوالوں اور توحید کے دیوانوں کو منصوبہ بندی کے بغیر اس راہ سے ہٹانا ناممکن ہے۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

مقدمات بغاوت

انگریز اپنے جاسوسی کے مضبوط نظام کے باوجود وہ مجاہدین کا کھوج لگانے میں ناکام رہا لیکن بعض ضمیر فروش اور اسلام کے غدار بھی ہوتے ہیں چنانچہ قزن خاں خبیث چار بنگالیوں کو پکڑ کر پانی پت کے تھانے میں لے گیا اور ایک رپورٹ تیار کی جس میں بتایا گیا تھا کہ یہ لوگ حکومت کے دشمن ہیں وہ ہر چند کہتے رہے کہ ہمیں چھوڑ دو اگر روپیہ چاہتے ہو تو ہم تھانیسر سے لا دیں گے۔ لیکن قزن خاں نے ان کو نہ چھوڑا یہ واقعہ ۱۸۶۳ء کا ہے۔ مئی ۱۸۶۳ء میں انہیں گرفتار کیا گیا تھا پھر اس نے اپنے بیٹے فیروز خاں کو مرکز مجاہدین بھیج کر مزید معلومات حاصل کرلیں چنانچہ اس کے نتیجہ میں مولانا جعفر تھانیسری کے چھوٹے معصوم بھائی محمد سعید کو گرفتار کر کے تشدد کیا گیا اور ان سے معلومات اگلوائیں گئیں جس کے نتیجہ میں مولانا جعفر تھانیسری، محمد شفیع ٹھیکیدار، منشی عبدالکریم، مولانا یحییٰ علی

عظیم آبادی، مولانا عبدالرحیم عظیم آبادی، میاں عبدالغفار عظیم آبادی، قاضی میاں جان ساکن کمار کھلی ضلع پٹنہ، عبدالغفور بن شاہ علی، ضلع ہزاری باغ بہار، حسینی ابن محمد بخش عظیم آبادی۔ حسینی ابن میگو، الٰہی بخش بن کریم بخش ان پر مقدمہ قائم ہوا اور انہیں عبور دریائے شور اور کالے پانی کی سزائیں دی گئیں ۱۸ مئی ۱۸۶۳ء کو ان چار بنگالی گرفتار ہونے والوں کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دینے کا حکم دیا، ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں، ان کو انبالہ سے لاہور تک پیدل لایا گیا۔ لاہور سے ملتان اور ملتان سے غازی گھاٹ دریائے سندھ میں سٹیمر جہاز کے ذریعے کراچی پہنچایا گیا اور کراچی سے کلکتہ بھیجا گیا اور کلکتہ سے کالے پانی بھیج دیا گیا اور ان کو حبس دوام عبور دریائے شور کی سزا دی گئی۔ مقدمہ انبالہ کے تین حصے ہیں اسی طرح عظیم آباد کے مقدمہ کے بھی تین حصے ہیں۔ مقدمہ مالدہ، مقدمہ راج محل، قاضی کوٹ کا مقدمہ۔ یہ وہ مقدمات بغاوت ہیں جن کے ذریعے مجاہدین کو نشانہ بنایا گیا ان کی جائیدادیں ضبط کی گئیں ان کے گلوں میں پھانسیوں کے پھندے ڈالے گئے۔ ان کو حبس دوام کی سزائیں دی گئیں، ان کو عبور دریائے شور یعنی کالے پانیوں میں بھیجا گیا۔ یہ استقامت کا پہاڑ بن کر حق و صداقت پر ڈٹے رہے اور صبر و حوصلہ کے یہ کوہ گراں انگریز کے سامنے نہ جھکے نہ دبے نہ بکے نہ ڈرے۔ (سرگزشت مجاہدین)

یہ تمام لوگ اہل حدیث تھے اور توحید و سنت کے عامل اور حامل تھے کوئی مائی کا لال ان کے ضمیروں کی بولی نہ دے سکا۔ بعض حنفی بزرگوں نے دلائل سے نہیں سینہ زوری سے حریت و استخلاص وطن کی تمام قربانیوں کو اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے جب کہ حالات و واقعات، مشاہدات اور دلائل ان کے خلاف مواد مہیا کر رہے ہیں۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کے بغیر ایک بھی حنفی عالم کا نام ثقہ تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے جس کی جائیداد ضبط ہوئی یا اسے حبس دوام اور پھانسی کی سزا دی گئی ہو یا اسے کالے پانیوں میں بھیجا گیا ہو۔ مولوی

فضل حق خیر آبادی بھی مغالطے سے گرفتار کر لئے گئے کیونکہ انگریز کو فضل حق نامی ایک مجاہد کی گرفتاری مطلوب تھی وہ مولا فضل حق خیر آبادی کا ہم نام اور ہم ولدیت تھا۔ کسی دشمن نے مولانا فضل حق سے انتقام لینے کیلئے ان کا نام پیش کر دیا اور وہ گرفتار ہوگئے انہیں کالے پانی بھیج دیا گیا۔ مولوی فضل حق خیر آبادی کے بیٹے مولوی عبدالحق خیر آبادی نے اپنے باپ کی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے انگریز کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور لندن پریوی کونسل تک اس کیس کی پیروی کی اور پریوی کونسل میں جا کر بیان دیا کہ میرے والد گرامی کو شبہ میں ایک ہم نام مجاہد کی وجہ سے گرفتار کیا گیا ہے' ہم آپ کے پرانے وفادار ہیں ہم نے ہر اس عالم کی مخالفت کی ہے جو آپ کے خلاف آزادی کا نام لیتا ہے ہم ہر اس تحریک کے خلاف ڈٹے رہے جو برصغیر سے انگریز کو نکالنا چاہتی ہے اس کے باوجود ہم اپنی گستاخی کی معافی مانگتے ہیں لہٰذا اپنے وفاداروں' خدمت گزاروں' وفا شعاروں کو گرفتار کر کے کالے پانی بھیجنا قرین انصاف نہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالحق اپنے باپ کی رہائی کا پروانہ لے کر کالے پانیوں کے ساحل پر اترا تو سامنے سے ایک جنازہ آرہا تھا۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ یہ مولوی فضل حق خیر آبادی کا جنازہ ہے۔ مولوی فضل حق خیر آبادی بے چارہ بے گناہ انگریز کا بہی خواہ اور وفادار گرفتار کر کے کالے پانی بھیج دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کو مولوی فضل حق خیر آبادی کی رسوائی پسند نہیں تھی خواہ کیسے ہی پہنچا اللہ تعالیٰ نے باعزت طور پر اسے اپنے پاس بلا لیا۔ اگر وہ زندہ ہندوستان واپس آجاتے تو لوگوں میں ان کی معافی اور پریوی کونسل میں ان کی رہائی مخفی نہ رہتی جو انگریز کے تمام وفاداروں کے لئے سوہان روح بن کر رہ جاتی۔ مولوی فضل حق خیر آبادی کی کتاب "الثورۃ الہندیہ" کا ترجمہ ہندوستانی بغاوت ہرگز صحیح نہیں بلکہ اس کا ترجمہ ہندوستانی انقلاب ہے۔ ہمارے بریلوی بھائی مولوی فضل حق خیر آبادی کو جنگ آزادی کے ہیرو کے طور پر پیش کرتے ہیں حالانکہ ان کی اصلی تصویر ہم نے پیش کر دی ہے۔ اس سے اندازہ فرمائیں کہ

وہ کیسے ہیرو تھے؟ جب کہ وہ بریلوی نہیں حنفی ہیں۔ ہمارے دیوبندی بھائی اس طرح ہر تاریخ کو مسخ کرتے ہیں اور یوں تاثر دیتے ہیں کہ گویا برصغیر کی جنگ آزادی میں مرکز و محور وہی تھے حالانکہ حقیقت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔ مولوی عبدالرشید نعمانی' مولوی عبدالرشید ارشد اور فقیر والی کے مولی محمد بشیر تاریخی حقائق کو مسخ کرنے واقعات و مشاہدات کو توڑنے مروڑنے اور صحابہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حنفی ثابت کرنے کے لئے ادھار کھائے بیٹھے ہیں کوئی موقعہ ایسا نہیں آتا کہ جب وہ اپنی سینہ زوری سے قلم کی گلکاریاں نہیں دکھاتے بات اصل میں یہ ہے کہ دیوبندی علماء کی باگ ڈور حاجی امداد اللہ کے ہاتھ میں تھی وہ یہاں سے مکہ مکرمہ چلے گئے پھر ان کی قیادت مولوی مملوک علی کے ہاتھ میں آگئی مولوی مملوک علی انگریز کے ملازم تھے۔ گورنمنٹ عربی کالج دہلی میں مدرس تھے۔ ظاہر بات ہے انگریز کا ملازم انگریز کے خلاف کیسے تحریک پیدا کر سکتا ہے حریت و آزادی کی کس طرح تائید اور قیادت کر سکتا ہے۔ شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ اور شاہ محمد یعقوب دہلویؒ جب ۱۲۵۸ھ میں مکہ مکرمہ ہجرت کر جانے کے لئے تیار ہوئے تو سہارنپور کے مولوی احمد علیؒ اور دہلی کے مولانا عبدالغنی مجددیؒ نے شاہ صاحب سے ہزار جتن کئے کہ مسند رحیمیہ ہمارے حوالے کی جائے لیکن شاہ اسحٰق نے ان کی کوئی بات نہ مانی اور مسند رحیمیہ کے جانشین شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث رحمتہ اللہ علیہ کو بنا دیا۔ اسی روز سے یہ ہمارے دیوبندی بھائی ہم سے کلیتہ" روٹھ گئے اور تحریک مجاہدین سے بالکل الگ ہو گئے بلکہ ہر معاملے میں انہوں نے ہماری مخالفت کا سلسلہ بڑے بھونڈے انداز سے شروع کر دیا۔۔۔۔۔۔ اہل دانش اصحاب تاریخ یقیناً اس امر سے باخبر ہوں گے کہ مدرسیہ قاسمیہ دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی اور سرسید احمد خانؒ دونوں جماعتی ہیں اور دونوں عربی کالج کے طالب علم ہیں اور دونوں ہی انگریز کے وظیفہ یافتہ ہیں۔ تحریک جہاد کی وجہ سے اہل حدیث انگریز کا نشانہ ستم بنے ہوئے تھے اپنوں کی

نوازشیں' اپنوں کی کرم فرمائیاں انگریز کو خوش کرنے کے لئے ہم پر کفر کے فتوؤں کی بچھاڑ تھی اور انگریز کا جبر و تشدد اس پر مستزاد تھا۔ انگریز بہادر نے مولوی مملوک علی کے ذریعے بڑے لطیف پیرائے سے مولانا محمد قاسم نانوتوی کو دیوبند ضلع سہارنپور میں دینی مدرسے کے اجراء کا اشارہ دیا۔ مولانا احمد علی کو سہارنپور میں دینی مدرسہ شروع کرا دیا گیا۔ سرسید احمد خاں کو محمڈن سکول کے نام سے علی گڑھ میں تعلیم و تعلم پر لگا دیا گیا۔ مطلب یہ تھا کہ تم لوگ چونکہ میرے بھی خواہ ہو تعلیمی ادارے کھول کر امن و عافیت سے بیٹھ جاؤ وہابی چونکہ میرے باغی اور دشمن ہیں' میں ان سے جبر و تشدد سے نپٹوں گا۔ یہ ایک فطری عمل ہے کہ گورنمنٹ کا ریٹائرڈ ملازم گورنمنٹ کے خلاف نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اس نے اپنی پوری سروس میں گورنمنٹ سے تعاون وفاداری اور اس کی ماتحتی سیکھی ہے بلکہ گورنمنٹ کی ملازمت حریت و آزادی کے کس بل نکال کر رکھ دیتی ہے۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے مدرس اور شیخ الحدیث مولانا احسن نانوتوی تھے جو مولانا مملوک علی کے صاجزادے اور محکمہ تعلیم سے ریٹائرڈ ملازم تھے مولانا ذوالفقار علی جو شیخ الہند مولانا محمود حسن کے والد گرامی تھے یہ انگریز کے محکمہ ڈاک کے ریٹائرڈ ملازم تھے۔ جس دینی درس گاہ کی ابتداء گورنمنٹ ریٹائرڈ ملازمین سے ہوئی ہو اور جس کی تعلیم کا آغاز سرکار کے پنشن یافتہ حضرات سے کیا جاتا ہو اس میں حریت فکر' استخلاص وطن کے جذبات کیسے ابھر سکتے ہیں؟ جس کا مہتمم اور بانی انگریز کا وظیفہ یافتہ ہو۔ آپ ان سے وطن کی آزادی کی تحریک کی قیادت کی توقع رکھتے ہیں؟

رہے ہمارے شیعہ بھائی وہ تو انگریز کے بازو شمشیر زن تھے اور ہمیشہ انگریز کیلئے سرفروشوں اور مجاہدوں کی مخبری کرتے رہے اور اس صلے میں بڑی بڑی جائیدادیں حاصل کرتے رہے۔ انگریز کے جبرو تشدد' ظلم و ستم اور غضب کا نشانہ صرف اور صرف اہل حدیث بنتے رہے۔

تحریک مجاہدین نے بڑے بہادر، متقی، مجاہد، ذاکر، شاکر، عابد، زاہد، مدبر، ہوشمند اور مستقل مزاج انسان پیدا کیے۔ اس تحریک کا یہ کمال تھا کہ نہ کبھی کسی نے انگریز سے معافی مانگی نہ ابتلاء و آزمائش میں اپنے کسی کارنامے پر پشیمان ہوئے۔ نہ ہی جبر و تشدد سے ڈر کر جماعت کا راز اگلا۔ وہ ہر چیز تج کر کوہ استقامت بن کر رہے۔ مولانا جعفر تھانیسریؒ نے کالا پانی میں لکھا کہ جب ہمارے قافلے کو تھانیسر اور انبالہ سے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر لدھیانہ کے راستے پیدل لاہور لایا جا رہا تھا۔ رات کے وقت جب ہم چلتے تو ہمارے پاؤں کی بیڑیوں کی کھڑکھڑاہٹ دور دور تک سنائی دیتی تھی لوگ سمجھتے تھے کہ انگریز قیدیوں کو لے جا رہے ہیں مسلمان انگریز کے جبرو تشدد سے اس قدر سہمے ہوئے تھے کہ وہ ہمیں دیکھنے کی جرات بھی نہیں کرتے تھے۔ البتہ جب ہم کسی سکھ آبادی کے پاس سے گزرتے تو وہ ہمیں دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ایک مرتبہ ہم ایک سکھ آبادی کے پاس سے گزرے تو تمام گاؤں ہمیں دیکھنے کے لئے اٹھ آیا ایک سفید ریش بوڑھا سکھ ہمیں دیکھ کر زار و قطار رونے لگا اور کہنے لگا کہ لوگو! انگریز کے جبرو تشدد کو دیکھو اور ان ناتواں جسم والے علماء کے عزم و یقین اور تحمل و استقامت کو دیکھو کہ چیونٹی پہاڑ سے ٹکرا رہی ہے۔ لیکن یقین جانئے ان کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔ ان کا خلوص اور استقلال رنگ لائے گا۔ ایک دن ضرور آئے گا جب انگریز کو برصغیر سے بوریا بستر باندھنا ہوگا مگر یہ اخلاص کے پتلے ان آزاد فضاؤں کو نہیں دیکھ سکیں گے لیکن ان کی نسلیں آزادی وطن سے ضرور بہرہ ور ہوں گی۔ (کالا پانی)

بارھواں باب

تحریک مجاہدین کے حیرت انگیز واقعات اور کارنامے

یہ قافلہ بلاخیز اہلحدیث کا تھا۔ مقدمات بغاوت بھی اہلحدیث پر قائم کیئے گئے۔ انگریز کا نشانہ ستم بھی اہلحدیث تھے۔ تمام علماء اہلحدیث بالواسطہ یا بلاواسطہ تحریک مجاہدین سے بھرپور دامے' درمے' سخنے تعاون کیا کرتے تھے۔ علماء اہلحدیث کے دلوں کی دھڑکنیں مجاہدین سے وابستہ تھیں۔ اسی وجہ سے عمومی طور پر انگریز اور انگریزی سے متنفر تھے۔ اس میں اکابر اور اصاغر علماء اہلحدیث یکساں جذبات رکھتے تھے۔

نواب سید صدیق حسن خاںؒ

چوٹی کے اہلحدیث عالم ہیں' حدیث' رجال' تفسیر' تاریخ' سیر اور دیگر مسائل پر کئی سو سے متجاوز کتابوں کے مصنف ہیں۔ انہیں مجدد الوقت اور مجتہد العصر بھی کہا جا سکتا ہے۔ انہوں نے حدیث کی بڑی بڑی کتابیں مصر و شام اور بیروت سے اپنے خرچ سے شائع کروا کے اہل علم میں مفت تقسیم کیں۔ ان کی کتابوں کے اسماء ذکر کرنے سے بات لمبی ہو جائے گی۔ والیہ بھوپال سے جب ان کا نکاح ہو گیا اور ریاست کا تمام انتظام و انصرام ان کے ہاتھ میں آگیا تو انہوں نے بھوپال کو برصغیر کا بغداد بنا ڈالا۔ ہندوستان بھر سے اکابر علماء کرام' اجلہ اہل علم بھوپال میں اکٹھے کر دیئے۔ عباسی خلفاء کی طرح بھوپال میں تالیف و ترجمہ کا ایک سلسلہ شروع کیا کہ ہندوستان کے دیگر مرکزی شہر اسے رشک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ نواب صاحبؒ کے والد محترم مولنا سید اولاد حسن قنوجیؒ متوفی ۱۲۵۳ھ جو شیعہ سے اہلحدیث ہو گئے اور امیر المجاہدین سید احمد شہیدؒ کی بیعت کی اور تحریک مجاہدین میں

بھرپور حصہ لیا۔ نواب صدیق حسن خانؒ کو بھی جماعت مجاہدین سے دلی تعلق اور قلبی لگاؤ تھا۔ ان کی دلی ہمدردیاں' ذاتی دلچسپیاں مجاہدین کے لئے وقف تھیں اور ان کا ذہنی رجحان بھی مجاہدین سے خلوص کے جذبات رکھتا تھا۔ ریاست بھوپال میں نواب صاحبؒ کی ہمہ گیری چشم حساد میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ حاسدین نے نواب صاحبؒ کے خلاف حسد و بغض کے جال بچھائے سازشوں کے تانے بانے بنے۔ مکر و فریب کے گھوڑے دوڑائے۔ افتراء و اتہام کے مہمل وار کئے۔ لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات نکلا۔ ان کی کوئی دال نہ گل سکی۔ بالاخر انگریز کے پاس شکایت کی گئی کہ سید نواب صدیق حسن خانؒ درپردہ مجاہدین سے ہمدردی رکھتے ہیں مجاہدین سے تعاون کرتے ہیں اور انگریز کے بدخواہ ہیں جب نواب صاحبؒ کو ان کی شکایت کا علم ہوا تو ان کی ایمانی غیرت اور دینی حمیت نے اقتدار و اختیار سے چمٹے رہنا گوارا نہ کیا بلکہ فوراً از خود ریاست کے اقتدار و اختیار سے الگ ہوگئے اور ریاست کے اقتدار کی وجہ سے جو ان کو خطاب ملا تھا وہ بھی واپس کر دیا۔ لیکن مجاہدین سے اپنا تعلق بدستور قائم رکھا۔ نواب صاحبؒ کی تاریخ ولادت ۱۹ جمادی الاول ۱۲۴۸ھ اور تاریخ وفات ۱۳۰۷ھ ہے (ابقاء المنن بالقاء المحن)

حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ

شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کا مفصل تذکرہ تو آگے چل کر لکھیں گے۔ تحریک مجاہدین کے متعلق ان کا ایک واقعہ درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اہلحدیث کی چوٹی کی شخصیتیں کس قدر تحریک مجاہدین سے دلچسپی' ہمدردی اور تعلق خاطر رکھتی تھیں۔ انگریز نے تحریک مجاہدین کے معاونین' مخلصین اور وابستگان پر کس قدر مظالم ڈھائے اس کا اندازہ میاں صاحبؒ کے اس واقعہ سے لگ سکتا ہے۔ انبالہ کیس کے بعد انگریز نے ہر اس

شخص کو نشانہ تشدد بنایا جس کے بارہ میں اس کے مخبروں نے مجاہدین سے وابستگی کی خبر دی۔

"یہاں یہ بھی عرض کر دینا چاہئے کہ اس مقدمے اور مولنا احمد اللہ والے مقدمے ہیں جس کا ذکر آئندہ باب میں آئے گا۔ شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ بھی مصروف ابتلاء بنے تھے۔ میاں صاحب مرحوم اہلحدیث کے سرتاج تھے۔ اہلحدیث اور وہابی کو مترادف سمجھا جاتا تھا۔ مخبروں نے میاں صاحبؒ کے خلاف بھی شکایات حکومت کے پاس پہنچائیں۔ ان کے مکان کی تلاشی ہوئی اور بہت سے خط پائے گئے جو ہندوستان کے مختلف حصوں سے آتے رہتے تھے۔ ان سے یا تو مسئلے پوچھے جاتے تھے یا مختلف دینی کتابوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تھا۔ میاں صاحبؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کے پاس اتنے خط کیوں آتے ہیں؟ انہوں نے بے تکلف جواب دیا! کہ یہ سوال خط بھیجنے والوں سے کرنا چاہئے نہ کہ مجھ سے۔ ایک خط میں مرقوم تھا کہ شرح نخبتہ ا لفکر (اصول حدیث کی کتاب) بھیج دیجئے۔ مخبر نے کہا کہ یہ خاص اصطلاح ہے۔ جس کا مفہوم کچھ اور ہے۔ اور یہ لوگ خطوں میں اصطلاحی الفاظ سے کام لیتے ہیں۔ میاں صاحبؒ نے یہ سنا تو جلال میں آگئے اور فرمایا نخبتہ ا لفکر کیا توپ؟ نخبتہ ا لفکر کیا بندوق؟

(الحیات بعد المحات ص ۸۱ و ۸۲)

بہرحال آپ کو دہلی سے راولپنڈی لے گئے۔ وہاں کم و بیش ایک سال جیل خانے میں نظر بند رکھا۔ دو آدمی ساتھ تھے۔ ایک میر عبدالغنی ساکن سورج گڑھ جو بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے۔ انہوں نے جیل خانے میں ہی وفات پائی۔ میاں صاحبؒ نے خود تجہیز و تکفین کی اور نماز جنازہ پڑھائی۔ دوسرے صاحب عطاء اللہ تھے۔ جنہوں نے پوری صحیح بخاری سبقا" سبقا" پڑھی اور قرآن مجید بھی حفظ کر لیا۔ میاں صاحب نے سرکاری لائبریری سے کتابیں منگوانے کی اجازت

لے لی تھی اور ان کا بیشتر وقت مطالعہ میں گزرتا تھا۔ راولپنڈی میں مجاہدین کے متعلق بہت سے کاغذات جمع کر دیئے گئے تھے جن میں سے اکثر فارسی میں تھے۔ شمس العلماء مولنا محمد حسین آزاد ان کاغذات کی جانچ پڑتال پر لگائے گئے تھے۔ وہ بھی دیر تک راولپنڈی میں مقیم رہے۔ ذوق کے دیوان کی ترتیب انہوں نے وہیں شروع کی تھی۔ میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے خلاف کوئی الزام پایہ ثبوت کو نہ پہنچ سکا تو تقریباً ایک سال کے بعد انہیں ابتلاء سے نجات ملی۔

(سرگزشت مجاہدین ص ۳۸۲' ۳۸۳)

میاں صاحبؒ کے صاحبزادے مولنا سید شریف حسینؒ کے ایک مکتوب سے واضح ہوتا ہے کہ چیمبرلائن صاحب تحقیقات پر مقرر ہوئے تھے۔ پہلے چند آدمی دہلی آئے اور میاں صاحبؒ سے مجاہدین یا ان کے معاونین کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ پھر چیمبرلائن کے حکم سے انہیں پشاور طلب کیا گیا۔ میاں صاحب پشاور پہنچے تو معلوم ہوا کہ چیمبرلائن راولپنڈی چلا گیا ہے۔ چنانچہ میاں صاحب کو راولپنڈی آنا پڑا اس اثناء میں چیمبرلائن کسی سرکاری کام کے سلسلہ میں انبالہ گیا اور وہاں فوت ہوگیا۔ میاں صاحبؒ اس کے قائم مقام کے انتظار میں راولپنڈی ہی ٹھہرے رہے۔ قائم مقام نے میاں صاحبؒ سے مجاہدین کا پوچھا اور انہوں نے بے خبری ظاہر کی تو وہ بہت خفا ہوا۔

(مکاتیب نذیریہ ص ۲۲۰' بحوالہ سرگزشت مجاہدین ص ۳۸۳)

دیانت و امانت کا حیرت انگیز واقعہ

تحریک مجاہدین سے وابستہ علماء کرام اور مجاہدین حضرات خلوص و للہیت' دیانت و امانت' تقویٰ و طہارت کے مجسم تھے۔ کثرت تلاوت قرآن' کثرت ذکر الٰہی اور کثرت ادائیگی نوافل ان کا لازمہ حیات تھا۔ وہ سب کچھ تج کر خویش و اقارب' بیوی' بچوں' جائیداد' مکانات اور وطن عزیز کو چھوڑ کر انگریز سے جہاد

کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر چکے تھے۔ ہندوستان کی آزادی کی تڑپ ہر وقت ان کو سیماب صفت رکھتی تھی۔ انگریز دشمنی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کی ہر وقت خواہش اور کوشش یہی تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے وطن عزیز کو انگریز کے منحوس سایہ سے بچایا جا سکے۔ اسی سلسلہ میں انہیں کسی قربانی سے دریغ کرنا گوارا نہ تھا۔ جماعتی فنڈ سے اپنی جان پر خرچ کرنا وہ ہرگز ہرگز جائز نہ سمجھتے تھے۔ برصغیر میں علی منہاج خلافت راشدہ انقلاب برپا کرنا ان کا مقصد حیات اور زندگی بھر کا مشن تھا۔ بقول مولنا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ کہ ان مخلصین، مومنین، متقین، مجاہدین اور قاتین کو دیکھ کر معلوم یوں ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا قافلہ سرزمین عرب سے ادھر آنکلا کیونکہ شاہ شہید اور ان کے بقیتہ السیف مجاہدین نے اپنے اخلاص و ایثار، گفتار و کردار، سیرت و اعمال اور دیانت و امانت، تقویٰ، تدین، شجاعت و بسالت، حسن اخلاق اور حسن کارکردگی سے صحابہ کرامؓ کی یاد تازہ کر دی۔ اندازہ فرمائیں کہ تحریک مجاہدین کے آخری دور میں امیرالمجاہدین صوفی محمد عبداللہ ؒ متوفی ۲۸ اپریل ۱۹۷۵ء بانی جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن نے ایک مجلس میں فرمایا کہ جامعہ تعلیم الاسلام کے قیام کے وجوہ و اسباب میں سے ایک یہ بھی تھا کہ میں ہندوستان بھر سے جامعہ تعلیم الاسلام کے مہتمم کی حیثیت سے گھوم پھر کر جماعت مجاہدین کے لئے چندہ اکٹھا کر کے مرکز مجاہدین چمرکند میں پہنچا سکوں کیونکہ حالات اس قدر سنگین تھے کہ ہمارا برصغیر میں چلنا پھرنا دشوار دکھائی دیتا تھا۔ کیونکہ انگریز کی مستعد سی آئی ڈی ہمیشہ ہمارے تعاقب میں ہوتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجاہدین کا چندہ بطور امانت صرف تین شخصوں کے پاس رکھا کرتا تھا۔ فیروز پور میں حاجی نور محمد صراف مرحوم والد گرامی مولنا عبیداللہ احرارؒ متوفی فروری ۱۹۷۵ء مولنا عبدالقادر قصوری مرحوم متوفی ۱۹۴۴ء اور چوہدری علی محمد مرحوم چک ۴۹۳ گ ب صوفی صاحبؒ نے فرمایا کہ قیام پاکستان کے بعد میں نے مجاہدین کے چندے کی وصولی کا سلسلہ بند کر دیا۔ مجاہدین میں ہمارے

باہمی تعارف کے خفیہ اشارے اور الگ اصطلاحات ہوا کرتی تھیں۔ چنانچہ ۱۹۵۱ء میں بنگال سے ایک شخص میرے پاس اوڈانوالہ میں پہنچا۔ اور مجھے علیحدگی میں ان ہی اشاروں سے بتایا کہ مجھے مغربی بنگال کی فلاں بیوہ عورت نے بھیجا ہے کہ تم میرے پاس مجاہدین کا چندہ لینے کے لئے آیا کرتے تھے لیکن عرصہ چھ سال سے تم میرے پاس مجاہدین کا چندہ لینے نہیں آئے۔ مجاہدین کے حصہ کی ڈیڑھ لاکھ رقم میرے پاس جمع ہے۔ بتاؤ میں اسے کیا کروں اور کہاں بھیجوں؟ صوفی صاحب نے جواباً فرمایا کہ اب پاکستان بن چکا ہے کشمیر کی جنگ بھی بند ہو چکی ہے ملک کو آزادی مل چکی ہے۔ انگریز یہاں سے جا چکا ہے۔ چمرقند اور اسمس کے مجاہدین پاکستان میں بکھر چکے ہیں کچھ فوج میں بھرتی ہو چکے' کئی ایک پرائیویٹ کاروبار کر رہے ہیں۔ کئی ایک نے پرائیویٹ ملازمت اختیار کر لی ہے۔ کچھ مجاہدین نے تحصیل لودھراں ضلع ملتان مجاہد آباد میں گورنمنٹ سے زمین لے کر کاشتکاری شروع کر لی ہے۔ لہذا یہ رقم اپنے آس پاس کے دینی مدارس میں صرف کر دیں۔ یہاں بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت صوفی صاحبؒ نے اس بنگال سے آنے والے مجاہد سے کہا میرا یہ پیغام اس خاتون تک پہنچا دو۔ اللہ' اللہ کس قدر خلوص و للہیت اور دیانت و امانت کا یہ ایمان افروز واقعہ ہے کہ حسب سابق ایک خاتون نے پوری دیانت اور خلوص سے مجاہدین کا حصہ جمع رکھا اس سے اپنی ذات پر ایک پائی بھی خرچ نہیں کی۔ ادھر حضرت صوفی صاحبؒ کی دیانت و خلوص کس قدر ایمان افروز ہے کہ اپنی دینی دانشگاہ کی ضروریات کے باوجود مجاہدین کے چندہ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ یہ مجاہدین کی اسی تربیت کا نتیجہ تھا کہ مجاہدین اپنی ہر چیز کو جماعت پر قربان کرتے تھے۔ آج کل کی طرح نہیں کہ بعض ادارے' بعض انجمنیں' بعض نام نہاد تنظیمیں اور بعض اشخاص تحریک جہاد افغانستان و کشمیر کے نام پر پاکستان اور عالم اسلام سے کروڑوں روپے جمع کر کے اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں اور داد عیش دے رہے ہیں' اللہ ہم سب کو خلوص و دیانت سے سرفراز

فرمائے۔ اس قسم کے دیانت و خلوص کے سینکڑوں واقعات ہیں اگر ان کو ضبط تحریر میں لایا جائے تو ان سے ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔

صوفی صاحبؒ کا ارشاد

امیر المجاہدین حضرت صوفی عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جب سے میں نے تحریک جہاد کے لئے ہجرت کی۔ دوبارہ پھر اپنے گھر اور وزیر آباد نہیں گیا۔ جماعت نے میرے لئے ہندوستان بھر سے فراہمی اعانت کی ذمہ داری لگائی۔ ہماری خفیہ اصطلاحیں اور خفیہ اشارے ہوا کرتے تھے۔ مجاہدین کے لئے ہم نہ کہیں کھلم کھلا اپیل کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ اس سلسلہ میں پورا ہندوستان ہمارا میدان تھا خصوصاً بمبئی' حیدر آباد دکن' مدراس' کلکتہ' رنگون' برما' مرشد آباد' پٹنہ' آرہ' دربھنگہ' بنارس' ناگ پور' جودھ پور' بھوپال' جے پور' دہلی' پنجاب کے مختلف شہر' قصبات و دیہات' صوبہ بہار اور مغربی بنگال کے قصبات و دیہات علماء کرام میں سے حضرت میاں صاحبؒ' مولنا محمد ابراہیم آرویؒ' مولنا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ' مولنا محمد بشیر سہوانیؒ' مونا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ' مولنا شمس الحق ڈیانویؒ' مونا عبدالخبیر صادق پوریؒ' مولنا ابوالقاسم بنارسیؒ' مولنا عبدالجبار عمرپوریؒ ' مولنا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ' مولنا حاجی عبدالرحمٰنؒ و حاجی عطاء الرحمٰنؒ بانیان دارالحدیث رحمانیہ دہلی' ڈاکٹر سید محمد فریدؒ' مولنا محمد حسینؒ کلکتہ' قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ اور پنجاب کے اکثر علماء کرام۔

ہم خفیہ طور پر رات کے اندھیرے میں اپنے متعلقہ مراکز میں پہنچتے۔ ہمارا درویشانہ لباس ہوتا تھا۔ کم گوئی اور خاموشی اختیار کرتے۔ کسی گم نام جگہ پر رات گزارتے یا متعلقہ مرکز میں خاموشی سے اندرون خانہ ہمارا قیام ہوتا۔ ہم سویرے سویرے مجاہدین کے حصہ کی رقم لے کر وہاں سے روانہ ہو جاتے۔ ہمارے مرکز میں انتہائی مخلصین خلوص سے ہمارے لئے فراہمی زر کرتے۔ بڑی خندہ پیشانی

سے پیش آتے بلکہ ہم سے مل کر ان کی خوشی دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ ہو جاتی۔ وہ ہمیں صبح کے اجالے سے پہلے پہلے دور تک الوداع کہنے آتے۔

مجاہدین کی نابغہ عصر شخصیتیں

تحریک مجاہدین نے بڑی نامور شخصیتیں پیدا کیں۔ انگریز کے جبرو تشدد اور ظلم و ستم کے باوجود ان نابغہ عصر شخصیتوں نے جہاد آزادی کی شمع کو ظلم و ستم کے طوفانوں میں بھی فروزاں رکھا۔ ان عبقری زمان اشخاص نے انگریز کی ربع ارض پر حکمرانی اور ان کے وحشیانہ عزائم کے علی الرغم پرچم جہاد کو سربلند رکھا۔ اور اپنی جدوجہد آزادی اور مجاہدانہ تگ و تاز سے نہ صرف انگریزوں کو پریشان رکھا بلکہ ان کی ہر نامعقولیت کو خندہ استہزاء سے ٹھکرا دیا۔ اس دور واپسیں میں ان حریت ماب مجاہدین آزادی اور رجال عظیم کا جب ہم اندازہ کرتے ہیں تو یقین جانئے اہلحدیثوں کا سر اونچا ہو جاتا ہے کیونکہ ہمارا موقف یہ ہے کہ ہر عسرو یسر، خوف و خطر، جبرو تشدد، ظلم و ستم میں تحریک مجاہدین کو اپنی گردنوں کا تازہ خون پیش کرنے والے اور تحریک جہاد کے شجر کو اپنی ہڈیوں کی کھاد مہیا کرنے والے اہلحدیث ہی تھے۔ کوئی ترغیب و ترہیب، طمع و لالچ، جبرو قہر انہیں جادہ حق سے نہ ہٹا سکا۔ اس مادی دور میں ان کا مخلصانہ کردار اس قدر سربلند ہے کہ تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

مولنا محمد بشیر لاہوریؒ بن مولنا رحیم بخش لاہوریؒ متوفی ۱۹۳۵ء، مولنا فضل الٰہیؒ وزیر آبادیؒ متوفی مئی ۱۹۵۱ء مولنا محمد علی قصوریؒ متوفی جنوری ۱۹۵۶ء، امیر المجاہدین حضرت صوفی محمد عبداللہؒ متوفی اپریل ۱۹۷۵ء مولنا حافظ عنایت اللہ اثریؒ صوفی ولی محمدؒ آف فتوحی والا، مولنا عبدالقادر قصوریؒ متوفی ۱۹۴۴ء، مولنا عبدالحکیم ندوی قصوریؒ، مولنا محمد علی لکھویؒ، سردار محمد شفیعؒ۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے خون جگر سے چمنستان تحریک جہاد کو سینچا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ یہ تمام لوگ

کاروان عمل بالحدیث کے حدی خوان تھے۔ (سرگذشت مجاہدین)

جماعت مجاہدین کے اساتین

مولنا غلام رسول مہرؒ نے سرگزشت مجاہدین کے ص ۴۳۶ پر امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہؒ کے حوالے سے لکھا کہ ۲۰ ویں صدی کے آغاز سے نصف صدی تک اندرون ملک جماعت مجاہدین کے ساتھ جو لوگ مخلصانہ وابستگی رکھتے تھے اور جماعت کی امداد و اعانت کے ستون سمجھے جاتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) حاجی نور محمد صرافؒ فیروز پوری (۲) مولنا عبدالقادر قصوریؒ (۳) مولنا عین القضاۃ لکھنویؒ (۴) مولنا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ (۵) مولنا محمد ابراہیم آرویؒ (۶) مولنا زین العابدینؒ ڈھاکہ (۷) مولنا عبدالخبیر عظیم آبادیؒ (۸) مولنا لیاقت الوریؒ (۹) ڈاکٹر سید محمد فریدؒ دربھنگہ (۱۰) مولنا عبداللہ سیتا مڑھیؒ (۱۱) مولنا عبدالسبحانؒ جھنگڑہ (۱۲) مولنا حافظ محمد شریفؒ جھکا (۱۳) حافظ عبدالغفورؒ رتلام (۱۴) حافظ محمد اسحٰقؒ دہلی (۱۵) حاجی عطاء الرحمٰن و حاجی عبدالرحمٰنؒ بانیان دارالحدیث رحمانیہ دہلی (۱۶) حافظ حمید اللہ کشن گنجؒ دہلی (۱۷) حاجی خدا بخش جوہد پوریؒ (۱۸) سیٹھ عبدالمتین بنارسیؒ (۱۹) سیٹھ عبداللہؒ کوچین (۲۰) سیٹھ محمد داؤدؒ دہلی (۲۱) جناب محمد صاحبؒ راوی والے (۲۲) حاجی عطاء اللہ اوڈانوالہ (۲۳) حاجی محمد ابراہیمؒ ماڑی اناری۔

جماعت مجاہدین کے پروانے

ان آخری ایام میں بھی اللہ تعالیٰ نے مجاہدین میں ایسے ایسے پروانے، دین کے دیوانے مجاہدین کو عطاء فرمائے کہ آج جب ہم ان کے اخلاص اور بہادری کے کارنامے پڑھتے ہیں تو ان پر رشک آتا ہے وہ بحمد اللہ سارے کے سارے قافلہ عمل بالحدیث کے رکن رکین تھے۔ خصوصا نظام آباد اور وزیر آباد کے مستری ابراہیمؒ موضع سکھاں ضلع گوجرانوالہ کے چوہدری تاج محمد باجوہؒ جناب اللہ

دتہ عرف عبدالحکیمؒ ساکن سنبھلہ ضلع سیالکوٹ، مولوی عبدالرزاقؒ ساکن چک رائے ضلع گورداسپور، مولوی عبدالواسعؒ ڈپٹی برکت علیؒ مولوی سلطان محمدؒ آف لاہور، مولوی عبداللہ پشاوریؒ، مولوی کرم الٰہی قادر والا ضلع فیروز پور، میاں غلام حسینؒ آف فتوحی والا، صوفی جلال الدینؒ آف ہریسے والا ریاست فرید کوٹ، مولوی الٰہی بخش آف پیروالا، مولوی عین الدینؒ سانده ضلع لاہور، مولوی عبدالغنیؒ ، محمد عمرؒ بڈھیمال ضلع فیروز پور، مولوی عبداللہؒ آف کوٹ کپورہ، محمد سلیمانؒ آف ضلع فیروز پور، محمد یوسفؒ، محمد حسینؒ ضلع سیالکوٹ، عبداللہؒ اور عبدالرحمٰنؒ حافظ محمد یوسف گکھڑویؒ، مولوی سید عمر فاروق غزنویؒ فیروز پور کے محمد داؤدؒ چوہدری اللہ داد ساکن ؟؟؟؟ ضلع سیالکوٹ (سرگذشت مجاہدین)

معاونین جماعت

مولنا غلام رسول مہرؒ نے صوفی محمد عبداللہؒ کے بیان کے مطابق آخری دور کے جماعت مجاہدین کے معاونین کا تذکرہ بھی فرمایا ہے۔ صوفی صاحبؒ نے جماعت مجاہدین کے ان معاونین کی فہرست لکھوائی ہے جو پنجاب سے تعلق رکھتے تھے۔ خصوصاً مولنا عبدالقادر قصوریؒ علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ مصنف رحمتہ للعالمین، مولنا عبدالتواب ملتانیؒ مولنا محمد علی لکھویؒ مولنا عطاء اللہ لکھویؒ ، حاجی نور محمد صرافؒ فیروز پوری، مولنا عبداللہؒ کھیانوالہ ضلع فیروز پور، مولنا عبداللہؒ کوٹ کپورہ ریاست فرید کوٹ، صوفی محمد سلیمانؒ روہڑوی ضلع حصار، مولنا حکیم عبداللہؒ روہڑی ضلع حصار، میاں شمس الدینؒ ضلع لاہور، میاں غلام حسینؒ فتوحی والا، علماء اہلحدیث بڈھیمال ضلع فیروز پور، مولوی عبدالکریمؒ ایس، ڈی، او۔ چوہدری عبدالستار آف فیروز پور، عبدالسلامؒ ساکن تلونڈی ضلع فیروز پور محمد سلیمان ساکن تلونڈی ضلع فیروز پور، کئی اور مقامات کے حضرات کا ذکر بھی ہے۔ (سرگزشت مجاہدین)

صوبہ سرحد پر مجاہدین کے اثرات

ضلع ہزارہ چونکہ جماعت مجاہدین کی گزر گاہ ہے جماعت مجاہدین مبلغین علماء کرام وہاں آتے جاتے رہتے ہیں مجاہدین کے اس قرب و جوار کی وجہ سے پورے ہزارہ ڈویژن میں اہلحدیث کی اکثریت ہے کیونکہ مجاہدین خود اہل حدیث تھے اور ان کی صحبت سے ہزارہ ڈویژن کی اکثریت اہل حدیث ہوگی۔ غیر اہل حدیث علماء اور عوام بھی توحید پرست ہیں' اور شرک کی آلائشوں سے بچے ہوئے ہیں توحید و سنت کے چرچے عام ہیں۔ وہاں کے عوام پر دینی چھاپ نمایاں ہے۔ وہ لوگ دینی ذہن اور دینی ذوق رکھتے ہیں۔ نمازی ہیں۔ ان کی مسجدیں آبادیں۔ جذبہ جہاد ان میں اب بھی موجود ہے۔ امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہؒ اپنے ایام صحت میں ضلع ہزارہ میں سال میں ایک مرتبہ ضرور جایا کرتے تھے۔ پھر مولوی محمد دین کو بھیجتے رہے۔ آخری سالوں میں مولنا عبدالرشید راشد ہزاروی ان کے نمائندہ بن کر ایبٹ آباد' حویلیاں' ہزارہ اور مانسہرہ کے دیہات میں جایا کرتے تھے۔ چمرقند اور اسمس کے مراکز کی وجہ سے اکثر صوبہ سرحد کے علاقے بالخصوص پیرپرستی کی رسوم سے آج بھی محفوظ ہیں۔ وہاں پیری مریدی کا کوئی سلسلہ نہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہیں۔ وہاں کے سیاسی خانوادے اور سیاسی گھرانے بھی پیرپرستی اور شخصیت پرستی کی آلائشوں سے پاک ہیں وہ بھی توحید پر عمل پیرا ہیں اور توحید ہی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اب اگرچہ بعض دیوبندی مدارس نے ان میں دیوبندیت کی عصبیت پیدا کر دی ہے لیکن پھر بھی خاصی بڑی تعداد میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے اگر معقولیت سے بات کی جائے تو وہ صحیح بات ماننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اثرات مجاہدین اور تحریک مجاہدین کے ہیں۔ وہاں بریلویت کو ہرگز نہ قبول کیا جاتا اور نہ برداشت کیا جاتا ہے۔ ہزارہ کے چند طلباء سادگی اور بے خبری سے بریلوی مدراس میں پڑھ کر

فارغ ہوگئے۔ لیکن ہزارہ کے عوام نے انہیں قبول نہیں کیا۔ وہ پنجاب میں اقامت گزین ہونے پر مجبور ہوگئے۔ ان کی متعدد مثالیں ہمارے پاس موجود ہیں۔

عارضی حکومت کا قیام

ہندوستان کی آزادی کے لئے راجہ مہندر پرتاپ' مولنا عبیداللہ سندھیؒ اور دیگر مسلم و غیر مسلم لیڈر کابل پہنچے۔ ترکی اور جرمنی سے مشورے اور ان کی آشیر آباد سے کابل میں ایک عارضی ہندوستانی حکومت کے قیام کا فیصلہ ہوا تاکہ ہندوستان کی آزادی کی منزل کو قریب کیا جا سکے۔ اور آزاد ملکوں میں سفارت کار بھیج کر ان کو اپنا ہم نوا بنایا جائے۔ چنانچہ اس عارضی حکومت کے قیام میں جمعیت مجاہدین اور ان کے قائدین نے عظیم کردار ادا کیا اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس کے کاز کو سربلند رکھا اور مشن کو آگے بڑھایا۔ اس عارضی حکومت ہند کا صدر راجہ مہندر پرتاپؒ کو بنایا گیا وزیر داخلہ مولنا عبیداللہ سندھیؒ قرار پائے۔ وزیر قانون مولنا محمد علیؒ ایم ۔ اے' قصوری مرحوم کو بنایا گیا۔ وزارت خارجہ مولنا محمد بشیرؒ لاہوری کے سپرد کی گئی۔ وزیر جنگ (دفاع) مولنا فضل الٰہیؒ وزیر آبادی کو بنایا گیا۔ (مشاہدات کابل و یاغستان)

اس عارضی حکومت ہند میں اہلحدیث کے تین فرزندان جلیل اور جمعیت مجاہدین کے قائدین یعنی مولنا محمد بشیرؒ لاہوری' مولنا فضل الٰہیؒ وزیر آبادی اور مولنا محمد علی قصوری شرح صدر سے شامل اور شریک ہوئے۔

تحریک ریشمی رومال

۱۹۱۱ء میں اٹلی نے خلافت عثمانیہ کے ماتحت ریاست ہائے بلقان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ برطانیہ اور فرانس کی اسے پشت پناہی حاصل تھی۔ مسیحیت کو اچھال کر یورپ کو اپنا ہمنوا بنایا گیا اور عثمانی ترکوں کے خلاف منظم حملے شروع

بغاوت پر اکسایا گیا۔ ادھر انگریز کی عیاری نے عرب ملکوں کو عثمانیوں کا باغی بنا دیا۔ عثمانی ترک میدان میں یکا و تنہا رہ گئے۔ ہندوستان کی برطانوی فوجیں' عراق' فلسطین' قبرص اور دیگر آس پاس کے ملکوں میں ترکوں پر حملہ کرنے کے لئے پہنچا دی گئیں۔ ادھر ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم اول شروع ہوگئی جس کی وجہ سے ہندوستان کی فوجی چھاؤنیاں بالکل خالی ہوگئیں۔ جمعیت عالیہ مجاہدین چمرقند کے لیڈروں نے جرمنی کے سفارت کاروں سے روابط قائم کئے۔ مولنا فضل الٰہی وزیر آبادی اور مولنا محمد بشیر لاہوری نے اس سلسلہ میں مرکزی کردار ادا کیا۔ اس سلسلہ میں جرمنی سے درخواست کی گئی کہ تم اپنا ایک سفارتی وفد کابل بھیجو تاکہ ہندوستان کی مکمل آزادی کا کوئی لائحہ عمل مرتب کر کے اسے عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ کابل میں اگرچہ جرمنی سفارتی مشن ناکام ہوگیا لیکن جرمنی سے یہ طے ہوگیا کہ جماعت مجاہدین ہندوستان بھر کی بڑی بڑی ریاستوں کے راجوں اور نوابوں کو جرمنی کی سفارتی چھٹیاں پہنچائیں گئیں جس کا مطلب یہ ہوگا اگر جرمنی ہندوستان پر حملہ کر دے تو اس کا مقصد ہندوستان کو آزاد کرانا اور انگریز کو نشانہ بنانا ہوگا اس وقت ہندوستان کے راجے' مہاراجے اور نواب آڑے نہیں آئیں گے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے جرمنی کی سفارتی چھٹیاں ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی تھیں یہ چٹھیاں افغانستان میں پہنچیں اور مہاراجوں اور نوابوں تک پہنچانا نہ صرف مشکل تھا بلکہ جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ جس مجلس میں یہ کارروائی ہورہی تھی اس میں مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی اور صوفی عبداللہ بھی شامل تھے۔ اس مخصوص مجلس میں جب یہ کہا گیا کہ یہ ریشمی رومال والی چٹھیاں متعلقہ حضرات تک کون پہنچائے گا تو مجلس پر سناٹا طاری ہوگیا۔ تمام شرکائے مجلس مہربلب ہوگئے۔ کوئی آدمی اپنے کو خطرے میں ڈالنے کے لئے آمادہ نہ ہوا تو مولنا فضل الٰہی مرحوم نے حضرت صوفی عبداللہ مرحوم کی طرف دیکھا۔ صوفی صاحبؒ نے فرمایا حضرت حاضر ہوں۔ چنانچہ سات چٹھیاں حضرت صوفی عبداللہؒ

کے سپرد ہوئیں اور ایک چھٹی مولنا عبیداللہ سندھیؒ کے سپرد ہوئی۔
(تحریک مجاہدین کا آخری دور ص ۸۸ مصنفہ مولنا خالد گرجاکھی)

مولنا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنے ایک نو مسلم معتقد عبدالحقؒ کو وہ ریشمی رومال والا خط دیا اور اسے کہا کہ دین پور شریف ضلع رحیم یار خان میں مولنا غلام محمدؒ کے پاس یہ خط پہنچا دو وہ اسے امروٹ اور دارالعلوم دیوبند میں مولنا محمود حسنؒ کے پاس پہنچا دیں گے۔ لیکن نو مسلم عبدالحق کمزور ثابت ہوا ملتان چھاؤنی اسٹیشن پر خان بہادر حق نواز خان نے ان سے چٹھی حاصل کر کے پنجاب کے گورنر سر مائیکل اوڈ وائر کو دے دی۔ گویا دیوبندی حضرات کو ایک خط دیا گیا اور وہ بھی سربستہ راز نہ رہ سکا۔ چنانچہ آغا شورش کاشمیری مرحوم لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے علماء و مشائخ سے شیخ الہند مایوس تھے۔ انہوں نے اپنی تحریک کے لیے اپنے شاگردوں کو منتخب کیا۔ ان لوگوں نے پامردی کا ریکارڈ قائم کیا اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر ہندوستان سے باہر چلے گئے۔ لیکن تحریک دو مصیبتوں کا شکار ہوئی۔ ایک تو شرکاء میں سے دو چار نے انگریزوں کے ہتھے چڑھ کر راز دے ڈالے۔ دوسرے سی آئی ڈی کے بعض لوگ شامل تحریک ہوگئے۔ جن کی وجہ سے پورا نقشہ برباد ہوگیا۔ خان بہادر حق نواز خان نے ایک نو مسلم عبدالحق سے ریشمی خط حاصل کر کے سر مائیکل ایڈوائر کو پہنچا دیا۔ اور اس طرح اپنوں کی غداری کا ایک بازار گرم ہوگیا۔ (ابوالکلام آزاد ص ۱۲۱ مصنفہ شورش کاشمیری)

ریشمی رومال کوئی تحریک نہ تھی بلکہ یہ ایک جرمنی کا سفارتی مشن تھا۔

لیکن کچھ لوگوں نے اپنے قلم کے زور بلکہ سینہ زوری سے اسے ریشمی رومال کی تحریک قرار دیا ہے حالانکہ یہ کوئی تحریک نہ تھی بلکہ آٹھ خطوط تھے جو راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کو پہنچانے تھے۔ ہمارے یہاں جو لوگ اسے تحریک ریشمی رومال قرار دیتے ہیں اور خود اس کے چیمپئن بنے پھرتے ہیں وہ ایک چٹھی بھی متعلقہ حضرات تک نہ پہنچا سکے جبکہ صورت حال یہ ہے بقول شورش۔ کچھ لوگوں

نے غداری کر کے اپنی چاندی بنائی۔ کچھ لوگ سادگی سے نشانہ انتقام بن گئے۔ دارالعلوم دیوبند کی سب سے بڑی شخصیت مولنا محمود حسنؒ بقول شورش کاشمیری علماء و مشائخ سے مایوس تھے۔ مولنا محمود حسنؒ کی گرفتاری بھی اپنوں کی وجہ سے عمل میں آئی تھی بقول مولنا سید حسین احمد مدنی مرحوم' حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء کی گرفتاری میں مولنا اشرف علی تھانوی مرحوم کے بھائی مظہر علیؒ نے سب سے مکروہ کردار ادا کیا مولنا عزیز گل کاکا خیل بقول مولنا مدنی مرحوم وہ بھی اندر سے انگریز سے ملے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ سے چمٹ کر انگریز کے پاس ان کی مخبری کرتے تھے۔ حیرت ہے دیوبندی حضرات مولنا عزیز گل کو جنگ آزادی کا ہیرو قرار دیتے ہیں۔

حضرت صوفی عبداللہ مرحوم نے اپنے کو شدید خطرات میں ڈال کر سات چٹھیاں متعلقہ حضرات کو پوری ذمہ داری' مستعدی' احتیاط اور فراست مومنانہ سے پہنچا دیں۔ چنانچہ صوفی صاحب نے ریاست نیپال' جے پور' جودھ پور کے مہاراجوں' گوالیار' اندور کے راجوں اور ریاست بہاولپور کے نواب کو پہنچا دی گئیں۔ اور ایک چٹھی علی برادران مولنا محمد علی جوہر اور مولنا شوکت علی کو بمبئی میں پہنچا دی گئی اور ان سے کہا گیا کہ یہ ریشمی رومال والی چٹھی نواب رام پور کو پہنچانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ ان چٹھیوں کے پہنچانے کی پوری تفصیلات ہماری نئی تصنیف "تحریک ریشمی رومال کے حقیقی خدوخال" میں ملاحظہ فرمائیں۔ بعض لوگوں نے ان چٹھیوں کو ایک تحریک ریشمی رومال کا نام دیا ہے حالانکہ یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں۔ مجاہدین میں ایسی خط و کتابت ایک معمول تھا۔ یہ چٹھیاں سفارت جرمنی کی طرف سے تھیں ان کو متعلقہ حضرات تک پہنچانا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ یہ کوئی الگ تحریک ہرگز ہرگز نہیں تھی ہم اپنی دوسری کتاب میں اس کی تفصیلات مدلل طور پر پیش کر رہے ہیں۔ (تحریک مجاہدین ص ۸۸ ۔ ۸۹ ۔ ۹۰)

تیرھواں باب

حیرت انگیز علمی انکشافات، سنسنی خیز تاریخی معلومات

انگریز نے ۱۸۵۷ء میں تحریک آزادی کو سکھوں، شیعوں اور غدار مسلمانوں کی وجہ سے نہ صرف دبا لیا بلکہ جبر و تشدد کی انتہاء کر دی گئی۔ چونکہ انگریز نے حکومت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لئے مسلمان ہی اس کا تختہ مشق تھے۔ اور غیر مسلم کے لئے انگریز سے نبھا کرنا کوئی مشکل نہ تھا کیونکہ وہ صدیوں سے اقتدار و اختیار سے محروم تھے۔ اس کے لئے مسلمانوں کا چلے جانا اور انگریز کا آنا ان کے یہاں کوئی چنداں فرق نہ تھا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں درج ذیل اہلحدیث سپوتوں نے بڑا بھرپور اور قائدانہ کردار ادا کیا۔ جب اپنے جعفروں، صادقوں، الٰہی بخشوں، احسن اللہ خانوؤں، رجب علیوں اور غلام مرتضاؤں کی غداری کی بدولت اور پٹیالہ کی سکھ فوجوں کی وجہ سے جنگ آزادی کا آخری وار ناکام ہوگیا تو مولنا احمد اللہؒ جھانسی کی رانی کی فوجوں میں داخل ہوگئے اور مسلسل جہاد کرتے رہے جب یہ فوجیں بھی انگریز کی زد میں آگئیں تو ہاتھی پر بیٹھ کر نیپال کے جنگلوں میں جانے کا قصد کر لیا لیکن ایک انگریز سیاح نے دور سے ان کا فوٹو کھینچ کر ان کو پہچان لیا اور انگریزوں سے انہیں شہید کروا دیا۔ ولیم ہنٹر نے اپنی رپورٹ میں یہ لکھا ہے کہ یہ پٹنہ کے مجاہدین کا سرغنہ تھا۔ صادق پور پٹنہ کے علماء نے زیر زمین ایک تہہ خانہ بنایا تھا۔ جہاں وہ مجاہدین کو ٹریننگ دیتے اور نشانہ بازی سکھاتے تھے۔

گورکھ پور کے مولنا معظم علی جنوبی ہند میں بڑا کام کرتے رہے اور مجاہدین کو تیار کرتے رہے۔ خود ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالا کوٹ کے معرکہ میں شہید ہوگئے۔ انہوں نے اپنے سفرنامہ میں ایک عجیب و غریب واقعہ لکھا ہے کہ جنوبی ہند کے

صوبہ جات میں امیر المومنین سید احمد شہیدؒ نے مجھے جہاد کی تبلیغ پر مامور کیا تھا۔ انہوں نے لکھا کہ میں چند ساتھیوں کو لے کر سید احمد شہیدؒ تک پہنچنے کے لئے براستہ سندھ روانہ ہوا۔ ایک رات پیر پگارہ کے ہاں قیام کیا۔ یہ موجودہ پیر شاہ مردان پیر پگاڑہ کے دادا تھے۔ جو بعد میں انگریزوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ پھر ان کے لڑکے سید صبغۃ اللہ شاہ راشدیؒ کو بھی انگریز نے شہید کر دیا تھا۔ سید صبغۃ اللہؒ موجودہ پیر پگاڑہ کے والد محترم تھے۔ مولنا نے یہ بھی لکھا کہ میں نے پیر پگاڑہ کو قرآن و حدیث کے مطابق عامل اور جذبہ جہاد سے سرشار پایا۔ سندھ کے دوسرے پیر اسی وجہ سے ان کے مخالف تھے۔ پیر پگاڑہ کی دوسری راشدی شاخ صاحب علم رابع شاہ اسماعیل شہیدؒ اور سید احمد شہیدؒ کی وجہ سے اہلحدیث ہوگئے تھے۔

مولنا جعفر علی گورکھ پوریؒ بھی جنوبی ہند سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی سید صاحبؒ کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے براستہ بہاولپور سرحد پہنچے تھے اور وہیں شہید ہوگئے تھے۔ انہوں نے بھی ایک سفر نامہ مرتب کیا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ ہم بیس ساتھی تھے۔ اور دریائے سندھ کے مغربی کناروں کے راستے سے ناواقف تھے۔ ہمیں کسی نے بتایا کہ تونسہ میں یہاں ایک پیر ہے جن کا نام خواجہ سلیمان ہے۔ تو میں نے اپنے ساتھیوں کو ایک جنگل میں ٹھہرایا اور خود پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے عرض کیا کہ آپ ہمیں کوئی ایسا رہبر دیں جو ہمیں پشاور کی سرحدوں تک پہنچا دے۔ آپ اس وقت مریدوں کے جھرمٹ میں تھے۔ فارغ ہونے کے بعد میں نے ان کو الگ لے جا کر اپنا مقصد بتایا۔ پیر صاحب گھبرا گئے اور جواب دیا کہ ہماری اس کام سے توبہ ہے۔ اس لئے کہ یہاں سکھوں کی حکومت ہے اور خدا کا ارشاد ہے کہ اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ جب پیر صاحبؒ نے سورۃ بقرۃ کی یہ آیت پڑھی۔ **ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ (البقرۃ)** تو میں نے عرض کیا کہ پیر صاحب اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ

جہاد میں حصہ نہ لیا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنا اور مال جمع کرتے رہنا یہ ہلاکت ہے تم اس میں اپنے کو نہ ڈالو۔ بہرحال ہم نے ان سے مایوس ہو کر اپنا سفر جاری رکھا۔ نواب آف کالا باغ کے پاس پہنچے۔ نواب صاحبؒ سے علیحدگی میں میں نے اپنا مقصد بیان کیا۔ نواب صاحبؒ بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے اور کہا کہ ان راستوں میں آپ کی راہنمائی کے لئے اپنا خاص آدمی بھیجوں گا لیکن جہاد میں عملی حصہ لینے سے قاصر ہوں کیونکہ میرا سکھوں سے معاہدہ ہو چکا ہے۔ آپ لوگ میری مالی امداد قبول فرمائیں۔ مولنا جعفر علی گورکھ پوریؒ نے کہا کہ ہمیں آپ کے مالی تعاون کی چنداں ضرورت نہیں چنانچہ نواب صاحب کا خاص آدمی ہمیں اپنے مرکز نوشہرہ میں پہنچا گیا۔ میں ایک پیر اور دنیا دار نواب کے کردار کا یہ تفاوت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لکھتے ہیں کہ میں نے یہ ماجرا سید صاحبؒ سے عرض کیا اور اس تفاوت کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ نوابؒ کے دل میں ایمان کی حرارت موجود ہے اور بدعتی پیر کے دل سے ایمان کا نور ختم ہو چکا ہے۔ (سرگزشت مجاہدین)

سید صاحبؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے جو شخص قرآن و حدیث پر عمل نہیں کرتا۔ اس کے ایمان میں نور باقی نہیں رہتا خواہ پیر ہو یا عالم دین۔ انہیں مجاہدین علماء میں بنگال کے علامہ شریعت اللہؒ تھے جنہوں نے انگریز کے خلاف فرائضی تحریک شروع کی تھی اور کسانوں کی فوج ظفر موج تیار کر لی تھی۔ جس نے انگریز سے زبردست ٹکر لی اور زمین کا معاملہ دینے سے انکار کر دیا۔ ڈاکٹر ولیم ہینسٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ اس جہاد میں انگریز کے ہاتھوں ایک لاکھ مسلمان شہید ہوئے۔ ڈاکٹر ہینسٹر نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ایک لاکھ مسلمان سب کے سب وہابی تھے۔ اور ۱۸۵۷ء کی جنگ کی قیادت اہلحدیث کے مایہ ناز سپوت جنرل بخت نے کی تھی۔ (ہمارے ہندوستانی مسلمان)

اہلحدیث کے خلاف سازشیں

چونکہ وہابی مسلمان انگریز کے جبرو تشدد کے شکنجہ میں کسے گئے تھے اور وہ کسی قیمت پر انگریز کو نہ معاف کرتے تھے اور نہ ہی ان کا جذبہ جہاد ٹھنڈا ہوتا تھا اور نہ ہی ان کی آزادی کے نشہ کی ترشی کوئی اتار سکتا تھا۔ علماء سوء نے انگریز سے اپنی چاندی کھری کرنے کے لئے ان کے اشارے پر ایک فتویٰ لکھا اور اس پر رام پور' دہلی' پٹنہ وغیرہ کے دیگر علماء سوء نے بھی دستخط کئے اور لکھا کہ وہابی مسلمانوں کو مسجدوں میں نماز نہ پڑھنے دی جائے۔ یہ غیر مقلد اور گمراہ ہیں یہ فتویٰ "اخبار الحق" کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا گیا اور اہلحدیثوں کے لئے کسی غیر اہلحدیث مسجد میں نماز پڑھنا ناممکن ہوگیا۔ چنانچہ میاں صاحبؒ نے دہلی کے چیف جسٹس کی عدالت میں اس کے خلاف استغاثہ دائر کیا۔ اس فضول فتویٰ کا جواب مولنا محمد سعید بنارسیؒ نے "عمارۃ المساجد" کے نام سے لکھا۔ مولنا عبدالبر مرحوم نے اس کا جواب "جامع الفوائد" کے نام سے لکھا۔ مولنا عبدالغنی جونا گڑھیؒ نے اس فضول فتویٰ کے جواب میں "کشف المکائد" لکھی نیز "براءۃ اھل القرآن والحدیث من تہمتہ وا لبہتان" لکھ کر بدعتیوں کو دندہ شکن جواب دیا۔

شیخ الکل حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ نے "معیار الحق" لکھ کر بدعتی دنیا میں زلزلہ برپا کر دیا۔ اسی دوران مولنا محمد لدھیانویؒ نے "جامع الشواھد اخراج الوھابین عن المساجد" لکھ کر جلتی پر تیل کا کام کیا۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ کی "تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین" کے جواب میں مولوی محمد شاہ پاکپٹنی نے "تنویر الحق" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔ تو حضرت میاں نذیر حسین دہلوی نے اپنی کتاب "معیار الحق" میں ان کے اعتراضات کے مدلل اور دندان شکن جوابات دیئے۔ مولوی ارشاد حسین رامپوری نے "انتصار الحق" رسالہ لکھ کر اس کا رد شائع کیا۔ حالانکہ اس میں قرآن و حدیث کی کوئی دلیل نہیں تھی صرف بزرگوں کے اقوال ہی درج کئے تھے۔ اور انہوں نے میاں صاحب سے بارہ سوال

بھی کیئے تھے اس کے جواب میں حضرت صاحب کے شاگرد مولنا امیر حسین نے "براھین اثنا عشرہ" "بحر زخار" اور "اختیار الحق" کے نام سے تین رسائل میں ان کا رد کیا۔ انگریز کے اشارے سے اہل بدعت نے ایک کتاب شائع کی جس میں شاہ ولی اللہ اور وہابیوں کے ماننے والوں کو کافر قرار دے کر مساجد میں ان کے داخلے کو ناجائز قرار دیا۔ اس کے جواب میں پانچ کتابیں شائع کیں جن کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے اور عدالتی فیصلہ بھی کتابی شکل میں **ہفوات ممن منع مساجد اللہ** کتابی شکل میں شائع ہوا یہ سب کتابیں **جامع الشواہد فی خراج الوہابین عن المساجد** کے جواب میں لکھی گئیں۔ وہابی (اہلحدیث) ایک طرف انگریز کے جبرو تشدید کا نشانہ بنے ہوئے تھے ان کی جائیدادیں ضبط ہو رہی تھیں۔ ان کے مکانات پیوند خاک کیئے جا رہے تھے۔ ان کے خلاف سزائے موت یا حبس دوام کے فیصلے ہو رہے تھے۔ ان کی ہر چیز چھین کر انہیں مفلس اور قلاش بنا دیا گیا تھا۔ بدعتی علماء اور لدھیانہ کے علماء ان کو کالے پانیوں اور عبور دریائے شور کی سزائیں دلوا رہے تھے۔ ان پر بغاوت کے مقدمات دائر کیئے جا رہے تھے ایسے تیرہ و تار ماحول میں بدعتی مولویوں اور لدھیانہ کے علماء نے نہایت مکروہ اور سنگ دلانہ کردار ادا کیا۔ یہ اہلحدیث کے خلاف کفر کی بم باری کر رہے تھے یہی وہ سنگ دلانہ ماحول تھا جس میں مولانا محمد حسین بٹالویؒ نے انگریز سے انصاف کی اپیل کی۔ فرنگی شاطر کے اشارہ سے مولوی نعیم الدین مراد آبادی نے تقویتہ الایمان کا رد لکھا جس کا نام اطیب البیان فی رد تقویتہ الایمان رکھا۔ اس کی بدتمیزی دیکھیئے کہ وہ تقویتہ الایمان کو تفویتہ الایمان کا نام دے رہا ہے مولنا ثناء اللہ امرتسریؒ نے مراد آبادی کے جواب میں اکمل البیان نامی کتاب چھپوا کر شائع کی۔ علمائے اہلحدیث نے بدعتیوں کے خوب لتے لیئے اور ان کی بدعات کے بخئے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ اسی زمانے میں نواب سید صدیق حسن خان نے "کلمتہ الحق" مولانا شمس الحق ڈیانوی مرحوم نے "ابطال الذرائع المروجہ" قاضی بشیر الدین قنوجی

نے " غایتہ الکلام فی ابطال عمل المولد والقیام" اور "بصارۃ العینین فی منع تقبیل الا بھامین" لکھ کر بدعتیوں کو لاجواب کر دیا۔ ۱۸۷۲ء میں انگریز کے ایماء سے پادریوں نے لدھیانے سے "نور افشاں" ایک رسالہ جاری کیا اس کے جواب میں مولانا محمد ابراہیم آرویؒ نے ماہنامہ سلفی جاری کیا اور علمائے اہلحدیث نے اہلحدیث کے خلاف اٹھنے والے ہر طوفان کا نہ صرف نوٹس لیا بلکہ اس کو فنا کے گھاٹ اتار کر چھوڑا۔ میرٹھ کے مولوی عبدالسمیع نے قبر پرستی اور ہندوانہ رسموں کو جائز ثابت کرنے کے لئے "انوار ساطعہ" لکھی۔ اس کے جواب میں مولنا خلیل احمد سہارنپوری نے "براھین قاطعہ" لکھی۔ مولوی فضل حق رامپوری نے ایک رسالہ "امتناع کذب باری" لکھا شیخ الہند مولنا محمود حسن نے " الجھد المقل فی قدرۃ المعز والمذل" لکھ کر ان کی علمی بے بضاعتی اور علمی بے مائیگی کو واضح کیا۔

ولی اللہی طریق دعوت

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فقہ الحدیث کے نام سے ایک نیا طریق دعوت شروع کیا تھا۔ جس میں علماء کو اختلافات سے بچا کر شاہراہ کتاب و سنت پر گامزن کیا تھا۔ ان کا انداز یہ تھا کہ ہر پیش آمدہ مسئلہ کو حدیث و سنت کے معیار پر پیش کیا جائے جو پورا اترتا اسے تسلیم کیا جائے اور اس کو عملی جامہ پہنایا جائے حق و صداقت کو صرف چار اماموں میں منحصر نہ سمجھا جائے۔ امام کی جو بات حدیث و سنت کے مطابق ہو اسے سر آنکھوں پر رکھا جائے۔ اور جو بات حدیث و سنت کے معیار پر پوری نہ اترے اسے خاموشی سے ترک کر دینا چاہیے۔ وہ کسی خاص امام کے نہ پیرو کار تھے اور نہ ہی تقلید آئمہ کے احترام کے باوصف انہیں معصوم مانتے تھے۔ یہی ان کا منفرد اسلوب تھا۔ فتنوں اور انتشار سے بچنے کے لئے وہ فقہی مسائل میں حنفی تھے لیکن ان کا پورے خلوص سے نقطہ نظر تھا

کہ فقہی مسائل میں الجھے بغیر کتاب و سنت کی روح تک پہنچا جائے۔ ان کے صاحبزادگان گرامی اور بعد میں آنے والے عزیز بعض مسائل میں سنت کے احیاء اور تمسک کے پیش نظر حنفیت پر قانع نہ رہ سکے۔ لیکن تکفیر بازی یا اختلاف کی کوئی بات نہ تھی۔ جیسا کہ ہم گزشتہ اوراق میں شیخ فاخر زائر الٰہ آبادیؒ کا واقعہ لکھ چکے ہیں۔ ان کا اسلوب فقہ و حدیث کا عظیم اجتماع تھا۔ قریباً ایک صدی تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ لیکن انگریز کو امت مسلمہ کی وحدت ایک لمحہ کیلئے بھی پسند نہ تھی۔ وہ ایسی سبیلیں سوچتا رہا کہ امت مسلمہ اور علماء دین میں کیسے اختلاف ڈالا جا سکتا ہے۔ اور ان میں کیسے سر پھٹول کرائی جا سکتی ہے۔

انگریز کی سازشیں

بیسویں صدی کے آغاز تک برصغیر کے علماء میں کوئی چنداں اختلاف نہ تھا۔ سب اپنے کو اہل سنت والجماعت کہلواتے تھے۔ اگرچہ انگریز بعض حنفی علماء سے ملی بھگت کر کے "الجامع الشواہد اخراج الوھابین عن المساجد" ایسی زہریلی' خطرناک اور غلیظ کتابیں لکھوا اور چھپوا کر اہلحدیث کو بدنام کرنے اور راہ جہاد سے ہٹانے کیلئے ناکام کوششیں کر چکا تھا۔ اور اپنے پادریوں کے ذریعے مناظرہ بازی کی فضا بنا چکا تھا۔ سناتن دھرمیوں' آریہ سماجیوں اور ہندوؤں کو ملا کر مسلمانوں کے خلاف مناظرے کے میدان میں اتار چکا تھا۔ مرزا غلام احمد کو فرنگی شاطر نے جھوٹی جعلی نبوت دے کر مسلمانوں میں انتشار اور جذبہ جہاد کو پامال کرنے کی کوشش بھی کرتا رہا۔ لیکن اپنا یہ دام ہمرنگ زمین بچھا کر بھی اپنے مقاصد حاصل نہ کر سکا کیونکہ مسلمان علماء شاہ ولی اللہؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی عملی اور جہادی تحریک سے وابستہ رہے۔ جنگ عظیم اول از ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کے موقع پر وہ اپنے مزعومہ اور گھٹیا مقاصد میں کافی حد تک کامیاب ہوگیا کیونکہ بدعتی اور سرکار پرست مولویوں نے اپنی چاندی کھری کرنے کے لئے انگریز کی

خواہشات کو عملی جامہ پہناتے ہوئے وہ غلط طریق کار اختیار کر لیا جو شاید کوئی شائستہ اسلام دشمن بھی نہ کر سکتا۔ اس نے اہلحدیث اور راست باز فکر ولی اللہی سے تعلق رکھنے والے دیوبندی علماء کے خلاف تکفیر بازی کا فائر کھول دیا اور اس سلسلہ میں بعض نامی گرامی علماء کرام کے عزیزوں کو آلہ کار بنا کر علماء ربانی فضلائے حقانی کو تختہ مشق بنانے کی مذموم حرکت فرمائی۔

اپنوں کی نوازشیں

مولنا محمود حسن شیخ الہندؒ اور مولنا سید حسین احمد مدنیؒ ایک مشن کے تحت جب حجاز مقدس پہنچے تو انہیں گرفتار کر لیا گیا اور جزیرۂ مالٹا میں پہنچا دیا گیا۔ ان کے ساتھ کیا جبرو تشدد اور ظلم و ستم روا رکھا گیا ان کے بارے میں آغا شورش کاشمیری مرحوم نے "ابوالکلام آزاد" کے صفحہ ۱۲۰ پر لکھا ہے کہ "خان بہادر مبارک علی شیخ الہند سے چپک گیا' حکیم الامت مولنا اشرف علی تھانوی کا بھائی مظہر علی تھانوی سنٹرل انٹیلی جنس میں تھا اس نے حضرت شیخ الہند کے ساتھیوں پر مولنا حسین احمد مدنی کے الفاظ میں نہایت وحشیانہ مظالم روا رکھے۔ ان کے ساتھ بابائے اردو مولوی عبدالحق کا بھائی تصدق حسین ہاپوڑی بھی سی۔ آئی۔ ڈی سے منسلک تھا اس نے بھی استبداد کا چولہا بھڑکایا مولنا مدنی لکھتے ہیں ان دونوں کا افسر اعلیٰ ایک انگریز مسٹر سین تھا لیکن اس میں انسانیت کا مادہ تھا اور یہ دونوں اس سے یکسر خالی تھے۔" (ابوالکلام آزاد مصنفہ شورش کاشمیری ص ۱۲۰)

تحریک ترک موالات میں تمام مسلمانان ہند اور بالغ النظر علماء کرام نے انگریز سے عدم تعاون شروع کر دیا اور ان کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا تو علماء کرام میں سے مولنا اشرف علی تھانوی اور مولنا احمد رضا خاں بریلوی نے انگریز کو خوش کرنے کے لئے ترک موالات کے خلاف فتویٰ صادر فرمایا جبکہ انگریز کے پشتینی وفادار ترک موالات کے خلاف تھے چنانچہ آغا شورش کاشمیری لکھتے ہیں "لیکن

پشتینی انگریز پرستوں کے علاوہ مولنا احمد رضا خاں بریلوی نے ترک موالات کے خلاف قرآن و سنت کو اساس بنا کر فتویٰ دیا ان حضرات کا پس منظر تو معلوم تھا۔ لیکن مولنا اشرف علی تھانوی جو دیوبند ہی کی سربر آوردہ شخصیت تھے۔ اس تحریک کے خلاف قرآن و سنت سے جواز پیدا کرنے لگے۔ ان کے بھائی مظہر علی تھانوی سی' آئی' ڈی کے ظالم ترین آفسر تھے۔ انہوں نے شیخ الہند کے رفقاء پر انگریزوں کی وفاداری کے شوق میں انتہائی ظلم کئے تھے۔ مولانا تھانوی کو بھائی کے ان مظالم سے متعلق قرآن و سنت سے کوئی حکم نہ ملا؟ لیکن ترک موالات کی تغلیط کے بارے میں انشراح صدر ہوگیا یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ مولنا اشرف علی تھانوی کے اس طرز عمل نے عمر کے آخری دور تک ان کے گرد اس قسم کے مریدوں اور ارادت مندوں کی بھیڑ جمع کئے رکھی جو برطانوی حکومت کی مونچھ کا بال اور اس کے یہ کارفرما تھے۔ حتیٰ کہ ان کے حلقہ نشینوں میں سی' آئی' ڈی کے اہل کار خاصی تعداد میں تھے۔ ان کے خلفاء میں اکثریت ان لوگوں کی تھی۔ جو ہندو کے حریف اور انگریز کے حلیف تھے۔"

(مولنا ابوالکلام آزاد مصنفہ شورش کاشمیری ص ۱۳۵)

اسی طرح صوبہ سرحد میں زیارت کاکا نای ایک مزار ہے مولنا مفتی سیاح الدین بھی کاکا خیلی تھے۔ کاکا خیل کے بزرگوں میں سے ایک مولوی عزیز گل نای تھے وہ بھی سی۔ آئی۔ ڈی کے آدمی تھے اور بظاہر حضرت شیخ الہند سے چمٹے ہوئے تھے اور مالٹا میں بھی یہ حضرت شیخ الہند کے ساتھ تھے ان کی وجہ سے پوری باقاعدگی سے انگریز کو اطلاعات ملتی رہتی تھیں۔ مولنا مدنی مرحوم نے بھی اپنے مکتوب میں مولوی عزیز گل کے مکروہ کردار کا تذکرہ کیا ہے۔ (ابو الکلام آزاد مصنفہ شورش کاشمیری)

ہندوستانی علماء میں تفرقہ بازی اور اس کے نتائج

شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے بقیتہ السیف مجاہدین نے کبھی انگریز سے نہ مصالحت کی نہ مفاہمت کی۔ انہیں جب موقع ملا انگریزوں پر شب خون ڈالا اور انہیں تہس نہس کر کے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔ پوری صدی انہوں نے گوریلا وار جاری رکھی اور کبھی انگریز کو شمالی کوہستانوں میں چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ اندرون ہندوستان مختلف مرکزی مقامات پر علماء کرام خصوصاً صادقین صادق پور مولانا رحیم آبادیؒ مولانا آرویؒ مولانا غازی پوری' حضرت میاں صاحبؒ مولنا سہسوانیؒ مولنا بنارسی' مبارکپوری علماءؒ علمائے خاندان غزنویہؒ علمائے خاندان لکھنویہؒ' علمائے بڈھیمالؒ علماء قصوری خاندان' کوٹ کپورہ' فیروز پور' قصور' فتوحی والا' اوڈانوالہ قاضی کوٹ' وزیر آباد' سیالکوٹ' ہنجاوالی' گھریالہ' جیراج پور' عظیم آباد' دربھنگہ' کلکتہ' راج شاہی' پٹنہ' مرشد آباد' رنگون' مدراس' حیدر آباد دکن اور دیگر مقامی علمائے کرام و اعیان اہلحدیث تحریک مجاہدین سے دامے درمے سخنے اور شخصے ہر طرح سے تعاون کرتے رہے۔ انگریز ربع مسکون پر حکمران ہونے کے باوجود مجاہدین کی خفیہ اصطلاحیں نہ سمجھ سکا۔ انگریز اہلحدیثوں پر پانچ مقدمات بغاوت قائم کر کے ان کی نشہ آزادی کی ترشی کو اتارنے میں ناکام رہا۔ عبور دریائے شور' کالے پانیوں کی سزائیں۔ ضبط جائیداد حبس دوام اور پھانسی کے پھندے ان کے جذبہ جہاد کو ٹھنڈا نہ کر سکے۔ لفظ وہابی انگریز کے لئے ایک ڈراؤنا خواب تھا۔ چنانچہ انگریز نے بساط بھر مجاہدین کے اعوان وانصار کو معلوم کرنا چاہا لیکن اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

ولیم ہنٹر کی رپورٹ

ڈاکٹر ہنٹر کو انگریز کے خلاف پیدا ہونے والی شورش کا پس منظر تلاش کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ تاکہ انگریز کے مخالفین اور انگریز کی مخالفت کے وجوہ و اسباب معلوم کئے جا سکیں۔ ڈاکٹر ہنٹر نے مسلسل دس برس ملک میں گھوم

پھر کر اور بھیس بدل بدل کر تحریک مجاہدین کی کھوج لگائی اور پوری محنت سے ایک رپورٹ تیار کی (جو اردو میں ہمارے ہندوستانی مسلمان کے نام سے شائع ہو چکی ہے) ولیم ہنٹر نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ شورش و ہنگامہ کا سرچشمہ اور انگریز کی مخالفت کا منبع وہابی علماء ہیں۔ اور یہ بھی لکھا کہ میں وہابی کو باغی کا مترادف سمجھتا ہوں۔ اسی وجہ سے انگریز نے ۱۹ ویں صدی کے اواخر یا بیسویں صدی کے اوائل میں علماء ربانی (وہابی) کو بدنام کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔ علماء میں اختلاف و انتشار اور تفرقہ بازی اور فرقہ واریت کا بیج بونا شروع کیا۔ لیکن علماء ربانی' علمائے حقانی یعنی وہابی علماء نہ اس کے ہتھے چڑھ سکے اور نہ ہی انگریز کی کسی پیش کش کو قبول کیا بلکہ وہ اپنے جذبہ جہاد کے موقف پر ڈٹے رہے۔ البتہ بدعتی اور قبر پرست علماء انگریز کے آلہ کار بن کر سیم و زر اکٹھا کرنا شروع ہوگئے۔ جنگ عظیم اول جو ۱۹۱۴ء کو شروع ہو کر ۱۹۱۸ء کو ختم ہوئی۔ اس کے دوران اور اس سے کچھ عرصہ پہلے بعض نرم مزاج اور نرم دل علماء کو انگریز قابو کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس نے علماء میں بھی سر پھٹول پیدا کرنا شروع کر دی۔ چنانچہ مشہور نو مسلم عالم مولنا عبیداللہ سندھی اپنی ڈائری میں رقم طراز ہیں کہ میں بچپنے میں ہی سکھ مذہب کو ترک کر کے مسلمان ہوا اور مختلف علماء سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد شیخ الہند کی خدمت میں دیوبند پہنچا۔ انہوں نے مجھے ولی اللہی فکر کے مطابق قرآن و حدیث کے سیاسی' معاشی اور معاشرتی علوم بھی سکھلائے اور میرے جہاد آزادی کے خفتہ جذبات کو بیدار کیا۔ چنانچہ میں واپس آکر سندھ میں مولنا تاج محمود کے پاس امروٹ میں چلا گیا وہاں سات برس تک ایک دینی درسگاہ چلاتا رہا۔ اور پھر حضرت شیخ الہند نے مجھے واپس دیوبند بلا لیا اور وہاں تحریک آزادی کا کام میرے سپرد کر دیا۔ مگر دیوبند کے بعض علماء نے میرے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ وہاں مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے مختلف ممالک کے مرکزی شہروں میں علماء کام کر رہے ہیں۔ مثلاً

ٹوکیو' جاپان' نیویارک' امریکہ' پیرس' فرانس اور برلن جرمنی میں ہندوستانی مجاہدین نشر و اشاعت کا کام کر رہے ہیں۔ پھر شیخ الہند نے مجھے دہلی بھیج دیا۔ دہلی میں میں نے مجاہدین سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی جو کہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں نشر و اشاعت کا کام کر رہے تھے۔ استنبول' ترکی' کابل' افغانستان کے مراکز میں باقاعدہ فوجی تربیت کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ پھر حضرت شیخ الہند نے مجھے کابل بھیج دیا۔ جب یہ تحریک غداروں اور انگریز کے وفاداروں کی وجہ سے ناکام ہوگئی تو انگریز کے ایماء سے حبیب اللہ خان والئی افغانستان نے ہم پر بے شمار مظالم ڈھائے اور ہندوستانی لوگوں کو قید کر لیا۔ جنگ کے خاتمہ پر امان اللہ خان نے حبیب اللہ کے قتل کے بعد حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور ہمیں رہا کر دیا۔ پھر ہماری کوششوں سے کابل آزاد ہوگیا۔ اس کے بعد مجھے ماسکو بھیج دیا گیا۔ جہاں میں نے جدید معاشی اور اقتصادی نظام کا مطالعہ کیا۔ پھر میں ترکی گیا۔ جہاں میں نے سید جمال الدین افغانیؒ کی قائم کی ہوئی جماعت اتحاد المسلمین کا بھی مطالعہ کیا۔ پھر مدینہ منورہ آگیا اور وہاں گیارہ سال تک جلا وطنی کی زندگی بسر کی۔ انگریز کے کہنے پر حبیب اللہ نے ہم ہندوستانیوں کو قید کر دیا۔ حبیب اللہ خان کے قتل کے بعد امان اللہ خان نے ہم سب کو رہا کر دیا۔ اور ۱۹۴۰ء کے آخر میں مجھے وطن واپس آنے کی اجازت ملی۔

(نقش حیات مصنفہ مولنا سید حسین احمد مدنی ص ۵۶۳ تا ۵۹۴)

علامہ انور شاہ کاشمیری

مولنا سندھیؒ نے جن علماء کی سازشوں کا ذکر کیا ہے اور مولنا سید حسین احمد مدنیؒ نے ان علماء کو بالکل بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب مولنا عبیداللہ سندھیؒ مدینہ منورہ میں نظر بند تھے تو علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے ایک حاجی کے ذریعے مولنا سندھیؒ کو مکتوب ارسال کیا اور یہ مکتوب مولنا عبیداللہ کو

مکہ مکرمہ میں ملا۔ مولنا سندھیؒ نے یہ مکتوب مجھے دیوبند میں آکر دے دیا۔ جس میں علامہ انور شاہ کاشمیریؒ مولنا عبیداللہ سندھی کو لکھتے ہیں کہ آپ کے قیام دیوبند کے زمانہ میں غلط فہمی کی وجہ سے میں آپ کی تکلیف کا باعث بنا۔ اب میرے دل میں کوئی رنج نہیں ہے امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے۔ (نقش حیات ص ۵۶۲)

اس مکتوب سے یہ واضح ہو گیا کہ مولنا عبیداللہ سندھیؒ کے خلاف سازشیں کرنے والے علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور ان کے رفقاء تھے۔ جو جہاد آزادی کو ناپسند کرتے تھے۔ اسی انکشاف کی وجہ سے مولنا انور شاہ کشمیری کو دیوبند سے نکال دیا گیا تھا۔ اور وہ ڈابھیل گجرات کا ٹھیہ وار میں چلے گئے تھے۔ اور وہاں جا کر مدرسہ قائم کیا تھا۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ بہت بڑی شخصیت تھے۔ ہم ان کے بارے میں اپنی کوئی ذاتی رائے قائم نہیں کر سکتے لیکن ان کا عمل ان کی تحریر سے ثابت ہو رہا ہے کہ وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر انگریز کے آلہ کار بن چکے تھے۔ علامہ انور شاہ کشمیری کے بارے میں حضرت شیخ الہند بہت حسن ظن رکھتے تھے۔ جب وہ ۱۹۱۴ء میں مدینہ منورہ گئے تو علامہ انور شاہؒ کو دارالعلوم دیوبند میں جان نشین بنا کر گئے اور انہیں شیخ الحدیث کی مسند جلیلہ پر بٹھایا۔ ویسے علامہ انور شاہ کشمیری کا حافظہ بڑا قوی تھا وہ بلا کے ذہین و فطین تھے۔ لیکن افسوس اور صد افسوس کہ ان کا یہ حافظہ اور ان کی یہ ذہانت و فطانت کسی کام نہ آئی۔ وہ زندگی بھر متاخرین فقہاء کے غلط مسائل کو صحیح ثابت کرنے اور صحیح احادیث کی تاویل کرنے پر ہی لگے رہے کیونکہ آپ پیدائشی طور پر ایک فقہ پرست عالم کے بیٹے تھے تو یہ غلط فقہی مسائل بچپن سے ہی ان کے دل و دماغ پر چھا گئے۔ موصوف نے پورے دیوبندی مکتب فکر کے علماء کو تقلید جامد میں مبتلا کرنے کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کر دی۔ جس زمانہ میں آپ حضرت شیخ الہند کے ماتحت ایک عام مدرس تھے اس وقت آپ نے ایک کتاب کا مسودہ تیار کیا جس میں

اہلحدیث (سلفی) علماء کی طرف غلط مسائل منسوب کر کے منقیانہ انداز میں قرآن و حدیث کے صریح نصوص کو مسخ کیا۔ حضرت شیخ الہند ان ایام میں ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں مشغول تھے۔ اور درس حدیث بھی دیتے تھے۔ ان کی مصروفیت سے فائدہ اٹھا کر علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے یہ مسودہ ان کی خدمت میں پیش کیا اور چند مقدمات سنا کر ان سے یہ اجازت لے لی کہ یہ مسودہ آپ کے نام سے شائع کیا جائے اور ایسے ہی ہوا۔ مسودہ "ایضاح الادلہ" کے نام سے شائع ہوا۔ جس کے ابتدائی اور بنیادی مقدمات حضرت شیخ الہند کے تحریر کردہ ہیں اور باقی مسودہ علامہ انور شاہ کشمیری کا تحریر کردہ ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے قبل دیوبندی علماء اور اہلحدیث علماء بہت حد تک فکر شاہ ولی اللہ سے وابستہ تھے اور انہی کا اسلوب فقہ الحدیث ان کا مرکز و محور تھا۔ وہ دونوں ذہنی بعد اور باہمی نفرت سے خاصے دور تھے اس کتاب کی اشاعت سے فکر ولی الہی سے وابستہ علماء دو جماعتوں میں بٹ گئے ایک دیوبندی حنفی جماعت اور دوسری جماعت اہلحدیث۔ یہ تھی ابتداء علماء مجاہدین میں تفرقہ بازی اور فرقہ واریت کی۔ پھر یہ تفرقہ بڑھتا ہی گیا بلکہ باہمی نفرت کی شکل اختیار کرتا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ سے قبل ہندوستان میں حدیث پڑھنے پڑھانے کا کوئی خاص رواج نہ تھا۔ مشارق الانوار اور مشکوۃ شریف یہ محض تبرکا" پڑھی جاتی تھیں۔ لیکن جب اہلحدیث علماء نے حدیث کی اہمیت کے پیش نظر ریاض الصالحین اور بلوغ المرام سے لے کر تمام صحاح ستہ داخل نصب کیا۔ جنہیں چھ سال میں بڑی محبت عقیدت احترام انشراح اور توضیح سے پڑھایا جاتا ہے۔ حنفیوں نے اہلحدیثوں کے ردعمل میں سات آٹھ سال فقہ کی جزئیات اور کلیات طلبہ کے ذہنوں میں ٹھونس کر تبرکا" ایک سال میں دورہ حدیث کروانا شروع کیا جس کی معنویت اور واقعیت چنداں حیثیت نہیں رکھتی۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے بھی درس حدیث کا ایسا ہی طریق جاری کیا جس میں آج برصغیر کے تمام دیوبندی مدرسے مبتلا ہیں۔ صحاح ستہ کی

کتابوں میں سے سیاسیات' اقتصادیات' معاشیات' عمرانیات اور جدید تقاضوں کو نہ زیر بحث لایا جاتا ہے اور نہ ان کو موضوع سخن بنایا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی معاشرتی اصول زیر بحث لاتے ہیں فکر آخرت' ذکر الٰہی' عبادات بھی ان کے یہاں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور سال بھر صرف انہی مسائل پر زور دیا جاتا ہے۔ جن میں متاخرین فقہاء کی فقہ کے خلاف واضح اور صحیح حدیثیں موجود ہیں یہ سال بھر ان کی غلط سلط تاویلیں کرتے ہیں اور فقہی غلط مسائل کو صحیح قرار دینے پر زور کلام صرف کیا جاتا ہے۔ چونکہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ ایک مرکزی درس گاہ کے شیخ الحدیث تھے۔ آج تمام دیوبندی مدارس میں اسی طریق پر احادیث میں قطع و برید جاری ہے۔ اس کی زندہ مثال دیکھنی ہو تو علامہ کشمیریؒ کے تدریسی شاہ پاروں کا مجموعہ "فیض الباری شرح بخاری" کو دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ مجموعہ مصر سے شائع ہو چکا ہے اس کو مولنا بدر عالمؒ میرٹھی نے مرتب کیا ہے۔ اور اس کے مقدمہ میں علامہ کشمیری کے شاگرد مولنا محمد یوسف بنوریؒ نے ان پر اجمالی تنقید بھی کی ہے۔ اس پورے مجموعہ میں اختلافی مسائل کے سوا کسی بھی حدیث کی کوئی علمی اور تحقیقی تشریح موجود نہیں۔ جب دیوبند میں اس اختلاف کا آغاز ہوگیا تو ظاہر ہے اس کا ردعمل بھی ہونا تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ کو اپنا فکری رہنما سمجھنے والے علماء واضح طور پر دو گروہ بن گئے۔ ایک علماء اہلحدیث اور دوسرے دیوبندی علماء کا۔ وحدت امت اور جذبہ جہاد پس منظر میں چلے گئے۔ پاکستان میں اہلحدیث اور دیوبندی علماء کی لڑائی پورے عروج پر پہنچی۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی حسرت

علامہ انور شاہ کشمیری نے فقہ حنفی کے مسائل کو صحیح ثابت کرنے اور صحیح حدیث کی تاویلیں کرنے میں پوری زندگی کھپا دی۔ امام صاحب کے غلط قول کو صحیح رکھنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کی من مانی تاویل

کرنے میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ زندگی کے آخری ایام میں موت کو قریب دیکھ کر علامہ کشمیری کو رہ رہ کر یہی خیال آتا تھا کہ پوری زندگی احادیث کو توڑنے مروڑنے میں صرف کر دی۔ کیا کھویا کیا پایا۔ بقول اقبال

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں　　کس قدر بے توفیق ہیں فقیہان حرم

علامہ کشمیری مرحوم اپنی زندگی کے غلط طرز عمل پر نادم اور پریشان ہو گئے ان کی حسرت قابل عبرت ہے جیسا کہ مولنا مفتی محمد شفیع مرحوم لکھتے ہیں کہ "قادیان کے جلسہ کے موقعہ پر نماز فجر کے وقت حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت کشمیری صاحب سر پکڑے مغموم بیٹھے ہیں میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ٹھیک ہی ہے میاں مزاج کیا پوچھتے ہو عمر ضائع کر دی ہے میں نے عرض کیا حضرت آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ ہزاروں آپ کے شاگرد علماء اور مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔ فرمایا میں تمہیں صحیح کہتا ہوں عمر ضائع کر دی میں نے عرض کیا حضرت بات کیا ہے فرمایا ہماری عمر کا ہماری تحریروں کا ہماری ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ رہا کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کر دیں۔ امام ابوحنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں اور دوسرے آئمہ کے مسائل پر آپ کے مسلک کی ترجیح ثابت کریں۔ یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا' تقریروں کا اور عملی زندگی کا۔ اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی۔

(وحدت امت ص ۱۸ بحوالہ پاک و ہند میں علماء اہلحدیث کی خدمات حدیث)

مدرسہ دیوبند اور اس کے بانی

مولنا محمد قاسمؒ نانوتوی مرحوم عربی کالج دہلی کے پڑھے ہوئے تھے مولوی مملوک علیؒ ان کے استاد تھے۔ سرسید احمد خاں مرحوم کے جماعتی تھے دونوں انگریز کے وظیفہ خوار تھے۔ سرسید احمد خان مرحوم نے علی گڑھ میں محمڈن سکول بنایا جو

تدریجاً" مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی شکل اختیار کر گیا۔ مولنا محمد قاسم نانوتوی نے قصبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں مدرسہ قاسمیہ کی بنیاد رکھی جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ دونوں بزرگ عربی کالج دہلی کے پڑھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کو انگریز کے متشددانہ نظام حکومت سے بچنے کے لئے الگ الگ مدرسے بنانے کا اشارہ دیا گیا تاکہ وہ انگریز کی زد سے بچے رہیں۔ مولنا محمد قاسم نانوتوی نے مدرسہ دیوبند کے لئے چند بنیادی اصول وضع کئے۔ جو تاریخ دیوبند میں بھی مذکور ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں مہتمم کے دفتر میں وہی اصول چارٹ کی شکل میں ایک دیوار کے ساتھ آویزاں ہیں۔ ان اصولوں میں ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ یہ مدرسہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے مکتب فکر کا پابند ہوگا۔ اب ذرا غور فرمائیں حضرت شاہ ولی اللہ کا مکتب فکر کیا تھا۔ شاہ ولی اللہ نے حجتہ اللہ البالغہ میں اپنی فکر اس طرح بیان فرمائی ہے کہ چاروں اماموں کی تقلید کا رد کیا ہے۔

(۱) کسی امام نے تقلید کی نہ صرف تلقین ہی نہیں کی بلکہ اس سے اظہار بیزاری کیا ہے۔

(۲) اسلام میں اگر تقلید جائز ہوتی تو مسلمان خلفاء راشدین میں سے کسی کے مقلد ہوتے لیکن چوتھی صدی کے اواخر تک سیدنا صدیق اکبرؓ' سیدنا فاروق اعظمؓ' سیدنا عثمان غنیؓ' سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم اور نہ کسی دوسرے صحابی کی تقلید کی گئی' تو پھر اب کیوں؟

(۳) اگر تقلید جائز ہوتی یا تقلید بھی اسلام کا کوئی بڑا مسئلہ ہوتا تو ابتدائی پونے چار سو سال تک کیوں کسی کی تقلید نہیں کی گئی؟ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی اشارہ فرمایا نہ حکم دیا۔ نہ صحابہؓ' نہ خلافت راشدہ' نہ تابعین' نہ ہی تبع تابعین' نہ ہی خیر القرون میں کسی امام اور محدث نے اس کے بارہ میں کوئی اشارہ اور کنایہ فرمایا۔

(۴) پہلی پونے چار صدیوں تک علماء ربانی ہمیشہ تقلید کا رد کرتے رہے اور چوتھی صدی ہجری کے بعد بھی علمائے ربانی واشگاف الفاظ میں یہ کہتے رہے کہ کسی بھی شخص کی تقلید کرنا یا اس کی بات کو اللہ تعالیٰ کا فرمان ٹھہرانا۔ یا کسی امام کو معصوم پیغمبر کا درجہ دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں کسی بھی شخصیت کی ہر بات واجب الاطاعت قرار نہیں دی جا سکتی۔ ایسا کرنے والا شرک فی الرسالت کا مرتکب ہوگا۔ توحید میں آمیزش کرنے والا شرک فی التوحید اور شخصی تقلید کرنے والا شرک فی الرسالت کا مرتکب قرار دیا جائے گا۔

(۵) چوتھی صدی ہجری کے اواخر سے قبل مسلمان عوام اور خواص جب کسی عالم سے مسئلہ دریافت کرتے تو اس سے صرف قرآن و حدیث کی دلیل مانگتے۔ قرآن و حدیث کے بغیر نہ کسی کی دلیل مانتے اور نہ ہی اس کے مسئلے کو تسلیم کرتے۔ ان صدیوں کے علمائے کرام صرف قرآن و حدیث سے ہی استدلال کرتے تھے۔ لیکن چوتھی صدی ہجری کے اواخر میں تقلید کا مرض پیدا ہوا جو تدریجاً" بڑھتا گیا۔

مریض عشق پہ رحمت خدا کی   مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اس کے بعد ہر پچھلا زمانہ پہلے سے بدتر ہوتا چلا گیا۔ ہر دور کے نام نہاد علمائے مقلدین نے یہ باور کر لیا کہ ہمیں اپنے باپ دادوں' اساتذہ اور ماحول سے دین کا جو تصور یا کوئی مسئلہ معلوم ہو چکا ہے۔ یہی حق ہے اور یہی صداقت پر مبنی ہے۔ یہ لوگ درحقیقت لکیر کے فقیر بن کر خود قرآن و حدیث کی طرف مطلق توجہ نہ کرتے تھے۔ بلکہ امام کے قول کو صحیح ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث کی غلط اور دور از کار تاویلیں کیا کرتے تھے اسلام پر یہ سب سے بڑا ظلم تھا۔

(حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۲۲ تا ۱۲۹)

برادران اسلام یہ تھا حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا مسلک اور مکتب فکر جو صحیح تھا۔ لیکن وائے بد نصیبی کہ متعصب دیوبندی علماء نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کا فکر اور مسلک ترک کر دیا۔ صرف لفظی دعویٰ ہی باقی رکھا۔ اور تقلید شخصی کو فرض قرار دینے کے لئے کتابیں لکھنی شروع کر دیں۔ اور مولانا نانوتویؒ کے اصول کو پامال کرتے ہوئے دیوبند میں داخلے کے لئے طالب علم کا حنفی اور مقلد ہونا لازم گردانا گیا اور جب کبھی دارالعلوم کے مدرسین اور انتظامیہ کو پتہ چلتا کہ فلاں فلاں طالب علم غیر مقلد ہے تو اسے بیک بینی دوگوش پکڑ کر دارالعلوم دیوبند سے دھکے دے کر نکال دیا جاتا اور بیک جنبش قلم دارالعلوم سے خارج قرار دیا جاتا۔ جیسا کہ ۵۵ ۔ ۱۹۵۴ء میں دارالعلوم دیوبند سے ۶۰ طلباء کو محض اہلحدیث ہونے کے جرم میں خارج کیا گیا۔

(ماہنامہ ریاض کراچی زیر ادارت سید رئیس احمد جعفری ندوی مرحوم)

رد عمل

یہ فطری امر ہے کہ جس قدر عمل شدید ہوگا اس کا ردعمل بھی اسی قدر شدید ہوگا چنانچہ علمائے دیوبند کی ان مقلدانہ سرگرمیوں کے جواب میں علماء ربانی (علمائے اہلحدیث) نے بھی تیز تیز لکھنا شروع کر دیا۔ دیوبندی علماء عصبیت اور نفرت میں اس قدر آگے بڑھ گئے اس قدر بغض روا رکھا کہ اہلحدیث کو اہلحدیث کہنے کی بجائے غیر مقلد وہابی اور آئمہ کے منکر قسم کے الفاظ سے لکھنا شروع کیا۔ حالانکہ حضرت شاہ ولی اللہؒ حجتہ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ اہلحدیث کا نام درحقیقت اصحاب الحدیث کا ترجمہ ہے۔ اور اصحاب الحدیث عہد خیر القرون بلکہ صحابہ کرامؓ سے شروع ہوتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں جب فقہی موشگافیاں شروع ہوگئیں۔ اور آئمہ کے اجتہادات کو اہمیت دی جانے لگی تو امت کے اہل علم دو طبقوں میں بٹ گئے۔

(ا) اصحاب الحدیث ۔ (اہل حدیث) جو صرف قرآن و حدیث سے استدلال

کرتے اور کتاب و سنت کی خدمت کرتے رہے۔

(۲) اصحاب الرائے۔ یہ طبقہ اپنے تقلیدی اور فقہی مسائل کے لئے واضح اور صریح احادیث کو ترک کر دیتا تھا۔ (حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۱۸)

ھائے افسوس

ولی اللہی مسلک سے تعلق رکھنے والے دیوبندی علماء تقلید شخصی اور فقہی جمود میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ تقلید ثابت کرنے کے لئے بریلوی علماء سے بھی اشتراک اور تعاون شروع کر دیا۔ حالانکہ بریلوی علماء ہمیشہ دیوبندیوں کو کوسنیں دیتے رہے انہیں وہابی اور بے دین کہتے رہے۔ تعجب بالائے تعجب تو یہ ہے کہ مولنا رشید احمد گنگوہیؒ ایسے یگانہ روزگار فاضل کے نام سے سبیل الرشاد نامی ایک رسالہ شائع کیا گیا اور یہ ان دنوں میں شائع ہوا کہ جنگ عظیم اول ابھی ابھی ختم ہوئی تھی۔ اس کے جواب میں مولنا ابویحیٰی شاہ جہان پوریؒ نے الرشاد الی سبیل الرشاد کتاب تصنیف کی۔ مولنا عزیز الدین مراد آبادی نے **حیات العباد عن تلبیسات سبیل الرشاد** نامی کتاب لکھی اور شائع کی۔ اسی طرح مولنا بدر الحسن نے **القول السدید فی البطلان التقلید** تصنیف فرمائی۔ مشہور انگریز پرست اور فرقہ بریلویہ کے بانی مولنا احمد رضا خان بریلوی انہیں دنوں انگریز کے پروگرام کے مطابق حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اور انہوں نے وہاں عربی زبان میں ایک رسالہ دولت مکیہ کے نام سے لکھ کر وہاں کے علماء سے اس کی تصدیق کرائی۔ لیکن رسالہ میں ایسی ذو معنی عبارت استعمال کی کہ جس کی تاویل ہندوستان میں آکر شرح دولت مکیہ کے نام سے اپنے عقائد باطلہ کے مطابق شائع کی۔ مثلاً متن میں تحریر ہے کہ خدا کا علم غیر محدود ہے اور رسول اللہ کا علم محدود جب کہ اس کی شرح میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو **عالم ما کان وما یکون** ثابت کیا ہے۔ مولنا احمد رضا خان بریلوی نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ

ایک استفتاء تیار کیا جس میں مرزائیوں' دیوبندیوں' اسماعیلیوں اور وہابیوں کی طرف غلط مسائل منسوب کر کے ان کے خلاف کفر کا فتویٰ لیا اور یہ فتویٰ اپنی شرح سمیت ہندوستان میں آکر حسام الحرمین کے نام سے اردو میں شائع کیا۔ مولنا سید حسین احمد مدنیؒ نقش حیات میں فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۹۲۱ء میں مدینہ منورہ سے ہندوستان آیا تو بمبئی سے لے کر پشاور تک ہر دکان پر یہ کتاب دیکھی اور یہ مفت تقسیم کی گئی تھی۔ یہ کس کے سرمایہ سے شائع کی گئی اور اسے کس نے مفت تقسیم کرایا؟ یہ ایسا سربستہ راز نہیں جس سے واقفان حال اور محرمان راز ناواقف اور بے خبر ہوں۔ یہ سب کرشمے اسی سرکار عالی مدار کے تھے جو مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنا چاہتے تھے اور مولنا احمد رضا خان جن کے آلہ کار بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے آقایان ولی نعمت کے سیاسی مفاد اور اقتدار کے استحکام کے لئے یہ کارنامہ انجام دیا تھا۔ مولنا سید حسین احمد مدنیؒ نے اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لئے اور اس میں مندرج لغویات کا جواب دینے کے لئے شہاب ثاقب کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا لیکن انہوں نے بھی کسی تحقیق و تفتیش اور نقد و نظر کے بغیر امام محمد بن عبدالوہاب اور ان کے ماننے والوں کو نہایت کھردرے اور ان کے علمی مقام سے میل نہ کھانے والے الفاظ سے مخاطب کیا اور گالی کے انداز میں انہیں بار بار وہابی کے خطاب سے نوازا۔ حالانکہ مولنا مدنی مرحوم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ انگریزوں نے برصغیر کے اہلحدیث اور سعودی عرب کی تحریک احیائے توحید و سنت کے علمبرداروں کو بدنام کرنے کے لئے وہابی کے نام سے مشہور کیا جبکہ عثمانی ترک بھی اس بدنیتی میں ان کے ساتھ شامل تھے۔ حیرت ہے کہ مولنا مدنی مرحوم نے کسی تحقیق اور حوالہ کے بغیر محض سنی سنائی باتوں اور غلط مسائل کو ان کی طرف منسوب کر کے گری گفتار کا مظاہرہ فرمایا۔ لیکن اس کے باوجود بدعتی ہمیشہ ان کا رد کرتے رہے اور علماء دیوبند کو گلابی وہابی کہتے رہے۔ یہ کس قدر ناانصافی اور ظلم کی بات ہے کہ محمد بن عبدالوہاب

کے ماننے والوں کو وہابی کہا جاتا رہا۔ حالانکہ اصولاً اور انصافاً انہیں محمدی کہنا چاہئے تھا کیونکہ یہ انقلابی دعوت توحید و سنت محمدؒ نے پیش کی تھی ان کے والد گرامی عبدالوہاب نے نہیں۔

علمائے دیوبند کا خطاب

مولنا احمد رضا خان بریلوی بانیٔ فرقہ بریلویہ نے "حسام الحرمین" میں دیوبندیوں اور اہلحدیثوں کی طرف منسوب کر کے جن غلط مسائل کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تھا۔ دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے محقق علماء نے دہلی میں جمع ہو کر منسوب کردہ غلط مسائل کا ایک ایک کر کے رد کیا پھر مکہ و مدینہ کے علماء کے پاس ان کو بھیجا اور انہیں تحریراً مطلع کیا کہ یہ مسائل ہماری طرف غلط منسوب کئے گئے ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں چنانچہ حرمین کے علمائے کرام اور شیوخ نے مولنا احمد رضا خان بریلوی کو شیطان بصورت انسان قرار دیا۔ اور دھوکے باز اور فریبی گردانا۔ جب کہ علمائے دیوبند کے عقائد کو اہلسنّت والجماعت کے عقائد قرار دیا اور سوال و جواب کی صورت میں "المهند على المفند" کے نام سے شائع کیا۔ اس لئے کہ "حسام الحرمین" کا معنی مکہ و مدینہ کی تلوار ہے۔ اور اس کا معنی فریب کار پر ہندی تلوار ہے کیونکہ عربوں میں ہندی تلوار سب سے عمدہ تلوار سمجھی جاتی تھی۔

انگریز کی شاطرانہ پالیسی

انگریز اپنی شاطرانہ پالیسی پر بلیوں اچھلتا تھا کہ وہ مسلمان علماء میں تفرقہ ڈالنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ وہ علمائے سوء اور بدعتی مولویوں کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ غیر سیاسی اور انگریز کو سیاسی مفاد پہنچانے والے علماء کی پیٹھ خوب ٹھونک رہا تھا۔ اسی زمانے میں انگریز کی بدعہدی اور ترکوں پر مظالم نے مسلمانوں کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ مسلمان عثمانی خلافت کے

تحفظ میں سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ اور انہی ایام میں مجلس خلافت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ اہلحدیث اور دیوبندی علماء کی مشترکہ سیاسی کوششوں سے تحریک خلافت اپنے عروج پر تھی۔ ۱۹۱۹ء مارچ میں جلیانوالہ باغ امرتسر میں جنرل ڈائر کی خون آشامی سے قتل عام ہوا جنرل ڈائر کی انگریز فوج نے ہندوستانیوں کو اپنی گولیوں کی باڑ پر رکھ کر سینکڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسی زمانے میں پشاور شہر کے قصہ خوانی بازار میں انگریز کی شقاوت قلبی نے خون کی ندیاں بہا دیں۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ یہ فرقہ پرست مولوی اور انگریز کے حامی علماء مسلمانوں کی اس خون ریزی سے کوئی دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ بلکہ اپنی بدبختی سے اسی دور میں مولنا احمد رضا خان بریلوی نے "حسام الحرمین" کے ذریعے ان علماء پر کفر کے فتوے لگا دیئے ان کے مرید و شاگرد مولنا حشمت علی نے "العرفان" نامی کتاب میں ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والوں کو کافر قرار دیا اور اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ فرنگی سامراج کو خوش کرنے اور اپنی براءت کا اظہار کرنے کیلئے " تجانب اہل سنۃ عن اہل الفتنۃ" لکھ کر شائع کی گئی۔ اور بریلوی سنگ دل مولویوں نے علامہ اقبالؒ بانی پاکستان محمد علی جناحؒ مولنا ظفر علی خانؒ مولانا ابوالکلام آزادؒ مولانا حسین احمد مدنیؒ وغیر سب علماء کو کافر قرار دیا اور اسی پر اکتفاء نہیں کی گئی بلکہ انگریز کے کہنے پر بریلویوں مولویوں نے ایک کتاب شائع کی۔ جس کا نام تھا " اعلام الاعلام فی ان الہند دار الاسلام" جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ ہندوستان دارالسلام ہے اور انگریز کا اقتدار و اختیار سایہ رحمت اور امن کا گہوارہ ہے۔ حالانکہ ان سے ایک صدی پیشتر شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دے چکے تھے اور ان سے پہلے کسی بھی مکتب فکر کے عالم نے ان کے فتویٰ سے اختلاف نہیں کیا۔ البتہ مولانا فضل حق خیر آبادی نے شاہ صاحب کے فتویٰ کی نہ صرف حمایت نہیں کی بلکہ انگریز کا ساتھ دیا۔ اور مولانا فضل حق خیر آبادی جنہیں وہ امام انقلاب کے نام سے پیش کرتے

ہیں نے شاہ اسماعیل شہیدؒ اور ان کے معزز مجاہدین رفقاء کے خلاف زبان درازی ضرور فرمائی۔

حکومت کی چار قسمیں

اسلامی قانون اور فقہ کی زبان میں حکومتوں کی چار قسمیں ہیں۔ اسی طرح ملکوں کی بھی چار قسمیں ہیں۔

۱ = دارالکافرین ۔ جس میں کافروں کی حکومت ہو لیکن مسلمانوں کو بھی امن حاصل ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حبشہ تھا۔

۲ = دارالمسلمین ۔ وہ ہوتا ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو لیکن اسلامی نظام نافذ نہ ہو۔ جیسے عام مسلمانوں بادشاہوں کی حکومتیں تھیں۔

۳ = دارالحرب ۔ وہ ہے جس میں ایسی کافرانہ حکومت ہو جہاں مسلمانوں کو آزادی حاصل نہ ہو۔

۴ = دارالاسلام ۔ جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور اسلامی نظام بھی مکمل طور پر نافذ ہو۔

ہمارے ان بدعتی انگریز نواز علماء نے ہندوستان کو دارالاسلام قرار دے کر یہ باور کرایا ہے کہ ہندوستان گہوارہ اسلام ہے۔ العیاذ باللہ ہندوستان میں انگریز اسلامی نظام نافذ کرنے والا ہے۔ اس سے قبر پرست علماء کی ذہنیت اور ان کی انگریز نوازی پوری طرح واضح ہوگئی ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ علمائے مجاہدین بھی آپس میں تفرقہ بازی کا شکار ہوگئے جیسا کہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ مولنا محمد قاسمؒ نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے بنیادی اصولوں کو پس پشت ڈال کر دیوبندی علماء نے فقہ پرستی اور تقلید پر بہت زور دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ ۱۹۱۴ء میں علامہ انور شاہ کشمیری دیوبند کے صدر مدرس مقرر ہوئے انہوں نے ۱۹۲۸ء تک تمام دیوبندی مدارس کو قرآن و حدیث کی خدمت کی بجائے فروعی

اختلافات میں الجھا دیا۔ نتیجتہ" علمائے دیوبند کے مقابلہ میں اہلحدیث علماء میں اس کا ردعمل شدید طور پر محسوس کیا گیا۔ اگرچہ ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا اہلحدیث کے نام سے ان کی مرکزی تنظیم عمل میں آگئی تھی۔ جس کے پہلے صدر مولنا حافظ عبداللہ غازی پوری مرحوم تھے اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء تک مولنا ثناء اللہ امرتسری اس کے ناظم اعلیٰ رہے لیکن اس کے باوجود دیوبندیوں کی متشدانہ تحریروں اور تقلیدی ترک تازیوں کا نوٹس لینے کے لئے ہنگامی طور پر بنگال' بہار' یو پی اور پنجاب میں علاقائی اہلحدیث تنظیمیں عمل میں آگئیں۔ دیوبندیوں کے تعصب کی وجہ سے حنفی اور اہلحدیث علماء دو طبقوں میں بٹ گئے۔

تقلید شخصی اور اتباع رسولؐ

اہلحدیث کا نقطہ نظر ہمیشہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا اتباع رہا ہے۔ وہ زندگی کے ہر باب میں آنحضرتؐ کی اتباع اور پیروی کو اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے گریز اور اتباع سے فرار یا ان کی صحیح احادیث کی تاویلات باطلہ کرنا اہلحدیث ہرگز جائز نہیں سمجھتے۔ اس کے برعکس ہمارے دیوبندی بھائی تقلید شخصی کو فرض سمجھتے ہیں اور آئمہ کے اجتہادات کو احادیث رسولؐ پر ترجیح دیتے ہیں اور یہی ہمارے اور ان کے موقف میں بنیادی فرق ہے۔ اسی موقف کی تائید اور تنقید میں علماء اہلحدیث اور علماء دیوبند نے ضخیم کتابیں لکھیں۔ فاتحہ خلف الامام رفع الیدین اور آمین بالجہر کے موضوع پر ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ ایک وہ وقت تھا کہ دینہ ضلع بجنور یو پی میں آریہ سماج سے دیوبندی علماء کا مناظرہ طے ہوا شیخ الہند مونا محمود الحسن مرحوم نے تار دے کر شیر پنجاب فاتح قادیان مولنا ثناء اللہ امرتسریؒ کو مناظرہ کے لئے بلوایا۔ اور اسی وقت دارالعلوم دیوبند کی سند مولنا امرتسری کو دی اور اس پر خصوصی نوٹ لکھا۔ پھر دنیا جانتی ہے کہ مولنا ثناء اللہ امرتسری اس مناظرہ دینہ

میں فاتح ہو کر نکلے لیکن انگریز بدبخت کی سازش سے شاہ ولی اللہ کی علمی تحریک سے وابستہ علماء میں نہ صرف اختلافات کا بیج بو دیا گیا بلکہ ان میں باہمی مناظروں کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

عمل اور رد عمل

علامہ انور شاہ کشمیری مرحوم کی تربیت رجحان اور ذہنی میلان نے دیوبندی علماء میں عصبیت اور تشدد کی طرح ڈال دی اسی کا نتیجہ تھا کہ گوجرانوالہ میں فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر شیخ الاسلام امرتسریؒ سے مولنا عبدالعزیز دیوبندیؒ نے مناظرہ کیا اور منہ کی کھائی اور بدعتی علماء اہلحدیثوں اور دیوبندیوں کے اختلافات کو سبک ساران ساحل کی طرح دیکھ دیکھ کر لطف اندوز ہوتے رہے۔ پھر دیوبندیوں اور اہلحدیثوں کے ہفتہ وار جریدوں اور ماہنامہ رسالوں میں ایک دوسرے کی تردیدوں اور جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہوگیا جس سے یقیناً جگ ہنسائی کا سامان مہیا ہوا اور مسائل وہیں کے وہیں رہے۔ اسی زمانہ میں علامہ انور شاہ کشمیری مرحوم نے فاتحہ خلف الامام کے موضوع پر "فصل الخطاب" نامی کتاب لکھی جس کے جواب میں حضرت العلام حافظ عبداللہ محدث روپڑی مرحوم نے الکتاب المستطاب لکھ کر اس کا عالمانہ اور محققانہ جواب دیا۔ جمعتہ فی القری کے فرض نہ ہونے کے موضوع پر دیوبندی علماء نے اطفاء الشمع نامی کتاب لکھی۔ تو اس کے جواب میں علماء اہلحدیث نے چار کتابیں شائع کیں۔ مولنا حافظ عبداللہ محدث روپڑی مرحوم نے چالیس فروعی مسائل پر اربعین نامی کتاب لکھ کر ان کا رد کیا دونوں طرف سے فروعی مسائل پر کتابوں اور رسالوں کی بارش برسنا شروع ہوگئی خصوصاً مندرجہ ذیل مسائل پر زیادہ زور دیا گیا۔

(۱) فاتحہ خلف الامام۔ (۲) جمعہ فی القری۔

(۳) آمین بالجہر۔ (۴) رفع یدین۔ (۵) تکبیرات عیدین۔

(۶) فاتحہ در نماز جنازہ۔ (۷) رکعات تراویح۔

موخر الذکر موضوع سال بھر سربستہ راز رہتا جونہی ہلال رمضان نظر آیا علمائے دیوبند بیس بیس رکعات تراویح کہہ کر دھاڑنا شروع کر دیتے اور علماء اہلحدیث پھر میدان کار زار میں اترتے۔ دیوبندی علماء کرام نے ان مسائل کی بنیاد آئمہ کے فقہی اقوال پر رکھی اور تقلید کو فرض قرار دیا۔ علماء اہلحدیث نے تقلید کا رد کیا اور ان مسائل کو رسول اللہ کی احادیث کی روشنی میں پیش کیا۔ انگریز کے چلے جانے کے باوجود قیام پاکستان کے بعد بھی یہ اختلافات نمایاں رہے حالانکہ یہ دونوں قسم کے علماء حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث کے مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ جبکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجتہ اللہ البالغہ میں تقلید کا نہایت قوی دلائل سے رد کیا ہے۔ جیسا کہ ہم حجتہ اللہ البالغہ جلد اول ص ۱۲۲ تا ۱۲۹ کا حوالہ پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ مرحوم نے حجتہ اللہ البالغہ میں تقلید کو چوتھی صدی ہجری کے بعد کی بدعت قرار دے کر قرآن و حدیث سے اس کی تردید کی ہے۔ اسی طرح مولنا قاسم نانوتوی مرحوم کا حوالہ بھی ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ مولنا مرحوم نے مدرسہ دیوبند کی بنیاد فکر ولی اللہی پر رکھی۔ جبکہ حضرت شاہ ولی اللہ نے جہاں تقلید کا رد فرمایا۔ وہاں حجتہ اللہ البالغہ میں مذکورہ بالا اختلافی مسائل میں قرآن و حدیث سے صحیح تحقیق پیش فرمائی۔ چنانچہ فاتحہ خلف الامام کے بارہ میں فرمایا کہ لا صلوۃ الابفاتحہ الکتاب حضور اکرم کی صحیح حدیث موجود ہے' اس کے ہوتے ہوئے فاتحہ نہ پڑھنا صحیح نہیں اور یہ بھی فرمایا کہ فاتحہ سارے قرآن کا خلاصہ اور نہایت جامع سورۃ ہے۔ اس لئے امام کے پیچھے مقتدی کے لئے ہر حال میں پڑھنا لازمی ہے۔ (حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم ص ۴ و ۵)

آمین کے بارے میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین بلند آواز میں بھی اور آہستہ آواز میں بھی پڑھی ہے۔ آہستہ سے مراد ہے کہ نزدیک والے سن لیں یعنی پہلی صف والے آمین سن لیں۔ اب

آمین کہنا سنت ہے اس کا انکار یا اس میں اختلاف کرنا امت میں تفرقہ ڈالنا ہے۔
(حجتہ اللہ البالغہ دوم ص ٦٠)

رفع الیدین کے بارے میں حضرت شاہ صاحب مرحوم نے واضح فرمایا کہ نماز کی ہر رکعت میں رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الدین کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ جس طرح نماز کے آغاز میں رفع الیدین کرنا سنت ثابتہ ہے۔ نمازی ہر رکعت میں تین تعظیمی کام انجام دیتا ہے۔

اول قیام ۔ یعنی کھڑے ہونا اس کے شروع میں بھی رفع الیدین ہے۔
دوسرا رکوع کی صورت میں جھکنا اس کے شروع میں بھی رفع الیدین ہے۔
تیسرا سجدہ کرنا اس کے شروع میں بھی رفع الیدین ہے۔

ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن مسعود کا یہ قول کہ پہلی مرتبہ رفع الیدین اور دوسرے دونوں وقت نہ کرنے کا جو ذکر ہے یہ ان کا ذاتی اجتہاد ہے اور صحابیؓ کا اجتہاد رسول اللہ کی حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں ہے۔

(حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم ص ٨)

جبکہ ہر تین مقام پر رفع الیدین کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیشگی کی سنت ہے۔

الجمعتہ واجبتہ فی کل قریتہ (الحدیث) یعنی ہر بستی میں جمعہ واجب ہے۔ بنو امیہ نے اپنی سیاسی مصلحتوں اور ذاتی سہولتوں کے پیش نظر دیہات میں جمعہ پڑھنا ترک کر دیا۔ بعض فقہاء نے اسی کو مدار بنا کر جمعہ فی القراء کی ممانعت کر دی ہے۔ (حجتہ اللہ البالغہ ص ٢٨)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تکبیرات عیدین کے متعلق لکھتے ہیں کہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی پہلی رکعت میں قرات سے پہلے سات تکبیریں مع رفع الیدین کیا کرتے تھے اور دوسری رکعت میں قرات سے پہلے پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے۔ عیدین میں بارہ تکبیریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔ چھ تکبیریں بعض صحابہؓ کا ذاتی اجتہاد ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا کیونکہ بارہ تکبیریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں چھ تکبیریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہیں۔ (حجتہ اللہ البالغہ جلد ثانی ص ۲۸)

نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد فاتحہ پڑھنا رسول اللہؐ کی حدیث سے ثابت ہے۔ اور نہ پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ اور حضور اکرمؐ کا یہ فرمان ہے کہ کوئی نماز فاتحہ کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ نماز جنازہ بھی ایک نماز ہے پھر یہ فاتحہ کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ کیسی نماز ہے جس میں امام اور مقتدی فاتحہ نہ پڑھے۔ یہ رسولؐ کی سنت کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔

(حجتہ اللہ البالغہ جزو ثانی ص ۳۲)

یہ ہے شاہ ولی اللہؒ کا وہ مسلک جس پر بانی دارالعلوم دیوبند نے دارالعلوم کی بنیاد رکھی لیکن انگریز نے علماء کو باہم دیگر لڑانے کے لئے ان مسائل میں ایسا جتلا کیا کہ انگریز کے چلے جانے کے باوجود علماء کے یہ دونوں گروہ امام شاہ ولی اللہ سے عقیدت رکھنے کے باوجود ان اختلافات میں الجھے ہوئے ہیں نہ ہی ان کو امت کے اتحاد کا خیال ہے اور نہ عالم اسلام میں نئے ابھرنے والے معاشرتی' معاشی' اقتصادی' سیاسی اور تکنیکی مسائل کو سلجھانے کا احساس ہے۔ ہماری دلی آرزو اور دلی دعا ہے کہ اللہ پاک علمائے کرام میں اتحاد امت کا احساس پیدا فرمائے اور ایک دوسرے کو قریب ہونے کی توفیق دے۔

حقیقت کا اعتراف

اہلحدیث کسی استاد' مدرسہ' خانقاہ یا شہر کی طرف منسوب نہیں بلکہ ان کی نسبت اللہ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے جیسا کہ ہم

شروع میں لکھ چکے ہیں کہ اللہ پاک نے قرآن کو بھی حدیث قرار دیا ہے۔ رسول اللہ کے فرامین' ارشادات اور اقوال کا نام بھی حدیث ہے۔ اور اہلحدیث کی نسبت بھی اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے یہی ہمارا سرمایہ حیات اور سرمایہ افتخار ہے۔ یہ بھی ہم واضح کر چکے ہیں کہ اہلحدیث کسی گروہ فرقہ اور جتھے بندی کا نام نہیں۔ بلکہ اہلحدیث نام ہے مکمل اسلام کا۔ یا یوں کہیئے کہ اہلحدیث اور اسلام دو مترادف لفظ ہیں جن کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے جو تاریخ کے مختلف ادوار میں کبھی اصحاب الحدیث' کبھی اہل الاثر' کبھی انصار السنہ اور کبھی محدثین اہلحدیث کے نام سے موسوم ہوئے۔ اہلحدیث کی دعوت قرآن کی دعوت ہے۔ اہلحدیث کا نظریہ اور عقائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریہ اور عقائد ہیں اہلحدیث کا نصب العین صحابہ کرامؓ کا نصیب العین ہے' اہلحدیث کا مشن تابعین رحمہم اللہ علیہم کا مشن ہے۔ اہلحدیث کا منشور تبع تابعین اور محدثین کا منشور ہے۔ اہلحدیث کے عقائد و نظریات اصلی خیر القرون کے عقائد اور نظریات میں اہلحدیث کوئی نئی چیز پیش نہیں کرتے اہلحدیث کا موقف وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف ہے۔ اہلحدیث براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے استفادہ کے قائل ہیں۔ اہلحدیث کے نزدیک تقلید شخصی شرک فی الرسالت کے مترادف ہے۔ اہلحدیث ہر دور میں فقہ و اجتہاد کے دروازے کو ہرگز ہرگز بند نہیں کرتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ بالغ النظر علمائے ربانی ہر دور میں پیش آمدہ مسائل کو خدا داد ذہانت اور علم و آگہی سے حل کرنے اور اس میں اجتہاد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ آئمہ فقہاء اہلحدیث کے نزدیک واجب الاحترام شخصیتیں ہیں۔ ان کی قیمتی آراء ان کی فقاہت ان کے اجتہادات اسلام کا قیمتی علمی سرمایہ اور تحقیقی متاع عزیز ہے لیکن ان کی ہر بات نہ واجب التسلیم ہے نہ واجب الانکار کیونکہ اہلحدیث کا موقف یہ ہے کہ آئمہ کی جو بات کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوگی وہ نہ صرف سر

آنکھوں پر بلکہ اس کا اس پر عمل کرنا لازم ہو جاتا ہے اور جو بات اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ٹکرائے گی یا میل نہ کھائے گی۔ ہم نہ صرف اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ اس کا انکار ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ معصوم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ جن کی ہر بات ہمارے لئے تسلیم کرنا ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید کا ارشاد ہے **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** کائنات میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات معصوم عن الخطاء ہے۔ ہم اور کسی شخص کو معصوم نہیں سمجھتے اور نہ معصوم مانتے ہیں۔ آئمہ کرام واجب الاحترام ضرور ہیں واجب الاطاعت ہرگز نہیں۔ مسلمانوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات بلا چون و چرا بلا حیل و حجت تسلیم کرنا ضروری اور ہر امتی کے لئے برضا و رغبت تسلیم کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن کا ارشاد ہے۔ **فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک فی شجر بینھم ثم لا یجدوا فی انفسھم حرجا" مما قضیت ویسلموا تسلیما"** آئمہ کا احترام اہلحدیث کے لئے جزو ایمان کی حیثیت رکھتا ہے۔ آئمہ کی گستاخی اور بے ادبی ایمان سے محرومی کا نام ہے لیکن آئمہ کے اقوال کو صحیح ثابت کرنے کے لئے احادیث کی تاویلات ہمارے نزدیک ارتکاب کبیرہ سے کم نہیں۔ مسلک اہلحدیث اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود اسلام۔ اہلحدیث کے وجود کو سو سال کا مرہون منت قرار دینا یا انگریز کی آمد سے وابستہ کرنا نہایت بے ہودہ اور انتہائی لچر بات ہے کوئی صاحب علم و آگہی ایسی جہالت کا مظاہرہ نہیں کر سکتا بلکہ بعض مولوی علم کے پندار کی وجہ سے ناشائستہ اور بیہودہ بات کر اور لکھ جاتے ہیں اور بڑی ڈھٹائی سے اہلحدیث کو سو سال کی پیداوار گردانتے ہیں۔ حالانکہ حقائق اس کے برعکس ہیں علامہ محمد خواص خانؒ نے روئیداد مجاہدین ہند کے نام سے قریباً ۵۹۱ صفحات پر مشتمل ایک کتاب لکھی جسے مشہور دیوبندی ناشر مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ لاہور نے شائع کیا۔ اس کے فاضل مولف نے دیوبندیوں کی روایت کے مطابق سینہ زوری سے

مجاہدین کے حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے اور جا بجا اس میں دیوبندیت کی پیوند کاری کی ہے۔ اس کا تفصیلی جائزہ اور ان کی سینہ زوریوں کا تجزیہ ہم پھر کسی دوسری مجلس میں کریں گے آج ان کے اعتراف حقیقت کا تذکرہ مقصود ہے جو اہلحدیث کے بارے میں گوہر افشانی کے بعد ان کے قلم سے ارادۃً" یا سہواً لکھا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ محمد خواص خان دیوبندی لکھتے ہیں کہ

"اہل دیوبند جو پکے حنفی ہیں کا ایک اچھا خاصہ طبقہ سید شہید کے مسلک پر چلنے کو سرمایہ سعادت خیال کرتا ہے۔ یہ تمام طبقے عرف عام کے مطابق وہابی کی فہرست میں آتے ہیں مگر انہیں اہلحدیث نہیں کہا جا سکتا۔ اہلحدیث بالکل دوسری جماعت ہے۔ جو باطنیوں اور شیعوں کے توڑ کے لئے پیدا ہوئی تھی' اور یہ کوئی نئی جماعت نہیں۔ بنو عباس کے اوائل عہد دوسری صدی ہجری میں محدثین اور اہلحدیث کا گروہ ممتاز و مشہور تھا۔ یہ اور بات ہے کہ موجودہ اہلحدیث جماعت آمین' رفع یدین اور اسی قسم کے دو چار فروعی مسئلوں پر قانع ہو کر رہ گئی ہے۔ بلکہ اب اس کی حیثیت جماعت سے زیادہ فرقہ کی ہوگئی ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ہندوستان کے اصطلاحی وہابی اور ہیں اور اہلحدیث اور۔"

(روئیداد مجاہدین ص ۵۵۱)

صد شکر ہے کہ روائید میں محمد خواص خان نے ہمارا وجود دوسری صدی ہجری سے تو تسلیم کیا جب کہ حنفیت کا آغاز پانچویں صدی ہجری سے ہوا۔ دیوبندیت اور بریلویت ایک صدی کی پیداوار ہیں۔ حیرت ہے کہ دارالحرب کے دوسرے شہروں سے تعلق رکھنے والے حنفی' دو مدرسوں کی طرف منسوب حنفی' ایک امام سے نسبت رکھنے والے حنفی اس جماعت پر طعنہ زن ہیں جو براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے۔ ہم منصف مزاج اہل علم سے عرض کریں گے کہ ہمارا اور ان کا موقف ملاحظہ فرما کر فیصلہ

صادر فرمائیں کہ ہم میں سے کس کا موقف صحیح ہے؟ بعض اوقات بعض نام نہاد علماء حنفیت میں اس قدر غالی ہوگئے ہیں کہ وہ قرآن کو حنفی صحیفہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حنفی ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ بات سیدھی فطری اور منصفانہ ہے کہ ہم دنیا میں امامت کبریٰ کے علمبردار ہیں۔ جہاد و غزا ہمارا منشور ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فروغ ہمارا موقف ہے۔ شرک کی تردید بدعات کا رد اور تمسک بالسنہ ہمارا نصب العین ہے۔ اجماع امت سے ہماری مراد رسول اللہ کے صحابہ کرامؓ کا کسی مسئلے پر اجماع ہے۔ ہم الجماعت سے مراد صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ اور عہد اہل خیر القرون کو لیتے ہیں۔ صحابہؓ کے وہ آثار جو رسول اللہ سے ثابت نہ ہوں ان کو تسلیم کرنا اور عملی جامہ پہنانا ہمارا مشن ہے۔ ہر دور میں توحید اور سنت کے پرچم کو سربلند رکھنا ہمارا منشور ہے۔ گفتہ خدا اور گفتہ رسول کے لئے دنیا بھر کے انسانوں کو دعوت دینا ہمارا شعار ہے۔ ہم دیوبندیوں اور بریلویوں کی طرح علم کی تنگنائے کے ہرگز ہرگز قیدی نہیں۔ ہماری دعوت آفاقی۔ ہمارا موقف وفاقی ہے ہمارا طریق کار اثری ہے۔ دنیا بھر کی وسعتوں میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پیش کرنا ہمارا فریضہ ہے۔ ہم اپنے دیوبندی اور بریلوی بھائیوں سے عرض کریں گے کہ جذبات، عصبیت، تشدد، تعصب اور تکشف سے الگ ہو کر ہماری دعوت ہمارے نصب العین ہمارے مشن ہمارے منشور ہمارے موقف اور ہمارے شعار پر دردمندانہ غور فرمائیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی مرضیات سے ہمیں نوازے۔

مراد ما نصیحت بود کردیم — حوالت با خدا کردیم رفت ایم

چودھواں باب

مسند رحیمیہ کی جانشینی

حجتہ اللہ فی الارض امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد گرامی شاہ عبدالرحیمؒ نے مدرسہ رحیمیہ کے نام سے ایک علمی' دینی اور تحقیقی درس گاہ کی بنیاد ڈالی۔ شاہ عبدالرحیم کی وفات کے بعد مسند رحیمیہ پر شاہ ولی اللہؒ جلوہ افروز ہوئے۔ اور سالہا سال تک اپنے علمی فیوض و برکات سے دینی طلباء کی جھولیاں بھرتے رہے اور ان کا فیضان علم پورے برصغیر میں پھیل گیا۔ حجتہ الہند حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ۶۳ برس کی عمر میں ۱۱۷۶ھ میں وفات پا گئے۔ انہیں قبرستان مہندیاں میں ان کے والد بزرگوار مولنا شاہ عبدالرحیم کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ شاہ صاحب کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۱۶ برس کی عمر میں اپنے والد اور دادا کی درس گاہ مدرسہ رحیمیہ کی مسند کے وارث بنے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنی زندگانی کے ۶۳ برس مسند رحیمیہ کو رونق بخشی۔ اطراف و اکناف ہند بلکہ بیرون ہند تک اپنا علمی و دینی اور روحانی فیض پہنچایا۔ بڑی سر آمد روزگار شخصیتیں اور نابغہ عصر رجال نے مدرسہ رحیمیہ سے علم و فضل حاصل کیا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق تحقیق و دانش کے لئو لئو لالہ بکھیرے۔ سات شوال ۱۲۳۹ھ کو شاہ عبدالعزیزؒ کے قفس عنصری سے روح پرواز کر گئی شاہ عبدالعزیز مرحوم کی ولادت کی تاریخ ۱۱۵۹ھ ہے۔ شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے شاہ محمد اسحٰق مسند رحیمیہ کے وارث بنے ان کی ولادت کی تاریخ ۱۱۹۷ھ ہے۔ شاہ محمد اسحٰق دہلوی مرحوم ۴۷ برس کی عمر میں اپنے نانا محترم کے جانشین بن گئے۔ ۱۹ سال مسند رحیمیہ کی جانشینی کے فرائض ادا کرنے اور ہندوستان بھر میں اپنے علمی فیوض و برکات پھیلانے کے بعد ۱۲۵۸ھ

میں اپنے برادر خورد شاہ محمد یعقوب دہلوی کو اپنے ہمراہ لے کر ہجرت کے قصد سے بیت الحرام مکہ مکرمہ کے لئے عازم سفر ہوگئے۔ جب اہالیان دہلی کو ان کی ہجرت کے قصد کا علم ہوا تو انہیں اس عزم سے باز رکھنے کے لئے ہزاروں جتن کیے۔ لیکن شاہ اسحٰق ؒ اپنے عزم پر ڈٹے رہے۔ جب علماء شاہ صاحب کے اس عزم سے باخبر ہوئے تو دو شخصیتوں نے انتہائی خواہش اور کوشش کی کہ مسند رحیمیہ کی جانشینی ان کے سپرد کی جائے۔ اس سے مراد مولنا شاہ عبدالغنیؒ مجددی دہلوی اور مولنا احمد علی سہارنپوریؒ محشی صحیح بخاری شریف بانی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ہیں۔ لیکن شاہ محمد اسحٰقؒ اس پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ انہوں نے مسند رحیمیہ پر اپنا جانشین شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کو بنایا اور حق یہ ہے کہ حضرت میاں سید نذیر حسین دہلویؒ نے نہ صرف شاہ محمد اسحٰق کے حسن انتخاب کا حق ادا کیا بلکہ اس مسند کی تاریخی عظمتوں' علمی وجاہتوں اور دینی رفعتوں کو چار چاند لگا دیئے۔ عسر و یسر ہر حال میں کوہ استقامت بن کر اس مسند پر بیٹھ کر ۶۰ سال بخاری شریف اور صحاح ستہ کا درس دیا' ہندوستان بھر کو علوم حدیث سے بھر دیا۔ اور حضرت میاں صاحب کی ان تدریسی خدمات کی وجہ سے پورا برصغیر حدیث کی ضیاء پاشیوں سے بقعہ نور بن گیا اور ہر طرف سے قال اللہ و قال الرسول کی دل آویز صدائیں آنے لگیں۔ لیکن مسند رحیمیہ پر حضرت میاں سید نذیر حسین دہلویؒ کی جانشینی سے ہمارے حنفی بھائی روٹھ گئے۔ حالانکہ اس سے قبل سید احمد شہید کی تحریک مجاہدین میں حنفی بھی شریک تھے اب انہوں نے تحریک مجاہدین سے کلیتہ" علیحدگی اختیار کر لی اور اہلحدیث سے الگ اپنا تشخص نمایاں کرنا شروع کیا اس سے قبل حجتہ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا اسلوب فقہ الحدیث میں (تطابق فقہ و حدیث) مشترکہ طور پر جاری تھا۔ علمائے احناف کی قیادت پہلے حضرت حاجی امداد اللہ کے پاس تھی۔ پھر مولنا مملوک علی کے پاس چلی گئی جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں مولنا مملوک علی انگریز کے عربی کالج

دہلی کے استاذ تھے مولنا محمد قاسم نانوتوی مرحوم اسی عربی کالج میں انگریز سے پوری باقاعدگی سے وظیفہ حاصل کرتے رہے۔ اور اسی کالج سے فارغ التحصیل ہوئے۔ انگریز نے مولنا مملوک علی کے ذریعے مولنا محمد قاسم سے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھوائی۔ تاکہ مولنا محمد قاسم نانوتوی اور مولنا مولک علی سے وابستگان حنفی علماء امن و عافیت سے اپنی تعلیم گاہوں میں بیٹھ کر سبک ساران ساحل کا نظارہ کریں تاکہ وہابیوں (اہلحدیث) کو انگریز نشانہ جبر اور ہدف تشدد بنا سکے۔ یہ بات بھی اہل علم اور ارباب تاریخ سے مخفی نہیں کہ دارالعلوم دیوبند کے اولیں مدرسین مولنا محمد احسن نانوتوی، مولنا محمد یعقوب نانوتوی بن مولنا مولک علی مرحوم، مولنا ذوالفقار والد گرامی شیخ الہند مولنا محمود حسن سب کے سب انگریز کے ریٹائرڈ ملازمین تھے۔ ریٹائرڈ ملازمین گورنمنٹ کے خلاف کیا تحریک چلا سکتے تھے۔

حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی

حضرت میاں سید نذیر حسین کا مولد موضع سورج گڑھ ضلع مونگیر صوبہ بہار ہے۔ اور ان کی تاریخ پیدائش غالباً ۱۲۲۰ھ ہے۔ آپ حسنی سید ہیں۔ ۳۴ واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ عہدہ قضاء نسلاً" بعد نسل آپ کے خاندان میں جاری رہا۔ جیسا کہ سید محمد سالم کی قضاء کی سند پر شاہ عالم بادشاہ کی مہر ۱۶ ربیع الثانی ۱۱۷۵ھ ثبت ہے۔

الحیات بعد الممات ص ۳۰، ۳۲

عہد طفولیت

میاں صاحب کا عہد طفولیت لہو و لعب میں گزرا کبھی آپ دریا میں تیراکی کرتے کبھی گھوڑے کی شاہ سواری کرتے کبھی دیگر کھیلوں میں مصروف ہو جاتے اور اس سے ان کی صحت خاصی مضبوط ہو گئی مگر خاندانی عظمتوں کے باوجود علم کے نقطہ سے بھی آشنا نہیں تھے۔ سید جواد علی مرحوم سے ایک پنڈت کے

تعلقات تھے۔ وہ سید جواد علی سے ملنے کے لئے آئے انہوں نے حضرت میاں صاحب کو کھیل کود میں مصروف دیکھ کر کہا۔ میاں تم اتنے بڑے ہوگئے ہو اور ابھی تک تم نے کچھ لکھا پڑھا نہیں۔ تمہارا خاندان علماء کا خاندان ہے۔ اور تم جاہل ہو اس لئے اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کرو اور علم کا آغاز کرو۔
(تراجم علمائے حدیث ہند ص ۱۳۷)

تعلیم کا آغاز

برہمن کی اس بات نے میاں صاحب کیلئے مہمیز کا کام دیا۔ میاں صاحب نے بڑے ہو کر برہمن کی نصیحت کے مطابق اپنے والد محترم سے پڑھنا شروع کیا۔ عربی فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ان کے والد کی رسائی یہیں تک تھی۔ ان کی علمی تشنگی بڑھنے لگی اور علمی پیاس گھر سے نکلے بغیر بجھ نہ سکتی تھی۔ معاشی طور پر گھریلو حالات سازگار نہیں تھے۔ مولوی مراد علی سے اپنے دل کی بات کہی اور اس سے وعدہ لیا کہ وہ اس راز کو افشاں نہ کرے گا۔ چنانچہ دونوں ساتھی تحصیل علم کے جذبہ سے رات کی تاریکی میں گھر سے نکلے اور پٹنہ کے محلہ صادق پور کے مولوی شاہ محمد حسین کی درس گاہ میں پہنچے۔ اس وقت صوبہ بہار کا یہی مرکزی مدرسہ تھا۔ مولوی شاہ محمد حسین ؒ مولنا ولائت علی مرحوم کے خلیفہ تھے۔ ان دونوں نے مشکوۃ شریف اور ترجمہ قرآن یہیں پڑھا۔ یہ ۱۲۳۷ھ کا واقعہ ہے۔ صادق پور کے قیام کے زمانے میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہما کا قافلہ پٹنہ میں وارد ہوا۔ جمعہ کی نماز پولیس لائن میں ادا کی۔ شاہ اسماعیل شہید نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا۔ ان حضرات سے میاں صاحب کی صحبتیں ان کے حصول علم کی آتش شوق بھڑکاتی رہیں۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ جو سید احمد شہید کے بھی امام و مرشد تھے دہلی میں بقید حیات تھے۔ ان سے استفادہ کے شوق نے انہیں بے قرار کر دیا وہ اپنے ساتھی مولوی مراد علی کے

ہمراہ عازم دہلی ہوئے مگر زاد راہ کی قلت کی وجہ سے ۱۲۳۷ھ کو چلے ہوئے یہ مسافر ۱۲۴۳ھ میں دہلی پہنچے۔ جب کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی انتقال فرما چکے تھے۔ مگر زاد راہ کی قلتوں اور پیادہ پا مسافت کی صعوبتوں کی وجہ سے شاہ عبدالعزیز کی زیارت سے محروم رہے کیونکہ وہ ۱۲۳۹ھ میں فوت ہوگئے تھے۔ میاں صاحب نے غازی پور میں دوران سفر کچھ عرصہ قیام فرمایا۔ وہاں مولنا احمد علی مرحوم چڑیاکوٹی سے بعض کتابیں پڑھیں۔ کئی روز بنارس میں ٹھہرے وہاں اپنی سواری کا گھوڑا بیچ کر ۹ روپے میں ایک کتاب خریدی۔ الٰہ آباد وارد ہوئے دائرہ شاہ اجمل میں رہ کر صرف و نحو کی چند کتابیں پڑھیں۔ حضرت میاں صاحب زندگی بھر دائرہ شاہ اجمل کو نہیں بھولے۔ دہلی میں شاہ محمد اسحٰق نواسہ شاہ عبدالعزیز کا فیضان علم و عمل جاری تھا۔ لیکن ابھی وہ اپنے کو ان کے حلقہ میں شمولیت کے قابل نہیں پاتے تھے چنانچہ دوسرے اساتذہ سے اکتساب کیا۔ کافیہ' قطبی' مختصر المعانی' شرح وقایہ' نور الانوار' مولوی عبدالخالقؒ سے پڑھیں۔ جو شاہ محمد اسحٰقؒ کے شاگرد رشید تھے۔ آپ کی شادی بھی ان کی دختر نیک اختر سے ہوئی۔ شاہ محمد اسحٰقؒ شاہ محمد یعقوبؒ بطور کفیل و مہتمم مجلس نکاح میں موجود تھے۔ شرح جامی مع حاشیہ عبدالغفورؒ زوائد ثلاثہ' صدرا ملاں خوندشیر محمدؒ متوفی ۱۲۵۷ھ سے پڑھیں۔ یہ بزرگ شاہ عبدالقادر متوفی ۱۲۴۳ھ کے شاگرد تھے۔ صحیح بخاری اور بیضاوی میں شاہ محمد اسماعیلؒ شہید کے ہم سبق تھے۔ ۸۸ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ مسلول۔ توضیح تلویح۔ مسلم الثبوت۔ تفسیر کشاف۔ مولوی کرامت علی اسرائیلی سے شرح مسلم' حمد اللہ' قاضی مبارک شرح مطالعہ' مولوی جلال الدین سے پڑھی۔ مولوی سید محمد بخش سے خلاصۃ الحساب تشریح۔ توضیح الافلاک۔ شرح چغمینی پڑھیں شاہ محمد اسحٰق مہاجر مکی سے تفسیر اور حدیث میں سے بعض کتب ساعۃ" اور بعض کتب قراۃ" پڑھیں جن کی نقل سند کے تذکرہ میں موجود ہے۔ (تراجم علمائے حدیث ہند ص ۱۳۸' ۱۳۹' ۱۴۰)

میاں صاحب کی ذہانت اور حاضر جوابی

مفتی رام پور نے ایک مرتبہ میاں صاحب سے دریافت کیا کہ تم کو فقہ بھی آتی ہے؟ آپ نے جواب میں کہا میں کیا جانوں مگر سوال تو کیجئے۔ فرمایا وضو کے کتنے فرض ہیں۔ میاں صاحب نے کہا کہ معلوم ہوا کہ آپ وہی اعتراض کریں گے جو ملاں فاروخ مکی نے کیا اسی کو بحر الرائق میں لکھا ہے اسی کو نہر الفائق میں نقل کیا ہے ایسے اعتراض کا جواب دہلی کے بھٹیاروں کے لونڈے پیڑے بناتے ہوئے دیئے جاتے ہیں کوئی بڑی بات پوچھی ہوتی اس کے بعد میاں صاحب نے ان سے سوال کیا کہ شوہر بی بی کی لاش کو ہاتھ لگا سکتا ہے؟ غسل دے سکتا ہے اور تجہیز و تکفین کر سکتا ہے؟ مفتی صاحب نے فرمایا موت کے بعد نکاح فسخ ہو جاتا ہے اس پر میاں صاحب نے جواب دیا پھر حضرت علیؓ نے جناب سیدہ فاطمہؓ کو کیوں غسل دیا اور ان کی تجہیز و تکفین کیوں کی۔ مفتی صاحب خاموش ہو کر رہ گئے۔ حضرت میاں صاحب کو تمام مسائل پر مجتہدانہ بصرت حاصل تھی۔

(تذکرہ کاملان رامپور ص ۱۷)

حافظ محمد لکھویؒ کی فقہی مسائل پر نظر وسیع تھی۔ ان کے والد حافظ بارک اللہؒ نے فقہی مسائل پر انواع بارک اللہ لکھی۔ حافظ محمدؒ نے عامل بالحدیث ہونے کے بعد ان کے جواب میں انواع محمدی لکھی۔ ایک مرتبہ کسی فقہ کے مسئلہ پر حافظ صاحب نے چار کتابوں کا حوالہ دیا۔ مگر میاں صاحبؒ نے اس موضوع پر چالیس نام گنوا دیئے۔ ایک مرتبہ مولنا احمد علی سہارنپوریؒ کا بخاری پر حاشیہ پڑھا جس میں لکھا تھا کہ خبر واحد سے قرآن کی تخصیص جائز نہیں۔ میاں صاحبؒ نے اس پر برجستہ ۱۲۵ ایسے مواقع بتائے جہاں آئمہ احناف نے قرآن کی

تخصیص کی ہے۔ ایک مرتبہ حضرت شاہ محمد اسحٰق کے پاس ناجائز اولاد کے بارے میں استفتاء آیا۔ موصوف نے تمام شاگردوں کو اس پر لکھنے کا حکم دیا۔ میاں صاحبؒ کے سوا کسی نے جواب نہ لکھا۔ شاہ صاحب پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اس لڑکے سے وہابیت کی جھلک آتی ہے۔ یہ وسعت نظر ان کے پیہم مطالعہ سے پیدا ہوئی ہے۔ کیونکہ میاں صاحبؒ نے کتب خانہ نذیریہ کے ساتھ ساتھ مغلیہ خاندان کا شاہی کتب خانہ بھی کھنگال ڈالا۔ اسی طرح جب ضرورت پڑتی لکھنؤ اور بھوپال سے کتابیں منگوا لیتے۔

(تراجم علماء حدیث ص ۱۴۴' ۱۴۵)

۱۳۰۰ھ میں آپ حج بیت اللہ کے لئے گئے تو ہندوستانی حنفی مقلدین کی مہربانیوں سے وہاں سخت ابتلاء میں گھر گئے۔ آپ پر بے جا الزامات لگوائے گئے۔ اور گرفتار کروایا گیا۔ میاں صاحبؒ سے کہا گیا کہ شاید اس کیس میں آپ کی رہائی ممکن نہ ہو لیکن میاں صاحبؒ کا خلوص اور تقویٰ ان سب پر غالب آیا۔ اور آپ سے عثمان پاشا کے سامنے سوالات کئے گئے۔ (۱) آپ کے نزدیک مال تجارت ہے کہ نہیں۔ (۲) خنزیر کی چربی کو آپ حلال سمجھتے ہیں یا حرام (۳) پھوپھی اور خالہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں (۴) حنفی مذہب آپ کے نزدیک کیسا ہے؟

عثمان پاشا عربی نہیں جانتا تھا۔ گفتگو ایک ترجمان کے ذریعہ ہوئی۔ دوران گفتگو ترجمان سے دریافت کیا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں اس نے کہا نیشا پور میرا وطن ہے۔ میاں صاحبؒ نے فرمایا۔ صائب نیشا پوری یوں کہتا ہے ؎

بے بصیرت چہ شناسد سخن صائب را   تلخ و شیریں بمذاق دل بخورِ یکے است

عثمان پاشا نے لاجواب ہو کر میاں صاحبؒ کو رہا کر دیا۔ ۲۲ جون ۱۸۹۷ء کو گورنمنٹ انگلشیہ نے آپ کی تعلیمی خدمات کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے شمس العلماء کا خطاب دیا۔ میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ شمس العلماء کہلانا میری کوئی کمزوری

نہیں۔ میں تو میاں صاحبؒ پر ہی خوش ہوں۔ بلکہ میاں صاحبؒ شمس العلماء کہلانا قطعاً پسند نہیں کرتے تھے۔ الغرض میاں صاحبؒ کی پوری زندگی لوت لایموت اور عسر میں گزری۔ آپ معاشی طور کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے۔ آپ نے زندگی کے ساٹھ برس صحاح ستہ اور دیگر کتب کی تدریس میں گزار دیئے۔ آپ کی وفات رجب بروز دو شنبہ ۱۳۲۰ھ ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو بعد از نماز مغرب ہوئی۔ صبح نو بجے جنازہ اٹھایا گیا۔ ہزاروں کا مجمع تھا۔ جنازہ میں دلی بھر کے تمام مکاتب فکر کے علماء' صوفیاء اور امراء شہری اس میں شامل تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بخاری کو گلستان و بوستان بنا دیا ہے۔ آپ کے تلامذہ کا سلسلہ ہزاروں سے متجاوز ہے۔ خصوصاً مولنا حافظ محمد ابراہیم آرویؒ شاہ عین الحق پھلوارویؒ' علامہ شمس الحق ڈیانویؒ صاحب عون المعبود' مولنا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ حافظ عبداللہ غازی پوری' مولنا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ صاحب تحفتہ الاحوذی۔ شیخ پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ عارف باللہ سید عبداللہ غزنویؒ' مولنا سید امام عبدالجبار غزنویؒ و دیگر برادران۔ مولنا امیر حسن محدثؒ مولنا امیر احمد محدث' مولنا محمد بشیر سہسوانی' مولنا محمد سعید بنارسی' مولنا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرت بخاری' مولنا محمد حسین بٹالویؒ' مولنا سید نذیر الدین بنارسیؒ' مولنا وحید الزماں حیدر آبادیؒ' مولنا بدیع الزمان حیدر آبادیؒ' مولنا ابویحیٰی محمد شاہ جہان پوریؒ' مولنا عبدالحلیم شرر لکھنویؒ' مولنا اکرم حسین کاکورویؒ' مولنا محمد بن ہاشم سامرودیؒ' مولنا حافظ عبیدالرحمٰن عمرپوریؒ' مولنا احمد اللہ پرتاب گڑھی' مولنا غلام رسول قلعہ میاں سنگھ' مولنا عبدالوہاب ملتانی صدری' مولنا عبدالتواب ملتانی' مولانا عبدالحق ملتانی' وغیرہم آپ ہی کے تلامذہ ہیں۔

(الحیات بعد المحات)

آپ کا فیضان علم پورے برصغیر میں پھیلا بلکہ برصغیر سے باہر تک پہنچا۔

منبع علوم و معدن فیوض

حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ مرکز علوم' مصدر فنون اور منبع فیوض و برکات کی حیثیت رکھتے تھے۔ موصوفؒ نے مسند رحیمیہ پر بیٹھ کر ساٹھ برس علوم و فنون کے ساتھ ساتھ صحاح ستہ اور بخاری شریف کا درس دیا۔ علامہ عبدالعزیز میمن مرحوم (جو اپنے وقت کے ہندوستان میں عربی ادب کے سب سے بڑے ادیب اور مصنف تھے عربی ادبیات پر انہیں کامل عبور و استحضار تھا) نے فرمایا میں چھوٹا سا تھا ۱۹۰۲ء میں حضرت میاں صاحبؒ کے مدرسہ میں داخل ہوا۔ اس سال ۱۹۰۲ء میں حضرت میاں صاحب فوت ہوگئے۔ جب میاں صاحب کو غسل دیا جا رہا تھا تو میں پانی کے لوٹے بھر بھر کر لا کر دیتا تھا۔ ساٹھ برس مسلسل نشست کی وجہ سے حضرت میاں صاحبؒ کی پشت پر کولہوں کے نشانات نمایاں تھے۔ میاں صاحبؒ کا جنازہ دہلی میں ایک مثالی جنازہ تھا۔ اتنے اکابر' علماء' صلحاء' اتقیاء' اصفیاء' دانشور اور اہل اللہ حضرات کسی اور کے جنازہ میں نہیں دیکھے گئے۔ مسلکی تبلیغ و اشاعت میں حضرت میاں صاحبؒ کی تدریس نے اس قدر کام کیا کہ اس کی مثال پیش کرنا ناممکن ہے۔ جیسا کہ نواب سید صدیق حسن خانؒ کے قلم اور سرمایہ نے مسلک کے لئے وہ کام کیا جو اسلام کے لئے حضرت خالد بن ولیدؓ کی تلوار نے کیا۔ حضرت میاں صاحبؒ کا مدرسہ ایک ایسا مرکز تھا جہاں پر متشدد سے متشدد مقلدین بھی کاروان عمل بالحدیث میں شامل ہونے پر مجبور ہو جاتے حالانکہ میاں صاحبؒ نہ متشدد تھے نہ متعصب تھے اور نہ ہی متکشف۔ میاں صاحبؒ محقق' محدث' نقاد فن۔ متبحر عالم دین اور نادر الوجود شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے علمی تبحر' ان کے خلوص و تقویٰ' ان کے ذکر و فکر' ان کی دعوت و ارشاد' ان کے علم و آگہی' ان کی گفتار و کردار' ان کے سیرت و اعمال کی عظمتوں میں یگانے تو کیا بیگانوں کو بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ میاں صاحبؒ ایک ایسا پارس تھے۔ جو ان کی مجلس میں بیٹھتا کندن بن جاتا۔ کتنے ہی متشددین حضرت میاں صاحبؒ کے پاس عزم بالجزم کے ساتھ آئے لیکن آپ کے حسن اخلاق'

حسن کردار، حسن معاملات، حسن تدریس اور حسن عمل سے گھائل ہو کر رہ گئے۔ حضرت میاں صاحب کی مسند سے بیک وقت علماء، فضلاء، خطباء، محدثین، مصنفین، مناظرین، مدرسین، کاملین، شارحین، محشین، داعیین اور اس قدر فلاسفین پیدا ہوئے کہ اس دم واپسیں میں ہمیں کوئی بھی شیخ اتنا بڑا حلقہ تلامذہ رکھنے والا دکھائی نہیں دیتا۔ پورے برصغیر میں حضرت میاں صاحبؒ کا فیضان پہنچا۔ حضرت میاں صاحبؒ کا ایک ایک شاگرد انبیاء کے مشن کا وارث اور انجمن کی حیثیت رکھتا تھا۔ یوں تو حضرت میاں صاحبؒ کے تلامذہ کی تعداد لاتعد و لا تحصی ان گنت اور بے شمار ہے۔ الحیات بعد الممات کے مصنف نے حضرت میاں صاحبؒ کے تلامذہ کی تعداد پانچ سو لکھی ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ قرائن اور شواہد بتاتے ہیں کہ حضرت میاں صاحبؒ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی۔ صوبہ وار ہم حضرت میاں صاحبؒ کے اجلہ اور منتخب تلامذہ کے اسماء درج کرتے اور پھر مختصراً ان کے احوال و ظروف پیش کرنے کی سعادت اگر حاصل کریں تو بھی ایک ضخیم کتاب بن جائیگی۔ تاہم پنجاب میں استاذ پنجاب حضرت مولنا حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ عارف باللہ، مولنا سید عبداللہ غزنویؒ، حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنویؒ، حضرت امام العصر مولنا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ، مولنا محمد حسین بٹالویؒ، مولنا حافظ محمد لکھویؒ، مولانا عبدالحق ملتانیؒ، مولنا عبدالتواب ملتانیؒ، مولناء ثناء اللہ امرتسریؒ، صوبہ سرحد میں قاضی طلا محمد پشاویؒ، صوبہ ہریانہ میں مولنا عبدالستار کلانوریؒ۔

حیدر آباد دکن میں نواب علامہ وحید الزمانؒ و علامہ بدیع الزمانؒ یوپی میں مولنا محمد بشیر سہسوانیؒ، مولنا عبدالتواب غزنویؒ، مولنا عبدالسلام مبارکپوریؒ، مولنا عبدالرحمن مبارکپوریؒ، مولنا سلامت اللہ جراجوریؒ، مولنا حافظ عبداللہ غازی پوریؒ، مولنا محمد سعید بنارسیؒ، مولنا احمد اللہ پرتاب گڑھی، مولنا عبدالحلیم شرر، صوبہ بہار میں مولنا محمد ابراہیم آرویؒ، مولنا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ، علامہ

شمس الحق ڈیانویؒ‘ مولانا شرف الحق ڈیانوی‘ بنگال میں مولنا محمد اکرم خان محمدیؒ‘ مولنا قطب حسین‘ وغیرھم۔

حضرت میاں صاحبؒ افادہ و استفادہ دونوں کے قائل تھے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس دو عبداللہ تعلیم کے لئے آئے ایک نے مجھے تدریس سکھائی‘ دوسرے نے مجھے مسنون نماز پڑھنے کا صحیح طریقہ بتایا۔ اگر وہ دونوں میرے پاس تشریف نہ لاتے تو شاید میری تدریس میں وہ بانکپن اور حسن پیدا نہ ہوتا جو اللہ نے مجھے دیا ہے اور نہ مجھے سنت رسولؐ کے مطابقؐ نماز ادا کرنے کا طریقہ آتا۔ وہ تھے حافظ عبداللہ غازی پوری اور عارف باللہ سید عبداللہ غزنوی۔
(الحیات بعد المماۃ)

عارف باللہ مولنا سید عبداللہ غزنویؒ

مولنا سید عبداللہ غزنویؒ کا نام نامی اور اسم گرامی محمد اعظم تھا۔ باپ کا نام محمد بن محمد شریف غزنویؒ تھا۔ آپ سادات خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ بیک وقت محدث‘ مجاہد‘ مبلغ‘ مجدد‘ مدرس اور داعی الی اللہ تھے۔ آپ کی حیات مستعار اللہ کی رضا جوئی کے لئے مختص تھی۔ آپ نے اپنا مال جان اور وطن سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے تج دیا تھا۔ آپ صاحب حال بزرگ تھے۔ آپ مستجاب الدعوات شخصیت تھے۔ عوام میں عارف باللہ کے نام سے مشہور تھے۔ آپ ۱۲۳۰ھ کو بہادر خیل غزنی کے قریب افغانستان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اس وقت کے مشہور علماء سے علم حاصل کیا۔ پھر مشہور اہل اللہ شیخ حبیب اللہ قندھاریؒ "مغتنم الحصول" کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کی مسنون طرز حیات کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ اور دین اور سنت کے رنگ میں اپنے کو رنگنے کے لئے دہلی میں پہنچے۔ کیونکہ شیخ حبیب اللہ قندھاریؒ شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کی عظمتوں کے نہ صرف قائل تھے بلکہ ہروقت ان

کی تعریف میں رطب اللسان رہتے۔ شیخ عبداللہ غزنویؒ حضرت میاں صاحب سے استفادہ کے لئے بے قرار ہوگئے پھر دہلی پہنچے اور میاں صاحبؒ سے صحاح ستہ پڑھیں۔ اور پھر واپس وطن غزنی آگئے۔ اللہ کے دین کی خدمت اور اعلائے کلمتہ اللہ کے لئے کمربستہ ہوگئے اور رسول اللہ کی سنتوں پر عمل پیرا ہو کر عوام کے لئے مجسم دعوت بن گئے۔ اس سلسلہ میں ایک مسلم صادق' مومن قانت اور صابر و شاکر کا کردار ادا کرنا شروع کیا۔ ان کی زندگی دینی احتساب میں خرچ ہوئی۔ نصرت اسلام اور اعلاء کلمتہ اللہ کی پاداش میں مخالفوں' منافقوں اور امیر کے جھوٹے مصاحبوں نے انہیں نہ صرف بہت پریشان کیا بلکہ انہیں شدید تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا۔ والئ افغانستان شیر علی خان کے پاس کابل میں ان کی شکایت کی گئی۔ والئ افغانستان نے انہیں کابل میں بلا بھیجا۔ وہ انہیں دیکھ کر ان کے زہد ورع سے بہت متاثر ہوا اور انہیں اشارہ کیا کہ وہ علماء کی موافقت کریں۔ فروعی مسائل کو بالائے طاق رکھ کر ان کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو جائیں۔ حضرت غزنویؒ نے اس سے انکار کر دیا۔ اس بدبخت نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ ان کی داڑھی مونڈھ دی جائے۔ ان کا چہرہ سیاہ کر دیا جائے۔ ان کو گدھے پر سوار کر کے افغانستان میں ان کی تشہیر و تذلیل کی جائے۔ پھر انہیں ہندوستان جلا وطن کر دیا جائے اس وقت آپ چند ایام پشاور میں ٹھہرے۔ پھر خیردلی کے امرتسر کے قریب ایک گاؤں میں قیام کیا۔ پھر امرتسر مشرقی پنجاب میں منتقل ہوئے اور وہیں ڈیرے ڈال دیئے۔ آج بھی امرتسر کا کوچہ غزنویہ ان کی عظمتوں کا امین ہے۔ آپ گویا عبادت' ریاضت اور ذکر و فکر کے لئے معتکف ہوئے۔ زہد و ورع' حسن نیت' تواضع' انکساری جیسی خوبیوں کے حامل تھے۔ جو بزرگ بھی ان کی زیارت کر لیتا وہ ان کا والا و شیداء بن جاتا۔ لوگوں میں ان کی مدح و ستائش اور عادات و خصائل کے چرچے عام تھے۔ آپ نہایت اچھے زمانے والے اور ہندوستان بھر کی زینت تھے۔ آپ پر نور ایمان کا غلبہ تھا۔ صالحین سے محبت تھی۔

بے شمار کشف و کرامات کا آپ سے صدور ہوا ہے۔ جیسا کہ نواب صدیق حسن خانؒ نے "تقصار جیود الاحرار" میں اور شیخ علامہ شمس الحق ڈیانویؒ نے غایتہ المقصود کے مقدمہ میں اور قاضی طلا محمد پشاوریؒ نے اپنے عربی اور فارسی روشن قصائد میں لکھا ہے۔ حضرت الامام مولنا سید عبدالجبار غزنویؒ نے ان کے ترجمہ میں ذکر فرمایا ہے کہ میرے والد حضرت عبداللہ غزنویؒ نے شروع شروع میں طریقہ احسنیہ اپنایا۔ لیکن بہت جلد مسنون اذکار کو اپنا لیا۔ جس سے اس کی نسبت صحیح ہو گئی۔ جیسا کہ مولنا شمس الحق ڈیانویؒ غایتہ المقصود کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ غزنویؒ اپنے جمیع احوال میں ہر وقت اللہ کے ذکر میں مستغرق رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کا گوشت' ان کی ہڈیاں' ان کے بال اور ان کے پٹھے ان کے تمام جسم کے اعضاء اللہ کے ذکر میں فنا اور اس کی طرف متوجہ تھے۔ آپ ۱۱ ربیع الاول سوموار ۱۲۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ (نزھتہ الخواطر جلد ہفتم ص ۲۰۲' ۲۰۳)

حضرت عبداللہ غزنویؒ کے بارے میں مولنا غلام رسول مرحوم قلعہ والے نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ غزنی میں حضرت نے فرمایا کہ آج میرے پاس کوئی اللہ کا ولی آنے والا ہے۔ تو شام کے وقت مولنا محی الدین لکھوی بن حافظ محمد لکھویؒ پہنچ گئے۔ جب مولنا محی الدینؒ سے نام دریافت کیا گیا تو آپ نے نام محی الدینؒ ذکر کیا تو حضرت غزنویؒ نے فرمایا کہ اس نام میں کبر کی بو آتی ہے تم کیا دین کا احیاء کرو گے۔ اللہ اور اس کے رسول کو عبداللہ اور عبدالرحمٰن نام پسند ہیں۔ چنانچہ حضرت نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ اس کے بعد مولنا محی الدین عبدالرحمٰن محی الدین کے نام سے مشہور ہوئے۔ مولنا عبدالرحمٰن محی الدینؒ مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔ وہ موجودہ مولنا معین الدین اور مولنا محی الدین لکھویؒ کے دادا محترم تھے۔ مولنا عبداللہ غزنویؒ کا نام پہلے محمد اعظمؒ تھا انہوں نے بھی ازراہ عجز و انکسار اپنا نام عبداللہ رکھ لیا۔ مشہور ادیب منشی محمد دین فوق مرحوم

نے علامہ اقبال مرحوم کا ایک مکتوب نقل کیا ہے۔ جس میں علامہ صاحب نے سید عبداللہ غزنوی مرحوم کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے محبت و عقیدت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ حضرت غزنویؒ طلباء کو موطا شریف پڑھا رہے تھے کہ کسی نے آکر یہ خبر دی کہ آپ کا فلاں جواں سال بیٹا انگریز کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ حضرت غزنویؒ نے جب یہ وحشت اثر خبر سنی تو بے ساختہ ان کی زبان سے تین بار انا للہ وانا الیہ راجعون کے الفاظ نکلے اور بدستور حدیث کا درس جاری رکھا۔ وہ شخص حیران تھا کہ میں نے اتنی غم انگیز خبر سنائی اور شیخ نے کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ سبق مکمل ہونے کے بعد حضرت غزنویؒ نے خبر سنانے والے سے تفصیلات سنیں۔ اس نے کہا کہ حضرت میں نے آپ کو آپ کے جواں سال بیٹے کی موت کی خبر سنائی تو آپ نے اسے درخور اعتناء نہ سمجھا۔ مولنا سید عبداللہ غزنویؒ نے جواباً یہ فرمایا کہ عزیز من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پڑھا رہا تھا۔ اس کو چھوڑ کر کوئی اور بات سننا عظمت حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کے منافی تھا۔ جبکہ بچہ تو شہید ہو گیا اب واویلا کرنے سے واپس نہیں آئے گا۔

(مولنا داؤد غزنوی آغا شورش کاشمیری ص ۶۵)

(اللہ اللہ ان اکابر کو رسول اللہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت و عقیدت تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی عظمت کو جزو ایمان سمجھتے تھے۔ مولنا سید عبداللہ غزنویؒ دو مرتبہ حضرت میاں صاحبؒ کے پاس تشریف لے گئے ایک مرتبہ غزنی میں ہوئے ہوئے صحاح ستہ پڑھ کر گئے دوسری مرتبہ افغانستان سے ہجرت کے بعد قیام امرتسر کے زمانہ میں۔ مولنا سید داؤد غزنویؒ متوفی ۱۹۶۳ء جب کبھی اپنے والد محترم حضرت الامام مولنا سید عبدالجبار غزنویؒ کا تذکرہ کرتے تو ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ انہوں نے ایک دفعہ فرمایا کہ غزنی میں جب مولنا عبدالرحمٰن محی الدین لکھوی میرے دادا

جان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دادا جان نے ان کے سفر کی تھکاوٹ کو محسوس کرتے ہوئے انہیں تازہ اور گرم حلوہ کھلایا۔ اور واپسی پر ایک سو روپیہ زاد سفر بھی دیا۔

سمندری میں ایک مرتبہ پروفیسر سید ابوبکر غزنوی شہیدؒ نے خطبہ جمعہ کے دوران فرمایا کہ دادا جان حضرت الامام مولنا سید عبدالجبار غزنویؒ حزب البحر وظیفہ باقاعدگی سے کرتے تھے۔ (جماعت مجاہدین میں بھی تسخیر کے اس وظیفے کو اہتمام سے کیا جاتا تھا۔ امیر المجاہدین حضرت صوفی عبداللہؒ بھی یہ وظیفہ بڑی باقاعدگی سے کرتے تھے۔) اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کے۔ ایک مرتبہ جمعہ کے روز دادا جان مرحوم نماز فجر کے بعد ایک حجرہ میں داخل ہوگئے اور وظیفہ حزب البحر شروع کر دیا۔ کسی طالب علم نے حجرے کا دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔ دادا جان جب وظیفہ سے فارغ ہوئے اور دروازے کو ہاتھ لگایا تو کڑک کر کے تالا ٹوٹ گیا۔ اور کنڈی از خود کھل گئی طالب علم بھاگے بھاگے حضرت عبداللہ غزنویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا' حضرت مولنا عبداللہ غزنویؒ نے فرمایا کہ عبدالجبار کو میرے پاس لاؤ' سید عبداللہ غزنویؒ فارسی میں گفتگو کیا کرتے تھے حزب البحر یہ وظیفہ حقیقت میں تسخیر کا وظیفہ ہے جس میں وظیفہ کرنے والا اللہ تعالی سے درخواست کرتا ہے کہ یہ زمین' یہ آسمان' یہ ہوا' یہ فضا' یہ صحرا' یہ دریا' یہ بیاباں' یہ کوہستان' یہ پہاڑ' یہ سمندر۔ یہ انسان اور کائنات کی تمام مخلوق میرے لئے مسخر کر دے۔ مولنا عبداللہ غزنویؒ نے مولنا عبدالجبار غزنویؒ سے فارسی میں دریافت کیا "عبدالجبار چہ میخوانی" عبدالجبار کیا پڑھا کرتے ہو۔ حضرت امام نے جواباً کہا "حزب البحر میخوانم" حزب البحر پڑھا کرتا ہوں مولنا عبداللہؒ نے فرمایا "از خدا خدائی خواہی بندگی اختیار کن" کہ تم خدا سے خدائی مانگتے ہو بندگی اختیار کرو" ایک مرتبہ مولنا غلام رسول مرحوم قلعہ میاں سنگھ والے جو حضرت

غزنویؒ کے مرید بھی تھے اور دوست بھی تھے وہ امرتسر حضرتؒ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ حاضر خدمت' علیک سلیک اور خیریت دریافت کرنے کے بعد مولنا سید. عبداللہ نے فرمایا غلام رسول عالم شدی حافظ شدی مبلغ شدی' محدث شدی واعظ شدی حنوز مسلمان نہ شدی۔ غلام رسول تم عالم بن گئے مبلغ ہو گئے محدث بن گئے۔ حافظ بن گئے تدریس کے منصب پر فائز ہوگئے لیکن ابھی تک مسلمان نہیں بنے۔ مولنا غلام رسول زار و قطار رونے لگے بلکہ بیہوشی میں تڑپنے لگے اور کہنے لگے حضرت بتاؤ میں مسلمان کیسے ہوؤں۔ حضرت غزنوی نے فرمایا اس طرح مسلمان ہو جاؤ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام مسلمان ہو گئے تھے۔ مسلمان کا معنی اطاعت و فرماں برداری اور وفا شعاری کا ہے اور اسلام گردن نہادن' یعنی اسلام اللہ کی راہ میں جھک جانے اور اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں گردن جھکانے کا نام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا تھا اسلم انہوں نے جواباً کہا اسلمت لرب العلمین یعنی اے ابراھیم تو اللہ کا فرماں بردار ہو جا۔ حضرت ابراہیم نے کہا میں دونوں جہانوں کے پروردگار کائنات کے خالق و مالک کا فرماں بردار ہوگیا ہوں۔ (مولانا محی الدین احمد قصوریؒ بحوالہ الاعتصام) حضرت مولنا عبداللہ غزنویؒ کی زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہتی کوئی لمحہ خدا کی یاد سے غافل نہ گزرتا۔ وہ صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مستجاب الدعوات بنایا تھا۔ ان کے ایسے بے شمار واقعات ہیں جب انہوں نے دعا مانگی اللہ نے قبولیت سے نوازا۔ لیکن کتاب کی قلت دامانی کی وجہ سے ہم ان واقعات کو حیطہ تحریر میں لانے سے قاصر ہیں۔ (نزہتہ الخواطر)

حضرت عبداللہ غزنویؒ ۱۸۵۷ء جنگ آزادی کے آخری اور ناکام وار (جسے انگریز اور اس کے پٹھوؤں نے غدر کا نام دیا تھا) کے موقع پر جب انگریز اور پٹیالے کے سکھ فوجیوں نے دہلی میں قتل عام شروع کیا توپوں کے گولے اور بندوقوں کی گولیاں مسجد کے صحن میں گر رہی تھیں۔ ظہر کی نماز کا وقت بڑی تیزی

سے گزر رہا تھا' آدمی توپوں کے گولوں اور بندوقوں کی گولیوں کی وجہ سے سہمے ہوئے تھے کہ اسی دوران مولنا عبداللہ غزنویؒ نعرۂ مستانہ لگاتے ہوئے حوض پر پہنچے' وضو کیا اور اذان دینا شروع کی جبکہ ان کے دائیں بائیں کثرت سے گولیاں گر رہی تھیں۔ (مولنا داؤد غزنوی ص ۶۵)

مولنا عبداللہ غزنویؒ کی دیکھا دیکھی باقی طلباء نے بھی جرات کی' حوض پر پہنچے وضو کیا اور نماز باجماعت ادا کی۔ مولنا عبداللہ غزنویؒ کا موقف تھا اگر وضو کرتے' اذاں دیتے' نماز پڑھتے ہم دشمن کی گولی سے شہید ہو جاتے ہیں تو اس سے بڑھ کر اچھی موت کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ۔ اللہ کس قدر پر خلوص جذبات موجزن تھے۔ اور نماز کی بروقت ادائیگی کا کس قدر احساس و اہتمام تھا اور اللہ نے ان کو کس قدر حوصلہ' جرات اور شجاعت عطا فرمائی تھی۔ اسی طرح جب انہوں نے فارغ ہو کر دہلی سے امرتسر آنا چاہا تو عشاء کی نماز کے موقع پر حضرت میاں صاحبؒ نے فرمایا کہ عبداللہؒ کل واپس جا رہے ہو۔ آج عشاء کی نماز پڑھاؤ کیونکہ آپ کی نماز ہو بہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا عکس ہوتی ہے۔ چنانچہ مولنا عبداللہ غزنویؒ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔ پہلی دو رکعتوں میں خاصا وقت لگ گیا۔ ان کے خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ خود زار و قطار رو رہے تھے اور تمام مقتدی بھی اشک بار تھے کسی کو وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوا۔ حضرت غزنویؒ کی نماز کی کیفیت اور روحانی طمانیت و یکسوئی اس قدر تھی جو ایک مرتبہ نماز ان کی اقتداء میں پڑھ لیتا تو پھر زندگی بھر یہی خواہش رہتی کہ حضرت عبداللہ غزنویؒ کی اقتداء میں نماز پڑھے۔ (تذکرہ علماء کرام)

حضرت میاں صاحبؒ فرمایا کرتے تھے میرے پاس دو عبداللہ پڑھنے کے لئے آئے ایک نے نماز سکھائی اور دوسرے نے تدریس کا طریقہ۔ اگر یہ دونوں نہ آتے تو نماز و تدریس میں مجھے صحیح معنی میں کمال پیدا نہ ہوتا وہ ہیں مولنا عبداللہ غزنویؒ اور حافظ عبداللہ غازی پوری۔ (تراجم علمائے حدیث ہند)

حضرت الامام مولینا سید عبدالجبار غزنوی ؒ

مولینا سید عبدالجبار غزنوی ؒ اپنے وقت کے ولی کامل راسخ فی العلم اور نادرۃ الوجود شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی ولایت' عظمت شان اور جلالت علم پر سب متفق ہیں۔ وہ ۱۲۶۸ھ میں غزنی (افغانستان) کے قریب صاجزادہ نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ اور عربی زبان سے شروع سے ہی شغل جاری رکھا۔ اپنے بھائیوں محمد بن عبداللہ اور احمد بن عبداللہ سے علم کی منزلیں طے کیں۔ اور تکمیل کے مرحلہ تک اپنے باپ کے فیضان سے استفادہ کیا۔ ان کے والد محترم مولینا سید عبداللہ غزنوی ؒ اپنے زمانے کے ابدال میں شمار ہوتے تھے۔ وہ صاحب کشف و کرامات تھے ان کی زندگی کے عجیب و غریب واقعات پڑھنے اور سننے میں آئے ہیں۔ افغانستان سے ہجرت کے بعد مولینا سید عبدالجبار غزنوی ؒ دہلی میں شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی ؒ کے درس میں داخل ہوئے۔ اور جی بھر کر علوم و فنون کے ساتھ ساتھ ان سے حدیث کی تعلیم مکمل کی۔ بیس سال کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ' تمام فنون درس نظامی اور فقہ و حدیث کی تعلیم مکمل کی۔ زندگی بھر امرتسر میں قرآن و حدیث کی تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور مدرسہ تقویتہ الاسلام امرتسر کی بنیاد رکھی۔ تعلیم و تدریس کے شغل کے ساتھ ساتھ وہ زاہد فی الدنیا' عابد اور ذاکر انسان تھے۔ اللہ کے ذکر سے انہوں نے ہمیشہ اپنی زبان کو تر رکھا۔ دنیا اور اسباب دنیا سے کوئی غرض نہیں رکھی زندگی بھر خلق خدا کو خالق کائنات کی عبادت و ریاضت اور توحید و سنت کی دعوت دی۔ وہ ہمیشہ اوراد و اذکار کثرت سے کیا کرتے تھے۔ جس سے پریشان حال اور بے چین لوگوں کو طمانیت قلب اور سکون خاطر کی غذا حاصل ہو جاتی تھی۔ میں نے امرتسر میں کئی مرتبہ ان سے ملاقات کی۔ میں نے انہیں سلف صالحین اور علماء ربانی کے عقیدے پر پایا۔ وہ فتویٰ دیتے وقت مذہب معین کے قائل نہ تھے بلکہ جس امام

کا قول کتاب و سنت کے قریب ہوتا وہ اس سے ضرور استفادہ کرتے۔ آئمہ مجتہدین سے ہمیشہ حسن ظن رکھتے اور آئمہ کا بڑے احترام سے ذکر کرتے ویسے غزنوی علماء شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ حافظ ابن قیمؒ امام اہل سنت احمد بن حنبلؒ سے زیادہ متاثر تھے۔ آپ کے تلامذہ اور روحانی استفادہ کرنے والوں کا حلقہ خاصا وسیع تھا۔ ۱۳۳۱ھ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کے روز آپ نے وفات پائی۔

(نزھتہ الخواطر ج ۸ ص ۲۱۸ و ۲۱۹)

مولنا سید عبدالجبار غزنویؒ کو جماعت اہلحدیث میں درجہ امامت حاصل تھا علماء انہیں حضرت الامام کے نام سے پکارتے تھے۔ دینی علوم کے ساتھ ساتھ ان کے روحانی فیضان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا۔ ان کے حسن عقیدہ' حسن دعوت اور حسن روحانیت سے کسی کو اختلاف نہ تھا۔ مولینا سید عبدالحئی لکھنوی مرحوم نے ایک دوسرے مقام پر لکھا کہ ندوۃ کا امرتسر میں جلسہ تھا امرتسر کے ایک تاجر نے تمام علماء کرام کو کھانے کی دعوت دی۔ علماء زیادہ تھے جو ایک ہی کمرہ میں نہیں بیٹھ سکتے تھے دو تین کمروں میں ان کے کھانے کا اہتمام کیا گیا تو کہتے ہیں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ اس قدر فنا فی اللہ ہے کہ ان کی زبان سے مثبت نہ منفی کوئی بات نہ سنی۔ وہ غیبت' نمیمت اور کثرت اقوال سے متنفر تھے۔ وہ کم گو اور پرگو تھے۔ وہ قل خیرا او لیصمت پر عمل پیرا تھے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ اس قدر اللہ کی یاد میں فنا ہو چکے تھے کہ وہ ہر لقمے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے۔ اور وہ جس کمرے میں کھانے کے لئے تشریف فرما تھے۔ وہاں سے ذکر کی خوشبو آرہی تھی۔ میں نے ایک رات مسجد غزنویہ میں گزاری۔ جب تہجد کا وقت شروع ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک سن رسیدہ آدمی باہر سے آیا اس نے وضو کیا اور مسجد کے حجرے میں تاریکی میں تہجد شروع کر دی۔ اس کی زبان میں اس قدر تاثیر تھی کہ جب وہ لفظ اللہ منہ سے نکالتے تھے تو یوں محسوس ہوتا

تھا کہ جیسے کوئی شخص مضبوط ہاتھ ڈال کر میرے دل کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے'
جب وہ فارغ ہو کر کمرے سے باہر تشریف لائے تو میں نے غور سے انہیں دیکھا تو
وہ حضرت الامام مولینا سید عبدالجبار غزنویؒ تھے۔ میں نے علامہ شبلی نعمانی مرحوم
سے کہا کہ آپ کہا کرتے بلکہ لکھا کرتے ہیں کہ اہلحدیثوں میں کوئی ولی نہیں
ہے۔ آج میرے ساتھ مسجد غزنویہ میں رات گزاریں۔ شاید آپ کو اپنے موقف
پر نظر ثانی کرنا پڑ جائے۔ اور آپ اس موقف سے رجوع فرمالیں۔ چنانچہ اگلی
رات میں پھر علامہ شبلی نعمانی کو لے کر مسجد غزنویہ میں چلا گیا۔ علامہ شبلی نعمانی
نے جب تہجد کے وقت یہ منظر دیکھا تو حیرت میں گم ہوگئے۔ اور اپنے موقف سے
رجوع کر لیا اور کہا یہ میری بھول تھی اللہ مجھے معاف فرمائے واقعی یہ بہت بڑا
ولی اور عارف باللہ شخص ہے۔ غزنوی بزرگوں کی نماز میں خشوع' خضوع ' توجہ
اور انابت مسلم تھی۔ ایک مرتبہ جو آدمی ان کی اقتداء میں نماز پڑھ لیتا تو وہ
ساری زندگی اس کی حلاوت اور حضور قلب کی لذت محسوس کرتا۔ مولینا محی
الدین احمد قصوری مرحوم نے الاعتصام میں غزنوی اور قصوری خاندان کے
تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ میرے والد محترم مولینا عبدالجبار غزنویؒ کے
بہت معتقد تھے۔ میں اور مولینا محمد علی قصوری مرحوم کالج میں پڑھا کرتے تھے۔
محمود علی قصوری ابھی سکول کی ابتدائی کلاسوں کے طالب علم تھے اور میرے بھائی
مولوی احمد علی قصوری ہم تمام بھائیوں کو والد صاحب کا حکم تھا کہ تم جمعہ امرتسر
میں مولینا عبدالجبار غزنوی کے پیچھے پڑھا کرو عصر اور مغرب بھی وہیں پڑھا کرو۔
عشاء کی نماز پڑھ کر لاہور واپس آیا کرو۔ ہم سکول اور کالج کے شوخ اور شرارتی
طالب علم تھے۔ لیکن مولینا عبدالجبار غزنویؒ کی اقتداء میں جمعہ اور تین نمازیں
ہمیں اس قدر متاثر کرتیں کہ ہم ہفتہ بھر اس روحانی نشہ میں مخمور رہتے جب
مولینا سید عبدالواحد غزنویؒ مسجد چینیانوالی لاہور میں بطور خطیب تشریف لائے تو
یوں سمجھئے کہ روحانیت کے دریا میں تموج پیدا ہوگیا اور چینیانوالی مسجد ذکر و فکر

اور عبادت و ریاضت کی بہت بڑی خانقاہ بن گئی۔

مولنا عبدالجبار غزنویؒ حلیم الطبع' شریف النفس' عظیم المرتبت اور فنا فی اللہ شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے فیضان سے نہ صرف پنجاب بھر میں بلکہ برصغیر کے دور دراز علاقوں میں اللہ تعالٰی نے بے شمار انسانوں کو توحید و سنت کے دلدادگان بنایا۔ کتنے ہی لوگ ان کی مجالس و محافل سے راہ مستقیم پر گامزن ہوگئے۔ کتنے گم گشتہ راہ انسان ان کی صحبت سے ہدایت یافتہ بن گئے۔ کتنے بے نور چہرے ان کی تلقین سے منور ہوگئے اور ان کے چہروں پر سنت کا سبزہ نمایاں نظر آنے لگا۔ کتنے ہی علم و ہدایت کے پیاسوں کو اللہ تعالٰی نے غزنوی علماء کے ذریعے ان کی لب تشنگیوں کا سامان مہیا کیا۔ حضرات غزنوی علماء کے اوراد و وظائف مشہور تھے درود ابراہیمی کی دس دس تسبیح نکالنا ان کا معمول تھا۔ اس دور واپسیں میں پروفیسر سید ابوبکر غزنویؒ نماز فجر کے بعد روزانہ درود ابراہیمی کی دس تسبیحیں نکالے بغیر کسی سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔ حضرت الامام مولنا سید عبدالجبار غزنویؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ جمعہ کے روز جمعہ سے لے کر شام تک اپنے گھر میں تمام خورد و کلاں کو باتیں نہ کرنے دیتے اور نہ خود باتیں کرتے بلکہ کہتے کہ کثرت سے درود پڑھو کہ فرشتے آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوگوں کے پڑھے ہوئے درود پیش کر رہے ہیں۔ درود کے فضائل و مناقب اور محاسن و مدارج سے کوئی مسلمان بے خبر نہیں۔ پروفیسر ابوبکر غزنوی شہیدؒ فرمایا کرتے تھے کہ اب جو غیر مسنون' غیر شرعی' غیر اسلامی درود کا رواج عام ہے اس کی وجہ بھی کچھ ہماری سستی و غفلت اور لاپرواہی ہے۔ ہم لوگ اصل درود ابراہیمی کثرت سے پڑھتے تو یہ جعلی' مصنوعی و بناوٹی اور من گھڑت درود رواج نہ پاتا۔ کاش اب بھی ہم درود ابراہیمی کو اس کثرت سے پڑھیں تو یہ بناوٹی اور مصنوعی درود یقیناً میدان سے بھاگ جائے گا۔

مولنا سید عبدالواحد غزنویؒ

مولینا سید عبدالواحد غزنویؒ سید عبداللہ غزنوی کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ نیکی، خلوص، للہیت، ذکر و فکر، عبادت و ریاضت، اوراد و وظائف، دعوت و ارشاد، تزکیہ قلب، طہارت نفس، اصلاح باطن میں وہ اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ بلکہ ان کے عکس ثانی تھے۔ ان پر بھی حضرت سید عبداللہ غزنویؒ اور بڑے بھائی سید عبدالجبار غزنویؒ کی نہ صرف چھاپ نمایاں تھی بلکہ انہیں کے ساختہ و پرداختہ تھے۔ حضور قلب، انابت الی اللہ اور توجہ اور سلوک میں ان کے والد گرامی ان کے مقتداء اور رہنما تھے۔

مولنا سید عبدالواحد غزنویؒ نے اپنے بھائی مولنا محمد احمد اور حضرت الامام مولنا سید عبدالجبار غزنویؒ سے تحصیل علم کی منزلیں طے کیں اور تکمیل کا مرحلہ والد گرامی سے کیا۔ اور صحاح ستہ کی تکمیل کی۔ مولنا سید عبدالواحدؒ پہلے امرتسر میں قیام پذیر تھے لیکن لاہور جیسا عظیم شہر، ممتاز انقلابی مرکز کسی اہل اللہ سے خالی تھا۔ چنانچہ اسی جذبہ اور اسی عظیم مقصد کی خاطر مولنا سید عبدالواحد غزنویؒ کو مسجد چینیاں والی میں بھیجا گیا۔ تاکہ روزانہ درس قرآن، خطبات جمعہ، دینی مجالس اور اسلامی محافل میں لاہوری مسلمانوں کو پورے شرح صدر سے دین کی دعوت دے سکیں۔ ان کو جادۂ مستقیم پر گامزن کر سکیں ان کے باطن کی اصلاح ان کے دلوں کا تزکیہ اور ان کی ذہنی رعونتوں کا قلع قمع کر سکیں۔ بحمد للہ مولنا عبدالواحد غزنویؒ نے ان بلند مقاصد کے حصول کے لئے اپنی ہڈیاں کھپا دیں نہ صرف لاہور شہر بلکہ آس پاس کے علاقوں کے لوگوں کے لیے بھی مرجع خلائق بن گئے۔

مولنا عبدالواحد غزنویؒ کی عبادت میں جذب تھا۔ گفتگو میں سوز تھا خطبات جمعہ میں کشش تھی۔ کتنی دور دور سے لوگ آکر ان کے خطبات جمعہ سے فیوض و برکات حاصل کرتے۔ لاہور ابھی پرانا لاہور ہی تھا اس میں موجودہ وسعتیں اور پھیلاؤ ابھی ناپید تھا۔ لاہور کے دور دراز محلوں سے مولنا عبدالواحد غزنویؒ کا

درس قرآن سننے کے لئے لوگ تشریف لاتے اور ان کے روحانی فیوض و برکات سے جیب و داماں بھر کر واپس جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے مولنا کی طبیعت میں بڑا گداز پیدا کیا تھا۔ غزنویوں کی نماز مسلم تھی۔ نماز میں خشوع خضوع' توجہ اور انابت غزنویوں کی نماز کا امتیازی پہلو تھا۔ مولنا سید داؤد غزنویؒ فرمایا کرتے تھے کہ رکوع و سجود میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلی سات سات مرتبہ پڑھنا نماز کا آخری درجہ ہے۔ ایک مسلم صادق اور مومن قانت کو نماز پوری توجہ' سوز' گداز' خلوص اور یک سوئی سے پڑھنا چاہئے کیونکہ نماز مسلمان کے لئے روحانی تسکین اور ذہنی طمانیت کا باعث ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ قرۃ عینی فی الصلوۃ (حدیث)

مولنا احمد علی لاہوری مرحوم نے شیرانوالے دروازے کی مسجد میں جب سے ڈیرے ڈالے حنفی ہونے کے باوجود توحید کی بڑی اشاعت کی اور بدعات کا رد فرمایا۔ لاہور میں چونکہ سید علی ہجویریؒ سائیں مادھو لال حسین حضرت میاں میر حضرت شاہ محمد غوث اور اس قسم کے کئی بزرگوں کے مرقد شرک کا گڑھ بن چکے ہیں اور کلمہ گو مسلمانوں کے لئے ملجا و ماوی بنا دیئے گئے ہیں اس لئے اہالیان لاہور کی بہت بڑی اکثریت قبر پرستی کی حامی عرسوں کی دلدادہ اور بدعات کی علمبردار تھی لاہوریوں میں توحید و سنت کی تبلیغ و اشاعت جوئے شیر لانے سے کم نہ تھی۔ مولوی دلدار علیؒ کا خاندان بریلوی عقائد و نظریات کا علمبردار تھا بے شمار لوگوں میں شرک و بدعت کے فروغ دینے کا باعث تھا۔ ایسے تیرہ و تار ماحول میں مولنا سید عبدالواحد غزنوی کے درس قرآن' درس حدیث خطبات جمعہ اور مولینا احمد علی لاہوری کی توحید و سنت کی تبلیغ کی مساعی نہ صرف قابل قدر تھیں بلکہ ان دونوں بزرگوں کے اخلاص کی بدولت اللہ تعالیٰ نے ہزاروں انسانوں کو جادہ مستقیم پر گامزن کیا اور رشد و ہدایت کی راہ پر ڈالا۔ مولنا سید عبدالواحد غزنوی کا درس قرآن نہ صرف لاہور میں مشہور تھا بلکہ پنجاب بھر میں ان کے چرچے عام تھے۔

مولنا احمد علی مرحوم نماز فجر پڑھا کر مسجد چینیانوالی میں ان کے درس میں شامل ہو جاتے۔ بسا اوقات مولنا احمد علی لاہوری نماز فجر بھی مولنا عبدالواحد غزنوی کی اقتداء میں پڑھتے۔ ایک مرتبہ مولینا سید عبدالواحد غزنوی نے فرمایا کہ مولوی احمد علی فجر کی نماز اپنی مسجد میں پڑھا کرو اور درس قرآن بھی دیا کرو تاکہ حنفی لوگ آپ سے متاثر ہو سکیں کیونکہ ہم سے تو وہابی ہونے کی وجہ سے بدکتے ہیں۔ آپ حنفی ہیں مولنا احمد علی لاہوری نے جواباً کہا کہ حضرت جب نماز فجر کا وقت ہوتا ہے تو بے قراری اور بے چینی مجھ پر مسلط ہو جاتی ہے اور جب تک آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا شوق اور جنون پورا نہ کر لوں سکون نہیں ملتا۔ اور یہ مجھے اس قدر بے تاب کر دیتا ہے کہ جب تک میں آپ کی اقتداء میں فجر کی نماز نہ پڑھ لوں اور آپ کا درس قرآن نہ سن لوں سکون اور چین غارت ہو جاتا ہے چنانچہ یہ بات بھی قارئین کو معلوم ہوگی کہ مولانا احمد علی لاہوری مرحوم نے اپنے بہت بڑے حلقہ ارادت کے باوجود عیدین کی نماز ہمیشہ غزنوی علماء کی اقتداء میں ادا کیں۔ پہلے مولنا عبدالواحد غزنویؒ کی اقتداء میں۔ پھر مولنا احمد علی غزنویؒ کی اقتداء میں آخراً مولنا سید داؤد غزنویؒ کی اقتداء میں۔ مولنا احمد علی لاہوری فروری ۱۹۶۲ء میں فوت ہوگئے۔ مولنا سید داؤد غزنویؒ دسمبر ۱۹۶۳ء میں فوت ہوئے۔ جب مولنا سید داؤد غزنویؒ وفات پا گئے تو مولنا عبیداللہ انور مرحوم نے فرمایا اگر کوئی غزنوی نماز عید پڑھائے گا تو ہم حسب سابق نماز عید منٹو پارک میں اس کی اقتداء میں ادا کریں گے۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے اکابر نے ان کی بات کو درخور اعتنا نہ سمجھتے ہوئے مولنا محمد یوسف گکھڑویؒ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ مولنا عبیداللہ انور نے نماز عید پھر الگ کر لی۔ مولنا احمد علی مرحوم بڑے مرنجاں مرنج وضع دار اور روا دار بزرگ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی دختر نیک اختر کا رشتہ مشہور اہل حدیث عالم و مصنف مولنا عبدالمجید سوہدرویؒ کو دیا۔ قاری عبدالواحد ایڈوکیٹ مولنا عبدالمجید سوہدروی کے صاحبزادے اور مولنا احمد علی

مرحوم کے نواسے ہیں۔ اسلام کا یہ یزتابان مولانا سید عبد الواحد غزنوی ۱۹۳۰ء کو دار فانی مقام جاودانی میں تشریف لے گئے۔

مونا سید داؤد غزنوی ؒ

مولنا سید داؤد غزنوی مولنا سید عبدالجبار غزنوی ؒ کے صاحبزادے مولنا سید عبداللہ غزنوی ؒ کے پوتے تھے۔ ۱۸۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ دسمبر ۱۹۶۳ء کو فوت ہوئے۔ مولنا داؤد غزنوی ؒ نے آنکھ کھولی تو گھر کا ماحول خالص' علمی' دینی اور صالح تھا۔ اسی ماحول میں ان کی نشوونما ہوئی۔ اپنے والد گرامی اور چاچاؤں سے بیشتر علمی تکمیل کی۔ آخرش اس دور کے سب سے جید عالم اور ملک گیر شہرت رکھنے والے مدرس نابغہ عصر فاضل حضرت مولنا حافظ عبداللہ غازی پوری کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے اور علوم دینیہ کی تکمیل کی سند حاصل کی۔ مولنا داؤد غزنوی ؒ اپنے دور کے سب سے بڑے علمی' دینی' روحانی اور بہادر خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مولنا داؤد غزنوی ؒ تمام علوم پر وسیع نظر رکھتے تھے۔ ذہانت و فطانت میں وہ لاثانی شخصیت تھے۔ زہد و ورع' علم و فضل' تحقیق و دانش' عبادت و ریاضت' جرات و مردانگی اور وجاہت انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ بقول رئیس احمد جعفری مولنا داؤد غزنوی ؒ کو دیکھ کر بے ساختہ اللہ جمیل و یحب الجمال کے الفاظ زبان پر آجاتے تھے۔ وہ خوب صورت اور خوب سیرت بھی تھے۔ ان کی شخصیت میں جمال تھا۔ ان کے نسطق میں جمال تھا۔ ان کے کردار میں جمال تھا اور ان کی گفتگو میں جمال تھا۔ وہ کم گو اور پر گو تھے۔ تہذیب و شائستگی' وضع داری اور رکھ رکھاؤ ان کی خاندانی عظمت میں شامل تھا۔ مولینا کا علم و فضل مسلم تھا۔ ان کا کتب خانہ بے مثل تھا۔ وہ جیل میں' ریل میں' سفر میں' حضر میں مطالعہ کے عادی تھے۔ موصوف برصغیر کے ایسے دو دمان عالی سے تعلق رکھتے تھے جن کے علمی و روحانی فیوض کے احساس سے پاک و ہند کے لوگ کبھی سبکدوش نہیں ہو

سکتے۔ مولنا کو جو علمی و روحانی میراث ملی تھی وہ اس کے سزاوار بھی تھے اور امین بھی۔ مولناؒ نے اگر سیاست کے ہنگاموں سے دامن الجھایا نہ ہوتا یا سیاست نے ان پر دھاوا نہ بولا ہوتا اور ان کی سرگرمیاں علمی حد تک محدود رہتیں تو بلاشبہ ان کے فیوض و کمالات لازوال صورت اختیار کر لیتے۔ بقول شورش کاشمیری مولنا داؤد غزنویؒ اس وہابی تحریک کی گم شدہ تصویروں میں سے ایک تصویر تھے۔ جنہیں انگریزوں نے دار پر کھینچا اور جن کی بدولت برصغیر میں ولولہ حریت پیدا ہوا۔ معناً" وہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی جان باز فوج کے ایک سپاہی تھے۔ اس حقیقت سے کم لوگ ہی واقف ہوں گے کہ پنجاب کے علماء میں وہ وہ پہلے عالم دین تھے جنھوں نے تحریک خلافت کے زمانہ میں انگریز کی حکومت کے خلاف اپنا پرچم کھولا۔ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے امرتسر میں ۱۹۱۹ء میں انگریز کے مارشل لاء کے خلاف نعرۂ حق لگایا اور انگریزوں کے خلاف اپنی شعلہ بار تقریروں میں آگ کے انگارے پھینکے۔ یہی وہ شخصیت ہیں جو سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو منبرو محراب کے جمود سے کھینچ کر جہاد وغا کے میدان میں اٹھا لائے۔ خود شاہ جی بھی اس کا اعتراف فرماتے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ امرتسر کی دینی زندگی میں سیاسی ہل چل ڈالنے کا آغاز انہیں کی بدولت ہوا۔ انہیں پنجاب میں علماء کی جنگ آزادی کا پہلا سالار بھی کہا جا سکتا ہے۔

سیاسیات کا آغاز

مولنا داؤد غزنویؒ اصلاً مدرس تھے اور تدریسی کام کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حالات کی سنگینی اور وقت کے تقاضوں نے انہیں سیاسیات میں آنے پر مجبور کر دیا۔ تحریک خلافت میں وہ سیاسی زندگی کی راہ پر نکلے اس وقت کلمتہ اللہ اور آوازۂ حق بلند کیا جب آزادی کا نام لینے پر زبانیں کاٹ لی جاتیں اور انقلاب زندہ باد کہنے کی پاداش میں کوڑے لگتے تھے۔ مولنا داؤد غزنویؒ پہلی شخصیت ہیں

جنہوں نے پنجاب میں جمعیت علماء کی بنیاد رکھی اور خلافت کمیٹی کی طرح ڈالی۔ نتیجتہ" تین سال قید با مشقت ہوگئی۔ دوسری مرتبہ ۱۹۲۵ء میں پکڑے گئے۔ تیسری دفعہ ۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کی تحریک میں دھر لئے گئے۔ جب مجلس احرار اسلام ہند کا قیام ہوا جنہیں مولنا محمد علی جوہر مولنا ابوالکلام آزاد مرحوم کا پنجابی ٹولہ کہا کرتے تھے تو موصوف اس کے بانیوں میں سے تھے۔ مدت العمر مجلس احرار کے جنرل سیکرٹری رہے۔ کشمیر ایجی ٹیشن میں چوتھی مرتبہ قید ہوئے۔ تحریک مغل پورہ اور تحریک کپور تھلہ میں بھی گرفتار ہوئے۔ ہندوستان چھوڑ دو کی تحریک میں تقریباً تین سال جیل میں رہے۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ میں گرفتار ہوگئے۔ ۱۹۴۵ء میں صوبہ کانگریس پنجاب کے صدر چنے گئے۔ ۱۹۴۶ء کا الیکشن لڑا اور دھاری والا کی لیبر سیٹ سے وہ پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہوگئے۔ ۱۹۴۶ء کے وسط میں کانگریس سے الگ ہو کر مسلم لیگ میں چلے گئے۔ پاکستان بنا تو سید حسین شہید سہروردیؒ اور نواب افتخار حسین ممدوٹ' میاں عبدالباری' چوہدری محمد افضل چیمہ' مولنا عبدالستار خان نیازی سے مل کر جناح عوامی مسلم لیگ قائم کی۔ مارچ ۱۹۵۱ء کے صوبائی انتخابات میں پتوکی مہاجر سیٹ سے صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوگئے۔ غرض وہ ایک سرگرم پرجوش اور ہنگامہ پرور زندگی رکھتے تھے۔ قدرت نے انہیں شیران غاب سے بڑھ کر بہادر بنایا تھا وہ چیتے کا جگر اور شاہین کا تجسس رکھتے تھے۔ وہ سر دے سکتے تھے ضمیر کا سودا نہیں کر سکتے تھے۔ وہ مر سکتے تھے جھک نہیں سکتے تھے۔ وہ نہ دبنے والے تھے' نہ ڈرنے والے تھے' نہ بکنے والے تھے۔ روایتی علماء کی طرح نہ تو یبوست سے ان کا خمیر اٹھا تھا اور نہ وہ اپنے اوپر مسکنت و عاجزی طاری کئے رکھنے کے قائل تھے۔ وہ عاجزوں میں عاجز تھے اور متکبروں میں متکبر۔ وہ ایک سچے موحد تھے۔ انہوں نے شرک سے لے کر سرکار تک کا خوف اپنے دماغ سے نکال رکھا تھا۔ وہ اپنے دور میں سب سے زیادہ مولنا ابوالکلام آزادؒ سے متاثر تھے۔ ان کی

دلی خواہش تھی کہ مسند تدریس کو فروغ بخشوں بارہا انہوں نے حجتہ اللہ اور موطا کا درس بھی شروع کیا لیکن راستے میں ہمیشہ سیاسیات کی سنگینی اور ہنگامہ آرائی حائل ہوتی رہی۔ وہ اعلیٰ پائے کے منتظم اور سیاست دان تھے۔ ۱۹۱۹ء سے لے کر ۱۹۵۵ء تک وہ سیاسیات کی پر خار وادی میں قدم زن رہے۔ امرتسر سے ہفت روزہ "توحید" نکالا جو علمی اعتبار سے الہلال البلاغ کا نقش ثالث تھا۔ سیاست کو وہ عبادت سمجھتے تھے۔ خطابت ان کے ہاتھ کی چھری اور ادب و انشاء ان کے جیب کی گھڑی تھی وہ دوستوں کے دوست تھے اور دشمنوں کے بھی دوست۔ قیام پاکستان کے بعد منتشر اہلحدیثوں کو جمعیت اہلحدیث کی لڑی میں پرونا ان ہی کا کارنامہ تھا۔ انہوں نے صحرائیوں کو ایک دستوری اور جمہوری جماعت بنا دیا۔ جامعہ سلفیہ ان کی ذہنی بلند پروازیوں کا ایک حسین تخیل تھا۔ ہائے آج انہیں جامعہ سلفیہ کی تاریخ سے کھرچ کھرچ کر نکالا جا رہا ہے ایسی دیدہ ور شخصیتیں ایسے عبقری رجال اور ایسے نابغہ عصر انسان صدیوں بعد عالم وجود میں آتے ہیں۔ مولنا سید عبدالواحد غزنویؒ کی خدمات کے بعد مسجد چینیانوالی کو انہوں نے اپنے دعوت و ارشاد کا مرکز بنایا۔

مولنا سید احمد علی غزنویؒ کی وفات کے بعد دارالعلوم تقویتہ الاسلام کے انتظامات سنبھالے اور واقعتاً اسے ملک کی معیاری دینی دانش گاہ بنا دیا۔ ۔

خدا جانے ایسی ہستیاں کہاں بستی ہیں جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں

(چٹان ۔ مولانا داؤد غزنویؒ

غزنوی خاندان حضرت عبداللہ غزنویؒ کے بارہ بیٹے تھے اور پندرہ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں۔ (۱) حضرت مولنا محمد (۲) حضرت مولنا عبداللہ (۳) حضرت مولنا احمد (۴) حضرت مولنا عبدالجبارؒ (۵) حضرت مولنا عبدالواحدؒ (۶) حضرت مولنا عبدالرحمٰنؒ (۷) حضرت مولنا عبدالستارؒ (۸) حضرت مولنا عبدالقیومؒ (۹) حضرت مولنا عبدالعزیزؒ (۱۰) حضرت مولنا عبدالحیؒ (۱۱) حضرت

مولنا عبدالقدوسؒ (۴) حضرت مولنا عبدالرحیم اللہ کے بے پایاں فضل و کرم سے یہ سب کے سب عالم دین مدرس اور محدث تھے علم دین اور فقر کی دولت سے مالا مال تھے۔ شاہ ولی اللہؒ کے خانوادہ کی طرح ان کی پانچ نسلیں بھی عالمان دین تھیں۔ خانوادہ ولی اللہؒ ہی کی طرح تصنیفی، تالیفی کام میں بھی غزنوی بزرگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چنانچہ مولنا محمد بن عبداللہؒ نے تفسیر جامع البیان پر عربی میں حاشیہ لکھا۔ جسے چھپوا کر مفت تقسیم کیا گیا۔ مولنا محمد عبداللہؒ کے صاحبزادے مولنا عبدالاول غزنویؒ نے مشکوۃ المصابیح اور ریاض الصالحین کا اردو ترجمہ کیا اور حواشی لکھے۔ مولنا محمدؒ کے دوسرے صاحبزادے مولنا عبدالغفور غزنویؒ نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا اور اس پر اردو حواشی لکھے اور انہیں خوبصورت انداز میں شائع کیا۔ چنانچہ آج بھی لوگ غزنوی مشکوۃ، غزنوی ریاض الصالحین اور غزنوی حمائل مانگتے ہیں۔

مولنا سید داؤد غزنویؒ نے مسئلہ توحید حجتہ اللہ البالغہ کے ایک باب کا ترجمہ کر کے شائع کیا۔ نخبتہ الاحادیث اور مسنون نماز لکھ کر عوام کے لئے دین سمجھنے کی آسانی پیدا کر دی۔ پروفیسر سید ابوبکر غزنویؒ نے مختلف عنوانات پر کتابچے لکھ کر وقت کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش فرمائی غزنویؒ بزرگوں نے تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ دعوت و ارشاد کا کام بھی کیا۔ اصلاح نفس اور تزکیہ باطن کی ذمہ داریاں بھی ادا کیں۔ سیاسیات کی پر خار وادی میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

تحریک جہاد اور تحریک آزادی وطن میں ہراول دستہ کا کام کیا۔ مولنا داؤد غزنویؒ کے حقیقی بھائی مولنا سید عبدالغفار غزنویؒ زندگی بھر مجلس احرار میں رہے اور شعبہ تبلیغ کے انچارج بھی رہے۔ مولنا عبداللہؒ غزنوی کے ایک بیٹے مولنا عبدالرحیم غزنویؒ نے منڈی صادق گنج سابق ریاست بہاولپور میں دعوت و ارشاد کے ساتھ ساتھ دینی درسگاہ بھی قائم کی۔ ان کے صاحبزادگان مولنا سید یحییٰ غزنویؒ

' مولنا حافظ سید محمد زکریا غزنویؒ نے جماعت کے نظم و نسق کو مضبوط کرنے اور مسلک کی تبلیغ و اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہونے دیا۔ ان کے تیسرے صاحبزادے مولنا سید عیسیٰ غزنویؒ مجلس احرار میں مولنا داؤد غزنویؒ کے دست و بازو بن کر رہے۔ ان کے چوتھے صاحبزادے مولنا موسیٰ غزنویؒ وہ زمیندارے کے انچارج تھے۔ مولنا سید عبدالواحد غزنویؒ کے صاحبزادے مولنا سید اسماعیل غزنویؒ مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ملک کی آزادی کے لئے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ مولنا داؤد غزنویؒ کے بھائی حافظ محمد سلیمان غزنویؒ وہ کاروباری اور تاجر تھے۔ مولنا داؤد غزنویؒ کے بڑے صاحبزادے سید عمر فاروق غزنویؒ جہاد کشمیر میں ایک بہادر جرنیل کا کردار ادا کرتے رہے۔ مولنا غزنویؒ کے دوسرے صاحبزادے پروفیسر سید ابوبکر غزنویؒ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے وائس چانسلر تھے کہ لندن میں ۱۹۷۶ء میں سڑک عبور کرتے ہوئے ٹریفک کے حادثہ میں شہید ہوگئے مولنا اسمٰعیل غزنویؒ کے کئی صاحبزادے ہیں ان کے ایک صاحبزادے ڈاکٹر خالد غزنویؒ ملک گیر شہرت کے مالک ہیں۔ آج کل پروفیسر سید ابوبکر غزنویؒ کے صاحبزادے سید جنید غزنوی ایم ۔ اے۔ مولنا داؤد غزنویؒ کے ایک اور صاحبزادے سید یحییٰ غزنویؒ بی ۔ اے اس خاندان کے علمی و دینی وارث ہیں۔ بحمد للہ روز بروز جماعت میں ان کا حلقہ وسیع ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ وہ اپنے عظیم اسلاف کی طرح اپنے خاندان کی علمی' دینی اور روحانی روایات کو زندہ' تابندہ اور درخشندہ رکھیں گے۔

لکھوی خاندان فیروز پور کے قریب لکھو ڈوگر کا ایک گاؤں تھا۔ جس کی طرف لکھوی کا گاؤں منسوب ہوا اور وہاں کے رہنے والے علما کی بدولت اسے عالمی شہرت ملی اور علماء کا وہی خاندان لکھوی خاندان کے نام سے معنون ہوا اور اسی گاؤں اور اسی علماء کے خاندان سے عبقری رجال اور عہد ساز شخصیتوں نے

دینی تڑپ، علمی تحقیق، تدریسی برتری اور محنت کی بدولت شہرت کے آسمان پر پہنچے۔ اصلاً یہ خاندان ڈھنگ شاہ ضلع قصور سے وہاں منتقل ہوا تھا۔ اسی خاندان کے جد اعلیٰ مولنا حافظ بارک اللہ مرحوم پہلے پہل افغانی ریاست کے پایہ سلطنت ممدوٹ میں مقیم تھے نواب آف ممدوٹ سے کسی مسئلہ میں حافظ بارک اللہ کا اختلاف ہوگیا اس نے حافظ صاحب کو فی الفور اپنی ریاست سے نکل جانے کا حکم دیا۔ بلکہ کشتی میں بٹھا کر دریائے ستلج کے ذریعے ریاست بھاولپور کی طرف جانے کا نادر شاہی حکم دیا۔ حافظ صاحب ہجرت اور جلا وطنی کیلئے تیار ہوئے ابھی کشتی نے چند میل سفر کیا ہوگا کہ نواب کی والدہ کو تکلیف شروع ہوگئی اور بڑھتی ہی چلی گئی تا آنکہ نواب کی والدہ نے حکم دیا کہ تم نے اللہ کے ولی کو ناراض کیا ہے ان کی منت سماجت کر کے واپس لاؤ ورنہ میرا بچنا محال ہے۔ چنانچہ حافظ بارک اللہ کو گھوڑ سوار دوڑا کر واپس لایا گیا۔ حافظ بارک اللہ صاحب نے ممدوٹ میں رہنے کے بجائے لکھوکی میں قیام کو پسند فرمایا حافظ بارک اللہ حنفی المسلک تھے انہوں نے انواع بارک اللہ کے نام سے پنجابی زبان میں فقہی مسائل پر مشتمل ایک کتاب مرتب فرمائی۔ یہ دور سید احمد شہیدؒ کی دہلی سے براستہ راجپوتانہ، بھاولپور، سندھ، بلوچستان، قندھار، افغانستان، شمالی مغربی سرحدی صوبہ میں پہنچنے کا زمانہ تھا۔ ان کی مزید تفصیلات مولنا غلام رسول مہر کی سرگزشت مجاہدین اور فقہائے ہند جلد پنجم حصہ دوم مصنف مولنا محمد اسحاق بھٹی میں پڑھی جا سکتی ہے۔ مولنا معین الدین لکھوی نے ایک مضمون بعنوان حافظ محمد لکھوی پنجاب کے ایک مصلح، شائع شدہ الاعتصام میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ حافظ بارک اللہ لکھوی کے دو صاحبزادے تھے۔ ایک صاحبزادے کا نام حافظ محمد تھا۔ حافظ محمد صاحب نے ابتدائی علوم و فنون اپنے والد گرامی سے پڑھے مزید تکمیل کے لئے سہارنپور یو۔ پی میں پہنچے مولنا احمد علی سہارنپوری سے حدیث مولنا شاہ عبدالغنی مجددی اور شیخ الکل فی الکل مولنا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے پڑھی۔ بقول مولنا محی الدین

احمد قصوری حافظ محمد لکھوی۔ مولنا غلام رسول قلعہ میاں سنگھ والے اور حضرت عبداللہ غزنوی۔ تینوں حضرت میاں صاحب کے پاس پہنچے اور حدیث کی تکمیل کے بعد لکھوکی واپس تشریف لائے۔ حافظ صاحب نے دہلی سے واپس آکر لکھوکی میں مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔ ممتاز عالم اور عظیم مدرس تھے۔ بے سروسامانی کے عالم میں تعلیم و تدریس کا آغاز فرمایا۔ حدیث' تفسیر' علوم قرآن میں ان کی نظر بہت وسیع تھی۔ عالم' مدرس' عاف باللہ' صاحب کرامت اور ولی اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ پنجابی زبان کے بہت بڑے شاعر تھے۔ پنجابی اشعار میں "احوال الاخرت" "زینت الاسلام" اور انواع محمدی لکھ کر انہوں نے بہت بڑا کارنامہ سر انجام دیا اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کے ذریعے لاکھوں انسانوں کو راہ ہدایت پر گامزن کیا۔ قرآن پاک کی پنجابی اشعار میں تفسیر محمدی کے نام سے پانچ منزلوں میں تفسیر لکھی۔ ایک زمانہ تک حافظ صاحب کی کتابیں پنجاب کے تمام دیہات میں بلا امتیاز مسلک و مشرب بچوں بچیوں کو پڑھائی جاتی تھیں۔ تفسیر محمدی اہل علم کیلئے روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتی تھیں۔ حافظ محمد لکھوی صاحب صحاح ستہ کا بھی پنجابی اشعار میں ترجمہ کرنا چاہتے تھے۔ عمر نے وفا نہ کی اور آنکھوں کی بینائی نے ساتھ نہ دیا جس کی وجہ سے ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ حافظ محمد لکھوی صاحب جب کاروان عمل بالحدیث میں شامل ہوگئے تو انواع بارک اللہ کا مثبت طور پر انواع محمدی کے نام سے جواب لکھا اور ۱۳۱۱ھ میں فوت ہوئے۔
حافظ محمد لکھوی کے دو صاحبزادے تھے ان کے بڑے صاحبزادے مولانا محی الدین لکھوی تھے جن کا نام مولنا سید عبداللہ غزنوی مرحوم نے عبدالرحمٰن سے بدل دیا تھا اور پھر وہ محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی کہلانا شروع ہوئے یہ وہ بزرگ ہیں جن کے بارہ میں آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی نے گوہر فشانی بلکہ بد زبانی فرمائی مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی بڑے خدا رسیدہ' عابد' ذاکر' شب زندہ دار' کم گو' کم آمیز' راست باز' صاف گو اور مجاہد انسان تھے۔ مدینہ پاک میں فوت ہوئے اور

جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ ان کے بعد مولانا محمد حسین لکھوی منتظم و منصرم بنے۔ انہوں نے بھی دین کا بڑا کام کیا۔ مولنا محمد حسین جن کے صاحبزادے مولانا محمد جو مولنا عبدالرحمٰن لکھوی کے سسر تھے۔ زندگی بھر لوجہ اللہ دین کی خدمات بجا لاتے رہے۔ آج کل ان کے صاحبزادے حکیم محمد بشیر ریتالہ خورد میں کامیاب مطب جاری کیئے ہوئے ہیں۔

مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی کے صاحبزادے مولانا محمد علی لکھوی تھے جو قیام پاکستان سے ایک عرصہ قبل مدینہ منورہ میں ہجرت فرما گئے تھے مولنا محمد علی مدینہ منورہ میں فوت ہوئے مولنا محمد علی کے پاکستان میں دو صاحبزادے ہیں۔ مولانا محی الدین لکھوی اور مولنا معین الدین لکھوی۔ مولنا محی الدین لکھوی ۱۹۵۱ء میں پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے لیکن ماحول کو اپنے خلاف مزاج اور ناشائستہ پاکر مستعفی ہوگئے۔ مولنا محی الدین نہایت خدا رسیدہ ولی کامل۔ روحانی اور دینی شخصیت کے عامل اور حامل ہیں۔ راست بازی اور صاف گوئی انہیں ورثہ میں ملی ہے فکر آخرت' اخروی کامیابی۔ اخروی نجات' ان کے وعظ ارشاد کا محور ہیں۔ تصویر کشی کے شغل سے مکمل طور پر مجتنب رہتے تھے حافظ محمد لکھوی اور حافظ عبداللہ لکھوی ان کے دو عالم صاحبزادے اپنے خاندان کی عظیم علمی دینی اور روحانی روایات کے امین ہیں۔ مولنا محمد علی کے چھوٹے صاحبزادے مولنا معین الدین لکھوی ہیں جو ایک عرصہ تک مرکزی جمعیت اہل حدیث کے امیر رہے۔ دو مرتبہ پاکستان قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق نے انہیں اپنی نامزد شوریٰ کا ممبر بھی نامزد کیا تھا۔ جامعہ محمدیہ کے ناظم بھی ہیں۔ ان کے صاحبزادے مولوی بارک اللہ۔ ایم اے جو مولنا محمد جوناگڑھی مرحوم کے نواسے ہیں بحمد اللہ آج کل بارلیش ہیں اور انشاء اللہ اب اپنے باپ کے روحانی وارث ہوں گے۔

ویسے لکھوی خاندان ذہنی اعتقادی اور علمی طور پر تحریک مجاہدین کا حامی

اور معاون رہا ہے بلکہ مولنا محمد علی لکھوی مرحوم بنفس نفیس مجاہدین کے مرکز میں تشریف لے گئے تھے اور ایک عرصہ وہاں گزار کر آئے تھے۔ حافظ بارک اللہ لکھوی کے دوسرے صاحبزادے حافظ شریف وہ بھی اپنے بھائی کی طرح مخلص' متقی' متدین' صاحب ذکر و فکر' صاحب ریاضت و عبادت' عابد' زاہد' شب زندہ دار انسان تھے۔ ان کے بیٹے مولنا عبدالقادر لکھوی بڑے نامور مدرس' ممتا علماء اور فضلاء میں اپنا مخصوص مقام رکھتے تھے۔ وہ بھی زندگی بھر درس تدریس سے منسلک رہے۔ اپنے آس پاس کے علاقوں میں دعوت و ارشاد سے کبھی غافل نہیں ہوئے۔ ان کا حلقہ تلامذہ بھی خاصا وسیع تھا۔ وہ دین کے ہر کام میں اپنے بزرگوں کے دست راس بن کر رہے۔ ان کے صاحبزادے مولانا عطا اللہ لکھوی نے بھی درس و تدریس میں بڑا نام پایا۔ وہ غزنوی اور دہلوی علماء کے شاگرد تھے۔ ابتدائی اور وسطی کتابیں اپنے والد محترم سے پڑھیں۔ فراغت کے بعد مسند تدریس پر بیٹھ گئے اور زندگی بھر مسند تدریس سے جدائی اختیار نہیں کی۔

مولنا عطاء اللہ لکھوی نے صرف نحو اور درمیانی کتابوں تک اپنے والد اور دیگر لکھوی علماء سے پڑھیں' پھر حضرت الامام مولنا سید عبدالجبار غزنوی کی سرکار سے وابستہ ہوگئے۔ فراغت تعلیم کے بعد اپنی خاندانی مسند علم پر بیٹھ گئے اور زندگی کے آخری لحات تک ان کا یہ تدریسی تعلق و وابستگی قائم رہا۔

مولانا عطاء اللہ لکھوی اپنے دور میں صرف و نحو کے امام مانے جاتے تھے حتیٰ کہ دارلعلوم دیوبند سے صرف نحو کے ادق مسائل اور عقدھائے لاینحل ان کے پاس آتے۔ وہ چشم زدن میں انہیں حل کر دیتے۔ مولنا عطاء اللہ لکھوی نہایت سادہ' وجیہہ اور شب زندہ دار انسان تھے۔ حسن اخلاق اور خندہ پیشانی سے پیش آنا ان کا لازمہ حیات تھا۔ شیریں گفتگو' ہلکے پھلکے لطائف' حسن اخلاق' حسن تبسم نے ان کی شخصیت کو چندے آفتاب اور چندے مہتاب بنا دیا تھا۔ استاذ پنجاب کے لقب سے ملقب تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ پنجاب کے علماء

اہلحدیث بالواسطہ یا بلاواسطہ تین جید علماء کے حلقہ تلمذ سے باہر نہیں ہو سکتے۔
ان میں سے ایک تو مولنا عطاء اللہ لکھویؒ کی ذات گرامی دوسرے شیخ الحدیث
مولنا نیک محمد جو اسم بامسمی تھے۔ اور دارالعلوم تقویۃ الاسلام غزنویہ امرتسر کے
شیخ الحدیث تھے۔ تیسرے استاذ العلماء محدث العصر حضرت حافظ محمد گوندلوی کی
ذات گرامی تھی۔ ہم علی وجہ البصیرت کہہ سکتے ہیں یہ وہ تین نابغہ عصر شخصیتیں
ہیں جنھوں نے پنجاب اور بیرون پنجاب اپنا تدریسی فیضان عام کیا۔ اگرچہ اس سے
قبل مولنا حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ بھی شیخ پنجاب کا لقب حاصل کر چکے تھے۔
ان کا حلقہ تلمذ بھی بہت وسیع تھا۔ مولنا عطاء اللہ لکھوی ۲۶ نومبر ۱۹۵۲ء میں
فوت ہوئے ان کے چار صاحبزادے تھے چاروں ہی جید علماء عظیم مدرسین اور
فاضل اساتذہ تھے۔ بڑے صاحبزادے شیخنا المکرم مولنا عبدالرحمٰن لکھوی ہیں۔
جو منطق، فلسفہ، اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر اور ان کے متعلقات پر
عبور و استحصار رکھتے ہیں وہ گوجرانوالہ، ساہیوال، ملتان، رینالہ خورد اور دیگر مقامات
پر علم و آگہی کے فیوض و برکات پھیلاتے رہے۔ آج کل صحت کمزور ہے لیکن
افسوس یہ ہے کہ ان کے صاحبزادگان گرامی ڈاکٹر اور اونچے سرکاری مناصب پر
فائز ہیں لیکن علمی طور پر بات کا کوئی وارث نہیں۔ دوسرے مولنا حبیب الرحمٰن
مرحوم تھے جو نہایت مخلص، محنتی، سادہ اور کامیاب مدرس تھے۔ عمر نے وفا نہ کی
وہ دنیا کوچ کر ملا اعلیٰ سے جا ملے۔ ان کے اکلوتے صاحبزادے مولنا حفیظ الرحمٰن
لکھوی نے جو کہ مدینہ یونیورسٹی کے فاضل ہیں مبعوث ہیں اور جامعہ ابن تیمیہ
لاہور کے ناظم ہیں۔ اور بڑی خوب صورت، دل نشین اور شیریں تقریر فرماتے
ہیں۔ مولنا عطاء اللہ لکھوی کے تیسرے صاحبزادے حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی ہیں
نہایت سادہ، مخلص اور عظیم اسلاف کے وارث ہیں۔ ان کے تمام صاحبزادے
دینی علوم و فنون سے بدرجہ غایت بہرہ ور ہیں اور مدینہ یونیورسٹی کے فضلاء میں
سے ہیں ان کے ایک بیٹے مولنا رفیق الرحمٰن لکھوی جامعہ ابی بکر کراچی میں

مبعوث ہیں۔ دوسرے صاحبزادے مولنا خلیق الرحمٰن لکھوی مدینہ یونیورسٹی کے فاضل ہیں۔ ایک سال جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں پڑھا چکے ہیں۔ کئی اور مدارس میں بھی کام کر چکے ہیں۔ آج کل ضلع سیالکوٹ کے کسی قصبہ کے گورنمنٹ کالج میں لیکچرار ہیں۔ مولنا شفیق الرحمٰن لکھوی جامع ابی ہریرہ رینالہ خورد میں اپنی خدمات وقف کئے ہوئے ہیں۔ ان کے سب سے چھوٹے صاجزادے مولنا عزیز الرحمٰن لکھوی" تھے۔ وہ جامعہ ابی ہریرہ اور جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات کے بانی تھے۔ رینالہ خورد میں ۱۹۵۸ء سے مسجد کی خطابت سے ان کی دینی خدمات کا آغاز ہوا۔ غالباً ۶۴۔ ۱۹۶۳ء میں مدرسہ محمدیہ کے نام سے انہوں نے ایک دینی مدرسہ کی طرح ڈالی۔ مولنا حبیب الرحمٰن مرحوم اور حافظ شفیق الرحمٰن کی تدریسی خدمات حاصل کرنے کے بعد ان کے اخلاق اپنے اخلاص محنت اور توجہ سے مدرسہ یوماً فیوماً ترقی کرتا رہا۔ تا آنکہ ملک کے متعارف معیاری مدارس میں شمار ہونے لگا۔

مولنا حافظ عزیز الرحمٰن مرحوم کم گو، پرگو، کم آمیز، مخلص، دیانت دار، متقی، شب زندہ دار انسان تھے۔ انہوں نے اپنے ماحول میں تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ دعوت و ارشاد کا بڑا کام کیا۔ ان کی تعلیمی و تبلیغی مساعی کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت سے نوازا۔ دسمبر ۱۹۹۲ء میں طویل علالت کے بعد وہ اس جہاں میں چلے گئے۔ جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں آیا۔ ان کے بعد ان کے بڑے فرزند گرامی مولنا حفظ الرحمٰن کو ان کا جانشین بنایا گیا۔ بحمد اللہ آج وہ اپنے عظیم باپ کے عظیم وارث ہیں۔ اپنے چاچاؤں کے اشتراک و تعاون سے مفوضہ فرائض انجام دینے میں شب و روز مصروف ہیں۔ صغر سنی اور بچپنے کے باوجود وہ انتظامی امور میں نہایت کامیاب ہیں ان سے چھوٹے مولنا ذکی الرحمٰن اپنے عظیم اسلاف کی طرح تحریک جہاد میں بھرپور حصہ لے رہے ہیں بلکہ جنگ افغانستان اور کشمیر کی آزادی میں وہ ایک جرنیل کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

شیخ پنجاب حضرت مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی

وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ جماعت کا عظیم مرکز اور علوم و فنون کی ایک دانش گاہ رہا ہے۔ حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ کے فیوض و برکات نے اس گمنام قصبے کو عالمی شہرت عطا کی۔ حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی اپنے دور کے عظیم فاضل اور ممتاز محدث تھے۔ جو ۱۲۶۷ھ میں قرولی نام کی بستی میں پیدا ہوئے جو ضلع جہلم میں واقع ہے بچپنے میں ان کی بینائی ضائع ہوگئی ابھی بد و شعور کا آغاز نہیں ہوا تھا کہ والد کی شفقتوں سے محروم ہوگئے لیکن بایں ہمہ علمی شغل جاری رکھا اور قرآن پاک مکمل حفظ کر لیا مولوی برہان الدین' مولوی گل احمد چکوالی سے درس نظامی مختصرات پڑھیں پھر سہارنپور چلے گئے اور ایک عرصہ تک شیخ محمد مظہر نانوتوی کی سرکار سے وابستہ رہے۔ اور ان سے علم حاصل کیا۔ وہاں سے بھوپال چلے گئے بھوپال میں جامع ترمذی' سنن ابی داؤد' سنن نسائی اور سنن دارمی حکیم محمد احسن حاجی پوری سے پڑھیں۔ پھر دہلی چلے گئے تفسیر جلالین' ہدایہ اور صحاح ستہ شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی سے پڑھیں۔ میاں صاحب نے انہیں اجازہ عام عطا فرمایا اسی طرح شیخ عبدالحق بن فضل اللہ محدث بنارسی سے انہیں اجازہ حدیث حاصل ہوگیا۔ پھر امرتسر چلے گئے اور دو برس عارف باللہ شیخ سید عبداللہ غزنویؒ کی خدمت میں بسر کئے اور ان کے فیوض و برکات سے اپنی جھولی بھر لی۔ ۱۲۹۲ھ میں وزیر آباد چلے گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ اور پوری شرح صدر سے درس و افادہ کا سلسلہ شروع کیا اور پورے ۴۵ برس صحاح ستہ کا درس دیا۔ جملہ علوم و فنون' صرف و نحو' لغت و معانی' ادب' حدیث' تفسیر اور ان کے اصول پر انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اسمائے رجال ان پر جرح و تعدیل۔ رواۃ کے طبقات' حدیث کے فنون اور حدیث کی جملہ اقسام پر ان کو ماہرانہ اور فاضلانہ بصیرت حاصل تھی اکثر کتابوں کے متون

انہیں ازبر تھے۔ تمام علوم و فنون پر عبور و استحضار اور بصیرت تامہ کے اعتبار سے حضرت میاں صاحب کے تلامذہ میں انہیں منفرد مقام حاصل تھا۔ میاں صاحب کے تلامذہ میں درس و افادہ کی کثرت کے لحاظ سے کوئی بھی ان کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکا۔ علامہ شیخ شمس الحق ڈیانویؒ فرماتے ہیں۔ میں میاں صاحب کے تلامذہ میں ان سے زیادہ شاگرد رکھنے والے کسی عالم کو نہیں جانتا۔ مولنا ڈیانوی نے فرمایا انہوں نے پنجاب کو اپنے تلامذہ سے بھر دیا وہ اپنے زمانے میں صحاح ستہ کے حافظ تھے۔ حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی نے ۱۳۲۰ھ میں ان کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور پنجاب میں انہیں اپنا خلیفہ اور جانشین قرار دیا۔ مولنا حکیم عبدالحئی لکھنوی فرماتے ہیں کہ میں نے انہیں امرتسر میں دیکھا ان کی صحبت اور مجلس سے مالا مال ہوا ان کی وفات ۱۳۳۴ھ میں ہوئی۔

(نزہتہ الخواطر جلد آٹھ ۲۱۱۔ ۲۱۲)

حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی شیخ پنجاب کے نام سے مشہور تھے۔

تدریس میں حافظ عبداللہ غازی پوری مرحوم اور حافظ عبدالمنان وزیر آبادی مرحوم حضرت میاں صاحب کے صحیح جانشین تھے اس دور میں یہ بات تواتر کی حد تک مشہور تھی کہ جس نے محدث وزیر آبادی سے حدیث نہیں پڑھی اس نے گویا حدیث ہی نہیں پڑھی۔ مشہور کہاوت ہے کہ درخت کا اندازہ اس کے پھل سے ہوتا ہے اسی طرح استاد کے مقام کا تعین بھی اس کے تلامذہ سے ہو سکتا ہے۔ بے شمار لوگوں نے محدث وزیر آبادی سے اکتساب فیض کیا اور ان کے فیوض و برکات سے جھولیاں بھریں۔ ان کے تلامذہ کی عظمت کا اندازہ درج ذیل شاگردان رشید سے لگ سکتا ہے۔ ان کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز اور ہزار کے قریب ہے۔ شیخ الاسلام مولنا ثناء اللہ امرتسری متوفی ۱۹۴۸ء امام العصر حضرت مولنا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی متوفی ۱۹۵۶ء امیر المجاہدین، مولنا فضل الٰہی وزیر آبادی متوفی ۱۹۵۱ء شیخ الحدیث مولنا محمد اسماعیل سلفی متوفی ۱۹۶۸ء مولنا عبدالمجید

سوہدروی متوفی ۱۹۵۹ء مولنا محمد سلطان نت والے شیخ الحدیث مولنا محمد عبداللہ کھنڈوالوی شہید ۱۹۴۷ء امیر المجاہدین حضرت صوفی محمد عبداللہ متوفی ۱۹۷۵ء حضرت میاں محمد باقر متوفی ۱۹۷۷ء مولنا محمد علی لکھوی یہ تلامذہ بذات خود ایک ادارہ اور چلتی پھرتی انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے انہیں پیش کیا گیا ہے۔

حافظ عبدالمنان وزیر آبادی نے ساری عمر تدریس کی تنخواہ نہی لی ہیشہ قوت لایموت پر گزر اوقات کیا۔ کسی کے سامنے کشکول لے کر نہیں گئے نہ ہی کبھی خوشحالی و فارغ البالی کا دور آیا۔ ابتداء" بد عتیوں نے حضرت محدث وزیر آبادی سے بڑی بدسلوکی کا مظاہرہ کیا وہ انہیں رات کے اندھیرے میں کسی کپڑے میں باندھ کر شہر سے باہر پھینک آتے صبح بول و براز کیلیئے کوئی شخص باہر جاتا تو کپڑے میں بندھے ہوئے اور کراہتے ہوئے کوئی شخص انہیں دیکھتا اور جامع مسجد اہلحدیث میں لے آتا۔ نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم آف بھوپال کو جب حضرت وزیر آبادی کی ان تکلیفوں کا علم ہوا تو انہوں نے محدث وزیر آبادی کو خط لکھا کہ آپ بھوپال تشریف لے آئیں ہم توقع سے زیادہ آپ کی خدمت کرنے میں اپنی سعادت محسوس کریں گے حافظ صاحب نے جواب میں لکھا کہ کسی نبی نے مالی مفادات کے لیے مقام دعوت نہیں بدلا میں ابھی تک وزیر آبادیوں سے مایوس نہیں ہوا تاہم آپ کی ہمدردی اخوت اور پیش کش کا شکر گزار ہوں۔

امیر المجاہدین حضرت صوفی عبداللہؒ نے فرمایا کہ وزیر آباد کے بد عتیوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ حافظ عبدالمنان نے مسجد میں کبوتر رکھے ہیں جو ساری رات غٹ غوں غٹ غوں کرتے رہتے ہیں میں نے حضرت صوفی صاحب سے دریافت کیا کہ غٹ غوں سے کیا مراد ہے صوفی صاحب نے فرمایا کہ حافظ صاحب کے تلامذہ تہجد پڑھتے تھے اور تہجد کی نماز میں آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت کرتے تھے جسے بد عتیوں نے کبوتروں کی غٹ غوں سے تعبیر کیا۔ اللہ اللہ کس قدر اچھا دور

تھا کہ طلباء پورے اہتمام سے تہجد پڑھتے تھے آج کے اساتذہ بھی اس سے محروم ہیں۔ صوفی صاحب مرحوم نے یہ بھی بیان کیا کہ ایک مرتبہ محدث وزیر آبادی بے ہوش ہوگئے ایک حکیم کو بلایا گیا اس نے نبض دیکھ کر کہا کہ تین پاؤ دودھ نیم گرم کر کے چمچی سے ان کے حلق میں انڈیلو۔ جب تین پاؤ دودھ ان کے حلق سے نیچے اتر جائے تو مجھے بلا لینا۔ ایسے ہی کیا گیا جب تین پاؤ دودھ حافظ صاحب کے پیٹ میں چلا گیا تو وہ آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھے۔ حکیم صاحب بھی آگئے انہوں نے بڑے اصرار سے پوچھا۔ حافظ صاحب کیا تکلیف تھی حافظ صاحب نے بتانے سے انکار کر دیا۔ جب حکیم صاحب کا اصرار حد سے بڑھ گیا تو حافظ صاحب گویا ہوئے کہ میری بات اللہ تعالیٰ کے خلاف بداعتمادی پر محمول نہ کی جائے آٹھ دن سے کھانے کو کوئی چیز نہیں ملی نہ کسی سے مانگنا غیرت نے گوارہ کیا۔ بھوک نے غلبہ کیا بے ہوش ہوگیا۔ جب تین پاؤ دودھ اندر چلا گیا اور تقویت مل گئی تو ہوش میں آگیا۔ صوفی صاحب نے یہ واقعہ آب دیدہ ہو کر بیان کیا اور کہا کہ ہمارے زمانے میں علماء نہ تنخواہ کا تعین کرتے تھے اور نہ ہی اس پر اصرار کرتے تھے۔ وہ انبیا کے صحیح وارث تھے اور شب و روز اسی مشن کی تکمیل میں لگے رہے۔ ان اجری الا علی اللہ کے علمبردار تھے۔ حافظ صاحب کی وفات کے بعد ان کے تلمیذ رشید مولانا علم دین نے معذور ہونے کے باوجود اپنے استاد کی تدریس کی شمع کو فروزاں رکھا۔ اور چاندی کے ورق کوٹ کوٹ کر اپنے لیے قوت لایموت مہیا کرتے۔ وہ معذور ہونے کے باوجود اپنے کپڑے اپنے ہاتھوں سے دھوتے۔

قصوری خاندان

قصوری خاندان نہایت پاک باز' شائستہ' مخلص' دین کا دلدادہ' اسلام کا شیدائی خاندان ہے۔ سیاسیات میں اس کے افراد نے نہایت راست بازی' صاف گوئی' جرات و استقامت کا مظاہرہ فرمایا۔ انگریز دشمنی اس کی رگ رگ اور نس

نس میں بھری ہوئی تھی اور اس سلسلہ میں ان کی قربانیاں غیر معمولی اور لازوال ہیں اس خاندان کے عبقری رجال نے انگریز کی مخالفت اور وطن عزیز سے انگریز کو دیس نکالا دینے کے لئے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ قصوری خاندان کا اصلاً تعلق ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں سے تھا۔ مولنا عبدالقادر قصوری مرحوم کے دادا قاضی غلام حسینؒ سیالکوٹ سے دلاور چیمہ ضلع گوجرانوالہ میں آگئے ان کے فرزند گرامی مولوی غلام احمدؒ سب سے پہلے اہلحدیث ہوئے ان کے تین بیٹے تھے مولنا عبدالقادرؒ مولنا عبدالحقؒ اور مولنا عبداللہؒ۔ مولنا عبدالحق نے گوجرانوالہ میں وکالت کے بعد مستقل قیام رکھا۔ اور ہیں وکالت کی پریکٹس کی اور نہایت کامیاب زندگی گزاری۔ سب سے چھوٹے مولنا عبداللہؒ تھے اولاً عنفوان شباب میں کابل میں ملازمت اختیار کی پھر اسلامیہ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر بن گئے۔ زندگی کے آخری ایام تبلیغ اسلام کیلئے قف کر دیئے۔ مولنا عبدالقادر قصوری مرحوم کے چار صاحبزادے تھے۔ سب سے بڑے محی الدین احمد قصوی بی۔ اے۔ ان سے چھوٹے مولانا محمد علی قصوری۔ ان سے چھوٹے مولوی احمد علی قصوری سب سے چھوٹے میاں محمود علی قصوری جو قانون دان اور وکالت میں عالمی شہرت رکھتے تھے اور پاکستان میں بھٹو وزارت میں وزیر قانون بھی رہے۔ مولانا عبدالقادر قصوی کے والد مرحوم مولنا غلام رسول مرحوم آف قلعہ میاں سنگھ سے نہ صرف متاثر تھے بلکہ ان کے مرید تھے۔ مولنا عبدالقادر مرحوم کی رسم بسم اللہ انہوں نے ہی ادا کی تھی۔ مولنا عبدالقادر قصوری مرحوم انتہائی ذہین و فطین اور قابل شخصیت کے مالک تھے بہت جلد انہوں نے وکالت پاس کر لی پھر قصور میں پریکٹس شروع کر دی۔ آج اور کل اور ان کی قابلیت اور شہرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ دیوانی فوج داری اور سیاسی مقدمات میں ان کی قابلیت کی دھاک بیٹھ گئی مولنا عبدالقادر قصوری نے قصور میں رہائش اختیار کر لی مولنا عبدالقادر قصوری انتہائی صالح، باعمل، راست باز، حق گو اور مجاہد انسان تھے۔ سیاسیات میں دلستان ابوالکلام سے

منسلک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے شمار خوبیوں اور گوناگوں اوصاف سے نوازا تھا۔ وکلاء میں وہ اتنے اونچے درجہ کے انسان تھے کہ آج ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ زندگی بھر پس پردہ وطن میں رہ کر جماعت مجاہدین سے بھرپور تعاون فرماتے رہے۔ ان کے لئے سرمایہ بھی مہیا کرتے اور مختلف اشخاص و افراد کو عملاً تحریک جہاد میں حصہ لینے کیلئے آمادہ کرتے وکالت میں بڑا نام پایا تھا۔ اور خاصی جائیداد بنا لی تھی۔ طبعاً" وہ سادگی پسند تھے اگرچہ مال داروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ قومی کاموں میں بڑھ چڑھ کر مالی تعاون کرتے۔ اپنے تین بچوں اور ایک بھتیجے کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوائی۔ بدیشی اشیاء کے استعمال سے احتراز کرتے۔ وکالت بھی چھوڑ دی۔ سیاسیات میں ان کو خاصا پریشان کیا گیا لیکن وہ استقامت میں بے مثال اور دیانت میں بے نظیر انسان تھے ترک موالات میں ان کا کردار مثالی تھی۔ وہ محاسن و محامد کا مجموعہ تھے تحریک مجاہدین میں ان کا کردار بھی قابل رشک تھا۔

پنجاب میں سیاسیات میں وہ جد اعلیٰ کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ مجلس خلافت کے صوبائی امیر انڈین نیشنل کانگریس کے صوبائی صدر بھی رہے علماء اور وکلاء میں وہ پہلی شخصیت ہیں جس نے اپنے دل و دماغ سے انگریز کا خوف نکال دیا تھا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب انگریز کے خلاف بات کرنے سے قید و بند تاریک کوٹھڑیاں ملتی تھیں۔ اور انقلاب زندہ آباد کہنے والوں کو کوڑے لگتے تھے۔ مولنا عبدالقادر بڑے بہادر اور راست باز سپوت تھے ظاہر بات ہے جو انسان مولنا ابوالکلام آزاد سے وابستہ ہو وہ انگریز سے کیسے ڈر سکتا ہے۔ بڑی بھرپور زندگی بسر کی۔ یہ مجسمہ اخلاص یہ پیکر محاسن یہ صاف ستھرا سیاست دان یہ غزنوی اکابر کا ارادت مند کم گو اور کم آمیز انسان ۱۹۴۲ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ ان کے بڑے صاحبزادے مولنا محی الدین احمد قصوری تھے۔ مولنا محی الدین احمد قصوری کی ولادت [illegible] ہوئی کے مولانا محی الدین احمد قصوری نے ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری کر

لی اور پھر سی۔ آئی۔ ڈی کی رپورٹ پر دسوحہ ضلع ہوشیار پور میں ایک سال کیلئے نظر بند کر دیئے گئے۔ مولنا محی الدین احمد قصوری نے تعلیم و تدریس کا شغل چھوڑ کر پیشہ صحافت شروع کیا۔ اور کلکتہ جا کر مولنا ابوالکلام آزاد مرحوم کی سرپرستی میں کلکتہ سے روزنامہ پیام جاری کیا۔ مولانا محی الدین قصوری پہلی اور آخری زندہ شخصیت تھے جن کے بارے میں امام الہند مولنا ابوالکلام آزاد مرحوم نے تذکرہ کے صفحہ ۳۰۲ پر لکھا۔

"یہاں تک لکھ چکا تھا کہ ڈاک ملی اور اخبارات سے معلوم ہوا کہ عزیزی مولوی محی الدین احمد بی۔ اے کو قصور میں تلاشی کے بعد گرفتار کیا گیا ہے شاید نظر بندی کا معاملہ پیش آئے۔ ان تمام ایام جلاوطنی میں یہ پہلا دن ہے کہ اس واقعہ کے سننے سے دل کو مضطر اور دماغ کو پراگندہ پاتا ہوں۔ دردمے کیں نامہ می کردم رقم ـــــ کان بحرالدمع ممزوجا" بدم ـــــ عزیز موصوف بلکہ ان کا پورا خاندان اپنے خصائص ایمانی و جوش اسلامی و ایثار للہ و فی اللہ کے اعتبار سے عہد سلف کے واقعات زندہ کرنے والا ہے اور علی الخصوص اس عزیز کی' طلب صادق اور استعداد کامل سے تو اپنی چند در چند امیدیں وابستہ تھیں۔ افسوس فتنہ حوادث نے اس کو بھی نہ چھوڑا۔ مجھے اس سے کب انکار تھا کہ میرے پاؤں میں ایک کے بدلے دس زنجیریں ڈال دی جائیں' لیکن دوسروں کو اس میں کیوں شریک کیا جاتا ہے؟ بظاہر عزیز موصوف کا اس کے سوا کوئی جرم نہیں کہ مجھ خانماں خراب سے رسم و راہ رکھتے ہیں۔ سبحان اللہ! اپنی آشنا پروری اور دوست نوازی بھی قابل تماشا ہے۔ جب تک کوئی اپنا دشمن نہ بن جائے ہمارا دوست ہی نہیں بن سکتا۔ اے ہم نفساں! آ تشم! از من بگریزید ـــــ ہر کس کہ شود ہمرہ ما دشمن خویش است۔

پرسوں ایک عزیز کو خط لکھتے ہوئے یہ رباعی ذہن میں آئی تھی۔

تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی
میخانہ نے رنگ و روپ بدلا ایسا میکش میکش رہا نہ ساقی ساقی

(تذکرہ مولنا ابوالکلام آزاد ص ۳۰۲۔ ۳۰۳)

قیام پاکستان سے پہلے مولنا محی الدین احمد قصوری نے جنوبی ہند کے ساحلی شہروں میں دین کی تبلیغ اور یتیموں کی سرپرستی شروع کر دی۔ قیام پاکستان کے بعد قصور کی بجائے لاہور میں مستقل رہائش اختیار کر لی لیکن قصوری ان کے نام کا لاحقہ بن چکا تھا۔ جمعیت اہلحدیث کی تنظیم کے بانیان میں شمار ہوتے تھے۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے پہلے انتخابات میں ناظم تعلیمات منتخب ہوئے تھے۔ جامعہ سلفیہ کا جب فیصل آباد میں آغاز ہوا اور کچھ لوگوں نے من مانیاں کیں مولنا محی الدین احمد قصوری ان کے سامنے دیوار بن گئے۔ مولنا محی الدین احمد قصوری بھی غزنوی خاندان کے بہت معتقد تھے۔ اکثر غزنوی علماء سے ان کے ذاتی مراسم قائم تھے۔ ۱۹۷۱ء میں مولنا محی الدین نے وفات پائی۔ مولنا محی الدین قصوری بھی زندگی بھر جماعت اور قومی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

مولنا محمد علی قصوریؒ

مولانا محمد علی قصوری ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے میٹرک تک تعلیم قصور میں رہ کر حاصل کی اس زمانے میں میٹرک کے بعد انگلینڈ کی یونیورسٹیوں میں قانون کی تعلیم کے لئے داخلہ مل جاتا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد علی نے کیمرج یونیورسٹی سے ایم۔ اے کیا اور قانون کے لیکچر بھی مکمل کر لئے پھر امتحان کے بغیر وطن واپس آگئے ادھر سے جنگ عظیم اول شروع ہوگئی اور یہ سیاسیات میں کود پڑے مولانا محمد علی قصوری مرحوم کا خیال تھا کہ ہندوستانی چھاؤنیاں فوجوں سے خالی ہیں تمام تر فوج یورپ میں اور شرق اوسط کے ممالک میں پہنچ چکی ہیں۔ لہذا افغانیوں اور اس

طرح وطن عزیز کو انگریز کے جبر و تشدد سے رہائی دلائی جائے۔ اور یوں وطن عزیز کو انگریز کی پونے دو سو سالہ غلامی سے نجات مل سکے۔ چنانچہ مولانا محمد علی قصوری مرحوم نے "مشاہدات کابل یاغستان" میں اس سلسلے کی پوری تفصیلات لکھیں ہیں۔ مولانا محمد علی قصوری مرحوم نے امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد" مولانا محمد علی جوہر مرحوم' ڈاکٹر مختار انصاری اور حکیم اجمل خان سے مشورہ کر کے ہجرت کا پروگرام بنایا اور افغانستان پہنچ گئے وہاں امیر حبیب اللہ خاں والی افغانستان سے روابط قائم کئے ان کے بھائی نصر اللہ خاں سے بھی راہو رسم پیدا کئے اور ان سے اپنا مدعا بیان کیا۔ ان کے جذبہ دین اور جذبہ اسلام سے کام نکالنا چاہا لیکن وہ خود غرض تھے انگریز سے ڈرتے تھے بلکہ وہ خود انگریز کے وظیفہ خوار تھے۔ انہوں نے ان کو حبیبیتہ کالج کا پرنسپل بنا دیا ساتھ ہی مولانا محمد علی کی نگرانی شروع کر دی۔ مولانا محمد علی نے حالت کو دگرگوں اور ناساعد پا کر وہاں سے ہجرت کا پروگرام بنا لیا اچانک ایک دن روپوش ہوگئے اور مرکز مجاہدین پہنچ گئے مولانا محمد علی نے چرقند اور اسمس کے مجاہدین کو منظم کرنا شروع کیا آس پاس کے قبائل کو بھی آمادہ کیا اور متعدد مقامات پر انگریز سے پنجہ آزمائی شروع کی اور متعدد مقامات پر انگریز کے چھکے چھڑا دیئے۔ انگریز نے مولانا پر کئی بار ہاتھ ڈالنے کی کوششیں کی لیکن موصوف انگریز کے دام ہمرنگ زمین سے بال بال نکل گئے مولانا محمد بشیر لاہوری کی شہادت کے بعد وہ مجاہدین کے مراکز سے بددل بلکہ بیزار ہو گئے تھے۔ چنانچہ پولٹیکل ایجنٹ نے مولانا محمد علی سے مذاکرات کر کے وطن واپسی کی اجازت دلوا دی مولانا مراجعت فرمائے وطن ہوگئے اور پھر انگریز کے خلاف آئینی اور سیاسی سرگرمیوں میں مصروف ہوگئے جیسا کہ مشاہدات کابل و یاغستان میں اس پر کھل کر لکھا ہے۔ پھر دہلی میں کاروبار شروع کر دیا جنوری ۱۹۵۶ء میں اس دنیا سے روٹھ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔

میاں محمود علی قصوری' قصوری خاندان کے سب سے نامور اور بین

الاقوامی شہرت رکھنے والے سیاست دان اور قانون دان تھے۔ انہوں نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا جب قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ صحیح راستے سے بھٹک گئی تو اسے چھوڑ دیا اور میاں افتخار الدین مرحوم سے مل کر آزاد پاکستان پارٹی کی بنیاد رکھی۔ تاکہ حزب اختلاف کا بھرپور کردار ادا کر سکے۔ ۱۹۶۷ء / ۱۹۶۸ء میں خاں عبدالغفار خاں کے سرخ پوشوں خاں عبدالصمد خاں کے پیروکاروں۔ شیخ عبدالمجید سندھی کے ماننے والوں مشرقی پاکستان کے بھاشانی اور پروفیسر ظفر احمد کی جماعتوں بائیں بازوں سے تعلق رکھنے والو تمام سیاسی کارکنوں پر مشتمل نیشنل عوامی پارٹی کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کی میاں محمود علی قصوری ۱۹۶۹ء میں نیشنل عوامی پارٹی کو چھوڑ کر پاکستان پیپلز پارٹی میں داخل ہوگئے۔ لاہور سے ضمنی الیکشن میں میاں صاحب نے قومی اسمبلی کی سیٹ جیت لی۔ اور بھٹو کی وزارات میں وزیر قانون بن گئے لیکن چند ماہ بعد بھٹو کی آمریت اور ڈکٹیٹر شپ اور پیپلز پارٹی کے جیالوں کی بداخلاقی' بدگوئی اور بدتمیزی سے بیزار ہو کر وفاقی وزارت قانون اور پاکستان پیپلز پارٹی کی ابتدائی رکنیت سے مستعفی ہوگئے۔ پھر تحریک استقلال میں شامل ہوگئے اور ۱۹۹۱ء میں وفات پاگئے۔

میاں صاحب نماز کے پابند روزے کے پابند اور زکوٰۃ کے پابند تھے بیسیوں بیواؤں کو وظیفہ دیتے تھے اور بیسیوں طالب علموں کو اپنی جیب سے ہر ماہ وظیفہ دیا کرتے تھے۔ نہایت فیاض' دریا دل کارکن نواز اور غریب پرور انسان تھے۔ صاف گوئی' راست بازی' اور حق بیانی انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ بڑے وجیہ اور قد آور شخصیت کے مالک تھے جہیر الصوت تھے۔ آہستہ بات کرتے تو بھی معلوم ہوتا کہ دھواں دھار تقریر کر رہے ہیں۔

موتمر حکومت

جنگ عظیم اول کے دوران ملک کو آزادی دلانے کیلئے ترکی اور جرمنی سے

تعاون کے حصول کے سلسلہ میں ایک عارضی حکومت ہند کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کے صدر راجہ مہندر پرتاپ مولانا محمد بشیر وزیر جنگ مولانا عبیداللہ سندھی وزیر داخلہ اور مولانا محمد علی وزیر قانون مقرر ہوئے۔ مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کو اس کی عارضی فوجوں کا سربراہ بنایا گیا۔ قصوری خاندان درحقیقت غزنوی خاندان کا ہی خوشہ چین ہے۔

قصوری خاندان میں میاں خورشید محمود قصوری میاں عمر محمود قصوری نامور اور ملکی شہرت رکھنے والے وکیل ہیں میاں محمود علیؒ کے صاحبزادے ہیں جناب معین الدین قریشی سابق نگران وزیراعظم وہ مولانا محی الدین قصوریؒ کے صاحبزادے ہیں۔ مولانا محمد علی قصوریؒ کی بیٹیاں ہیں کوئی بیٹا نہ تھا۔ اسی طرح مولانا عبداللہ قصوریؒ کی اولاد و احفاد موجود ہیں البتہ مولانا عبدالحقؒ کی اولاد کا علم نہیں ہو سکا۔

روپڑی خاندان

متحدہ پنجاب میں روپڑی خاندان کی دینی، علمی، تبلیغی اور جماعتی خدمات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ روپڑی خاندان کا اصلاً تعلق کیرپورہ تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر مشرقی پنجاب سے تھا۔ دریائے راوی کے مشرقی کنارے پر ایک ہی خاندان کے آرائیوں کی یہ بستی تھی۔ حافظ عبداللہ مرحوم کے والد گرامی میاں روشن دین گاؤں کے رہنے والے تھے۔ حافظ صاحبؒ ۱۳۰۴ھ کو اس گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۸۴ھ ۱۹۶۴ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔ آپ نے اپنی تعلیم لکھوکی میں مولانا عبدالقادر لکھویؒ اور مولانا محمد حسین لکھوی سے کی پھر آپ سہارنپور چلے گئے۔ وہاں کے اساتذہ سے فنون کی کتابیں پڑھیں۔ پھر دہلی گئے حضرت میاں صاحب اس وقت تک وفات پاچکے تھے۔ امرتسر میں مولانا امام سید عبدالجبار غزنویؒ مولانا سید عبدالاول غزنویؒ سے مزید تکمیل کی۔ ۱۹۱۳ء میں مولانا سید عبدالجبار غزنویؒ

وفات پاگئے۔ کچھ عرصہ آپ نے رام پور میں بھی گزارا۔ وہ دور مناظروں کا دور تھا۔ مرزائی مناظر یونیورسٹی کی سند کا مطالب کرتے تھے اس لئے حافظ صاحب روپڑی مرحوم نے مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی سے نمایاں حیثیت سے پاس کیا۔ یاد رہے اس وقت مولوی فاضل پنجاب یونیورسٹی کے ماتحت ہوتا تھا۔ آپ نے مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری مرحوم سے بھی علمی لب تشنگیاں بجھائیں۔ حافظ صاحب نہایت صالح، عابد، ذاکر، شب زندہ دار تھے۔ مولانا عبدالجبار غزنویؒ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ نوجوانی میں قابل رشک حد تک صالح اور نیک نفس تھے۔ اس وقت کے جید علماء مولانا محمد حسین بٹالویؒ اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ نے آپ کی علمی عظمت کا تزکرہ نہایت اچھے الفاظ میں فرمایا۔ مشہور اہلحدیث علمی، دینی، اور معیاری درسگاہ دارلحدیث رحمانیہ دھلی کے آپ ۱۹۴۷ء تک ممتحن رہے۔ روپڑ کی جماعت آپ کو روپڑ ضلع انبالہ میں لے گئی۔ روپڑ کے علاقہ میں جاٹوں، گجروں، راجپوتوں اور آرائیوں کی خاصی آبادی تھی۔ چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں۔ بیٹ کا علاقہ تھا۔ دریائے گھاگرہ (جس کو بیکانیر میں نالی کہتے تھے) اور دریائے ستلج پاس سے گزرتے تھے دریائے ستلج سے مشہور روپڑ نہر نکالی گئی تھی۔ وہاں آپ نے بڑا کام کیا۔ بستیوں کی بستیاں ان کی بدولت قافلہ عمل بالحدیث میں داخل ہوگئیں۔ سید محمد شریف شاہ گھڑیالویؒ کی امارت میں جب جماعت منظم ہوئی تو مسلک کی ترجمانی کے لئے فروری ۱۹۳۴ء میں روپڑ سے آپ کے زیر ادارت ہفت روزہ "تنظیم اہلحدیث" جاری کیا گیا۔ چوالیس کے قریب آپ نے علمی اور تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں آپ کے تلامذہ میں شیخ محمد عمر بن ناصر نجدیؒ شیخ عبداللہ ابیض مولانا محمد بن عبدالعظیم پسروریؒ، مولوی دین محمد سنانویؒ مولوی نور محمد گجر ڈگری والا۔ مولوی عبدالرحمٰن محشی نسائی۔ مولانا احمد دہلویؒ۔ مولانا عبدالجبار کھنڈیلویؒ مولانا عبدالعلیم ٹونگی۔ مولوی ابوبکر، مولوی محمد یوسف بنگالی۔ مولانا عبدالقیوم۔ مولانا عبدالرحمٰن افریقیؒ مدینہ منورہ حافظ محمد حسین

امرتسری روپڑیؒ۔ سید محمدؒ آف چونیاں۔ مولوی قادر بخش بازید پوری مولوی شہاب الدین کوٹلیؒ۔ حافظ محمد اسماعیل روپڑیؒ حافظ عبدالقادر روپڑی۔ مولانا محمد صدیق فیروز پوریؒ۔ سید بدیع الدین شاہ راشدی شامل ہیں۔ حافظ عبدالرحمٰن مدنی' حافظ مقبول احمد۔ حافظ ثناء اللہ سرحالوی۔ مولانا عبدالسلام کیلانی ان حضرات نے بھی حضرت روپڑی سے خوب اکتساب فیض کیا۔ مولانا عبدالجبار غزنوی مرحوم کے بعد آپ غزنوی عقائد و نظریات اور مسائل میں طرز اسلاف کے علمبردار بن گئے چنانچہ روپڑی ثنائی نزاع شروع ہوگیا۔ اور مولانا امرتسری سے مسائل میں اختلافات شروع ہوگئے۔ بسا اوقات اس میں شدت اور حدت بھی آتی رہی۔ ہمارے نزدیک دونوں بزرگوں کا موقف صحیح تھا۔ صرف افہام و تفہیم کی کمی تھی۔

میاں روشن دین ارائیں کے ایک صاحبزادے حافظ محمد حسینؒ جو حضرت محدثؒ روپڑی کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ موضع ڈوبہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء بروز جمعۃ المبارک بمطابق ۲۸ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ فوت ہوئے۔ گارڈن ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔ وہ عالم باعمل تھے۔ اپنے ہاتھ سے کما کر کھانے کے عادی تھے۔ بڑے بہادر جفاکش اور محنتی تھے۔ کامیاب مدرس تھے۔ حق گو اور راست باز تھے۔ عابد' ذاکر اور زاہد انسان تھے۔ دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں غالباً ایک سال مدرس بھی رہے۔ حافظ عبداللہ' حافظ عبدالرحمٰن مدنی' حافظ عبدالوحید ان کے صاحبزادگان گرامی ان کے علمی اور روحانی جانشین ہیں۔

حافظ محمد اسماعیل روپڑی مرحوم میاں رحیم بخش ارائیں کیرپوری کے صاحبزادے حضرت محدث روپڑیؒ کے بھتیجے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں داوٗدی لحن اور فصل الخطاب عطا فرمایا تھا۔ پاک و ہند میں ان کی خطابت و تقریر کا طوطی بولتا تھا۔ وہ سحرالبیان خطیب اور شعلہ نوا مقرر تھے۔ ان کی شیریں بیانی مسلم تھی۔ وہ جب بات کرتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ ان کی معجز بیانیوں کو اپنے اور

بیگانے سب تسلیم کرتے تھے۔ وہ خوش پوشاک' خوش خوراک' خوش بیان مبلغ تھے۔ ۱۱/ جنوری ۱۹۶۲ء بمطابق شعبان ۱۳۸۱ھ کو جامع قدس چوک دالگراں لاہور میں وفات پا گئے۔

مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی بھی میاں رحیم بخش ارائیں کمیر پوری ؒ کے صاحبزادے ہیں حافظ اسماعیل سے چھوٹے ہیں۔ اللہ نے انہیں فصاحت و بلاغت کا عظیم ملکہ عطا فرمایا ہے۔ ان کی خطابت کی جولانگاہ پورا ملک ہے۔ وہ رئیس المناظرین ہیں۔ اغیار کے ذہنوں پر ان کے مناظروں کا دبدبہ قائم ہے۔ حافظ عبدالقادر ان کے برادر کلاں اور ان کے چچا حضرت محدث روپڑی ؒ نے مسلک اور دین کی بڑی خدمت کی۔ ہزاروں لوگ ان سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اہلحدیث ہوئے۔ حافظ اسماعیل مرحوم کے اکلوتے صاحبزادے حافظ محمد ایوب جو حافظ محمد حسین کے نواسے ہیں۔ آج کل اپنے ماموؤں سے مل کر کاروبار میں مصروف ہیں۔

حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری ؒ بھی اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ نہایت ذہین و فطین' فصیح و بلیغ مقرر اور خطیب تھے۔ مرزا قادیانی کے درس جھوٹ افسانہ قادیاں اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ کامیاب مناظر تھے۔ قادیانیت اور شیعیت پر ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ مجلس آراء اور امیر محفل بزرگ تھے۔ مولانا امرتسری ؒ' مولانا غزنوی ؒ' مولانا بھوجیانی ؒ' مولانا روپڑی ؒ' مولانا سلفی ؒ' مولانا ندوی ؒ اور دیگر علماء کی مجالس میں بیٹھنے اور ان سے استفادہ کرنے کا ان کو شرف حاصل تھا۔ موضع کمیر پور کمیر اور کبیر دو بھائیوں نے آباد کیا تھا۔ جس کا رقبہ ۵ صد ایکڑ پر مشتمل تھا۔ اس میں کمیر اور کبیر کی اولاد ہی رہائش پزیر تھی۔ محدث روپڑی ؒ' حافظ محمد حسین ؒ حافظ محمد اسماعیل ؒ' حافظ عبدالقادر میاں کمیر ؒ کی اولاد میں سے تھے۔ گویا علمی اور دینی قیادت میاں کمیر ؒ کی اولاد کے سپرد تھی۔ مولانا اللہ بخش کمیر پوری ؒ اور حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری ؒ میاں کبیر کی اولاد میں سے تھے۔

دنیوی قیادت اور سیاسی سیادت میاں کبیر کی اولاد کے سپرد تھی جن کی اکثریت چک نمبر ۳۴ گ ب ضلع فیصل آباد میں قیام پذیر ہے۔ حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری جون ۱۹۸۹ء کو وفات پا گئے۔ ان کے بڑے صاحبزادے خالد محمود شوگر مل پتوکی میں ملازم ہیں۔ ان کے چھوٹے صاحبزادے حسن محمود عالم فاضل ہیں۔ ہائی سکول میں عربی مدرس ہیں۔ لاہور شہر میں خطبہ دیتے ہیں۔ جماعتی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ حافظ ابراہیم کمیرپوری کے بھتیجے مولوی غلام اللہ کمیرپوری کے صاحبزادے مولانا محمد سلیم اللہ بھلوال ضلع سرگودھا میں خطیب ہیں۔ یہ اپنے چچا کی طرح بڑے ذہین و فطین صاحب علم، صاحب مطالعہ نوجوان ہیں۔ (متولی اہلحدیث)

علماء بڈھیمال

بڈھیمال تحصیل مکتسر ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ جس کا رقبہ چودہ پندرہ سو ایکڑ پر مشتمل تھا جو راجپوت برادری پر مشتمل تھا۔ یہاں کے رہنے والے لوگ انتہائی دیندار نیک مخلص سلفی العقیدہ اور سلفی العمل تھے۔ گاؤں میں دینی ماحول تھا۔ خواتین بڑی شرح صدر سے شرعی پردہ کی پابند تھیں۔ کوئی آدمی گاؤں کے بازاروں میں ننگے سر نہیں پھر سکتا تھا۔ ان کے جھگڑے تنازعے علماء کرام وہیں نپٹا دیتے تھے کبھی کوئی تھانے یا سرکار دربار میں نہیں جاتا تھا۔ ایک وقت تھا کہ گاؤں کے کسی باشندے کا چہرہ غیر مسنون نہ تھا۔ لوگ انگریز اور اس کی تہذیب و تمدن سے انتہائی بیزار تھے۔ انگریز اور انگریزی سے نفرت کا یہ عالم تھا کہ گاؤں میں گورنمنٹ سکول نہیں بننے دیا۔ جماعت مجاہدین سے انہیں تعلق خاطر تھا۔ یہاں کے علماء ہمیشہ مجاہدین سے بھرپور مالی تعاون کیا کرتے تھے امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہؒ صوفی ولی محمدؒ حاجی نور محمد صراف فیروز پوریؒ جماعت مجاہدین کے مالی تعاون کیلئے بارہا وہاں تشریف لے گئے مولانا عبدالرحمٰن مرحوم متوفی ۱۹۱۷ء انتہائی خوب صورت صالح اور باعمل نوجوان

تھے۔ ان کی تقریر اور گفتگو میں بڑی جاذبیت اور چاشنی تھی گاؤں کے نمبردار تھے آس پاس کے دیہاتوں کے دیہات مولانا عبدالرحمٰنؒ اور مدرسہ رحمانیہ کی وجہ سے کاروان عمل بالحدیث میں شامل ہو گئے۔ مدرسہ رحمانیہ بڈھیمال کے اثرات ضلع بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ (ضلع حصار جو اب صوبہ ہریانہ میں واقع ہے) مدرسہ رحمانیہ کا فیضان پہنچا اور وہاں کے اکثر علماء اس چشمہ صافی سے سیراب ہوئے اس دور افتادہ گمنام بستی نے مسلک اہلحدیث کے بڑے بڑے رجال اور ممتاز شخصیات پیدا کیں۔ علامہ قاضی محمد سلمان منصورپوری' مولانا عبدالرحمٰن' مفتی عبدالحکیم' مولانا کریم بخش' مولانا قدرت اللہؒ مولانا عبدالغنیؒ صوفی عنایت اللہؒ حافظ عبدالرحمٰنؒ مولانا محمد عمرؒ صوفی محمدؒ حافظ عبدالخالقؒ.مولانا احمد علیؒ حاجی عبدالغنیؒ مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی۔ حافظ محمد بن عبداللہ بڈھیمالوی مولانا محمد ادریسؒ شیخ الحدیث مولنا محمد حافظ عبدالعزیز علوی۔ مولانا حافظ عبدالعلیم۔ مولانا حافظ عبدالکبیر۔ مولانا عبداللہ امجید۔ مولانا خالد سیف۔ مولانا عبدالرحمٰن۔ مولانا محمد سلیم۔ مولانا محمد امین۔ مولانا عیش محمد۔ مولانا رضی اللہ۔ مولانا عتیق اللہ۔ مولانا محمد علی حامد۔ قاضی محمد انور ایم ۔ اے بی ایڈ جناب ریاض قدیر بھٹی ایم ایس سی بی ایڈ مولنا سردار علی شیخ الحدیث مولنا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی' پروفیسر احمد ساقی' قاری محمود الحسن' قاری عثمان قدیر' محمد ارشد خالد بی۔اے' اسی خانوادہ علم کے چشم و چراغ ہیں۔ جو مختلف مدارس' کلیات اور جامعات میں تعلیمی و تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ راقم السطور کا تعلق بھی اسی خانوادہ علم و تقویٰ سے ہے۔

ضلع فیروز پور

ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب اس اعتبار سے بڑا خوش نصیب ضلع تھا کہ اس کے اکثر و بیشتر دیہات میں رہنے والے مسلمان اہلحدیث تھے اور سینکڑوں کی تعداد میں علماء کرام دیہات و قصبات میں علمی و دینی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

تمام تر علماء عقیدہ سلف صالحین کے حامل اور عامل تھے۔ سادگی اور دین داری انکا لازمہ حیات تھا۔ انگریز دشمنی اور جماعت مجاہدین سے تعاون اور ہمدردی ان کا نشان امتیاز تھا چنانچہ مولانا محمد یوسف بگھیلوی' مولانا محمد عباس' مولانا سید محبوب شاہ' مولانا سید عبدالرحیم شاہ' مولنا محمد یوسف' مولنا سید عبداللہ شاہ' خان عبدالعظیم خان' مولنا عبداللہ کوٹ کپوری شہید' مولنا عبدالمجید شہیدؒ' مولنا عبدالقادر شہیدؒ' مولانا جان محمد لیپونوالویؒ' شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ کھپیانوالویؒ ' مولانا محمد صدیق عباسیؒ' مولانا عبداللہ اوڈ' مولانا محمد یعقوب گوجرویؒ' مولانا علی محمد سعیدیؒ' مولانا حافظ عبیدالرحمانؒ' اس ضلع میں مسلک اہلحدیث کے لیے شب و روز کام کر رہے تھے۔ مولانا عبدالشکور مہلوی' مولانا محمد اسحاق بھٹی' حافظ مقصود احمد' قاری محمد ایوب فیروزپوری' مولانا محمد حسین انصاری' حافظ علی محمد' مولنا ولی اللہ' مولانا حافظ عبداللطیف' مولانا حافظ عبدالمنان' اہلحدیث کے بقیۃ السلف ہیں جو نہایت اچھا کام کر رہے ہیں۔

پندرھواں باب

برصغیر میں الحمدللہ اہلحدیث علمائے کرام نے تعلیم و تدریس، دعوت و تبلیغ، تصنیف و تالیف، وعظ و تذکیر، بحث و مناظرہ، تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کے سلسلہ میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے اور وہ مخلصانہ کوششیں بروئے کار لائے کہ رہتی دنیا تک ہم ان پر فخر و ناز کر سکتے ہیں وہ کون سی صنف علم ہے اور وہ کون سا علمی، دینی، تبلیغی، اصلاحی اور سیاسی میدان ہے جہاں ہمارے عظیم اسلاف نے اپنے نقوش پا ثبت نہ کیے ہوں۔ بحمداللہ ہر ہر میدان میں اللہ تعالیٰ نے علمائے اہلحدیث کو قیادت و پیشوائی اور برتری عطا فرمائی بلکہ ہم اپنے عظیم اسلاف کے عظیم علمی کارناموں کو دیکھ کر یہ کہہ سکتے ہیں۔

اولئک اباٰئی فجئنا بمثلهم　　اذا جمعتک یا جریر المجامع

نواب والہ جاہ سید صدیق حسن خاں

مجدد الوقت، مجتہد العصر، نواب والہ جاہ، نواب سید صدیق حسن خاں رحمتہ اللہ علیہ ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۸ھ کو حسینی سادات کے گھرانے میں پیدا ہوئے ۱۹ جمادی الاخری ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۷ فروری ۱۸۹۵ء کو وفات پائی نواب صاحب مرحوم کے دادا مرحوم نواب اولاد علی انور جنگ بہادر حیدر آباد دکن میں اونچے منصب پر فائز تھے۔ آپ کے دادا جان مذہباً" شیعہ تھے آپ کے والد محترم نواب سید اولاد حسن خاں مرحوم کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے تلمذ اور امیرالمومنین سید احمد شہید کی بیعت نے راہ سنت پر گامزن کر دیا اور آپ کاروان عمل بالحدیث میں شامل ہو گئے۔ ابھی زندگی کی پانچ چھ بہاریں گزاری تھیں کہ والد محترم کی شفقتوں سے محروم ہو گئے۔ اسی کسمپرسی میں تعلیم کا آغاز کیا۔ تعلیم کی ابتدائی منزلیں مقامی علماء سے طے کیں۔ آخر حصول علم کے لئے عروس البلاد دہلی کا رخ کیا جو ظاہری، باطنی، سیاسی اور علمی طور پر ہندوستان کی راج دھانی تھا۔ نواب

صاحب وہاں مفتی صدر دین کی سرکار میں حاضر ہوئے اور ان کے سامنے زانوائے تلمذ طے کرتے ہوئے جملہ علوم عقلیہ و نقلیہ اور اصول ان سے مکمل کئے۔ حدیث اور اجازہ حدیث شیخ زین العابدین ؒ بن محمد محسن انصاری ؒ یمنی و شیخ عبدالحق ؒ محدث بنارسی تلمیذ امام شوکانی ؒ۔ شیخ یحییٰ بن محمد الحازمی ؒ (قاضی عدن) علامہ سید نعمان خیر الدین آلوسی (مفتی بغداد) شیخ حسین عرب یمنی اور شاہ محمد یعقوب مہاجر مکی سے حاصل ہوا۔ ۲۱ سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر کے قنوج وطن واپس تشریف لائے۔ معاشی پریشانی کی وجہ سے بھوپال تشریف لے گئے اللہ تعالیٰ نے یاوری کی ریاست میں معمولی ملازمت مل گئی بھوپال میں یہ سلسلہ ملازمت کچھ عرصہ جاری رہا بعض مسائل میں مولوی علی عباس سے اختلاف کی وجہ سے بھوپال کو چھوڑنا پڑا قنوج واپس تشریف لے آئے۔ ابھی فکر معاش کا مسئلہ حل نہیں ہوا تھا کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ آزادی درپیش ہوا جس سے نواب صاحب کا گھر بھی نہ بچ سکا آپ کے بزرگوں کے متوسلین کو معلوم ہوا تو وہ ان کو بلگرام لے گئے مگر وہ خود بھی ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں لٹ پٹ چکے تھے۔ نواب صاحب کے لئے وہ ایام بڑی عسرت میں گزرے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ فرو ہونے کے بعد قنوج واپس تشریف لائے۔ تلاش معاش کے لئے وہ گھر سے نکلے تو رئیسہ بھوپال نواب سکندر بیگم صاحبہ نے انہیں فرمان طلبی بھیجا لیکن موسم کی خرابی کی وجہ سے نواب صاحب بھوپال دیر سے پہنچے معاندین نے اپنی سازشوں سے نواب صاحب کے تقرر کا حکم منسوخ کرا دیا۔ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۷۵ھ کا ہے (ابقاء المنن بالقاء المحن ومآثر صدیقی جلد دوم)

نواب صاحب ٹونک میں

نواب صاحب بھوپال سے ناکامی کے بعد گاؤں واپس آرہے تھے ٹونک میں وارد ہوئے تو سید اسماعیل جو سید احمد شہید امیر المومنین کے عزیزوں میں سے

تھے۔ ان کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے۔ ریاست ٹونک کے نواب وزیر الدولہ' امیر الملک محمد وزیر خان بہادر نصرت جنگ کو جب ان کی اطلاع ہوئی تو پچاس روپے ماہانہ مشاہرہ پر انہیں ٹونک میں رہنے پر اصرار کیا لیکن نواب صاحب یہاں کی معاشرت سے جلد ہی دل برداشتہ ہو گئے اور چار ماہ کی رخصت لے کر عازم قنوج ہوئے۔ اسی دوران پھر بھوپال سے طلبی کا آرڈر پہنچا۔ (ابقاء المنن بالقاء المحن)

تیسری بار بھوپال میں

یکم صفر ۱۲۷۶ھ کو پھر بھوپال پہنچے اس مرتبہ اللہ تعالیٰ نے راستے کی سب رکاوٹیں دور کر دیں گویا کہ بھوپال میں ان کی آمد فاتحانہ تھی۔ ۷۵ روپے مشاہرہ مقرر ہوا اب یوما" فیوما" آگے بڑھتے رہے منصب اور مشاہرہ میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ترقی و عروج اور اقبال ان کا مقدر بن گیا۔ ریاست کے مدار المہام مولانا محمد جمال الدین کی صاجزادی سے نکاح ہو گیا۔ ترقی و عروج نے ان کے قدم چومے۔ چنانچہ نواب صاحب نے اپنی والدہ اور بہنوں کو بھی مستقل بھوپال میں بلا لیا۔ رئیسہ بھوپال نواب سکندر جہاں بیگم صاحبہ وفات پا گئیں۔ ان کی صاجزادی نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ سریر آرائے سلطنت ہوئیں۔ جو بیوہ ہو چکی تھیں انہوں نے نواب صاحب کے علم و فضل' قابلیت و دیانت' تقویٰ اور خاندانی نجابت کو دیکھ کر انہیں شریک امور سلطنت بنانا پسند فرمایا اور ان سے نکاح کر لیا۔ یہ گویا کہ نواب صاحب کے عروج کا دور تھا۔

(تراجم علمائے حدیث ہند ص ۲۸۶)

ہندوستان کا علمی بغداد بھوپال

اس وقت ہندوستان میں علم و فضل کے دو مرکز تھے دہلی اور بھوپال دہلی میں حضرت میاں صاحبؒ کی مسند حدیث بچھی ہوئی تھی۔ اور اقصائے عالم میں ان

کے فیوض و برکات پہنچ رہے تھے۔ ان کے اجلہ تلامذہ کی مساعی سے حدیث' علوم حدیث' شروح حدیث کو بڑا فروغ ملا اور ان کے ارشد تلامذہ کے خلوص سے پورا برصغیر اپنی تمام تر وسعتوں سمیت قال اللہ وقال الرسول کی دلنوا صداؤں سے گونج اٹھا۔ پورا ہندوستان حدیث کی ضیاء پاشیوں سے بقعہ نور بن گیا۔ حدیث کے فیوض و برکات کے سامنے تقلید وجمود کی بندھنیں ڈھیلی پڑ گئیں۔ کاروان عمل بالحدیث میں بڑی تیزی اور کثرت سے عوام شامل ہو گئے۔ مرکز ثانی بھوپال والہ جاہ نواب سید صدیق حسن خان صاحب (جو مجدد الوقت اور مجتہد العصر کی حیثیت رکھتے ہیں) نے بھوپال کو عالم اسلام کا ایک عظیم دینی اور علمی مرکز بنا دیا۔ عالم اسلام اور ہندوستان بھر سے اہل علم بھوپال میں اکٹھے کر دیئے چنانچہ نواب محسن انصاری الخزرجی یمنی۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی۔ شیخ محمد مچھلی شہریؒ۔ مولانا عبدالقیوم بڈھانوی بن مولانا عبدالحئی بڈھانوی اس قسم کے اعاظم رجال اور نابغہ عصر شخصیتیں بھوپال میں اقامت پذیر ہو گئیں۔ محکمہ تعلیم' محکمہ مالیات اور شعبہ تعلیم و تدریس اور شعبہ تاریخ نویسی علماء کے سپرد کیا گیا۔ تالیف و تصنیف' تراجم اور کتب کی نشرو اشاعت کا ایک عظیم الشان منصوبہ بروئے کار لایا گیا۔ جس نے بغداد کے بیت الحکمت کی یاد تازہ کر دی۔ لاکھوں روپے کے ذاتی اور سرکاری مصارف سے فتح الباری' تفسیر ابن کثیر' نیل الاوطار ایسی بیسیوں امہات الکتب مصر' بیروت اور ہندوستان کے مطابع سے شائع کر کے ہندوستان اور عالم اسلام کے اہل علم' اہل ذوق اور اہل قدر تک مفت پہنچائیں۔ نواب وحید الزمان و نواب بدیع الزمان صاحب حیدر آبادی مترجمین صحاح ستہ کو بھوپال میں بلوا کر صحاح ستہ کا ترجمہ شروع کروایا تاکہ ہندوستان کے لوگ بھی حدیث کے فیوض و برکات سے جھولیاں بھر سکیں۔ حفظ حدیث کا انتظام بھی فرمایا اور اعلان کیا کہ جو صحیح بخاری یاد کرے گا اس کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا اور انہیں ۳۰ روپے ماہانہ تا اختتام حفظ حدیث بھی دیئے جانے کا اعلان کیا۔ چنانچہ آپ کے

عہد زریں میں بھوپال میں درج ذیل مدارس کا بڑا شہرہ تھا۔ (۱) مدرسہ بلقیسی اس میں ملک کے یتیم اور لاوارث بچے تعلیم پاتے اور تربیت حاصل کرتے تھے۔ (۲) مدرسہ سلیمانیہ۔ اس میں کئی درجات تھے جن کی باقاعدہ سند دی جاتی تھی مثلاً مولوی عالم و فاضل' مفتی' منشی' قابل ان ڈگریوں میں تیس سے لے کر پچاس روپے ماہوار تک مشاہرہ ملتا تھا۔ (۳) مدرسہ جہانگیری اور مدرسہ صدیقی ان کی بھی بڑی شہرت تھی۔ کتابیں تقسیم کرنے کے لئے ہندوستان اور عالم اسلام میں ان کے باقاعدہ وکیل تھے۔ نواب صاحب نے ریاست میں اسلامی اصلاحات نافذ کیں۔ پردے کو لازم ٹھہرایا۔ کسبی عورتوں کے دروازوں پر پہرے بٹھا دیئے۔ نظام بیت المال جاری کیا۔ قبروں کے مجاوروں کو مساجد کا امام مقرر کر دیا اور قبروں کے جاروب کشوں کو مسجدوں کی صفائی اور خدمت پر لگا دیا اور ان کے وظائف بدستور جاری رکھے۔ نواب صاحب کا یہ دور ریاست کی خوشحالی کا دور تھا اور نواب صاحب ؒ کو عمدہ المعتمد المہام پر فائز کیا گیا۔ نواب والا جاہ کو امیر الملک کا خطاب دیا گیا۔ نقدی اور جاگیر عطا کی گئیں۔ انگریز بھی نواب صاحب کی اس ترقی کے موقعہ پر معدن علم محامد اخلاق' مخزن مکارم اختصاص وغیرہ القاب سے نواب صاحب ؒ کو مخاطب کرتا تھا لیکن معاندین' مخالفین اور حاسدین ان کی ترقی پر آتش حسد میں جلے بھنے بیٹھے تھے چنانچہ ان کی سازشیں ان کی مخبریاں اور ان کی منصوبہ بندی دھیرے دھیرے جاری رہی تاآنکہ نواب صاحب نواب سید اولاد حسن مرحوم قنوجیؒ کا صاحبزادہ ہونے کی وجہ سے انگریز کو ابھارا گیا اور یہ سب کچھ نواب صاحب کی علمی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لئے تھا اور آپ پر ترغیب جہاد اور انگریز گورنمنٹ کی مخالفت اور مذہب وہابیت کے فروغ کا الزام لگایا گیا۔ نواب صاحب نے تمام القابات واپس کر کے ریاست کے اقتدار و اختیار سے علیحدگی اختیار کر لی لیکن اپنے سیاسی اور دینی موقف میں سرمو فرق نہیں آنے دیا۔ (ماثر صدیقی) علم و فضل کا یہ نیر تاباں ۱۷ فروری ۱۸۹۵ء مطابق ۲۹ جمادی

الاخری ۱۳۰۷ ہجری کو ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

نواب صاحب مرحوم نے اپنی اولاد میں ایک صاحبزادی دو صاحبزادے نواب علی حسن خان اور نواب نور الحسن خان چھوڑے۔ نواب علی حسن خان مرحوم ایک عرصہ تک دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم رہے اور ترکہ میں ملنے والی اپنی تمام ترکتب کا حصہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کے حوالے کر دیا۔ (تراجم علمائے حدیث ہند ص ۳۱۲)

نواب سید صدیق حسن خان مرحوم نے بھوپال میں سرکاری و غیر سرکاری کتب خانوں کو فروغ دیا اور ان کی علمی و مالی سرپرستی فرمائی۔ نواب سید صدیق حسن خان مرحوم نے بھوپال میں اپنی مستقل سکونت کے بعد غیر فانی' لازوال اور قابل صد رشک علمی' تصنیفی' تالیفی کارنامے سرانجام دیئے۔ ان کے لیل و نہار کا ایک ٹائم ٹیبل مقرر تھا اسی محور پر انہوں نے اپنی زندگی کو ڈھالا اور رات کا بیشتر حصہ عبادت و ریاضت' تالیف و تصنیف اور مطالعہ میں گذارتے تھے اسی بناء پر انہوں نے ۲۲۲ عظیم الشان کتابیں لکھیں جن میں بعض کتابیں سات سات اور پندرہ پندرہ جلدوں پر مشتمل ہیں۔ تاریخ' سیر' ادب و انشاء' حدیث' اصول حدیث' شروح حدیث' تفسیر و اصول تفسیر' فقہ و اجتہاد اور بعض پیش آمدہ جدید مسائل پر ان کے قلم کی جولانیاں ہمیشہ مسلم رہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نواب صاحب نے علم کی کسی صنف کو نظر انداز نہیں کیا اور ہر ہر موضوع پر سیر حاصل لکھا کتاب کی تنگ دامانی حائل نہ ہوتی تو ہم ان کی تمام کتب کی فہرست دیتے اور ان کی کتابوں پر تبصرہ لکھتے۔ اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس عطا فرمائے۔

مولانا محمد بشیر سہسوانی

سہسوان صوبہ یوپی کا ایک مردم خیز اور تاریخی مقام ہے یہاں سے ہر دور میں اہل کمال اٹھتے رہے۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی غالباً ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے

ان کے والد محترم بھی بڑے حکیم اور شاہان اودھ کے سرکاری طبیب تھے۔ مولانا محمد بشیر نے مولانا سید امیر حسن محدث علمائے فرنگی محل اور مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری سے جملہ علوم نقلیہ اور عقلیہ پڑھے حدیث اور فقہ کی تکمیل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے کی' اجازہ حدیث شیخ حسین عرب یمنی' شیخ احمد شرقی نزیل مکہ مکرمہ اور مولانا محمد سہارن پوری مہاجر مکی سے بھی حاصل کیا۔ تکمیل علم کے بعد ایک عرصہ تک سینٹ جانسن کالج آگرہ میں عربی اور فارسی پڑھاتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ درس نظامی کی اونچی اور فنی کتابیں بھی پڑھاتے رہے جن کی وجہ سے ان کی علمی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ حجاز تشریف لے گئے اور وہاں سے علامہ نواب صدیق حسن خان نے بڑے اعزاز و اکرام سے بلا لیا۔ درس قرآن و حدیث ان کو تفویض کیا گیا پیش آمدہ مسائل و سوالات کے جواب بھی ان کے ذمہ لگا دیئے گئے۔ موصوف فتویٰ بڑے مجتہدانہ اور مدلل انداز سے لکھتے۔ نواب صاحب اور مولانا عبدالحئی لکھنوی میں تحریری مناظرہ شروع ہوا۔ طرفین میں متعدد جواب الجواب ہوئے مولانا عبدالحئی لکھنوی کا یہ خیال تھا کہ نواب صاحب کے پردے میں مولانا محمد بشیر سہسوانی لکھتے ہیں مولانا سہسوانی نے بڑی مشکل سے ان کا شک دور کیا اور ان ہر دو باکمال شخصیتوں میں صلح کروائی مولانا محمد بشیر سہسوانی مدرس' مصنف اور مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ بہت موثر مقرر اور خطیب تھے۔ اندازہ فرمائیں کہ ہر دو شنبہ کو تاج محل بھوپال میں آپ کا وعظ ہوتا تھا۔ محل کی تمام خواتین اور بیگمات اس میں شرکت کرتیں مولانا سہسوانی کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ رونے والوں کی آواز دور تک سنائی دیتی تھی نواب صاحب کی سرپرستی میں انہوں نے بھوپال میں بارہ سال گزارے جب نوابؒ صاحب ریاست سے الگ ہوئے مولانا محمد بشیر دل برداشتہ ہو گئے مگر نواب شاہجہاں بیگم صاحبہ نے آپ کو جانے نہ دیا بھوپال میں مولانا سہسوانی کے بارہ سال اور گزر گئے۔ جب بیگم شاہجہاں کا چراغ زندگی

گل ہو گیا تو حالات دیکھ کر علمائے کرام ایک ایک کر کے بھوپال سے نکل گئے تو مولانا سہسوانی نے بھی اسی دوران بھوپال کو ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ دیا' اہالیان دہلی ایک عرصہ سے ان کو دہلی میں لانے کے متمنی تھے۔ انہوں نے موقع غنیمت جان کر مولانا سہسوانی سے دہلی میں آنے کی درخواست کی چنانچہ آپ دہلی چلے گئے۔ مسجد حوض والی نئی سڑک میں ڈیرے ڈال دیئے جہاں آپ ۱۶ سال تک درس حدیث و تفسیر' دعوت و ارشاد اور افتاء فرماتے رہے تین ماہ تک ہر روز نماز فجر کے بعد فرضیت فاتحہ خلف الامام پر درس جاری رہا دہلی کے حنفی علماء بھی اس میں باقاعدگی سے شرکت کرتے مولانا سہسوانی کے شاگرد رشید شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی دہلوی نے رفقاء کے تعاون سے اسے کتابی شکل میں مرتب کر کے برہان العجاب فی فرضیت ام الکتاب شائع کی اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اپنے موضوع پر لاثانی اور بے مثال کتاب ہے مولانا علی محمد سعیدیؒ نے اسے دوبارہ پاکستان میں شائع کیا۔

مرزا قادیانی سے مناظرہ

مرزا غلام احمد قادیانی کے خسر دہلی میں رہتے تھے مرزا صاحب نے دہلی میں آکر حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی سے آکر چھیڑ چھاڑ شروع کر دی حضرت میاں صاحب آخری ایام میں ضعف اور پیرانہ سالی کی وجہ سے درس و تدریس چھوڑ چکے تھے چنانچہ فوری طور پر مولانا محمد بشیر کو بھوپال سے بلایا گیا۔ انہوں نے مرزا صاحب سے حیات و ممات مسیح پر مناظرہ شروع کر دیا۔ مرزا صاحب نے **انی متوفیک ورافعک** سے دعویٰ پیش کیا اور مولانا محمد بشیر نے **و ان من اهل الکتاب الا لیومنن به قبل موته** سے ان کے دعوے کی دھجیاں بکھیر دیں۔ مرزا صاحب کی تاویلات باطلہ مولانا محمد بشیر کے دلائل کے سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئیں اور مرزا صاحب خسر کے استقبال کا بہانہ بنا کر بھاگ گئے مولانا

سہسوانی نے لفظ خسر کی مناسبت سے **خسر الدنیا والاخرۃ ذالک ھو الخسران مبین** آیت پڑھی یہ مناظرہ "الحق الصریح فی اثبات حیات المسیح" کے نام سے شائع ہوا۔ مولانا محمد بشیر نے "صیانتہ الانسان عن وسوسۃ الشیخ الدحلان' القول المحمود رد جواز السود' انجیتہ العید" وغیرہ کئی کتابیں لکھیں موصوف جماعت اہل حدیث کے ممتاز جید اصحاب علم و تقویٰ میں سے تھے علم و فضل کا یہ آفتاب ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ کو دہلی میں غروب ہو گیا اور انہیں حضرت میاں صاحب کے جوار میں سپرد خاک کیا گیا۔ (تراجم علماء حدیث ہند)

سہسوانی علماء

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ **سہسوان** ایک مردم خیز خطہ ہے۔ اس میں بڑی بڑی شخصیتیں اور اعاظم رجال پیدا ہوئے۔ محدثین' مفسرین' دانشور' اس کی شہرت و ناموری کا باعث ہیں۔ چنانچہ مولانا سید میر حسن متوفی ۱۲۹۱ھ بمطابق ۱۸۷۴ء جو بڑی عمر میں پڑھنا شروع ہوئے اپنے وقت کے اجلہ علماء شاہ عبدالجلیل علی گڑھی' قاضی بشیر الدین قنوجی علماء فرنگی محل مولانا ابو البرکات ترابی' مفتی صدر الدین دہلوی' شیخ عبدالحق محدث بنارسی' مولانا عبدالغنی مجددی اور مولانا میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے سامنے زانوائے تلمذ طے کئے۔ جب تکمیل کے بعد وطن مالوف تشریف لائے تو پہلی علمی بساط اٹھ چکی تھی مولانا سید میر حسن نے **سہسوان** میں از سرنو بساط علم بچھائی۔ عیسائیوں اور غیر مسلموں سے بحث و مذاکرے جاری رکھے۔ حضرت میاں صاحب کی معیار الحق کے خلاف جب مولوی ارشاد حسین رامپوری نے انتصار الحق لکھی تو آپؒ نے براہین اثنا عشریہ لکھ کر ان کا منہ توڑ جواب دیا اور دوسرے دن دہلی سے چھپوا دیا۔ آپ نے سلاطین کے صحابہ کے خلاف بغض و عناد کا خوب نوٹس لیا۔

(الحیاۃ بعد المماۃ ص ۲۹۵' ۲۹۶)

اسی طرح مولانا سید محمد ندیم بن سید نوازش علی فاضلی متوفی ۱۲۹۹ھ' مولانا سید عبدالباری بن سید سراج احمد فاضلی متوفی ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ بمطابق ۸ ستمبر ۱۸۸۷ء مولانا سید امیر احمد بن سید امیر حسن محدث سہسوانی متوفی ۱۳۰۶ھ بمطابق ۱۸۸۶ء مولانا سید سبط احمد بن سید اولاد احمد متوفی ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۸۸۹ء' حکیم مظہر علی بن حکیم بدر الدین متوفی ۱۳۱۳ھ بمطابق ۱۸۹۵ء' ڈپٹی غلام جیلانی ہاشمی متوفی ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۳ء' مولانا محمد تقی خان مولوی اسماعیل انصاری متوفی ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹۰۸ء' مولانا محمد اسماعیل بن معین الدین انصاری متوفی ۱۳۳۶ھ بمطابق ستمبر ۱۹۱۸ء' مولانا امیر حمد بن عزیز احمد قریشی متوفی ۱۳۳۹ھ بمطابق ۱۹۳۱ء' مولانا سید عبدالباقی متوفی ۱۳۵۷ھ بمطابق ۱۹۳۵ء رحمہم اللہ اسی آسمان علم و دانش کے چمکتے دمکتے ستارے تھے۔ تفصیلات کے بیان سے کتاب کا حجم مانع ہے۔ مولانا سید نذیر احمد' مولانا سید اعجاز احمد' مولانا سید اقتدار احمد اسی خانوادہ علم و فضل کے وارث تھے۔ ماہنامہ التوعیہ دہلی کے ایڈیٹر سید احمد نقوی اسی خاندان کے گل سرسبد ہیں۔ (تراجم علماء اہلحدیث ہند)

خاندان مبارکپوری

مبارکپور ضلع اعظم گڑھ اتر پردیش ایک نہایت مردم خیز خطہ ہے جہاں کے علماء و فضلاء نے اپنی خدا داد صلاحیتوں' خلوص' علم و فضل' تحقیق و دانش' تقویٰ و طہارت' زہد و ورع' خلوص و للہیت اور قلم و قرطاس تعلیم و تدریس اور دعوت و ارشاد کی بدولت عالمی شہرت پائی۔ مبارکپور کے علماء کرام گمنامی کی صفوں سے اٹھے' اپنے خلوص' مسلسل محنت اور علمی خدمات کی بدولت شہرت کے آسمان پر پہنچے۔ خصوصاً حافظ عبدالرحیم مبارکپوری متوفی ۱۳۳۰ھ بمطابق ۱۹۱۲ء' مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرۃ البخاری متوفی ۱۸ رجب ۱۳۴۲ھ بمطابق ۲۴ فروری ۱۹۲۴ء' مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب تحفتہ الاحوذی متوفی ۱۶ شوال

۱۳۵۳ھ ۲۲ جنوری ۱۹۳۵ء مولانا عبیداللہ مبارکپوری صاحب مرعاۃ المصابیح متوفی فروری ۱۹۹۴ء رحمہم اللہ اجمعین مولانا عبیدالرحمٰن بن عبدالسلام مبارکپوری' مولانا حکیم محمد بشیر بن عبدالمجید' مولانا نذیر احمد املوی رحمانی' مولانا محمد امین مبارکپوری' مولانا عبدالصمد مبارکپوری' یہ وہ باکمال شخصیتیں ہیں جن کی تدریس و تعلیم اور نیکی و تقویٰ کی وجہ سے سینکڑوں علماء نے فیوض و برکات حاصل کیں۔ مولانا عبدالسلام مبارکپوری کی سیرۃ البخاری اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کی تحفتہ الاحوذی اور اس کا مقدمہ اور موصوف کی ابکار المنن فی تنقید آثار السنن' کتاب الجنائز اردو میں مولانا نذیر احمد رحمانی کی رکعت تراویح' اہلحدیث اور سیاست۔ مولانا عبیداللہ رحمانی کی مرعاۃ المصابیح نے پورے عالم عرب بلکہ پورے عالم اسلام میں اثرات مرتب کیے۔ ان کی علمی کاوشوں سے مبارکپور ایک زندہ و جاوید قصبہ بن گیا۔ برصغیر پاک و ہند ہی نہیں بلکہ عالم عرب میں کون سا ایسا سلفی عالم ہے جو ان کے علمی' دینی اور تحقیقی کارناموں سے ناآشنا ہو۔ سچی بات یہ ہے کہ مبارکپوری علماء کا نام سنتے ہی ادب و احترام سے آنکھیں جھک جاتیں اور ماتھا تن جاتا اور سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے کتاب کا حجم اگر مانع نہ ہوتا تو ہم پوری تفصیلات حوالہ قلم و قرطاس کرتے۔ اس لئے اشارہ و کنایہ کی زبان میں گزارشات پیش کرتے ہیں۔ مبارک پور میں قاضی اطہر مبارکپوری کو بھی ان کی محققانہ' عالمانہ اور مورخانہ تصنیفات کی بدولت عالمی شہرت حاصل ہو چکی ہے۔ واقعی ان کی خدمات بھی قابل قدر ہیں اگرچہ وہ سلفی عالم نہیں ہیں۔ (تراجم علماء حدیث ہند)

خاندان عمرپور

صوبہ اتر پردیش ہمیشہ اہل کمال اصحاب' علم و آگہی کا مرکز رہا ہے اتر پردیش کے علماء کی ذہانت و فطانت اور قابلیت مسلم رہی ہے۔ اگرچہ برصغیر کے تمام

علاقوں میں تاریخ کے اختلاف کے باوصف بڑی بڑی شخصیتیں پیدا ہوئیں لیکن صوبہ اتر پردیش' صوبہ بہار' صوبہ ہماچل پردیش اور متحدہ پنجاب عہد ساز شخصیتوں اور عبقری انسانوں کے مامن و مرکز رہے ہیں۔ ان میں ہمیشہ اتر پردیش کو اولیت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ قصبہ عمرپور ضلع مظفر نگر اتر پردیش (یو پی) بڑا مردم خیز خطہ رہا ہے۔ یہاں کے علماء کو بھی اللہ تعالیٰ نے شہرت دوام عطا کی اور عمرپوری خاندان کے علماء کی دینی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے ان کے علمی و دینی فیوض و برکات نے سینکڑوں علماء کو مالا مال کیا۔ بحمداللہ عمرپوری خاندان میں یکے بعد دیگرے علمی جانشین پیدا ہوتے رہے۔ جس سے علمی جوت جگتی رہی اور بطور ایک خاندان کے انہیں ایک بلند مقام حاصل رہا۔ اس خاندان کے بعض اکابر نے ملک گیر شہرت پائی خصوصاً" مولانا عبدالرحمٰن معین الدین عمرپوری متوفی ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء' مولانا حکیم عبیدالرحمٰن صاحب عمرپوری بن مولانا عبدالرحمٰن صاحب' مولانا حافظ عبدالجبار عمرپوری متوفی ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۲۶ء مولانا عبدالستار عمرپوری بن مولانا حافظ عبدالجبار عمرپوری متوفی یکم جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ بمطابق ۶ مارچ ۱۹۲۶ء رحمہم اللہ' مولانا ضیاء الدین بن مولانا بدر الدین عمر پوری ایڈیٹر رسالہ ضیاء السنہ کلکتہ۔ مولانا عبداللہ عبدالصبور بن مولانا عبیدالرحمٰن عمرپوری' مولانا عبیداللہ عبدالشکور بن مولانا عبیدالرحمٰن عمرپوری' مولانا حافظ عبدالوکیل خطیب بن مولانا عبیدالرحمٰن عمرپوری' مولانا عبدالجلیل فیصل ندوی بن مولانا عبیدالرحمٰن عمرپوری۔ مولانا عبدالغفار حسن رحمانی بن مولانا حافظ عبدالستار مرحوم عمرپوری خاندان کے چشم و چراغ اور آسمان علم و فضل کے درخشندہ اور تابندہ ستارے ہیں ان علماء کرام کے خلوص و للہیت' علم و آگہی' تحقیق و دانش' تعلیم و تدریس دعوت و ارشاد اور تقویٰ و طہارت کی وجہ سے انہیں شہرت دوام حاصل ہوئی۔ اور خاندان کی تابندہ روایات قائم رہیں۔ آخر الذکر مولانا عبدالغفار حسن اس خاندان کے عالمی شہرت رکھنے والی شخصیت ہیں۔ دارالحدیث رحمانیہ

دہلی کا مکمل نصاب تعلیم نہایت کامیابی کے ساتھ طے کرنے کے بعد مدرسہ انوار احمدیہ آرہ میں تدریس کا آغاز کیا۔ پھر جامعہ رحمانیہ بنارس میں جوانی کے بہترین دن تعلیم و تدریس میں گزارے۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد' جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں بھی ایک عرصہ تک تعلیمی و تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ موصوف اسلام کے نفاذ کے لئے کچھ عرصہ تک جماعت اسلامی کی زلف گرہ گیر کے اسیر رہے۔ ہنگامی حالات میں کچھ عرصہ کے لئے جماعت اسلامی کے امیر بھی رہے۔ آجکل اسلامی نظریاتی کونسل کے معزز رکن ہیں۔ عمر رسیدہ اور پیرانہ سالی کی وجہ سے باقی سرگرمیاں موقوف ہیں ان کے دو بیٹے مولانا صہیب حسن اور مولانا خبیب حسن علمی دنیا میں عالمی شہرت رکھتے ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی دہلوی

شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ کا اصلاً تعلق موضع مبارکپور ضلع پرتاب گڑھ یو پی سے تھا۔ ان کے والد بزرگوار شاہ محمد یعقوب دہلوی سے فیض حاصل کر چکے تھے۔ آپ کے اساتذہ میں پیر محمد سید محمد امین نصیر آبادی۔ مولانا ہدایت اللہ خان جونپوری۔ مولانا زین العابدین جونپوری' مولانا لطف الرحمٰن بردوانی' مولانا شیخ حسین عرب یمنی' مولانا سلامت اللہ جیراج پوری' مولانا احمد سندھی مہاجر مکی' قاضی محمد ایوب بھوپالی' مولانا منیر الدین کانپوری' مولانا محمد اسحاق منطقی' ڈپٹی نذیر احمد' مولانا تلطف حسین بہاری' مولانا عبدالرشید رامپوری' مولانا محمد بشیر سہسوانی اور شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ شامل ہیں۔ حج کے موقع پر ۱۳۲۵ھ میں شیخ محمد بن عبداللطیف نجدی سے اجازہ حدیث حاصل ہوا۔ اسی طرح صاحب عون المعبود مولانا شمس الحق ڈیانوی مرحوم سے بھی اجازہ حدیث حاصل ہوا۔ قاضی شیخ محمد مچھلی شہری مرحوم سے قیام بھوپال میں سند

مسلسل بالاولیہ حاصل ہوئی۔ لیکن آپ سب سے زیادہ مولانا سہسوانی سے متاثر تھے۔ فراغت کے بعد بیس سال تک مدرسہ علی جان دہلی میں جملہ علوم پڑھاتے رہے ہیں۔ قیام دارالحدیث رحمانیہ دہلی میں اول یوم سے ہی مدرس ٹھہرے۔ اور دو تین سال کے بعد شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ آپ کا فیضان دور دور تک پہنچا سینکڑوں علماء نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ مولانا پرتاب گڑھی عملی اور علمی طور پر حدیث اور اس کے متعلقات میں بہت اونچے درجے پر فائز تھے۔ شیخ الحدیث کا لقب بھی اہل علم اور عوامی طبقوں نے انہیں عطا کیا۔ "تبلیغ السنہ" کے نام سے مسجد حوض والی میں فرضیت فاتحہ خلف الامام تین مہینے مسلسل درس دیا تھا۔ مولانا نے اسے البرہان العجاب فی فرضیت ام الکتاب" کے نام سے مرتب کر کے شائع کیا۔ ان کے اٹھ جانے سے دہلی میں ان کا خلا پر نہ ہو سکا۔ (تراجم علمائے حدیث)

مولانا ابو سعید شرف الدین محدث دہلویؒ

مولانا شرف الدین کا اصلاً تعلق گجرات پنجاب سے تھا۔ وہ راجپوت برادری کے چشم و چراغ تھے۔ ۶ سال کی عمر میں والدہ مرحومہ کی شفقت سے محروم ہو گئے۔ خالہ محترمہ آپ کو شاہ پور پنجاب لے گئیں۔ ابتداء" ہی آپ کو حصول علم کا شوق تھا۔ چنانچہ آپ ملتان تشریف لے گئے۔ آپ کے اساتذہ میں۔ مولانا عبدالحق محدث ملتانیؒ ان کے والد گرامی مولانا سلطان محمودؒ مولانا خلیل الرحمٰن مظفر گڑھیؒ نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر آپ مرکز علم دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے مولانا حافظ عبداللہ بیگ' مولانا حکیم محمد ابراہیم سنبھلیؒ ڈپٹی نذیر احمد خانؒ حکیم عبدالرشید خانؒ' مولانا منفعت علیؒ مولانا حافظ عبدالوہابؒ نابینا' مولانا محمد بشیر سہسوانی سے علوم کی تکمیل کی۔ شیخ حسین عرب یمنی سے اجازہ و سند حدیث حاصل کی۔ حضرت میاں صاحبؒ اور صاحب عون المعبود مولانا شمس

الحق ڈیانویؒ سے بھی استفادہ کیا فراغت کے بعد دہلی میں مستقل اقامت اختیار کی۔ بلکہ دہلی کے ہو کر رہ گئے۔ ریاض العلوم دہلی اور حضرت میاں صاحب مرحومؒ کی مسجد میں بھی ایک عرصہ تک فائز رہے۔ پھر ۱۳۵۰ھ میں اپنا مدرسہ بنام مدرسہ سعیدیہ جاری کیا۔ قیام پاکستان تک وہ اپنا فیضان طلباء تک پہنچاتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ناندلیانوالہ' ملتان اور کراچی میں ان کا سلسلہ تدریس جاری رہا۔ ان سطور کے راقم کو بھی ان سے اجازہ حدیث حاصل ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ مولانا علی محمد سعیدیؒ مولانا عبدالعزیز سعیدی پنجاب میں ان کے معروف تلامذہ میں سے تھے۔ ان کی اکثر کتابیں غیر مطبوعہ ہیں۔ ان کی تصانیف میں درج ذیل مشہور ہیں۔

ا۔ تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ جس کا ابتدائی حصہ ڈپٹی سید احمد حسن نے لکھا اور کتاب الزکوۃ سے آخر تک آپ نے۔

۳۔ شرح ابن ماجہ چند اجزاء (۴) حاشیہ نصب الرایہ فی تخریج الہدایہ۔ (۵) کشف الحجاب عمانی برہان العجاب۔ علامہ محمد بشیر سہسوانی کی برہان العجاب کا اردو ترجمہ کیا۔ ۶۔ کتاب الاکراہ اردو۔ (۷) شرح مسند امام احمد بن حنبل عربی برق اسلام۔ ۱۹۶۱ء میں مولانا شرف الدین اس جہان رنگ و بو سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ (تراجم علمائے حدیث ہند)

مولانا محمد جوناگڑھیؒ

مولانا محمد بن ابراہیمؒ جوناگڑھ گجرات کاٹھیہ واڑ (صوبہ سوراشٹر) میں پیدا ہوئے۔ بڑے ہو کر تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ وطن مالوف میں ہی ایک عالم مولانا محمد عبداللہ سے کچھ پڑھا۔ اس سے دہلی میں علم و فضل اور تعلیم و تدریس کے چرچے سنے۔ اور دہلی جانا چاہا لیکن والد گرامی نے وہاں جانے کی اجازت نہ دی۔ مگر ان کا اصرار بڑھتا رہا۔ والد صاحب نے خرچ نہ دینے کی دھمکی دی لیکن

شوق علم کے ہاتھوں مجبور ہو کر عبدالسلام نامی ایک دوست کے ساتھ دہلی پہنچ گئے۔ مدرسہ امینیہ حنفیہ میں داخلہ مل گیا۔ لیکن اہلحدیث ہونے کی وجہ سے وہاں سے خارج کر دیا گیا مغرب کی نماز انہوں نے مسجد فتح پوری میں پڑھی۔ وہاں ایک صاحب کی آمین کی آواز سنی ان سے اپنی مصیبت بیان کی۔ انہوں نے مولانا عبدالوہاب ملتانی صدروی دہلوی کے مدرسہ کا مشورہ دیا۔ مولانا محمد جونا گڑھی نے مولانا عبدالوہاب ملتانی' مولانا عبدالرشید خان دہلوی' مولانا سید عبدالرحیم غزنوی امرتسری' مولوی محمد اسحاق منطقی سے علوم و فنون کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد دہلی ہی میں قیام کیا۔ اور اجمیری گیٹ کی مسجد اہلحدیث میں خطبہ شروع کیا۔ مدرسہ محمدیہ کے نام سے ایک دینی مدرسہ شروع کیا۔ پندرہ روزہ اخبار محمدی کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ مولانا جونا گڑھی بہترین مقرر' اعلیٰ درجہ کے خطیب' ممتاز مدرس اور بہترین مصنف اور مترجم تھے۔ ہزاروں لوگوں نے ان کے علم و فضل سے استفادہ کیا۔ پنجاب' ہریانہ' یوپی' مدھیہ پردیش' بہار اور کلکتہ تک ان کا تبلیغی میدان تھا۔ ملتان کے سالانہ جلسہ میں ضرور تشریف لاتے اور اتباع سنت کے عنوان سے پرجوش اور ولولہ انگیز خطاب فرماتے۔ ایک مرتبہ ملتان کے احناف نے ان کی تقریر کے دوران کسی فقرہ سے مشتعل ہو کر مظفر گڑھ کی عدالت میں کیس درج کرا دیا۔ مولانا جونا گڑھی کئی ماہ تک تاریخ بھگتنے ملتان مظفر گڑھ آتے رہے۔ لیکن آخری فیصلہ مولانا جونا گڑھی کے حق میں ہوا۔ زکوۃ محمدی' صیام محمدی ایمان محمدی' توحید محمدی' حج محمدی وغیرہ اس موضوع پر انہوں نے ساٹھ ستر بہترین اور مدلل کتابیں لکھیں۔ جن کی وجہ سے لاکھوں لوگ کاروان عمل بالحدیث میں شامل ہو گئے۔ "اعلام الموقعین" مصنفہ امام ابن قیم کا ترجمہ دین محمدی اور تفسیر ابن کثیر کا اردو ترجمہ تفسیر محمدی کے نام سے کر کے انہوں نے شائع کیا اور ان کی اخروی نجات کے لئے یہی دو کتابیں کافی ہیں۔ مولانا محمد جونا گڑھی نہایت مخلص اور محنتی شخص تھے۔ ان کا کوئی لمحہ فضول اور

ضائع نہیں ہوتا تھا۔ کثیر العیال تھے ان کی ایک صاحبزادی مولانا معین الدین لکھوی کی اہلیہ محترمہ تھیں اور ایک صاحبزادی ڈاکٹر مجیب الرحمٰن صدر شعبہ دینیات راج شاہی یونیورسٹی بنگلہ دیش کی زوجہ محترمہ ہیں۔ مولانا محمد سلیمان جونا گڑھی حال مقیم کراچی ان کے علمی جان نشیں اور دینی روایات کے وارث ہیں۔ باقی صاحبزادگان گرامی کا دوسرا میدان ہے۔ مولانا محمد جونا گڑھی ۱۹۴۵ء کو وفات پا گئے۔ (تراجم علمائے حدیث ہند)

مولانا عبدالرحمٰن شاہپوری پنجابی

مولانا عبدالرحمٰن بن فتح دین راجپوت برادری کے چشم و چراغ تھے موضع کٹھ مصرال تحصیل خوشاب پنجاب کے رہنے والے تھے۔ مولانا فقیر اللہ مدراسی مرحوم کے چھوٹے بھائی تھے۔ مولانا عبدالرحمٰن نے مولانا محمد' مولانا ظفر الدین' مولوی عبداللہ چکڑالوی' مولانا محمد یٰسین رحیم آبادی' مولانا محمد اسحاق منطقی' ڈاکٹر نذیر احمد دہلوی' مولوی یوسف حسین ہزاروی شیخ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی' شیخ الکل حضرۃ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی سے علوم و فنون اور تفسیر و حدیث کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد دہلی میں ہی قیام کیا۔ ۴۰ برس تک مدرسہ علی جان میں پڑھاتے رہے۔ پھر مدرسہ صدر بازار میں تادم واپسیں تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

شاگردوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن کے عمومی فیضان کا اندازہ فرمائیں کہ علامہ عبدالعزیز میمن راجکوٹی' پروفیسر عربی ادبیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ان کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ لیکن صد افسوس ان کے صاحبزادوں میں سے کوئی بھی ان کا علمی و دینی جانشین نہ بن سکا۔ (تراجم علمائے حدیث)

مولانا محمد یونس دہلوی ؒ

ان کا مولد و مسکن موضع کٹھار ضلع پرتاب گڑھ (اتر پردیش) تھا ۱۳۲۱ھ کو

پیدا ہوئے موصوف شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ مرحوم کے عزیزوں میں سے تھے۔ ان کی فیضان صحبت سے مقام رفیع پر فائز ہوئے اور علوم کی تکمیل بھی قریباً" مولانا احمد اللہ سے ہی سبقاً" سبقاً"' حرفاً" حرفاً" کی۔ تکمیل علم کے بعد دارالحدیث رحمانیہ کی مسند تدریس کو رونق بخشی۔ ۱۳۴۱ھ سے قیام پاکستان تک اسی مسند پر فائز رہے۔ حضرۃ میاں صاحب کی مسجد کے خطیب بھی آپ ہی رہے۔ مولانا محمد یونس کی مخلصانہ مساعی سے حضرۃ میاں صاحب کی مسجد کی رونقیں پھر دوبالا ہو گئیں۔ آپ بہترین مقرر اور خطیب تھے۔ اہل علم اور باذوق لوگ آپ کی تقریر کو بہت پسند کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی میں قیام فرمایا۔ اپریل ۱۹۵۴ء میں دوسری اہلحدیث کانفرنس ملتان مولانا محمد علی قصوری کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ مولانا محمد اسحاق چیمہ جس کی مجلس استقبالیہ کے صدر تھے۔ اس موقعہ پر خطبہ جمعہ مولانا محمد یونس دہلوی نے ارشاد فرمایا۔ بڑا موثر اور دلگداز تھا اور دہلی کی کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی اردو میں وہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور ان کا ایک ایک فقرہ لوگوں کے دلوں میں پیوست ہو رہا تھا۔ مولانا شرف الدین دہلوی بھی کانفرنس میں تشریف لائے تھے۔ دونوں بزرگ علماء کا مرکز توجہ تھے بلکہ علماء چاند کی طرح ان کو ہالہ بنائے ہوئے تھے۔ لیکن صد افسوس ان کی علمی اور دینی روایات کا ان کی اولاد میں سے وارث نہ بن سکا۔

شیخ عبدالحق محدث بنارسی

متوفی ۸ ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ آپ کا اصلاً تعلق نیوتن ضلع اٹاوہ سے ہے اور آپ کے والد محترم ترک سکونت کر کے مستقلاً" بنارس میں قیام پذیر ہو گئے۔ وہیں موصوف نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا لیکن آپ کو جس طرح تعلیم کے لئے یگانہ روزگار ہستیاں اور اولوالعزم ہم سبق ملے ایسے باکمال کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں آپ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور شہید

اسلام شاہ اسمٰعیل شہید ایسے باکمال آپ کو ہم سبق ملے ان کی عظمت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ زیارت حرمین شریفین امیرالمومنین شاہ اسمٰعیل شہید اور سید احمد شہید کے ہمراہ ہوئی۔ علمی لب تشنگیوں کو بجھانے کے لئے آپ نے یمن کا سفر کیا اور امام محمد بن علی قاضی شوکانی سے براہ راست حدیث پڑھی اور ان سے سند و اجازہ حاصل ہوا۔ امام شوکانی کی سند کا نام اتحاف الاکابر باسناد الدفاتر اپنی خصوصیت کے اعتبار سے یہ سند بہت متبرک اور اعلیٰ سمجھی جاتی ہے آپ کی عظمت کے لئے یہ کس قدر خوش آئند ہے کہ شیخ قاضی محمد مچھلی شہری ؒ اور سید جلال الدین بنارسی ایسی یگانہ روزگار ہستیاں آپ کے حلقہ تلامذہ میں شامل ہوئے۔ سید سعید الدین احمد' سید حمید الدین احمد' سید شہید الدین احمد ابنائے سید جلال الدین آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ (تراجم علمائے حدیث ہند)

مولانا سلامت اللہ جیراجپوری ؒ

مولانا سلامت اللہ جیراجپوری ؒ بچپن میں یتیم ہو گئے تھے والدہ محترمہ کے علاوہ کوئی سرپرست نہیں تھا۔ حصول علم کا شوق بے حد تھا۔ یتیمی کی وجہ سے بکریاں چرایا کرتے تھے۔ لیکن دل ہی دل میں حصول علم کا شوق موجزن تھا تاآنکہ دس گیارہ سال کی عمر میں جونپور پہنچے۔ ابتداء ہی سے ان کی ذہانت و فطانت کی شہرت عام ہو گئی۔ وہاں درسی کتب کا بیشتر حصہ مفتی محمد یوسف فرنگی محلیؒ سے پڑھا پھر مرکز علم دہلی میں تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت میاں سید نذیر حسین ؒ سے حدیث و تفسیر کی تکمیل کی فراغت کے بعد جیراج پور تشریف لائے اور توحید و سنت کی تبلیغ عام کر دی جونپور' غازی پور' گونڈہ اور بالخصوص ضلع اعظم گڑھ میں ان کی ذات کی وجہ سے توحید و سنت کی بہت اشاعت ہوئی اور بے شمار دیہات و مواضعات نے شرک و بدعت کی بساط الٹ گئی اور توحید و سنت کے پھریرے لہرانے لگے۔ آپ اپنے دور میں فن مناظرہ کے بھی امام سمجھے جاتے تھے

وعظ و تذکیر میں بھی ان کی کوئی مثال نہ تھی۔ اس دیار میں آج تک اس شان کا کوئی عالم ربانی نہیں اٹھا۔ اور نہ ہی ضلع اعظم گڑھ کے مسلمانوں کے دلوں میں کسی اور عالم کا اتنا احترام تھا۔ کافی عرصہ بنارس میں بھی قیام رہا۔ وہاں علوم متداولہ اور حدیث و تفسیر کی کتب کا درس دیتے رہے۔ نواب سید صدیق حسن خان نے انہیں بھوپال بلوا لیا اور مدرسہ و تفیہ کا مہتمم مقرر کر دیا۔ شاہ جہان بیگم والیہ بھوپال بھی آپ کا بے حد احترام کرتی تھی۔ ان کے زمانہ میں شہر کے واعظ آپ ہی تھے۔ کوئی عالم ان کی اجازت کے بغیر مسجد میں وعظ نہیں کہہ سکتا تھا۔ والیہ بھوپال نے ان کو وعظ کا معاوضہ دینا چاہا لیکن مولانا جیراجپوریؒ نے قبول نہ فرمایا۔ ان کا موقف تھا ان اجری الا علی اللہ کچھ عرصہ بعد موصوف کو مدرسہ سلیمانیہ کا نائب مہتمم مقرر کر دیا۔ علامہ محمد بشیر سہسوانی کی ریٹائرمنٹ کے بعد والیہ بھوپال نے آپ کو مدرسہ سلیمانیہ کا مہتمم اور ریاست کے جملہ مدارس کا افسر اعلیٰ مقرر کر دیا۔ آپ نے تعلیم سے فراغت کے بعد درسیات سے تعلیم و تعلم کا تعلق تازیست قائم رکھا۔ قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ آپ جملہ علوم و فنون بھی پڑھاتے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں مولانا حفیظ اللہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ' مولانا حبیب اللہ چاند پوری' مولانا اسد اللہ' مولانا فتح اللہ سابق مہتمم مدرسہ سلیمانیہ بھوپال' شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صدر المدرسین دارالحدیث رحمانیہ دہلی آپ کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے۔ آخر میں بھوپال میں آپ کا منصب مقرر ہو گیا۔ وہیں ۵۳ سال کی عمر میں ۱۹۰۴ء بمطابق ۱۳۲۲ھ میں آپ کے جسد عنصری سے روح پرواز کر گئی۔ آپ کے اکلوتے بیٹے حافظ محمد اسلم جیراجپوری تھے وہ مشہور عالم' نامور مورخ' صاحب تصانیف کثیرہ مصنف تھے لیکن حنفیت کی مخالفت میں حدیث سے دور ہوتے چلے گئے وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہو گئے کہ ہدایت کے لئے قرآن کافی ہے بلکہ انہوں نے ایک جگہ لکھا کہ حدیثیں دین نہیں بلکہ تاریخ دین ہیں وہ لکھتے کہ میں فرقہ اہل قرآن میں بھی داخل نہیں کیونکہ

میں اسوۂ رسول کو یقینی و دینی سمجھتا ہوں بخلاف اہل قرآن کے جو علم متواتر کے قائل نہیں قصہ مختصر حافظ محمد اسلم جیراجپوریؒ منکرین حدیث میں سے نہیں تھا لیکن ان کے افکار و نظریات اور معتقدات سے منکرین حدیث کو شہ مل گئی تاہم وہ بڑی تحقیق و علمی کتابوں کے مصنف تھے مثلاً تاریخ الامت' تاریخ نجد و حجاز اور تاریخ القرآن' جیراجپور اعظم گڑھ کے قریب ایک تاریخی گاؤں ہے اس سے بڑی یگانہ روزگار شخصیتیں اٹھتی رہیں علامہ شبلی نعمانی کا تعلق بھی اسی گاؤں سے تھا ہمارے سابق چیف آف سٹاف مرزا اسلم بیگ بھی اسی گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں۔

علامہ قاضی محمد سلیمان منصورپوریؒ

علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ متوفی ۱۹۳۰ء سرآمد روزگار شخصیات میں سے تھے انہیں عبقری زمان نابغہ عصراور عہد ساز شخصیت بھی کہا جا سکتا ہے ان کے دینی اور علمی اثرات اب تک موجود ہیں۔ مختلف مقامات سے حصول علم کی منزلیں عبور کرنے کے بعد تکمیل کا مرحلہ کدم کلاں ضلع لدھیانہ سے کیا۔ آپ وسیع المطالعہ وسیع المعلومات اور وسیع العلم شخصیت تھے۔ آپ کے بارے میں نامور صحافی سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ریاست دہلی نے ناقابل فراموش میں لکھا ہے کہ انسانوں میں اگر کوئی فرشتہ ہو سکتا ہے تو اس کا نام علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری ہو گا ریاست پٹیالہ میں چھینٹاں والا کے نام سے ایک قصبہ تھا جسے علمی دنیا میں منصور پور کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اسی قصبہ کو قاضی صاحب کی جنم بھومی ہونے کا فخر حاصل ہے اور سچی بات یہ ہے قاضی محمد سلیمان ایسے باکمال شخصیت کی وجہ سے منصور پور کو عالمی شہرت ملی۔ قاضی صاحب نہایت پرہیزگار' متقی' صاحب علم و آگہی' مخلص' متوازن' متواضع' بااخلاق' باکردار' بے ضرر' عابد' ذاکر' شاکر اور شب زندہ دار شخصیت تھے اگر یہ کہا جائے کہ قاضی

صاحب باکرامت ولی تھے تو کوئی مبالغہ نہیں ہو گا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے آغاز سے لے کر تادم واپسیں اس کے رکن رکین رہے۔ ہندوستان کے ممتاز اہل علم اور نامور شخصیتوں سے انہیں خوب شناسائی حاصل تھی وہ علم پرور، علم نواز، علم شناس، صاحب تحقیق اہل علم تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے شعر کہنے کا بھی ملکہ عطا فرمایا تھا۔ وہ سخن فہم، سخن شناس اور سخن ور انسان تھے۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری" ریاست پٹیالہ میں سیشن جج کی حیثیت سے مختلف شہروں میں ان کا تبادلہ بھی ہوا۔ پٹیالے کے مسلم اور غیر مسلم تمام افسران میں مہاراجہ کے سب سے بااعتماد افسر علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری تھے۔ مہاراجہ پٹیالہ کا کثرت سے شادیاں کرنے کا ذوق تھا ہر شادی کے بعد ان کی روایت یہ تھی کہ پٹیالہ کے ہر گھر تک بلا امتیاز مذہب و عقیدہ ایک ایک کلو مٹھائی پہنچائی جاتی چنانچہ کئی روز پورے سرکاری اہتمام سے باجماعت طریق سے مٹھائی تیار کی جاتی۔ عموماً" اس کی نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے سپرد ہوئی۔ اگرچہ بعض سکھ سردار اپنے حسد و بغض سے باز نہیں آتے تھے اور بسا اوقات مہاراجہ سے شکوہ و شکایت بھی کرتے۔ لیکن مہاراجہ کے اعتماد کو ان کی کوئی سازش متزلزل نہ کر سکی۔

مٹھائی کی تیاری کے موقع پر نماز کے اوقات میں قاضی صاحب قریبی مسجد میں نماز باجماعت ادا کرتے تھے۔ وہ چونکہ عابد اور زاہد تھے اس لئے نماز میں کافی وقت صرف ہو جاتا۔ معاصر سکھ افسروں نے مہاراجہ سے شکایت کی کہ قاضی صاحب اپنے فرائض کی نگرانی میں کافی عرصہ غائب رہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسے وقت میں مہاراجہ کو وہاں آنے کی تکلیف دی جب کہ قاضی صاحب نماز پڑھنے کے لئے گئے ہوئے تھے۔ مہاراجہ نے دریافت کیا کہ قاضی صاحب اتنی دیر کہاں رہے؟ قاضی صاحب نے جواباً" فرمایا آپ سے بڑی سرکار بلکہ سب سرکاروں سے بڑی سرکار کے دربار میں حاضری تھی اس لئے اس دربار سے میں

یونہی نہیں آسکتا یعنی میں نماز اور عبادت کے وقت میں کسی قیمت تاخیر نہیں کر سکتا۔ مہاراجہ نے کہا کہ آپ یہاں نماز باجماعت پڑھ لیا کریں۔ فرمایا منظور ہے چنانچہ آپ نے مسلمان کارکنوں کو اکٹھا کیا اور کہا کہ ہم یہیں اذان دیا کریں گے اور نماز باجماعت ادا کیا کریں گے۔ جب آئندہ نماز کا وقت آیا تو وہاں باآواز بلند اذان کہی گئی اور قاضی صاحب نے امامت کروائی۔ اب سکھ سرداروں نے مہاراجہ سے کہا کہ ہم ہانکتے گئے۔ لہذا آپ قاضی صاحب سے کہیں کہ وہ اپنی نماز مسجد میں ہی ادا کریں۔ ان کا یہاں نماز ادا کرنا ہمارے لئے ذہنی کوفت کا باعث ہے۔ قاضی صاحب کی پوری سروس دیانت تقویٰ اور عدل و انصاف کی منہ بولتی تصویر تھی عصبیت' تنگ ظرفی' بدمزاجی اور ناشائستگی کی ان کی طرف نسبت کرنا بھی ارتکاب کبیرہ سے کم نہیں۔ غازی محمود دھرم پال کو بندہ نے حضرۃ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم کی مجلس میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں عبدالغفور سے دھرم پال بنا کوئی مسلمان عالم میرے سامنے آنے کا یارا نہیں رکھتا تھا۔ کوئی بڑی سے بڑی شخصیت میرے سامنے دم نہیں مارتی تھی۔ تمام علماء مجھ سے پٹ چکے تھے۔ لیکن ایک عالم کے اخلاق اور ایک کے اخلاص نے مجھے دوبارہ حلقہ بگوش اسلام بنایا اور میرا نام غازی محمود دھرمپال رکھا گیا۔ اس اجمال کی مختصر تفسیر یہ ہے کہ میں لدھیانہ میں بیمار ہو گیا امرتسر سے شیر پنجاب مولانا ثناء اللہ امرتسری میری عیادت کے لئے لدھیانہ پہنچے اور واپسی کے وقت نہایت خاموشی سے میرے تکیہ کے نیچے پانچ صد روپے رکھ گئے۔ میں نے اسلام کے بارے میں ایک سوال نامہ علمائے کرام کو بھیجا۔ ان میں علامہ قاضی محمد سلیمان منصورپوری بھی شامل تھے کسی نے مجھے جواب نہیں لکھا۔ قاضی سلیمان منصور پوری کو جب یہ سوالات ملے تو پوری رات جاگ کر ان کے جوابات مکمل کئے۔ گھر کے عزیزوں نے کہا قاضی صاحب رات کا وقت ہے آرام فرمائیں۔ آپ نے فرمایا یہ میرا بھائی دھرم پال میرا خط جانے سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کے مسلمان نہ ہونے کی

ذمہ داری سب سے زیادہ مجھ پر عائد ہو گی۔ دوسرے دن قاضی صاحب کا مفصل جواب مجھے مل گیا۔ جس کی وجہ سے میں دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ ان کا جواب استقامت نام سے شائع ہو چکا ہے یہی دو شخصیتیں مجھے دوبارہ اسلام کے دائرہ میں واپس لائیں۔ یاد رہے کہ غازی محمود دھرم پال مشہور بزرگ سیاست دان ممبر قومی اسمبلی ایم حمزہ کی اہلیہ محترمہ غازی محمود دھرمپال کی بیٹی ہیں۔ قاضی صاحب باکرامت ولی تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ انہوں نے شعر میں پیش گوئی فرمائی کہ

تودہ خاک کو مت جانیو تربت میری
میرا مرقد میرے احباب کے سینے ہوں گے

پیش گوئی یہ تھی کہ ظاہری طور پر میری قبر نہیں ہو گی لیکن میرے احباب سینوں میں مجھ سے محبت قائم رکھیں گے۔ قاضی صاحب ۱۹۳۰ء میں دوسرے حج سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستے میں سمندر میں ان کے قفس عنصری سے روح پرواز کر گئی۔ ان کی تجہیز و تکفین اور غسل و جنازہ کے بعد ان کی میت کو سمندر کے حوالے کر دیا گیا۔ ایک مرتبہ ان کی بیٹی نے کہا ابا جان شیر دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ ہم چڑیا گھر چلیں تو آپ نے فرمایا چڑیا گھر جانے کی ضرورت نہیں اللہ تعالٰی خود اسے ہی یہاں لے آئے گا۔ چند دن گزرے قاضی صاحب نماز فجر کے بعد مصلے پر بیٹھے ذکر و اذکار کر رہے تھے کہ شور بپا ہو گیا کہ شیر پنجرے سے نکل گیا ہے۔ شیر قاضی صاحب کی کوٹھی کے قریب آیا دروازہ مقفل تھا وہ دیوار پھلانگ کر اندر آگیا اور آکر اسی پلاٹ میں آرام اور سکون سے بیٹھ گیا۔ قاضی صاحب نے آواز دے کر بیٹی کو بلایا کہ بیٹی دیکھو شیر آگیا تمام اہل خانہ اور بچوں نے شیر کو دیکھا شیر آرام سے بیٹھا رہا۔ اتنے میں شیر کو پکڑنے والے مسلح افراد بھی آپہنچے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ بھئی تم دروازے سے ہٹ جاؤ راستہ کھلا چھوڑ دو۔ پنجرے کا دروازہ کھول دو یہ خود بخود چڑیا گھر میں اپنے پنجرے میں پہنچ

جائے گا۔ چنانچہ جب دروازہ کھول دیا گیا اور پکڑنے والے راستے سے الگ ہو گئے پنجرہ کھلا ہی تھا۔ قاضی صاحب نے شیر سے کہا بیٹا ہم نے آپ کو دیکھ لیا اب خاموشی سے اپنے پنجرے میں چلے جاؤ۔ چنانچہ دنیا نے یہ منظر بھی دیکھا کہ شیر خاموشی سے اٹھا سیدھا چڑیا گھر گیا اور اپنے پنجرے میں بند ہو گیا۔

اخلاق اور تواضع کے اعتبار سے قاضی صاحب اپنے وقت کے لاثانی انسان تھے۔ وہ ہمارے بزرگ تھے۔ موضع ڈھانی سابق ریاست بیکانیر کوٹ کپورہ سابق ریاست فرید کوٹ بڈھیمال ضلع فیروز پور میں ان کی عزیز داری تھی وہ کبھی کبھی اپنے عزیزوں سے ملنے کے لئے تشریف لاتے۔ تو ان کی اخلاقی عظمت کا اندازہ فرمائیں کہ وہ اپنے غریب ترین رشتہ داروں کے ہاں بھی کھانا کھاتے اور ان کو خرچ سے باز رکھنے کے لئے پہلے ہی فرما دیتے کہ بھائی باجرے کی روٹی اور ساگ کھاؤں گا کیونکہ یہ چیزیں ہمیں شہروں میں نہیں ملتیں۔ کوٹ کپورہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت فرماتے ان کی تقریر میں ہندو اور سکھ بھی کثرت سے شامل ہوتے۔ سیرۃ النبیؐ ان کا موضوع ہوتا اس وقت جلسوں میں لاوڈ سپیکر نہیں ہوتے تھے جلسہ گاہ کے درمیان میں اسٹیج لگائی جاتی تھی۔ قاضی صاحب جب تقریر فرماتے تو ایک جگہ کھڑے نہیں رہتے تھے بلکہ چاروں طرف توجہ کرتے اور سٹیج پر گول دائرے میں آہستہ آہستہ چل کر خطاب فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک بیان فرما رہے تھے کہ چند سادہ لوح سامعین نے ایک خوش آواز مبلغ کا نام لے کر چیخنا چلانا شروع کیا کہ فلاں کی تقریر شروع کراؤ۔ قاضی صاحب مرحوم نے اس بے جا مداخلت سے بیزار ہو کر فرمایا کہ تم ڈوموں، بھانڈوں اور میراثیوں کو پسند کرتے ہو مثبت اور کام کی بات سننے کے لئے تیار نہیں آئندہ کوٹ کپورہ میں خوشی و غمی کے موقع پر ضرور آؤں گا لیکن جلسہ میں نہیں آؤں گا چنانچہ پھر وہ کبھی کوٹ کپورہ کے جلسہ پر تشریف نہیں لائے۔ معاف کرنا خوش آواز مبلغین کے سطحی انداز بیان کا مسئلہ آج کل کا نہیں ساٹھ

ستر سال پہلے کا بھی مسئلہ ہے چنانچہ امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد نے بھی ایک مقام پر لکھا ہے کہ **واعظین**' مبلغین اور قصہ گو حضرات کا تمام تر علم' تحقیق' قوت بیان قوت استدلال' فصاحت اور بلاغت گلے میں سمٹ کر رہ گئی ہے قاضی محمد سلمان منصورپوری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور محب صادق تھے۔ ان کی سیرت النبیؐ پر بین الاقوامی شہرت رکھنے والی کتاب "رحمتہ للعالمین" تین جلدوں میں سیرت پر دنیا کی منفرد کتاب ہے اس میں اختصار جامعیت' فصاحت و بلاغت تحقیق و تدقیق۔ دریا کوزے میں بند کر دیا کا مصداق ہے آپ نے یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں ڈوب کر ایسے اسلوب میں لکھی ہے کہ جو انسان اسے پڑھتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والہ و شیدا ہو جاتا ہے۔ کتاب کا یہ پہلو کتنا تابناک ہے کہ مرحوم قاضی سلیمان منصور پوری نے تورایت' اناجیل اربعہ اور ویدوں کا وسیع مطالعہ کر کے تقابلی جائزہ بھی فرمایا ہے اور ہر ہر مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی عظمتوں کو واضح فرمایا ہے۔ اس کتاب کی علمی رفعتوں' تحقیقی عظمتوں' دینی سربلندیوں اور فصاحت و بلاغت کی چاشنیوں کا اندازہ فرمائیں کہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن' جامعہ عباسیہ بہاولپور اور بہت سے ملکی اداروں نے اسے شامل نصاب کیا۔ مشہور سیرت نگار علامہ سید سلیمان ندوی نے رحمتہ للعالمینؐ کے دیباچہ میں لکھا کہ اگر یہ کتاب سیرۃ النبیؐ لکھنے سے پہلے مجھے مل جاتی تو میں رحمتہ للعالمین کے ہوتے ہوئے کسی دوسری کتاب کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔ قاضی صاحب مرحوم کے پیش نظر سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر تین کتابیں لکھنا تھیں (۱) مفصل (۲) متوسط (۳) بالکل مختصر چنانچہ سید البشرؐ کے نام سے ان کی ایک نہایت جامع اور مختصر کتاب سیرۃ پر موجود ہے جو ان کی چند تقریروں کا مجموعہ ہے۔ رحمتہ للعالمین تین اجزاء میں متوسط کتاب ہے مفصل کتاب لکھنے کا عمر نے موقعہ نہیں دیا۔ سورۃ یوسف کے موضوع پر "الجمال

والکمال" کے نام سے ان کا تفسیری شاہکار ہے جو پہلے حج کے موقع پر انہوں نے حطیم کعبہ میں بیٹھ کر لکھی۔ اس کی تاثیر اور اثر آفرینی قابل رشک ہے۔ "الھاد الی سبیل الرشاد" ان کا سفرنامہ حجاز ہے جو معلومات اور تاثیر کے اعتبار سے گنجینہ علم ہے۔ ان کی تاریخ المشاہیر بڑی قابل قدر کتاب ہے۔ بدر البدور (اصحاب بدر) کے حالات' واقعات' ان کی لاثانی تصنیف ہے۔ شرح اسماء الحسنیٰ' اصلاح باطن' تزکیہ نفس اور تصوف پر بے مثال کتابیں ہیں۔ غایت المرام فی تائید الاسلام۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے رد میں قاضی صاحب کی بہت اونچی تصانیف ہیں۔ برہان بتیبان اسلام۔ استقامت' قاضی صاحب مرحوم کی مایہ ناز تصنیفات ہیں۔ قاضی صاحب مرحوم کے والد گرامی کا نام احمد شاہ تھا۔ قاضی صاحب دو بھائی تھے۔ قاضی محمد سلیمان' قاضی عبدالرحمٰن وکیل' قاضی عبدالرحمٰن بھی وکیل ہونے کے باوصف نہایت خدا رسیدہ۔ متقی۔ پرہیزگار' قانون کے پابند اور وضع دار بزرگ تھے ان کے صاحبزادے قاضی عبدالعزیز علیگ تھے۔ محکمہ تعلیم سے وابستہ رہے۔ دیانت و تقویٰ اور خلوص و للہیت کے اعتبار سے ان کی پوری سروس ایک مثالی سروس تھی۔ قاضی عبدالعزیز صاحب نے رحمت اللعالمین کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ آجکل قاضی عبدالباقی قاضی عبدالباری' قاضی حسن ان کے جانشین ہیں۔ قاضی حبیب الرحمان ان کے بھتیجے اور قاضی عبدالرحمان وکیل کے صاحبزادے ہیں۔ جنرل عمر قاضی حبیب الرحمان کا داماد تھا۔

امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد

مولانا ابو الکلام کے والد گرامی مولوی خیر دین شدید بدعتی اور سخت بریلویانہ عقائد کے حامل تھے۔ وہ مولانا احمد رضا خاں اور مولانا بدایونی کو بھی بریلوی عقائد میں اپنے ہم پلہ نہیں سمجھتے تھے۔ نہر زبیدہ کی صفائی' حرمین کی خدمت ان کا عظیم کارنامہ ہے۔ حج کے موقع پر شیخ الکل فی الکل حضرۃ میاں سید نذیر حسین محدث

دہلوی کی گرفتاری کی سازش میں مولوی خیر دین بھی شامل تھے۔ (آزادی کی کہانی کچھ ان کی کچھ اپنی زبانی)

مولانا ابو الکلام آزاد مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ چند سال بعد کلکتہ منتقل ہو گئے۔ جنوبی ہند اور مشرقی ہند میں مولانا کے والد کے مریدوں کا وسیع حلقہ تھا۔ ایسے شدید ماحول میں مولانا نے آنکھیں کھولیں۔ مولانا خود لکھتے ہیں کہ جب میرے والد کے معتقدین فرط عقیدت میں میرے ہاتھ چومتے تو مجھے بڑی کوفت ہوتی۔ شعور و آگہی کے بعد مولانا ابو الکلام آزاد نے اپنے والد کے عقیدہ و خیال اور اپنے گھر کے متشددانہ معتقدات کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور تقلیدی بندھنوں کو توڑ کر کاروان عمل بالحدیث کے حدی خوان بن گئے۔

مولانا ابو الکلام دو بھائی تھے۔ دوسرے بھائی کا نام مولانا ابو النصر تھا۔ وہ بہت اچھے شعر کہہ لیتے تھے۔ ان کا تخلص آہ تھا۔ مولانا ابو الکلام آزاد تخلص رکھتے تھے۔ مولانا ابو الکلام بھی شروع شروع میں شعر و شاعری میں دلچسپی لیتے رہے۔ چنانچہ "پوچھی جو زمین کی کہی آسمان کی" یہ ان کا بین الاقوامی مشہور شعر ہے۔ علوم حدیث' علوم تفسیر' فقہ' اصول فقہ' تاریخ' ادبیات' علم بلاغت اور دیگر تمام علوم متداولہ پر نہ صرف ان کی وسیع نظر تھی بلکہ تمام علوم انہیں مستحضر تھے۔ مولانا جب کسی موضوع پر لب کشائی فرماتے تو معلومات کے دریا بہا دیتے۔ اور مولانا کسی موضوع کے پابند نہ تھے۔ اس طرح معلوم ہوتا کہ جس طرح علوم ان کے سامنے قطار بن کے کھڑے ہیں فصاحت و بلاغت' شوکت الفاظ' عظمت بیان' حق گوئی' راست بازی' جرات' بے باکی ان کا لازمہ حیات تھے۔ وہ زبان و قلم دونوں کے بادشاہ تھے ان سے جب کوئی بات کرتا تو ذہانت کا یہ عالم تھا کہ ایک دو فقرے سننے کے بعد مخاطب سے کہتے تم یہ کہنا چاہتے ہو۔ مخاطب حیران رہ جاتا کہ یہ مجھ سے بھی زیادہ معاملات کو سمجھتے ہیں۔ نفاست' وضعداری' رکھ رکھاؤ' کم گوئی' کم آمیزی' تنہائی پسندی' ان کے اجزائے ترکیبی تھے۔ وہ ساری

زندگی عوامی نہ بن سکے۔ یہی ان کی کمزوری تھی۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ سانچے ٹوٹ گئے جس میں ابو الکلام ایسی نابغہ عصر شخصیتیں ڈھلا کرتی تھیں۔ وہ قالب ڈھ گئے جس میں ابو الکلام ایسی عہد ساز اور عبقری زماں انسان تکمیل کے بعد منصہ شہود پر آتے تھے۔ بقول شورش کاشمیری مرحوم وہ اپنے دور میں برصغیر میں ابن تیمیہؒ کے برعکس تھے۔ اس وقت انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آزادی وطن کا مطالبہ کیا جبکہ انگریز کی حکومت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا اور آزادی وطن کا نعرہ لگانے پر زبانیں کھینچ لی جاتی تھیں۔ انگریز کے خلاف بات کرنے والوں کو تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ مولانا ابو الکلام آزاد کے انگریز کی عدالت میں انگریز کے خلاف یہ الفاظ یقیناً زندہ و جاوید حیثیت اختیار کر گئے ہیں جب انہوں نے انگریز جج کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "اے مجمع و خوش د کلاب۔ اے وزدان قافلہ انسانیت۔ تم میرے وطن کے ڈاکو اور لٹیرے ہو۔ میں تمہیں عدالت نہیں سمجھتا۔ کوئی ڈاکو لٹیرا مکان پر قبضہ کر لے تو ان سے انصاف کی امید رکھنا سب سے بڑی حماقت ہے۔ تاریخ کے سب سے ظالمانہ فیصلے عدالتوں کے کٹہرے میں ہوئے۔ میں نے ملک کی آزادی کی آگ سلگائی ہے۔ اسے کسی قیمت بجھنے نہیں دوں گا۔ اس معنی میں میں تمہارا باغی ہوں۔ اور یہ بغاوت میرا فطری حق ہے۔ جو مجھ سے کوئی چھین نہیں سکتا "فاقض ما انت قاض" تفصیلات کے لئے قول فیصل دیکھیے۔ امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد مادر گیتی ہند کے ان مایہ ناز سپوتوں میں سب سے اونچے اور قد آور ہیں جن پر تاریخ ناز کرتی ہے علم ناز کرتا ہے۔ جن کی شجاعت و بسالت کی کہانیاں جن کی جرات اور عظمت پورے عالم اسلام میں پھیلی ہوئی ہیں ابو الکلام آزاد ایسی سرآمد روزگار ہستیاں روز روز پیدا نہیں ہوتیں۔ بلکہ لیل و نہار کی لاکھوں گردشوں کے بعد عالم وجود میں آتی ہیں۔ مولانا کی شجاعت، عزم راسخ، مسلم تھا۔ ہفتہ وار الہلال اور البلاغ ٹائپ پر شائع ہوتے تھے۔ ان کے جذب و کشش کا اندازہ فرمائیں آٹھ دن کے بعد جس دن

ان کی آمد ہوتی لوگ قطاروں میں کھڑے اس کا انتظار کرتے۔ برصغیر میں کسی علمی، سیاسی اور ادبی ہفت روزے کو یہ مقام نہ مل سکا۔ مسلمان انگریز کے مظالم سے سہمے ہوئے تھے۔ پنجاب کے جاگیردار سیاسی قبرستان بنے ہوئے تھے۔ بلکہ وہ انگریز کے سر اور خاں بہادر خطاب یافتہ ہو چکے تھے۔ انگریز کی فوجی بھرتی کا زیادہ تعلق بھی شمالی پنجاب اور سکھ حضرات سے تھا۔ مولانا ابو الکلام کے الہلال اور "البلاغ" نے ان سہمے ہوئے مسلمانوں کا ڈر دور کیا اور ان کو سیاسیات کے میدان میں اتارا۔ ان میں جرات پیدا کی۔ انگریز کی جارحیت اور انگریز کے مظالم بیان کر کے ہندوستانیوں پر واضح کیا کہ جب تک تم انگریز کے خلاف منظم ہو کر محاذ آرا نہیں ہو گے تو اس وقت تک انگریز کے مظالم یونہی جاری رہیں گے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اس سترہ سالہ نوجوان نے نہ صرف ہمیں خواب غفلت سے بیدار کیا بلکہ ہمیں وہ سبق یاد دلایا جو ہم سب بھولے ہوئے تھے۔ مولانا ابو الکلام نے جہاد آزادی وطن میں اپنی زندگی کا قیمتی حصہ جیلوں میں گزارا۔ تقریباً بارہ برس سے زائد عرصہ زندان خانوں میں سنت یوسفی زندہ کرتے ہوئے بسر کئے۔ پوری سیاسی تاریخ میں مولانا کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی وہ اس ترغیب اور ترہیب کے دوران نہ بکے نہ ڈرے نہ دبے اور تلوار کی دھار پر کلمہ حق کہنے کے علمبردار تھے۔ وہ اپنی رائے اور ضمیر کی آواز کے اظہار میں کسی مصلحت، مفاد اور مفاہمت کے روادار نہ تھے۔ ان کا انداز زیست شہنشاہوں کا سا تھا۔ مگر زندگی میں بعض دفعہ عسر سے بھی دو چار ہوئے لیکن وضعداری میں کبھی فرق نہیں آیا۔ بیسوی صدی میں وہ پہلی علمی شخصیت ہیں جن کے دست حق پرست پر ایک ہزار علماء نے بیعت کی۔ شیخ الحدیث مولانا اسمٰعیل سلفی اور بطل حرمت مولانا سید داؤد غزنوی ان علماء میں شامل ہیں جنھوں نے مولانا ابو الکلام سے بیعت کی۔ اسی لئے علماء نے انہیں متفقہ طور پر امام الہند کہا۔

مولانا ابو الکلام کی پوری زندگی متحرک اور مصروف گزری۔ اگر وہ سیاسیات کی دلدل میں نہ پھنستے تو وہ ایسے علمی کارنامے انجام دیتے جن کی قیامت تک مثال پیش کرنی مشکل ہوتی۔ بایں ہمہ اپنی تمام سیاسی مصروفیات کے باوجود وہ عظیم الشان علمی کارنامے بھی انجام دے گئے۔ چنانچہ "ترجمان القرآن" دو جلدوں میں ان کا بہت بڑا علمی شاہکار ہے جس میں موصوف کے خارا شگاف قلم نے قرآن کی عظمت کا لوہا منوایا ہے۔ تذکرہ ان کا ادبی اور تاریخی شاہکار ہے غبار خاطر ان کا ادبی شاہپارہ ہے۔ کاروان خیال ان کی خط و کتابت کا مجموعہ ہے۔ حقیقت الصلوۃ' حقیقت الزکوۃ' حقیقت الحج ان کے عظمت بیان کی منہ بولتی تصویر ہیں۔ انسانیت موت کے دروازے پر ان کی زندہ و جاوید تصنیف ہے۔ مسئلہ خلافت معلومات اور دلائل کا گنجینہ ہے۔ اصحاب کہف تفسیر سورہ یوسف ان کے علم و تحقیق کا خزینہ ہے۔ مسلمان اور کانگرس ان کے زور استدلال اور معجز بیانی کا زندہ ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ ان کی بیسیوں دیگر تصانیف موجود ہیں الہلال اور البلاغ سے بیسیوں حضرات نے ان کے مضامین کو الگ الگ ناموں سے شائع کر کے خوب دولت کمائی۔ بھارت میں آپ وزیر تعلیم رہے۔ سیاسیات میں نفاق اور تضاد کے قائل نہ تھے۔ مسلک اہلحدیث سے انہیں بہت لگاؤ تھا اور پوری زندگی مسلک اہلحدیث پر عمل پیرا ہونے میں بسر کی۔ اکابر علمائے اہلحدیث سے انہیں محبت تھی۔ اپنی سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے جماعتی نظم میں وہ حصہ نہ لے سکے۔ ان کی وفات سے بھارت کی سیاسیات میں سیاسی استحکام اور سیاسی رکھ رکھاؤ نہیں آسکا۔ علم و فضل کا یہ آفتاب ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء میں دہلی میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ ان کی زندگی کے لیل و نہار ہمارے لئے مشعل راہ اور روشنی کا مینار ہیں۔

مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری

مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری جون ۱۸۶۸ء' ۱۲۸۷ھ کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد تاجر تھے۔ اور کشمیر سے ترک سکونت کر کے ۱۸۶۰ء میں امرتسر میں آبسے۔ پشمینہ کا کاروبار کرتے تھے۔ ابھی آپ زندگی کی ساتویں بہار میں داخل ہوئے کہ والد گرامی کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے۔ زندگی کی چودھویں منزل طے کر رہے تھے کہ ماں کی شفقتیں بھی جواب دے گئیں۔ آپ کے بڑے بھائی محمد ابراہیم نے آپ کو رفوگری کا کام سکھلایا۔ کیونکہ اس کے بغیر زندگی کا سلسلہ قائم رکھنا مشکل تھا۔ ویسے آپ کو حصول علم کا بے حد شوق تھا۔ رفوگری میں بھی آپ نے کمال پیدا کر لیا۔ ایک دفعہ آپ رفوگری کر رہے تھے ایک بزرگ نے آپ سے کچھ سوالات کئے جن کا آپ نے نہایت معقول جواب دیا۔ وہ بزرگ بڑے متاثر ہوئے۔ انہوں نے کہا بیٹا تمہیں علم پڑھنا چاہئے تمہارا ذہن بہت اچھا ہے۔ مولانا اس سے خاصے متاثر ہوئے اور سوچ سمجھ کر مولانا احمد اللہ مرحوم متوفی ۱۹۲۶ء کے پاس تعلیم کے حصول کے لئے حاضر ہوئے۔ مولانا احمد اللہ سے تحصیل علم کے بعد استاذ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی متوفی ۱۳۳۴ھ کی خدمت میں وزیر آباد میں چلے گئے۔ یہاں سے فراغت کے بعد شیخ الکل فی الکل حضرۃ میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی متوفی ۱۹۰۲ء کی خدمت میں دہلی میں حاضر ہوئے۔ ان کے چشمہ علم سے اپنی علمی لب تشنگیاں بجھائیں۔ وہاں سے فراغت کے بعد آپ مظاہر العلوم سہارنپور میں داخل ہو گئے پھر آپ دیو بند پہنچے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن متوفی ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کی خدمت میں دارالعلوم دیوبند میں حاضر ہوئے اور وہاں سے خصوصاً "قاضی مبارک" میر زاہد' امور عامہ' صدرا' شمس بازغہ' مسلم الثبوت' چغمینی ہدایہ اور توضیح تلویح پڑھی۔ اس میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ آپ استاذ پنجاب اور شیخ الکل سے حدیث پڑھ کر گئے تھے۔ اب مولانا محمود حسن سے حدیث پڑھی ان میں نمایاں فرق تھا اس سے

معلوم کرنے کا آپ کو بہترین موقع مل گیا۔ معقولات میں کمال حاصل کرنے کے لئے کانپور کے مولانا احمد حسن کے پاس پہنچے اور مدرسہ فیض عام میں داخلہ لیا۔ مولانا احمد حسن کی معقولات میں بڑی شہرت تھی۔ وہ حدیث بھی پڑھاتے تھے۔ وہ حنفی ہونے کے باوجود وسیع الظرف تھے عام مقلدین کی طرح وہ تنگ ظرفی کا شکار نہیں تھے۔ دارالعلوم دیو بند نے اہلحدیث ہونے کی وجہ سے مولانا امرتسری کو سند فراغت نہ دی نگینہ ضلع بجنور یو پی میں آریہ سماج نے علمائے دیو بند کو چیلنج کر دیا تو ان پر لرزہ طاری ہو گیا مولانا محمود حسن نے مولانا امرتسری مرحوم کو نگینہ آنے کی دعوت دی مولانا امرتسریؒ حسب ارشاد استاد نگینہ پہنچ گئے۔ مولانا امرتسری نے کہا کہ حضرت میرے پاس دارالعلوم دیو بند کی سند نہیں ہے اگر انہوں نے مجھ سے سند کا مطالب کیا تو میں کیا جواب دوں گا مولانا محمود حسن نے دارالعلوم سے فوراً سند منگوائی اور اس پر یہ خصوصی نوٹ بھی لکھا

"ثناء اللہ! طلباء تمہاری بہت شکایتیں کیا کرتے تھے کہ یہ اعتراضوں میں بہت زیادہ وقت ضائع کرتا ہے لیکن تمہیں خوش ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ جسے کچھ عطا فرماتا ہے اسی سے حسد بھی کیا جاتا ہے"

(سیرۃ ثنائی ص ۱۴۲)

مولانا امرتسری اپنے دور کی بڑی باکمال شخصیت تھے اللہ نے ان میں بہت بڑی خوبیاں ودیعت فرمائی تھیں۔ وہ اپنے وقت کی اہم عہد ساز شخصیت تھے للہیت و تقویٰ کے ساتھ ساتھ اللہ نے انہیں ذہانت و فطانت' برجستہ گوئی' حاضر جوابی' مضبوط حافظہ وسعت نظر دینے میں بڑی فیاضی سے کام لیا تھا۔ حسن اخلاق' حسن کردار' حسن معاملات' خوش لباس' خوش خوراک اور مہمان نوازی میں وہ ایک مثالی انسان تھے۔ مذاہب عالم پر ان کی وسعت نظر کا اندازہ اس سے فرمائیں کہ مولانا سیالکوٹی نے لکھا کہ عشاء کی نماز کے بعد اسلام کے خلاف اگر کوئی مذہب پیدا ہو جائے نماز فجر کے بعد اس کی تردید پر جسے کامل دستگاہ حاصل ہو گی وہ مولانا

امرتسری ہی ہو سکتے ہیں۔ مولانا امرتسریؒ نے بڑی بھرپور' علمی' دینی اور سیاسی زندگی گذاری۔ وہ بیک وقت مصنف' مترجم' مفسر' محدث' فقیہ' مفتی' ایڈیٹر' مناظر' مقرر' خطیب اور زعیم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے شمار اوصاف حمیدہ سے نوازا تھا وہ زندگی بھر اپنے قلم' معجز رقم سے لولو لا لا بکھیرتے رہے ان کا راہوار قلم ہر ہر موضوع پر خوب چوکڑیاں بھرتا تھا ان کے قلم نے عیسائیت و مرزائیت' بہائیت اور بابیت کے خلاف تاریخی کارنامے انجام دیئے۔ انہوں نے بدعتیوں کے خوب لتے لئے کلمہ گو مشرک مسلمانوں کے بخئے ادھیڑے۔ فضائے بسیط میں تقلید و جمود کی دھجیاں اڑائیں۔ غیر مسلم زبان درازوں کا ان کی قبروں تک تعاقب کیا چنانچہ تقریباً ڈیڑھ صد کے قریب ان کی چھوٹی بڑی کتابوں کی تعداد موجود ہے قرآن کی تفسیر کے موضوع پر ان کی سات تصنیفات عالمی شہرت پا چکی ہیں خصوصاً" تفسیر ثنائی اردو (۲) تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن عربی (۳) آیات متشابہات (۴) بیان القرآن علم البیان عربی (۵) تفسیر بالرائے عربی (۶) برہان التفاسیر بجواب سلطان التفاسیر اردو (۷) تشریح القرآن اردو' تردید عیسائیت میں چھ۔ تردید آریہ سماج میں ۳۲۔ تردید قادیانیت میں ۳۶۔ تردید تقلید و جمود میں گیارہ۔ اہلحدیث کی حمایت میں پانچ۔ مختلف مذاہب پر تنقید میں دس۔ اصلاح عامتہ المسلمین میں نو۔ علمی و ادبی موضوع پر پندرہ کتابیں لکھ چکے تھے۔ علاوہ ازیں ان کی اور بھی کئی کتابوں کا وجود ملتا ہے۔ مولانا امرتسری اپنے وقت کے نہ صرف بہت بڑے مناظر تھے بلکہ اس فن کے امام تھے ان کی زندگی میں کوئی ان سے آمنے سامنے ہونے کی جرات نہیں کرتا تھا۔ ان کے مناظرے کا تعلق کسی خاص موضوع سے نہیں تھا بلکہ وہ ہمہ جہتی مناظر تھے عیسائیت' مرزائیت' آریہ سماج' ہندومت' رافضیت' بدعتی وہ ہر موضوع پر رئیس المناظرین تھے عام مذاکرات اور مباحث کے علاوہ ساٹھ کے قریب ان کے وہ عظیم الشان مناظرے ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں اور اہلحدیثوں نے انہیں بالاتفاق شیر' پنجاب فاتح قادیان اور سردار

اہلحدیث کے لقب سے ملقب کیا ہے انہوں نے ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر ماہنامہ مسلمان اور مرقع قادیانی کے نام سے رسائل و جرائد جاری کئے جن کے ذریعے زندگی بھر اسلام کا دفاع' دین کی سربلندی اور کفر و ضلالت کا تعاقب کرتے رہے ملک کی آزادی اور سیاسیات میں ان کا کردار مثالی تھا۔ ذاتی طور پر وہ نہایت باکردار' بااخلاق' مہمان نواز' متقی' پرہیزگار' وسیع الظرف' دیانت و امانت کے پتلے اور خلوص و للہیت کے مجسمہ تھے۔ دین کے دفاع کے لئے انہوں نے پنجاب اور یو پی میں مولانا سید عبدالرحیم شاہ لکھو والے" مولانا نور حسین گرجاکھی" مولانا احمد دین گکھڑوی" علامہ محمد یوسف کلکتوی' ملک عبدالعزیز ملتانی" مولانا عبداللہ ثانی" مولانا ابو القاسم بنارسی" مولانا ابو مسعود بنارسی" ایک ٹیم تیار کر دی تھی ان کی صداقت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ مرزا غلام احمد نے ان سے یک طرفہ طور پر اشتہار کے ذریعہ سے دعائے مباہلہ کی اور خدا کے ظہور التجاء کی کہ یا اللہ ثناء اللہ کی تکذیب و تردید سے تنگ آگیا ہوں اگر تیرے نزدیک میں سچا ہوں تو مجھ سچے کی زندگی میں ثناء اللہ کو ذلت کی موت عطا کر اور اگر ثناء اللہ سچا ہے تو مجھے ذلت و رسوائی کی موت سے دو چار کر دے۔ دنیا جانتی ہے کہ اللہ تعالی نے سچے کی زندگی میں جھوٹے کو عبرتناک موت عطا فرمائی یعنی ۱۹۰۸ء میں مرزا غلام احمد قادیانی برانڈرتھ روڈ لاہور احمدیہ بلڈنگ میں اپنے ایک عزیز کے گھر میں مرض اسہال سے لیٹرین میں فوت ہوا جبکہ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری مارچ ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں فوت ہوئے۔ (الفاروق قادیان)

مولانا محمد حسین بٹالوی"

مولانا محمد حسین بٹالوی" اصلاً بٹالہ ضلع گورداسپور مشرقی پنجاب کے رہنے والے تھے ابتدائی تعلیم اپنے آس پاس کے علماء سے حاصل کی۔ تکمیل کے لئے مرکز علوم دہلی میں تشریف لے گئے۔ شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر

حسین، محدث دہلویؒ کی مسند تعلیم و تدریس بچھی ہوئی تھی مولانا بٹالویؒ صاحب نے اپنی علمی لب تشنگیاں بجھانے کے لئے حضرت میاں صاحب کے ہاں داخلہ لے لیا اور مقدور بھر اپنا کاسہ علم حضرت میاں صاحب کے فیوض و برکات اور عادم و معارف سے بھر لیا مولانا بٹالوی مرحوم کو اللہ تعالٰی نے ذہانت و فطانت' مضبوط قوت حافظہ' دینی حمیت اور مسلکی غیرت کا حصہ وافر عطا فرمایا تھا۔ کامل استاد کی تربیت اور صحبت نے انہیں چندے آفتاب اور چندے ماہتاب بنا دیا تھا۔ حالات و ظروف اور مشاہدات نے ان کے دینی شوق اور مسلک کی تبلیغ کے جذبہ کو دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ بنا دیا تھا۔ مولانا بٹالوی مرحوم جب وطن مالوف واپس تشریف لائے تو پنجاب پر تقلید و جمود' بدعات و منکرات' ضعیف الاعتقادی کا دور دورہ تھا۔ ادھر بٹالہ کے قریب قصبہ قادیاں کے مشہور ملی غدار اور انگریز کے جاسوس مرزا غلام مرتضٰی کے فرزند ارجمند مرزا غلام احمد قادیانی نے پہلے مناظر پھر مہدی زماں اور مسیح موعود کا دعویٰ کیا۔ انگریز کے منصوبے اور پروگرام کے مطابق ختم نبوت کے باب مقفل کو توڑ کر تاج ختم نبوت اپنے سر پر رکھنے کی ناکام کوشش کی۔ ہندوستان بھر میں مولانا بٹالوی مرحوم وہ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مرزا غلام احمد کو ان کے دعاوی کی روشنی میں ان پر گرفت کی ان کی ہر تحریر اور دعوے کا تعاقب کیا اور ملت کو مستقبل میں پیش آمدہ خطرات سے آگاہ کیا۔ تاآنکہ مرزا غلام احمد کو کافر قرار دینے اور ملت اسلامیہ سے خارج کرنے کے لئے مرزا غلام احمد کے خلاف ان کی تکفیر کا فتویٰ صادر فرمایا پھر اس کی تصدیق و تائید اور توثیق و حمایت کے لئے چھ ماہ گھوم پھر کر ہندوستان بھر سے مختلف مکاتب فکر کے چوٹی کے علماء سے اپنے فتویٰ کی حمایت حاصل کی یعنی مولانا بٹالویؒ کی تحریک سے ہزار علماء نے مرزا غلام احمد کو خارج از اسلام اور کافر قرار دیا۔

مولانا بٹالوی بڑی دبنگ شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کا اکثر قیام لاہور میں تھا۔ اور مسجد بھاٹی گیٹ میں آپ نے دعوت و ارشاد' وعظ و تذکیر' تعلیم و تدریس

اور مسلک کے فروغ کی تحریک شروع کی۔ پھر مسجد چینیانوالی میں منتقل ہو گئے۔ لاہور میں سب سے پہلے آپ نے ہی مسنون طور پر تراویح کا آغاز کیا۔ آپ ماہنامہ "اشاعۃ السنہ" بھی نکالتے تھے۔ علمی دنیا میں بلا تفریق و تمیز مسلک و مشرب علمائے کرام میں اس کی دھوم تھی۔ اشاعۃ السنہ میں قادیانیت کی تردید مرزا غلام احمد کی تکذیب و تکفیر' منکرین حدیث کی گرفت' بدعات و منکرات کے انسداد' تقلید و جمود کے خلاف جہاد ایسے مضامین شائع ہوتے تھے اور اکثر مضامین مولانا بٹالوی کے اپنے قلم سے ہوتے۔

تحریک جہاد اور مجاہدین کی وجہ سے اہلحدیث جبرو تشدد کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ انگریز اور ترک وہابی بمعنی باغی سمجھتے تھے۔ بدعتی اور قبور پرست لوگ وہابی کو مذہبی گالی کے معنوں میں استعمال کرتے تھے۔ مولانا بٹالوی مرحوم کی کوشش سے قانوناً" اس تنابزوا بالالقاب کو روکا گیا اور اہلحدیث کا لفظ تجویز کیا گیا۔ مولانا بٹالوی نے از راہ اخلاص یہ تحریک فرمائی ورنہ ہم تو اس تکلف کے بھی روا دار نہیں تھے۔ کوئی ہمیں وہابی کہے کوئی باغی قرار دے' کوئی اور گالی سے ہمیں موسوم کرے ہم ہر حال میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے علمبردار ہیں۔ دراصل اس کا پس منظر یہ ہے کہ بدایونیوں' رضا خانیوں اور لدھیانہ کے حنفی مولویوں نے اہلحدیثوں کا قافیہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ وہ انگریز کے لئے اہلحدیثوں کی مخبری کے فرائض انجام دے کر اپنی چاندی بنا رہے تھے۔ اہلحدیث کے لئے ہندوستان میں چلنا پھرنا دوبھر ہو گیا تھا۔ "اخراج الوہابیین عن المساجد" ایسی زہریلی کتابیں جلتی پر تیل کا کام کر رہی تھیں۔ اہلحدیث اپنوں اور بیگانوں کے مظالم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے۔ مولانا بٹالوی مرحوم نے ایک مخلص قائد کی حیثیت سے جماعتی احباب کو جبرو تشدد اور ظلم و ستم سے بچانا ضروری سمجھا۔

مولانا بٹالویؒ کے حضرۃ میاں صاحب سے بڑے مضبوط اور مخلصانہ تعلقات تھے۔ حضرۃ میاں صاحب بھی ان پر ہمیشہ شفقت فرماتے تھے۔ چنانچہ مولانا بٹالوی

کے بیٹے کی شادی میں مولانا بٹالوی کی دعوت پر حضرۃ میاں صاحب بنفس نفیس دہلی سے بٹالہ تشریف لائے اور پھر برات کے ساتھ سیالکوٹ میں تشریف لائے۔ گویا بٹالہ اور سیالکوٹ کو حضرۃ میاں صاحب کی قدم بوسی کا شرف و سعادت حاصل ہے۔

مولانا بٹالوی مرحوم زہد و تقویٰ کے درجہ کمال پر فائز تھے۔ عابد' ذاکر اور شب زندہ دار انسان تھے۔ بلکہ تہجد ہی کی حالت میں ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ ۸۵ سال کی عمر میں ۲۹ جنوری ۱۹۲۱ء کو ان کے قفس عنصری سے روح پرواز کر گئی۔ اس اعتبار سے ان کی پیدائش ۱۸۳۵ء میں ہوئی۔ جنازہ میں عام پبلک کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کا جم غفیر بھی شامل تھا۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بٹالہ میں جا کر ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور اسی خاندانی آسودگی کی وجہ سے میٹرک کے بعد انہوں نے کالج میں داخلہ لے لیا۔ لیکن والدین کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے دو سالہ کالج کی تعلیم کے بعد کالج کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا اور دینی علوم کے حصول اور فقر و فاقہ کی زندگی پسند فرمائی۔ ابتدائی تعلیم مولانا غلام حسن تلمیذ رشید حضرۃ میاں صاحب سے حاصل کی۔ پھر شیخ پنجاب حضرت مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ وہاں سے فراغت کے بعد مرکز علوم و فنون دہلی کا رخ کیا۔ اور شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر حسین سے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ محنت اور کوشش سے ان کے فیضان سے خوب استفادہ کیا۔ فراغت کے بعد جب گھر تشریف لائے تو ماہ رمضان کا چاند نظر آنے والا تھا۔ والدہ مرحومہ نے فرمایا کہ ابراہیم جی چاہتا تھا کہ اس سال آپ کے پیچھے تراویح پڑھوں۔ لیکن آپ نے ابھی

تک قرآن یاد نہیں کیا۔ مولانا سیالکوٹی نے جواباً" عرض کیا اماں جی آپ دعا فرمائیں ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ کی تمنا اور خواہش پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ چنانچہ مثالی حافظہ کا یہ واقعہ آپ نے علمائے کرام سے سنا ہو گا کہ مولانا سیالکوٹی ہر روز ایک سپارہ یاد کرتے اور رات کو تراویح میں سنا دیتے۔ آپ نے تعلیم سے فراغت کے بعد اپنی عملی زندگی کا آغاز تعلیم و تدریس سے کیا۔ محلہ میانہ پورہ میں دارالحدیث سیالکوٹ کے نام سے دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ ہندوستان بھر سے علم کے پیاسے آپ کے پاس داخل ہوتے اور آپ سے اکتساب فیض کر کے اپنے اپنے علاقوں میں دین و ملت کی خدمات بجا لاتے۔ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کی تعلیم کا آغاز بھی مولانا سیالکوٹی سے کروایا گیا اور آپ نے وہاں فرائض تدریسی انجام دیئے اور ایک سال غالباً" وہاں تدریس فرمائی آپ کا دور دینی فتنوں' مناظروں اور مباحثوں کا دور تھا۔ انگریز کے اشارے سے عیسائی مشنریاں اور پادری اسلام کے خلاف دندناتے پھرتے تھے۔ انگریز کے اشارے سے آریہ سماجی پرچارک اسلام کے خلاف نہایت زبان دراز اور بدگو تھے۔ قادیانیت کا آغاز بھی انگریز کی سازش اور اشارے سے ہوا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری ان تمام فتنوں کے مقابلے میں کوہ استقامت بنے ہوئے تھے۔ بلکہ آپ اس عربی شعر کا مصداق تھے۔

انا صخرة الوادی اذا ما زحمت واذا نطقت اننی جوزاء

اور مولانا امرتسری کے دست و بازو مولانا سیالکوٹی" تھے۔ مولانا سیالکوٹی نے اپنی زندگی میں تمام مذاہب باطلہ سے مناظرے' مباحثے جاری رکھے۔ مولانا سیالکوٹی اور مولانا امرتسری زندگی بھر دو بھائیوں کی طرح رہے۔ خیبر سے لے کر راس کماری' لاہور سے لے کر مدراس' سیالکوٹ سے لے کر کراچی اور دلی سے لے کر رنگون برما تک آپ کا تبلیغی میدان تھا۔ جس سٹیج پر بھی یہ دونوں شیر بے تاج بادشاہ دشمنان اسلام اور فرق باطلہ کو دھاڑتے کسی کی مجال تھی کہ وہ سامنے آکر

بات کر سکے۔ مولانا سیالکوٹیؒ نے سیالکوٹ سے پندرہ روزہ "الہادی" بھی جاری کیا۔ برصغیر میں مولانا سیالکوٹی پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے شعبان' رمضان کی تعطیلات میں فارغ التحصیل علماء کو دورہ مضامین قرآن شروع کرایا اور اس میں آپ قرآن پاک اور حدیث رسولؐ کی روشنی میں قادیانیت' عیسائیت' آریہ سماج' بریلویت' رافضیت اور تقلید و جمود کے خلاف دورہ کرواتے۔ آپ کے تلامذہ کا حلقہ خاصا وسیع ہے۔ تفصیلات آپ ہماری کتاب سوانح مولانا میر سیالکوٹی میں ملاحظہ فرمائیں۔ سیاسیات میں مولانا سیالکوٹی بہت بھرپور اور بہت پرجوش تھے۔ مولانا سیالکوٹی بابائے ملت بانی پاکستان کے رفقاء میں سے تھے۔ مسلم لیگ کے سٹیج سے مولانا سیالکوٹی نے ملک کی آزادی کے لئے قابل فخراور قابل رشک خدمات انجام دیں۔ آپ نے قریبا" ہر ہر موضوع پر قابل قدر تصنیفی و تالیفی کام کیا۔ مولانا سیالکوٹی نے بہت سی کتابیں تالیف فرمائیں خصوصا" (۱) واضح البیان فی تفسیر سورۃ الفاتحہ (۲) تائید القرآن (۳) تعلیم القرآن (۴) شہادۃ القرآن (دو اجزاء) (۵) تاریخ اہلحدیث (۶) سیرۃ مصطفیٰؐ (۷) تاریخ نبویؐ (۸) اصلاح عرب (۹) عصمت نبوت (۱۰) عصمت انبیاء (۱۱) عصمت النبیؐ (۱۲) بشارت محمدیہؐ (۱۳) مسلم الوصول الی اسرار الرسول (۱۴) الخبر الصحیح عن قبر المسیح (۱۵) فیصلہ ربانی برمرگ قادیانی (۱۶) آئینہ قادیانی (۱۷) رحلت قادیانی وغیرہ ان کی علمی یادگاریں ہیں۔

وہ صوفی کامل یعنی اصلاح باطن اور تزکیہ نفس کے مجسم تھے۔ اپنے وقت کے ولی کامل تھے۔ اسلام کا یہ نیر تاباں جنوری ۱۹۵۶ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مردم خیز خطہ سرزمین سیالکوٹ میں غروب ہو گیا۔ مولانا حافظ عبداللہ روپڑیؒ کی اقتداء میں لاتعداد علمائے کرام اور عوام نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے امیر سینٹ کے ممبر پروفیسر حافظ ساجد میر حفظہ اللہ ان کے روحانی اور نسبی جانشین ہیں۔ ان کی علوم و معارف اور تابندہ روایات کے وارث ہیں۔

محدث العصر حضرت گوندلویؒ

محدث العصر حافظ محمد گوندلویؒ جماعت کی جید' محقق' فاضل اور ممتاز محدثین میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے۔ آپ نے اپنی تعلیم و تدریس کا آغاز امرتسر کے غزنوی علماء سے کیا۔ مزید تکمیل کے لئے مرکز علوم و فنون دہلی میں تشریف لے گئے۔ وہاں کے جید علمائے کرام اور فضلائے عظام سے اکتساب فیض کیا۔ دہلی کے مشہور منطقی' فلسفی' حنفی علماء سے علوم عالیہ و آلیہ حاصل کئے اور وہیں مشہور طبی شریفی خاندان کے عظیم وارث مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل سے طب کی تکمیل کی۔ پھر گوندلانوالہ میں آکر تدریس و تعلیم کا آغاز کیا۔ گوجرانوالہ کے مدرسہ محمدیہ میں بھی ایک عرصہ تک دینی و علمی فیوض و برکات پھیلاتے رہے۔ دو برس جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن (جو اس وقت اوڈانوالہ میں تھی) میں بھی بطور شیخ الحدیث اپنا علمی فیضان عام کرتے رہے۔ کئی سال جامعہ دارالسلام عمر آباد مدراس جنوبی ہند میں گزارے۔ قیام پاکستان کے بعد درس اعظم کے نام سے گوجرانوالہ میں دینی درسگاہ کی طرح ڈالی۔ جہاں مختلف مدارس کے فضلاء حضرت حافظ صاحب سے اپنی علمی لب تشنگیاں بجھانے کے لئے حاضر ہوتے۔ پھر مدرسہ اسلامیہ چاہ شاہاں میں حاجی محمد ابراہیم کی درخواست پر تشریف لائے اور کئی سال تک حضرت حافظ صاحب کی وجہ سے وہ فاضل علماء اور طلباء کا مرکز بنا رہا۔ جامعہ سلفیہ کے قیام کے بعد مولانا سید داؤد غزنویؒ نے حاجی محمد ابراہیم انصاری سے خدا کے نام پر محدث العصر حضرت حافظ صاحب گوندلوی کی خدمات مانگیں حاجی ابراہیم نے از راہ اخلاص و اخلاق مولانا غزنویؒ کی بات مان لی۔ حضرت حافظ صاحب جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں تشریف لے آئے اور کئی سال یہاں اپنے علمی فیوض و برکات سے اہل علم کو متمتع کیا لیکن بعض منتظمین کے حسن سلوک کی وجہ سے جامعہ سلفیہ کو ہمیشہ کے لئے خیر آباد کہہ دیا۔ حضرت حافظ گوندلویؒ نے

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ۲ سال حدیث پڑھائی اور پورے عالم اسلام کو اپنے علم و آگہی، تحقیق و دانش، علمی فیوض و برکات اور دینی فیضان سے متمتع کیا۔ پھر جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں تشریف لے آئے۔ جامعہ محمدیہ کے منتظمین بالخصوص شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ حفظہ اللہ نے ان کی خدمت و مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا۔ بلکہ حضرت حافظ صاحب کی خدمت کو شرف سعادت سمجھا اور ان کی خدمت اور نیاز مندی کا یہ سلسلہ تادم واپسیں جاری رہا۔

پاکستان کے موجودہ علمائے کرام، مدرسین عظام، شیوخ الحدیث اور فضلاء بالواسطہ یا بلا واسطہ حافظ صاحب کے سلسلۃ الذہب کی سنہری کڑیاں ہیں۔ حضرت حافظ صاحب کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع بلکہ ہزاروں سے متجاوز ہے۔ اتنا پاکیزہ، اتنا صالح، اتنا عابد، ذاکر، اتنا متقی، خدا رسیدہ، اتنا باکمال، اتنا بااصول، اتنا باوقار، شخص ان گنہگار آنکھوں نے اب تک نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلا کا حافظہ عطا فرمایا تھا۔ تمام علوم و فنون ان کو ازبر تھے۔ وہ روزانہ اخبار اس لئے نہیں پڑھتے تھے کہ ان کے حفظ کے کمپیوٹر میں محفوظ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ صحاح ستہ بالخصوص الجامع الصحیح للبخاری پر ان کو اتنا عبور اور استحضار تھا کہ وہ اس قدر شرح صدر سے پڑھاتے اور اس پر اس قدر مدلل اور فاضلانہ بحث کرتے اور معترضین کے از خود اس قدر مدلل جواب دیتے کہ سوال و اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہ رہتی۔ ان کے فیضان سے وہ طالب علم صحیح استفادہ کرتا جو باوضو ہو کر ذہنی توجہ اور بیدار ہو کر ان کی تقریر سنتا حیرت ہے کہ ہم ان علماء کو بھی جانتے ہیں جو زیادہ حصہ ان کے درس میں سو کر گزارتے تھے لیکن آجکل وہ شیخ الحدیث ہیں۔ حضرت محدث گوندلوی "خوش پوش" وضعدار بزرگ تھے وہ جب درس حدیث کے لئے تشریف لاتے تو سب سے پہلے وضو کرتے پھر دو نفل پڑھتے ہمیشہ صاف ستھرا اجلا لباس پہنتے۔ سر پر ہمیشہ پشاوری لونگی کلے پر باندھ کر رکھتے، ہمیشہ گرمی

سردی کی شیروانی پہن کر آتے صاف ستھری شلوار اور قمیص پہنتے ان کے تمکنت لباس اور انداز زیست سے عظیم اسلاف کی یاد تازہ ہو جاتی۔ کثرت تلاوت قرآن کثرت نوافل' کثرت ذکر اور شب خیزی اور تہجد ان کا زندگی بھر معمول رہے۔ مشفقانہ مسکراہٹیں ہمیشہ ان کے لبوں پر کھیلتیں کبھی ان کو غصہ اور غضبناکی میں نہیں دیکھا گیا۔ طلباء سے محبت و شفقت اپنے بچوں سے بڑھ کر کرتے شورش اور ہنگاموں سے کوسوں دور رہتے۔ خاموشی اور تنہائی کو ہمیشہ پسند کرتے وہ خوش گو اور کم گو تھے وہ کم آمیز ضرور تھے لیکن متکلفانہ زندگی کے قائل نہ تھے خلوص و للہیت' تقویٰ و طہارت' عبادت و ریاضت' ذہانت و فطانت' تعلیم و تدریس' تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کے اعتبار سے لاثانی شخصیت تھے تمام علوم عالیہ و آلیہ پر نہ صرف عبور و استحضار تھا بلکہ شرح صدر تھا اکثر اجلہ علمائے کرام محدثین عظام اور مدرسین ان سے شرف تلمذ رکھتے تھے ان کے تلامذہ کا حلقہ ہزاروں سے متجاوز تھا۔ تعلیمی و تدریسی مشغولیات کی وجہ سے وہ تالیف و تصنیف پر توجہ نہیں دے سکے تھے تاہم انہوں نے مندرجہ ذیل اعلیٰ پایہ کی کتابیں تصنیف فرمائیں۔

صلوۃ مسنونہ' التحقیق الراسخ' رد مولود موجود' رد بدعات' اثبات التوحید' معیار نبوت' سیاسی طور پر ان کا رجحان مسلم لیگ سے ہم نوائی تھا۔ تحریک پاکستان میں ان کا سیاسی کردار بہت قابل رشک تھا۔ ان کی مجلس روحانی مجلس ہوتی تھی اور شرکاء مجلس پر ان سے بہت عمدہ اثرات مرتب ہوتے تھے شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ ان کے داماد تھے ان کے روحانی فرزندوں کا شمار بالکل دشوار اور ناممکن ہے افسوس ان کے حقیقی فرزند ان کے علمی اور دینی وارث نہ بن سکے۔ اکثر مدارس میں بخاری شریف کی آخری حدیث پر ان کی عالمانہ محدثانہ تقریر ہوا کرتی تھی۔ وہ سالہا سال جامعہ تعلیم الاسلام کی بخاری کی تقریب میں تشریف لاتے اور بخاری کی آخری حدیث پر دو دو گھنٹے تقریر فرماتے تھے جمعیت طلبہ

اہلحدیث مغربی پاکستان کی ۱۹۵۶ء میں انہوں نے صدارت فرمائی تھی پاکستان اہلحدیث کانفرنس ماموں کانجن کی بھی انہوں نے صدارت فرمائی تھی مولانا محمد اسمٰعیل سلفی رحمتہ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مرکزی جمعیت اہلحدیث کے وہ امیر رہے۔ بعض بزر جمہر ان کی امارت کے خلاف سازشوں میں مصروف رہے تاآنکہ ان کی صلاح کے بغیر ان کے ایک شاگرد کو امیر بنا لیا گیا۔ جون ۱۹۸۵ء رمضان میں حضرت حافظ صاحب ملاء اعلیٰ سے جا ملے ان کی نماز جنازہ حضرت مولانا شیخ الحدیث عبداللہ حفظہ اللہ نے پڑھائی۔ دور دراز سے رمضان کے باوجود ہزاروں لوگ جنازہ میں شریک ہوئے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد اسمٰعیل سلفیؒ

مولانا محمد اسمٰعیل سلفیؒ ۱۸۹۵ء میں تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانولہ کے گاؤں ڈھونکی میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی مولانا محمد اسمٰعیل کے والد گرامی مولانا محمد ابراہیم ایک سلفی عالم دین اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ فن کتابت کے ماہر تھے۔ چنانچہ تحفتہ الاحوذی شرح جامع ترمذی مولفہ مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری مرحوم ان کی کتابت شدہ ہے۔ وہ طبیب حاذق بھی تھے۔ وہ شیخ پنجاب حضرت مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ چنانچہ مولانا محمد ابراہیم نے اپنے ہونہار بیٹے کی تعلیم و تربیت کا آغاز خود کیا۔ گھر کا ماحول بھی نہایت اچھا اور صالح تھا۔ پھر مولانا محمد اسمٰعیل کو مولانا عمر دین وزیر آبادی کے سپرد کر دیا گیا۔ مولانا عمر دین معذور تھے ورق کوٹ کر اپنی معاش اور اخراجات مہیا کرتے تھے۔ کپڑے خود اپنے ہاتھ سے دھوتے اور سارا دن تعلیم و تدریس کرتے۔ لیکن کسی سے معاوضہ و مشاہرہ ہرگز نہ لیتے۔ مولانا عمر دین سے استفادہ کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل سلفی نے شیخ پنجاب حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی کے سامنے زانوائے تلمذ طے کیے بقیہ تعلیم مولانا محدث وزیر

آبادی سے حاصل کی۔ ۱۹۶۳ء کو پہلی اہلحدیث کانفرنس ماموں کانجن کے خطبہ صدارت میں مولانا محمد اسمٰعیل سلفی نے لکھا ہے کہ ۱۴۔ ۱۹۱۳ء کو اوڈانوالہ کے تبلیغی جلسہ میں شیخ پنجاب کے خادم کی حیثیت سے میں ان کے ہمراہ آیا تھا۔ جبکہ میں ان کے یہاں طالب علم کی حیثیت سے رہ رہا تھا۔ وزیر آباد سے فراغت کے بعد آپ مرکز علم و فنون دہلی میں تشریف لے گئے۔ دہلی میں اس وقت بھی شاہ ولی اللہؒ کی جاری کردہ علمی تحریک کے اثرات و نقوش باقی تھے۔ آپ نے پھاٹک حبش خان کے نزدیک مدرسہ دینیہ میں داخلہ لیا۔ مولانا عبدالمجید عمرپوری اور دوسرے علماء سے آپ نے علم کے یاقوت و جواہر اکٹھے کئے۔ اس وقت امرتسری کی علمی مرکزیت کا بھی بہت چرچا تھا۔ اکابر خاندان غزنویہ علوم و فنون کی مسندیں بچھا کر اپنے فیوض و معارف تقسیم کر رہے تھے۔ مولانا سلفیؒ نے مولانا سید عبدالغفور غزنوی' مولانا سید عبدالرحیم غزنوی سے خوب استفادہ کیا۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی مفتی محمد حسن ان دنوں امرتسر میں تھے۔ مفتی صاحب کے علوم و فنون کی تدریس کا بڑا شہرہ تھا۔ مولانا سلفی بھی ان سے بہت متاثر تھے اور ہمیشہ ان کے ذوق سلیم شوق صحیح اور تعلیم و تدریس میں سلیقے اور قرینے کے معترف تھے۔ اسی وجہ سے فرمایا کرتے تھے۔ علوم و فنون کا ذوق مفتی محمد حسن کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ مفتی صاحب بڑے باکمال انسان تھے۔

یہی وہ ایام ہیں جب برصغیر بھر میں شیر پنجاب فاتح قادیاں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری کا نہ صرف چرچا بلکہ طوطی بولتا تھا۔ مولانا امرتسریؒ ہمہ جہتی نظر رکھتے تھے۔ اسلام کے دفاع اور دین کی سربلندی کے لئے ہمیشہ سیماب صفت رہتے تھے۔ اشاعت توحید و سنت' تبلیغ اسوۂ رسولؐ' دفاع دین' مسلک اہلحدیث کی حفاظت' احیاء اسلام کے لئے چومکھی لڑائی لڑتے تھے۔ عیسائیوں' قادیانیوں' آریہ سماجیوں' رافضیوں' بدعتیوں اور منکرین رسالت سے ہمیشہ تصادم اور آویزش جاری رہتی تھی۔ مولانا سلفیؒ مولانا امرتسری کے صاف ستھرے کردار' مشنری

جذبے' دین کے سپاہی' اسلام کے جرنیل' پنجاب کے شیر اور اہلحدیث ہونے کی وجہ سے مولانا سلفی کو ان سے بڑی محبت و عقیدت تھی۔ ان کے علمی کارناموں اور دینی خدمات سے بہت متاثر تھے۔ اور ان سے مخلصانہ عقیدت رکھتے تھے۔ ان کی خدمت و مدارات کو اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے اور ان کی طرح پوری زندگی بے لوث دین کی خدمت اور اسلام کا دفاع کیا اور مسلک محدثین کے علمبردار بن کر رہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی تعلیم و تدریس' تبلیغ و خطابت' وعظ و تذکیر' دعوت و ارشاد ہی پر قانع نہیں رہے۔ بلکہ سیاسیات کے بھاری پتھر کو اٹھانے میں بھرپور زندگی گذاری۔ ان کا سیاسی کردار بھی مثالی اور قابل رشک تھا۔ سیاسیات میں نہ وہ کسی سے ڈرے نہ جھکے نہ دبے۔ بلکہ ڈٹ کر انگریز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آزادی وطن کا مطالبہ کیا۔ سیاسیات میں مولانا سلفیؒ صاحب امام الہند مولانا ابو الکلام آزادؒ سے سب سے زیادہ متاثر تھے۔ مذہب کے نام پر بٹوارے کے مولانا سلفیؒ قائل نہ تھے۔ سیاسی طور پر مولانا نیشنلسٹ تھے۔ واقعی مذہب کے نام پر بٹوارے سے وہ جن اندیشوں کا ذکر کیا کرتے تھے حالات و ظروف اور واقعات و مشاہدات نے ان کی تصدیق کر دی۔ مذہب کے نام پر بٹوارے سے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ قتل و غارت' خونریزی اور مظالم کی ایسی داستان وجود میں آگئیں جس کے تصور سے ہی جسم لرزتا' روح تڑپتی اور دل کانپتا ہے۔ پاکستان میں مذہب اقتدار اور بدعملی کی نذر ہو گیا تھا۔ بھارت میں لادینی کے علمبردار مذہبی جنونی بن گئے۔ دونوں ہی جماعتیں اور حکمران اپنے اپنے منشور اور فلسفے سے منحرف ہو گئے۔ مولانا سلفیؒ مولانا ابو الکلام کی سیاسی بصیرت علمی بصارت کے معترف تھے اور ان کو اپنا مقتدا مانتے تھے۔

امرتسر سے فراغت کے بعد مولانا سلفی مولانا سیالکوٹی کی بارگاہ میں مزید علمی استفادے اور تکمیل کے لئے سیالکوٹ پہنچے۔ مولانا سیالکوٹی کی وسعت علم' وسعت

مطالعہ، وسعت معلومات، اسلامی غیرت، دینی حمیت، تقویٰ و طہارت، اصلاح باطن اور تزکیہ نفس میں کوئی ثانی نہیں تھا۔ مولانا سلفی کو مولانا سیالکوٹی کی شفقتیں اور توجہ شرح صدر سے حاصل تھیں۔ اور مولانا سلفی نے مولانا سیالکوٹی سے خوب اکتساب فیض کیا گوجرانوالہ میں اس وقت صرف دو مسجدیں تھیں۔ ایک حاجی پورہ میں دوسری چوک نیائیں میں۔ چوک نیائیں میں چھوٹی سی مسجد تھی۔ مولانا علاء الدین اس کے خطیب تھے۔ مولانا علاء الدین بوڑھے اور کمزور ہو گئے۔ گوجرانوالہ کی جماعت چند نفوس پر مشتمل تھی۔ وہ وفد کی شکل میں مولانا سیالکوٹی کے پاس گئے اور گوجرانوالہ کے لئے مولانا سلفی کا مطالبہ کیا مولانا سلفی کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ مولانا سیالکوٹی نے وفد کا مطالبہ مان لیا اور مولانا سلفی کو ہمراہ لے کر بنفس نفیس گوجرانوالہ تشریف لائے اور احباب جماعت سے کہا کہ تمہیں ہیرا اور ایک لعل دے رہا ہوں اس کی حفاظت کرنا اسے ضائع نہ کرنا۔ مولانا سلفی سے کہا کہ مادی مفادات اور مالی فوائد کے پیش نظر کبھی گوجرانوالہ کو نہ چھوڑنا۔ گوجرانوالہ کی جماعت مستحق تبریک ہے۔ جنہوں نے اس لعل و گوہر کی اپنی جان سے زیادہ حفاظت کی۔ مولانا سلفی بھی مبارکباد کے حقدار ہیں کہ برصغیر کے مختلف شہروں سے بڑی بڑی مالی اور مادی پیشکشیں ہوئیں حتیٰ کہ سعودی حکومت نے شیخ محمد نصیف کے ذریعے آپ کو وہاں بلانا چاہا لیکن تقویٰ اور بے نیازی کے اس پہاڑ نے کسی عظیم سے عظیم پیش کش کو کبھی درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ بلکہ ہر حال میں گوجرانوالہ کے قیام کو ہی قائم رکھا۔ یہ کتنی قابل قدر اور قابل فخریات ہے کہ جب مولانا سلفی گوجرانوالہ میں تشریف لائے تو اہلحدیث کی دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں تھیں اور جب اس جہان رنگ و بو سے عالم جاودانی کو سدھارے یعنی فروری ۱۹۶۸ء میں اس جہاں میں تشریف لے گئے جہاں سے کوئی کبھی واپس نہیں آیا تو پچاس مساجد میں خطبہ جمعہ ہوتا تھا۔ گویا مولانا سلفی نے گوجرانوالہ میں زندگی کی ۴۷ بہاریں گزاریں اور ہر سال ایک مسجد

بنوائی۔ حالانکہ اس وقت دولت کی ریل پیل اس قدر نہ تھی۔

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ اس قافلہ حریت کے سالار تھے جن کا خمیر انگریز سے نفرت پر اٹھایا گیا تھا۔ مولانا سلفی کو انگریزوں سے ان کے ہم نواؤں اور ان کے حامیوں' خان بہادروں اور اس کے ذلہ خواروں سے شدید نفرت تھی۔ مولانا سلفی ظاہرا باطنا" بدیشی حکمرانوں کے خلاف شمشیر برہنہ تھے۔ ان کی زبان اور ان کا قلم ہمیشہ فرنگی سامراج کے خلاف مصروف جہاد رہا۔

مولانا سلفی صاحب نے سید محمد شریف شاہ کریالوی کے مشورے سے گوجرانوالہ میں دینی مدرسہ کی ابتدا جامعہ محمدیہ سے کی جس میں درج ذیل علماء فارغ ہوئے مولانا محمد حنیف ندوی' مولانا حکیم عبداللہ نصر' مولانا حافظ محمد اسماعیل ذبیح' مولانا محمد رفیق مدہوریؒ' مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالویؒ' مولانا حافظ محمد بھٹوی' مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی' مولانا معین الدین لکھنوی' مولانا محمد سلیمان کیلانی' مولانا محمد اسحاق بھٹی' مولانا محمد افضل فرید کوٹی' مولانا خالد گرجاکھی' اسی دبستان سلفی کے وگلہائے رنگا رنگ ہیں۔ سیاسی طور پر مولانا سلفی جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کے رکن تھے۔ جماعتی طور پر آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس سے ہمیشہ وابستہ رہے اور ان کی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ قیام پاکستان کے بعد مہاجرین اور مظلومین کی بڑی مدد کرتے رہے اور مہاجر خاندانوں کو آباد کرنے میں نہایت اچھا کردار ادا کیا۔ مولانا سلفی تدریس' تقریر اور تحریر پر یکساں قدرت رکھتے تھے۔ نہایت اعلیٰ درجے کے متوازن خطیب تھے۔ ہندوستان عموما" پاکستان خصوصا" ان کی علمی تبلیغی جولان گاہ تھا۔ متانت' سنجیدگی اور علمی ظرافت ان کے خصوصی اوصاف تھے۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے فروغ و استحکام میں انہوں نے اپنی ہڈیوں کا تیل مہیا کیا۔ جامعہ سلفیہ مولانا محمد حنیف ندوی کا تخیل تھا۔ لیکن اس کی تعمیر و ترقی میں مولانا سلفی کی مخلصانہ مساعی سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی۔ مولانا سلفی نے بڑی بھرپور اور مصروف زندگی گزاری۔ مراسلات کے

جوابات میں مولانا کا کوئی ثانی نہیں۔

مولانا فتویٰ مختصر مدلل اور جامع لکھا کرتے تھے۔ افسوس مولانا اپنی زیادہ مصروفیات کی وجہ سے تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے بایں ہمہ جو کچھ لکھا خوب لکھا اور بہت عمدہ لکھا۔ (۱) سبع معلقہ کی شرح (۲) مشکوۃ المصابیح کا اردو ترجمہ و تشریح (۳) اسلامی نظام کا مختصر خاکہ (۴) امام بخاری کا مسلک (۵) رسول اللہ کی نماز ان کے تصنیفی شاہکار ہیں۔ الاعتصام میں فکر محدثین' فکر ولی اللهی پر ان کے متعدد مضامین شائع ہوتے۔ جنہیں مولانا محمد حنیف یزدانیؒ مرحوم نے تحریک آزادی فکر شاہ ولی اللہ کے نقطہ نظر سے کے زیر عنوان مرتب کر کے شائع کر دیئے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ مولانا سلفیؒ صاحب فروری ۱۹۶۸ء کو اس جہان فانی سے انتقال فرما گئے۔

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

مولانا محمد حنیف ندویؒ

مولانا محمد حنیف ندویؒ برصغیر کی ممتاز' علمی' دینی' تحقیقی' متوازن اور ثقہ شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔ مولانا محمد حنیفؒ کا اصل وطن گوجرانوالہ شہر ہے۔ ان کی تعلیم کا آغاز بھی گوجرانوالہ میں ہی ہوا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ ان کے اجلہ اساتذہ میں سے ہیں۔ متوسط تعلیم کے حصول کے بعد مولانا ندویؒ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ بقیہ پورا نصاب ندوۃ میں پڑھا۔ ندوۃ کا وہ دور علمی شباب کا دور تھا۔ وقت کے جید اساتذہ اور اساطین علم و فضل مدرسین اپنے فیوض و برکات سے ذہین تلامذہ کے جیب و داماں بھر رہے تھے۔ مولانا ندوی نے ندوۃ میں بڑی محنت' توجہ اور یکسوئی سے حصول علم کی منزلیں طے کیں۔ مولانا ندویؒ صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلباء کو چوں چوں کا مربہ اور علمی چڑیا گھر سے تعبیر فرمایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ندوہ میں پنجابی'

سرحدی، سندھی، مدراسی، بنگالی تمام دور دراز کے علاقوں کے طالب علم داخل تھے۔ میں نے یہ سمجھا کہ ان میں رہ کر میں زبان اردو پر کامل عبور حاصل نہیں کر سکتا۔ حیدر آباد دکن، لکھنؤ اور دہلی کے اہل کمال میں اردو زبان دانی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر احساس برتری تھا۔ چنانچہ اس کا حل میں نے یوں نکالا کہ ایک ایسے ہوٹل میں مستقل اقامت اختیار کی جہاں سب سے زیادہ ادباء، شعراء، شرفاء، علماء، دانشور اور زبان دان حضرات تشریف لایا کرتے تھے۔ میری خواہش یہ تھی کہ ان اہل کمال کی مجلسوں سے استفادہ کروں اور میری اردو چوں کا مربہ کی بجائے لکھنؤ کی ٹکسالی زبان بن جائے اور مولانا ندوی بحمد اللہ اس میں خوب کامیاب رہے۔ مولانا ندوی کی گفتگو سننے والا ہر شخص انہیں لکھنوی ہی سمجھتا تھا۔ کیونکہ لباس، وضع قطع اور آداب معاشرت میں مولانا ندوی نے لکھنویت کو اپنا لیا تھا۔ موصوف عربی، اردو دونوں زبانوں کے ادیب تھے۔ درسیات پر عبور تھا۔ ذہین و فطین اور مستحضر فی العلوم انسان تھے۔ فلسفہ اسلام ان کا خصوصی موضوع تھا۔ امام شاہ ولی اللہؒ، امام ابن تیمیہؒ اور ان کے تلامذہ ابن رشدؒ، ابن خلدونؒ، امام غزالیؒ اور امام ابن حزمؒ کی مصنفات پر ان کی وسیع نظر تھی۔ ندویوں کی ایک روایت تھی کہ ندوی حضرات اہلحدیث حنفی ہونے کے ساتھ ساتھ ندوی کہلانا ہی پسند کرتے تھے۔ مولانا محمد حنیف ندوی فرزندان ندوہ میں پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے اس روایت کے خلاف بغاوت کی اور اپنے آپ کو کھلم کھلا اہلحدیث کہلایا۔ مولانا ندوی لطائف و ظرائف کے بادشاہ تھے۔ سالہا سال مسجد مبارک اہلحدیث لاہور جو طیبہ کالج اور اسلامیہ کالج لاہور کے متصل واقع ہے، میں خطبہ جمعہ اور درس قرآن دیتے تھے۔ مولانا کی اردو انتہائی شیریں اور کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی ہوتی۔ کئی سال الاعتصام کے مدیر شہیر رہے۔ پھر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے وابستہ ہو گئے۔ انہوں نے سب سے پہلے قرآن پاک کی تفسیر سراج البیان کے نام سے لکھی۔ جو کشمیری بازار سے شائع ہوئی۔

افکار ابن خلدون' افکار غزالی' سرگزشت غزالی' تعلیمات غزالی' افکار ابن تیمیہ' مرزائیت نئے زاویوں سے' ارسطو کی منطق پر ابن تیمیہ کے اعتراضات' عقلیات ابن تیمیہ' مسلمانوں کے عقائد و افکار' مسئلہ اجتہاد ۲ جلد' اساسیات اسلام' تہافت الفلاسفتہ' مطالعہ قرآن' مطالعہ حدیث' لسان القرآن اول و دوم' مکتوب مدنی ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے بانیان میں سے تھے۔ جامعہ سلفیہ کا نام ان کے تخیل کا شاہکار ہے۔ پہلی لاہور کانفرنس کے صدر استقبالیہ بھی مولانا ندوی تھے۔ امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہ اور جامعہ تعلیم الاسلام سے انہیں دلی تعلق تھا۔ پاکستان اہلحدیث کانفرنس ماموں کانجن کی دو مرتبہ صدارت فرما چکے تھے۔ ملت اسلامیہ انہیں "متکلم اسلام" کے نام سے یاد کرتی تھی۔ ملک کے اونچے علمی حلقوں میں وہ بہت متعارف تھے۔ ان کا علمی دائرہ کار بہت وسیع تھا۔ مولانا ایک عرصہ تک بیمار رہے۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ نے علاج کے لئے اپنے خرچ پر انہیں یورپ بھیجا۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں ان کی زندگی میں ایک اعلیٰ ہوٹل میں اہل علم کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں اہل کمال نے مولانا ندوی پر اپنے مقالات پیش کئے۔ جسے مولانا محمد اسحاق بھٹی نے انہیں ارمغان حنیف کے نام سے کتابی صورت میں شائع کیا۔ جولائی ۱۹۸۷ء میں یہ آفتاب علم و فضل ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی

مولانا عطاء اللہ حنیف ہماری جماعت میں جید اور محقق علماء میں سے تھے۔ مولانا کا طرز بود و باش نہایت سادہ' خوراک اور پوشاک میں بھی سادگی پسند تھے۔ گفتگو میں متانت۔ توازن اور علمی گہرائی ہوتی تھی۔ مولانا بھوجیانی نے اپنی تعلیم کا آغاز مولانا فیض اللہ خان آف بھوجیانی تحصیل ترن تارن ضلع امرتسر مشرقی پنجاب سے کیا علم کی تکمیل کے لئے گوجرانوالہ' گوندلانوالہ' لکھوکی اور دہلی کا سفر

کیا۔ استاذ العلماء محدث العصر حضرت گوندلوی" صاحب، شیخ پنجاب مولانا عطاء اللہ لکھوی"، مولانا سید عبدالغفور غزنوی، مولانا ابو السعید شرف الدین محدث دہلوی ان کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے۔ مولانا بھوجیانی نے اپنی تعلیم و تدریس کا آغاز کوٹ کپورہ ریاست فرید کوٹ مشرقی پنجاب سے کیا۔ پھر فیروز پور میں مستقل اقامت اختیار کی۔ اپنے ذوق کے مطابق تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ متحدہ ہندوستان کے وقت جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن (جو اس وقت اوڈانوالہ میں تھا) میں بھی بطور شیخ الحدیث خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۵۶ء میں جامعہ سلفیہ کی سپیشل کلاس جو لاہور میں جاری کی گئی تھی میں آپ شیخ الحدیث تھے۔ اور بخاری شریف پڑھایا کرتے تھے۔ ہفت روزہ الاعتصام ان کی بہترین علمی یادگار ہے۔ جس کے بانی آپ ہی تھے۔ ماہنامہ "الرحیق" کے ایڈیٹر تھے۔ "الرحیق" معارف اعظم گڑھ اور برہان دہلی کے مقابلہ کا مجلّہ تھا۔ کاش مولانا بند نہ کرتے تو آج وہ پاکستان کا ایک علمی، تحقیقی اور وقیع رسالہ ہوتا۔ مسائل کی تحقیق پر مولانا کی نظر وسیع تھی۔ نہایت معاملہ فہم، دور اندیش اور متحمل مزاج انسان تھے۔ نسائی پر التعلیقات سلفیہ ان کا عظیم علمی کارنامہ ہے۔ سنن ابی داؤد پر بھی تعلیقات کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ لیکن حالات و ظروف اور موانعات کی وجہ سے وہ دو پاروں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ سیرت امام شوکانی ان کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ پیارے رسولؐ کی پیاری دعائیں کو اللہ تعالیٰ نے خوب شرف قبولیت سے نوازا۔ مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم نے شیخ ابو زہرہ مصری کی محققانہ تصنیفات کا اردو ترجمہ کرا کر مکتبہ سلفیہ کی طرف سے معیاری انداز میں شائع کیا اور اردو دان حضرات کو مصری اہل کمال کے افکار سے روشناس کرایا۔ مولانا سید رئیس احمد جعفری ندوی سے تراجم کروائے گئے۔ حیات احمد بن حنبل" حیات ابو حنیفہ" حیات امام ابن تیمیہ" وغیرہ متعدد کتابیں شائع کیں اور ان پر عالمانہ اور محققانہ ذیول لکھے۔

مولانا بھوجیانی علم نواز' علم پرور اور تحقیق ذوق رکھنے والی شخصیت تھے۔ ان کی زندگی قریبا" عسر میں گزری لیکن بھوکے رہ کر بھی اعلیٰ درجے کی کتابیں خریدتے رہے۔ فیروز پور میں ان کا عظیم الشان کتب خانہ ملک کے بٹوارہ کی نذر ہو گیا۔ لیکن مہاجرت کے باوجود انہوں نے ایک عظیم الشان اور مثالی کتب خانہ جمع کر لیا۔ ان کا یہ اخلاص اس قدر دور رس اور عظیم القدر ہے کہ اللہ توفیق سے شیش محل پر جگہ لے کر سہ منزلہ عمارت بنائی پہلی منزل میں شعبہ تحفیظ القرآن اور الاعتصام کے دفاتر' دوسری منزل میں خوبصورت صاف مسجد' تیسری منزل میں شاندار لائبریری اور سکالر حضرات کے لئے پرسکون جگہ بنائی گئی۔ اس کا نام دارالدعوۃ سلفیہ رکھا گیا۔ اپنا ذاتی کتب خانہ یہاں منتقل کر دیا گیا۔ دارالدعوۃ سلفیہ نے سو کے قریب نہایت علمی اور تحقیقی کتابیں شائع کیں۔ ہفت روزہ الاعتصام بھی اسی کے سپرد کر دیا گیا۔ آجکل حافظ احمد شاکر' مولانا محمد اسحاق بھٹی' قاری نعیم الرحمٰن' اور مولانا محمد سلیمان انصاری اسی سے وابستہ ہیں۔

مولانا بھوجیانی کا تحریر' تدریس اور تقریر میں اپنا ایک منفرد اسلوب تھا۔ مولانا کا دوسرا بڑا کمال یہ تھا کہ کتابوں اور ان کے مصنفین اور ان کی اشاعت کے بارے میں انہیں جو معلومات حاصل تھیں پورے ملک میں اس باب میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ مولانا بھوجیانی مرکزی جمعیت اہلحدیث کے بانیوں میں سے تھے۔ ہمیشہ مجلس عاملہ کے رکن رہے۔ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن سے بھی انہیں تعلق خاطر تھا۔ وہ پاکستان اہلحدیث کانفرنس ماموں کانجن کی ایک کانفرنس کی صدارت بھی فرما چکے تھے۔ مولانا کی تحریریں "خیر الکلام ما قل ودل" کی آئینہ دار ہوتی تھیں۔ مولانا بھوجیانی طویل عرصہ تک بیمار رہے۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ دارالدعوۃ سلفیہ' مکتبہ سلفیہ اور ہفت روزہ الاعتصام ان کی علمی اور دینی یادگاریں ہیں اور ان کا صدقہ جاریہ ہیں۔

شیخ الحدیث مولانا نیک محمد صاحبؒ

مولانا نیک محمد کا اصلاً تعلق بڑہن نزد میرپور آزاد کشمیر سے تھا۔ مولانا نیک محمد واقعی اسم بامسمی تھے ان کی پوری زندگی کتاب و سنت کی تفسیر تھی وہ علم و فضل' تحقیق و دانش' تعلیم و تدریس' خلوص و للہیت' دعوت و ارشاد' وعظ و تذکیر' عبادت و ریاضت ہر اعتبار سے وہ عظیم اسلاف کے عظیم وارث تھے۔ حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی' مولانا سید عبدالاول غزنوی' مولانا عبدالواحد غزنوی' مولانا سید عبدالرحیم غزنوی رحمھم اللہ اور وقت کے اجلہ علماء کرام سے اکتساب فیض کیا اور حصول علم کی منزلیں طے کیں۔ تکمیل علم کے بعد مدرسہ غزنویہ امرتسر میں اپنے واجب الاحترام استاد حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنویؒ کے ارشاد پر ڈیرے ڈال دیئے تاآنکہ مولانا سید عبدالجبارؒ نے ان کو اپنی مسند کا جانشین بنایا اور فرمایا کہ نیک محمد موت سے پہلے اس مسند سے بے وفائی نہ کرنا۔ مولانا نیک محمد مرحوم نے ہر عسرو یسر میں اپنے شیخ کے ارشاد کی لاج رکھی۔ مولانا سید داؤد غزنوی کے اہتمام کے زمانہ میں بسا اوقات انتہائی مشکلات پیش آئیں۔ لیکن مولانا نیک محمد نے مدرسہ غزنویہ سے جدائی برداشت نہیں کی۔ بعض اوقات مولانا داؤد غزنویؒ کئی کئی سال کے لئے سیاسی پلیٹ فارم سے جیل چلے جاتے مدرسہ کی اقتصادی اور معاشی پوزیشن کسمپرسی کا شکار ہو جاتی اور کئی کئی ماہ تنخواہ نہ ملتی لیکن اندریں حالات مولانا نیک محمد اپنی وضع داری قائم رکھتے نہ کسی سے گلہ شکوہ کرتے نہ ادھار مانگتے بسا اوقات فاقوں سے بھی دوچار ہو جاتے لیکن مدرسہ سے جدائی کا تصور تک بھی نہ کرتے۔ مولانا محمد اسحاق چیمہ مرحوم مولانا عبدالحق صدیقی مرحوم کی روایت کے مطابق کئی ماہ تنخواہ نہ ملی دونوں بچے کالج میں پڑھتے تھے دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے مہتمم شیخ عطاء الرحمٰن نے خاصی بڑی تنخواہ کی پیش کش کر کے انہیں دہلی آنے کی دعوت دی۔ مولانا نیک محمد نے سوچا کہ ابھی مولانا غزنوی کی اسارت میں دو سال باقی ہیں۔ کئی ماہ سے تنخواہ نہیں ملی دونوں بچے کالج میں پڑھتے ہیں حاجی عطاء الرحمٰن کی پیش کش پر

غور کرنے کی ذرا سی جھلک پیدا کی کہتے ہیں کہ خواب میں حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنویؒ ملے اور انہوں نے ڈانٹ کر کہا نیک محمد میں نے تمہیں تازندگی اس مسند کا جانشین بنایا تھا اور تم دہلی جانے کا سوچ رہے جب خواب سے بیدار ہوئے اور زار و قطار رونے لگے اور خدا تعالیٰ سے تجدید عہد کیا اور پھر واقعتاً اپنے استاد کی مسند کو موت سے قبل نہیں چھوڑا مولانا نیک محمدؒ اعلیٰ درجہ کے مدرس اور بلند پایہ شیخ الحدیث اور محدث تھے ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے بڑی بڑی باکمال شخصیتیں ان کے سامنے دوزانو کر بیٹھتی تھیں۔ ان کا فیضان حدیث عام ہوا۔ بڑے عابد' ذاکر' صابر' شاکر' قانع اور شب زندہ دار انسان تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منورہ فرمائے انہیں جنت الفردوس عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ

مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی' مولانا غلام نبی سوہدرویؒ کے پوتے' شیخ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ کے نواسے' مولانا عبدالحمید سوہدرویؒ کے صاحبزادے' امام العصر مولانا حافظ محمد ابراہیم سیالکوٹی کے تلمیذ تھے بلکہ مولانا سیالکوٹی مرحوم کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ہفت روزہ جریدہ "اہلحدیث" سوہدرہ ماہ نامہ "طبی دنیا" ماہنامہ "مسلمان" سوہدرہ کے ایڈیٹر تھے۔ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور معاشی ناہمواری ان کا خاص موضوع ہوتا تھا۔ وہ تبلیغی جلسوں میں اس قسم کے عنوانات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے وہ سلجھے ہوئے بہترین مقرر تھے ان کی تقریروں میں بڑی چاشنی ہوتی تھی۔ پورا پنجاب ان کا تبلیغی میدان تھا۔ سیاسیات میں وہ اپنے استاد مولانا سیالکوٹی مرحوم کے ہمنوا تھے۔ ان کی تحریر و تقریر میں بلا کا زور اور کشش ہوتی تھی۔ سیرت ثنائی' رہبر کامل' کرامات اہلحدیث' سیرۃ ابو الکلام آزاد' حدیث کی پہلی کتاب' دوسری کتاب' تیسری کتاب ان کے قلمی شاہ کار تھے زمینداره بھی کرتے تھے۔ طب و حکمت بھی

فرماتے۔ بے شمار خلق خدا تک ان کا فیضان پہنچا۔ علم و فضل کا یہ نیر تاباں ہمیشہ کے لئے ۱۹۵۹ء میں غروب ہو گیا۔

ملک عبدالعزیز ملتانیؒ

ملک عبدالعزیز ملتانیؒ ایک کھاتے پیتے گھرانے کے چشم و چراغ تھے ان کا خاندان مولانا سلطان محمود ملتانیؒ اور مولانا عبدالحق ملتانیؒ سے بہت متاثر تھا۔ خاندان پر دین کی چھاپ نمایاں تھی۔ اسی وجہ سے ان کے مرحوم باپ نے ملک عبدالعزیزؒ کو دین کی تعلیم و تعلم کے لئے وقف کیا ملک صاحب نے مولانا عبدالتواب ملتانی مرحوم اور مولانا عبدالحق ملتانیؒ سے حصول علم کی اکثر منزلیں طے کیں۔ فنون اس وقت کے حنفی علماء سے پڑھے۔ ملک عبدالعزیز صاحب ہمارے گاؤں بڈھیمال ضلع فیروزپور مشرقی پنجاب میں تقریباً ایک سال مولانا عبدالرحمٰن بڈھیمالوی سے پڑھتے رہے۔ اس وقت کے ماحول کے مطابق ملک صاحب کا ذہنی میلان مناظرہ و مباحثہ کی طرف تھا۔ مرحوم مولانا ثناء اللہ امرتسری سے بہت زیادہ عقیدت رکھتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ میں مرد شناسی کا جوہر خدا کی طرف سے خوب ودیعت ہوا تھا۔ چنانچہ مولانا امرتسری مرحوم نے ایک ہی نظر میں ملک صاحب کو بھانپ لیا اور فیصلہ کر لیا کہ سابق ریاست بہاولپور اور ملتان ڈویژن کے لئے ملک صاحب میں فن مناظرہ کا کمال پیدا کرنا چاہئے۔ چنانچہ ملک صاحب کو شیعیت اور تقلید جامد کے خلاف آمادہ کیا گیا۔ ملک عبدالعزیز نے شیعہ کے موضوع پر شرح صدر سے تیاری کی اور اس دیار سے شیعہ مناظرین سے خوب مناظرے کئے اور ان کو ہر ہر میدان سے بھگا دیا۔ ماندلیانوالہ میں تقلید شخصی پر مولانا خیر محمد جالندھری سے بڑا معرکتہ آراء مناظرہ کیا اور میدان مارا۔ شیعہ کے موضوع پر ان کے پاس بڑا قیمتی لٹریچر تھا شیعہ کے جواب میں فیصلہ حدیث قرطاس' مسئلہ باغ فدک' فضائل خلفاء صادقین' فیصلہ نکاح ام کلثوم' اہتمام جنازہ خیر الانام' البرہان

المعقول فی بنات الرسول، اکاذیب مرزا، فیصلہ قاتلان حسینؓ، تحقیق تراویح، استیصال التقلید۔ تربیع بنات الرسولؐ خلافت صادقہ، رسالہ قراءۃ خلف الامام فیصلہ رفع الیدین فیصلہ مناظرہ رفع الیدین کتابیں لکھیں۔ آخری ایام میں دارالحدیث محمدیہ کے مہتمم بھی رہے۔ ملک صاحبؒ نے اپنا ذاتی گھوڑا تانگہ بنایا تھا اور غلہ منڈی میں آڑھت کا کاروبار بھی تھا بڑی شان سے تانگہ پر تشریف لایا کرتے تھے اپنی معاش خود اپنے ہاتھ سے پیدا کرنے کے قائل تھے۔ اکل حلال، صدق مقال، کسب کمال ان کا لازمہ حیات تھا۔ زندگی بھر چوک گھنٹہ گھر ملتان میں لوجہ اللہ خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے رہے حرص و آز اور طمع و لالچ سے ہمیشہ کوسوں دور رہے۔ اللہ تعالیٰ نے استغناء اور قناعت کی دولتیں خوب عنایت فرمائی تھیں۔ مولانا امرتسری کے تربیت یافتہ اور منظور نظر تھے۔ تقریباً ۷۰ سال کی عمر میں ۱۹۶۹ء میں وفات پا گئے۔

مولانا عبدالحق ملتانیؒ

مولانا عبدالحق ملتانی مرحوم کے والد محترم مولانا سلطان محمود، شیخ حبیب اللہ قندھاری اور شاہ اسماعیل شہید کے ملنے والوں میں سے تھے ڈیرہ اسماعیل خان کے فارانی افغان تھے۔ وہاں سے ملتان تشریف لے آئے ملتان میں سب سے پہلے مسلک اہلحدیث ان کے ذریعے پہنچا۔ مولانا سلطان محمود نے اپنے اکلوتے بیٹے مولانا عبدالحق کی تعلیم و تربیت کا آغاز خود کیا اور متوسط درجہ تک انہیں کتابیں پڑھائیں پھر مرکز علوم و فنون دہلی میں مولانا عبدالحق کو بھیج دیا۔ مولانا عبدالحق نے حضرت میاں صاحب کے مے کدہ علم سے علم کے جام خوب لنڈھائے۔ تفسیر حدیث اور فنون کی کتابیں حضرت میاں صاحب سے پڑھیں۔ حضرت میاں صاحب مولانا عبدالحق کے علم و مطالعہ، وسعت معلومات اور اصابت رائے پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ باہر سے جب کوئی استفتاء آتا تو وہ مولانا عبدالحق کے سپرد

کر دیتے کہ اس کا جواب لکھ کر لاؤ۔ چنانچہ مولانا عبدالحق اس کا جواب لکھ کر لے جاتے میاں صاحب اس پر تصدیقی دستخط ثبت کر دیتے۔ چنانچہ فتاویٰ نذیریہ میں کتنے ایسے فتوے ہیں جن پر مولانا عبدالحق کا نام لکھا ہوا ہے اور میاں صاحب نے ان کی تصدیق کی ہے مولانا عبدالحق نے دہلی سے فراغت کے بعد ملتان میں تعلیم و تدریس اور دعوت و ارشاد کا کام شروع کر دیا۔ ملتان اور بہاولپور ڈویژن میں مولانا عبدالحق کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا۔ مولنا عبدالحق بہت خوش نویس تھے۔ خطبہ جمعہ کا خلاصہ فارسی میں لکھتے اور سرائیکی میں بیان کرتے۔ نماز فجر کے بعد درس قرآن اور مغرب کے بعد درس حدیث بڑے اہتمام اور تسلسل سے جاری رکھتے۔ مولانا عبدالحق کی مساعی سے ملتان شہر اور ملتان ڈویژن میں مسلک خوب پھیلا ان کا فتویٰ بڑا جامع ہوتا تھا۔ عبادت' ذکر' تدریس' تلاوت قرآن اور مطالعہ کا تسلسل ان کا زندگی بھر کا معمول رہا۔ وہ کم گو اور پرگو تھے۔ طبعاً" خاموش اور مفکر قسم کے انسان تھے۔ حسن اخلاق' حسن کردار' حسن معاملات ان کے ماتھے کا جھومر تھا۔ زندگی کے ہر شعبہ پر حضرت میاں صاحب کی چھاپ نمایاں تھی وہ عابد' ذاکر' شب زندہ دار شخصیت تھے' چغلی' غیبت' زبان درازی' حسد' بغض' کینہ' تنگ ظرفی' اس قسم کے افعال شنیعہ سے بہت بالا تھے۔ ملتان کے مخادیم خاندان بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ اللہ انہیں غریق رحمت فرمائے وہ میاں نذیر حسین کے دبستان کے گل سرسبد تھے۔ ملتان میں ان کی علمی' دینی و مسلکی خدمات غیر فانی اور لازوال ہیں۔

امیر المجاہدین حضرت صوفی محمد عبداللہ صاحبؒ

امیر المجاہدین حضرت صوفی عبداللہ کا اصلاً تعلق وزیر آباد سے تھا وزیر آباد کے ممتاز اور معروف آسودہ حال کشمیری خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ وسیع کاروبار کرتے تھے۔ مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی کی ایک ہی ملاقات نے موصوف

کو اپنا گرویدہ بنا لیا گرمی کے ایام میں رمضان کے روزے تھے۔ روزے کی افطاری کے لئے صوفی صاحب کو مولانا فضل الٰہی اپنے ہمراہ حافظ عبدالمنان وزیر آبادیؒ کی مسجد میں لے جاتے چند ایام کی مجلس اور ہم نشینی نے صوفی صاحب کی کایا پلٹ کر رکھ دی وہ اپنے حنفی مسلک سے بیزار ہو کر کاروان عمل بالحدیث میں شامل ہو گئے اور ترجمہ قرآن شروع کیا اور ادعیہ ماثورہ کی تکمیل کے بعد چمرکنڈ مجاہدین میں ہجرت کرنے کا پروگرام بن گیا۔ گھر کے کام کاج چھوٹے بھائی کو سمجھانے شروع کئے کاروبار اور تجارت کے تمام گر اس کو سکھا دیئے بیوی سے کہا کہ میں ہمیشہ کے لئے وزیر آباد کو چھوڑنا چاہتا ہوں میرے ہمراہ جانا ہے تو تیار ہو جاؤ ورنہ تمہیں فارغ خطی دے دوں گا کیونکہ میں بیوی کا اپنے سے جدا رہنا پسند نہیں کرتا۔ اپنے والدین سے مشورہ کر کے مجھے بتلا دینا۔ بیوی نے والدین سے مشورہ کے بعد دوسری صورت پسند کی آپ اچانک ایک دن غائب ہو گئے یہ حضرت حافظ عبدالمنانؒ کے آخری ایام کی بات ہے ادھر جنگ عظیم اول کے بادل منڈلا رہے تھے سیاسی تغیرات عالم میں لحظہ بلحظہ تبدیلیاں پیدا ہو رہی تھیں جنگ عظیم اول سے دو سال قبل صوفی صاحب وزیر آباد سے مستقلاً ہجرت فرما گئے پھر پلٹ کر وزیر آباد نہیں گئے صوفی صاحب کا پہلے سلطان محمد نام تھا۔ مجاہدین میں ان کا نام عبداللہ رکھا گیا اسی نام سے وہ ملک بھر میں معروف ہوئے اور صوفی صاحب کٹھن مراحل دشوار گزار گھاٹیوں اور شدید ابتلاؤں کے بعد مولانا فضل الٰہی وزیر آبادیؒ کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جماعت مجاہدین کے لئے ملک بھر سے تعاون فراہم کرنے کا فریضہ آپ کے ذمہ لگایا گیا آپ نے بڑی ہمت مستعدی اور کمال دیانت سے اس فریضہ کو انجام دیا۔ ادھر جنگ عظیم اول کا آغاز ہو چکا تھا۔ حالات لحظہ بلحظہ بدل رہے تھے انگریز کی سی ۔ آئی ۔ ڈی بہت تیز تھی سرحد پر چیک پوسٹیں ہر نئے چہرے کی تفتیش خاصی سختی سے کر رہی تھی۔ مجاہدین خصوصاً ان کی مرکزی شخصیتوں کا ہندوستان بھر

میں گھومنا پھرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا۔ باڈر عبور کرتے وقت صوفی عبداللہ مرحوم کو متعدد بار شدید دشواریاں اور سخت پریشانیاں لاحق ہوئیں۔ ادھر مجاہدین میں بھی وہ پہلا سا نظم' مستعدی اور ولولہ تازہ باقی نہ رہا۔ صوفی صاحب مرحوم نے متعدد مجالس میں فرمایا کہ میں نے تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ سے رو رو کر یہ دعا کی کہ اے مولائے کریم میں تو ہمیشہ کے لئے گھربار تج کر آگیا ہوں واپسی کا قطعاً" کوئی ارادہ نہیں میں کوئی زیادہ پڑھا لکھا بھی نہیں ہوں۔ اے مولیٰ دین کا کام کرنا چاہتا ہوں تو میرا بازو پکڑ لے اور مجھ سے دین کا کام لے لے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے چند خواب آئے جن کی تعبیر دینی درسگاہ کا قیام و اجراء کی گئی۔ ادھر جماعت مجاہدین نے اوڈانوالہ ضلع فیصل آباد میں ایک درسگاہ کے قیام کا مشورہ دیا اور مجھ سے کہا گیا کہ تم اس کے مہتمم کی حیثیت سے ملک بھر میں پھر سکو گے اور جماعت مجاہدین کا کام بھی ہوتا رہے گا۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں غیر رسمی طور پر مدرسہ تعلیم الاسلام کا اجراء کر دیا گیا۔ ایک استاد اور چند طلباء سے اس کا آغاز کیا گیا ۱۹۳۲ء میں مسجد کے متصل دو رہائشی کمرے اور ایک لائبریری ہال تعمیر کیا گیا اور اس کو باقاعدہ دارالعلوم کی شکل دی گئی اور پھر گاؤں کے مغرب میں تالاب کے کنارے پر طلباء کی رہائش کے لئے ۱۰' ۱۵ مزید کچے کمرے بنائے گئے۔ طلباء کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی اور مواصلات یعنی آمد و رفت کی دشواریاں درپیش تھیں اسی کے حل کے لئے ماموں کانجن میں ساڑھے ۳۷ کنال زمین حاصل کی گئی جس میں جامعہ کی موجودہ عمارات واقع ہیں۔ جامعہ کی مسجد اور دیگر ضروریات کے لئے ۳۳ کنال اور زمین حاصل کی گئی ہے جس میں مسجد تعمیر ہو چکی ہے تکمیل ابھی باقی ہے بحمداللہ جامعہ تعلیم الاسلام اس وقت بین الاقوامی طور پر متعارف ہے اس کی سالانہ عظیم الشان کانفرنسیں ملک بھر میں ایک مقام رکھتی ہیں صوفی عبداللہ مرحوم ۲۸ اپریل ۱۹۷۵ء کو وفات پا گئے ان کا یہ ہلکا پھلکا سا تعارف عرض کر دیا گیا ہے "سلطان اولیاء" کے نام سے ان کی مکمل سوانح حیات زیر ترتیب

ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور توفیق سے اسے جلد از جلد منظر عام پر لانا چاہتا ہوں جامعہ تعلیم الاسلام خالص جماعتی ادارہ ہے اس پر کسی ذات اور خاندان کا ہرگز تسلط نہیں صوفی صاحب مرحوم کی دعاؤں سے یہ قیامت تک زندہ تابندہ اور درخشندہ رہے گا۔ انشاء اللہ العزیز

حافظ عبداللہ بہاولپوریؒ

حافظ محمد عبداللہ بہاولپوریؒ دراصل ڈگری (روپڑ) مشرقی پنجاب کے رہنے والے تھے ان کے والد مرحوم مولانا نور محمدؒ بڑے پارسا، متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ دین کی اشاعت اور خدمت کا جذبہ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اپنے بیٹے حافظ عبداللہؒ کی تعلیم و تربیت میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا۔ چنانچہ حافظ عبداللہ کو قرآن حفظ کرنے کے لئے کیرپورہ تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر مشرقی پنجاب میں بھیجا ادھر میٹرک کا امتحان بھی دلوایا۔ درس نظامی کی تکمیل کے لئے پھر جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن (جو اس وقت اوڈانوالہ میں تھا) میں بھیجا جہاں موصوف نے درس نظامی کا بیشتر حصہ مکمل کر لیا اور پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان نمایاں پوزیشن سے پاس کیا۔ پھر دنیوی تعلیم کے لئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں داخل کرا دیا جہاں حافظ صاحبؒ نے گریجویشن کی ڈگری اعلیٰ پوزیشن میں حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد حافظ صاحب نے ایم۔ اے کیا۔ اے سی ڈگری کالج بہاولپور میں بطور لیکچرر تقرر عمل میں آیا۔ کچھ عرصہ کے لئے مظفر گڑھ اور لیہ میں بھی تبادلہ ہو گیا پھر جلد بہاولپور واپس تشریف لائے۔ حافظ صاحب جب بہاولپور میں تشریف لائے تو اس وقت بہاولپور میں افراد اہلحدیث تو موجود تھے لیکن مسجد اہلحدیث نہ تھی۔ حافظ صاحب نے اپنے مکان کا ایک حصہ مسجد کے لئے وقف کیا اور جمعہ جماعت اور درس شروع کر دیا۔ آج اور، کل اور تبدیلیاں آتی رہیں حافظ صاحب کی تبلیغی مساعی کے اثرات و ثمرات حاصل ہونا شروع ہو گئے آہستہ آہستہ مختلف نئی آبادیوں میں

مساجد بھی بننا شروع ہو گئیں حاصل پور روڈ پر مسجد اہلحدیث ون یونٹ اور شکار پوری گیٹ میں دو عظیم الشان وسیع مساجد بن چکی ہیں حافظ صاحبؒ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو تقریباً ۱۵' ۲۰ اہلحدیث مساجد بن چکی تھیں۔ حافظ صاحب کا مظفر گڑھ اور لیہ میں جب تبادلہ ہوا تو آپ نے وہاں بھی جماعتیں قائم کیں اور اہلحدیث مسجدیں بنوائیں آپ جہاں جہاں بھی گئے وہاں وہاں مسجدیں ضرور قائم کیں۔ حافظ صاحب نہایت مخلص متقی اور اعلیٰ پایہ کے مبلغ و خطیب تھے ان کے تقویٰ اور خلوص کا ملک بھر میں اثر تھا۔ وسیع المطالعہ' وسیع العلم' وسیع التحقیق شخصیت کے حامل تھے۔ ذہانت و فطانت کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں حاضر جوابی کا ملکہ بھی خوب عطا کیا تھا۔ جہاں جاتے اور جہاں تقریر کرتے تو سوال و جواب کا موقع دیتے۔ یہی سوال و جواب سینکڑوں نوجوانوں کے اہلحدیث ہونے کا سبب بن گئے۔ حافظ صاحب اکل کھرے انسان تھے مسائل میں کوئی لچک نہ تھی گفتگو میں شیرینی' حسن اخلاق اور مضبوط گرفت ان کی شخصیت کے اجزائے ترکیبی تھے۔ متعدد رسائل ان کے قلمی شاہکار ہیں وہ سیاسیات سے الگ تھلگ تھے بہت بڑے مہمان نواز' خلیق و ملنسار' ساتھیوں اور نوجوانوں کے غمگسار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا ساری زندگی خطبے اور جلسے کے پیسے نہیں لئے وہ **ان اجری الا علی اللہ** پر عمل پیرا تھے۔ کئی سال علیل رہے لیکن دین کا کام جاری رہا۔ تقریباً چونسٹھ پینسٹھ سال کی عمر میں ۲۱ اپریل ۱۹۹۱ء کو وفات پا گئے۔

مولانا محمد اسحاق چیمہؒ

مولانا محمد اسحاق چیمہؒ کی پیدائش غالباً" ۱۹۲۱ء وفات ۲۳ مارچ ۱۹۹۳ء ہے۔ چیمہ صاحب کے والد محترم چوہدری حاکم دین چیمہؒ چک نمبر ۲۲۶/ ر۔ ب میں رہائش پذیر تھے اور اپنے علاقہ کی ممتاز شخصیت تھے۔ سکول کی ابتدائی تعلیم کے

بعد چیمہ صاحبؒ کو میرپور نزد شاہ کوٹ ایک عالم دین کے پاس بھیج دیا گیا۔ وہاں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی وہاں وزیر آباد میں مولانا عمر دین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ درس نظامی کی متوسط کتابیں پڑھیں پھر تکمیل کے لئے دارالعلوم تقویتہ الاسلام امرتسر پہنچے اس وقت دارالعلوم کے مہتمم مولانا سید داؤد غزنوی مرحوم تھے۔ شیخ الحدیث مولانا نیک محمد کا زمانہ تھا۔ باقی اساتذہ بھی یگانہ روزگار اشخاص تھے۔ مولانا اسحاق چیمہؒ ذہین و فطین ہونے کے ساتھ ساتھ بات سمجھ کر پوری دلچسپی اور شوق سے پڑھنے کے عادی تھے۔ چنانچہ وہاں سے سند فراغت حاصل کر کے گھر پہنچے لیکن شوق حصول علم ابھی تازہ تھا ادھر استاذ العلماء محدث العصر حضرت گوندلویؒ جامعہ تعلیم الاسلام میں تشریف لے گئے جو اس وقت اوڈانوالہ میں تھا۔ چیمہ صاحب علوم و فنون میں جو کمیاں محسوس کر رہے تھے حضرت محدث گوندلوی سے ان کی تکمیل کی اور صحیحین دوبارہ ان سے پڑھیں۔ امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہ مرحوم بڑے مردم شناس انسان تھے چنانچہ انہوں نے چیمہ صاحبؒ کو جامعہ تعلیم الاسلام میں مدرس رکھ لیا۔ چیمہ صاحبؒ ذہین و فطین، فصیح و بلیغ فاضل مدرس تھے تمام علوم و فنون پر انہیں عبور و استحضار تھا۔ خالق کائنات نے ان میں قوت تفہیم خوب ودیعت فرمائی تھی۔ کتابوں کے مطالعہ میں شروح و حواشی سے خوب مدد لیتے تھے خداداد قابلیت اور اپنی مسلسل محنت سے چند سالوں میں اتنی ترقی کی کہ حضرت صوفی صاحبؒ نے انہیں شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز کر دیا۔ طلباء کی تربیت ان کے مطالعہ کی نگرانی اور نظم و نسق کے استحکام کے اعتبار سے ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ بہت کم سزا دیتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اساتذہ اور طلبہ پر ان کا رعب و دبدبہ خوب قائم کیا تھا۔ چیمہ صاحب کا دور جامعہ کا سنہری دور تھا ان کے تلامذہ اکثر بہترین مدرس ثابت ہوئے ان کے تلامذہ کا حلقہ بھی خاصا وسیع تھا۔ دارالحدیث محمدیہ ملتان جامعہ سلفیہ، جامعہ تعلیمات الاسلامیہ میں بھی ان کی تدریسی خدمات سنہری حروف سے لکھی جائیں

گی۔ جامعہ تعلیم الاسلام کی منتظمہ کے سینئر رکن تھے۔ لیکن اب کئی سالوں سے نائب صدر بھی تھے جامعہ سے انہیں دلی محبت اور قلبی لگاؤ تھا وہ فرمایا کرتے تھے جب طبیعت میں تکدر پیدا ہوتا ہے تو جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن چلا جاتا ہوں تو سکون قلب کی دولت حاصل ہو جاتی ہے جامعہ کی ہمہ قسم کی پالیسیوں کی ترتیب کے وہ شاہ دماغ تھے۔ جامعہ سلفیہ کی جگہ کا حصول ان کی مساعی کا مرہون منت ہے جامعہ سلفیہ کی فیصل آباد میں تاسیس کی تحریک میں سو فیصد ان کا دخل ہے۔ ۱۹۵۷ء میں جامعہ سلفیہ تباہی کے کنارے پر پہنچ گیا۔ صورت حال اس قدر تشویش ناک ہو گئی کہ اس کا وجود خطرہ میں پڑ گیا۔ مارچ ۱۹۵۸ء سرگودھا میں مجلس شوریٰ کے اجلاس میں مولانا داؤد غزنوی صاحب کی تحریک شیخ الحدیث مولانا اسماعیل کی تائید سے جامعہ سلفیہ کی تمام تر ذمہ داری چیمہ صاحب کے سپرد کی گئیں چیمہ صاحب نے شب و روز کی محنت شاقہ مسلسل تگ و دو خداداد قابلیت و بصیرت اور نظم و استحکام کی صلاحیتوں سے جامعہ سلفیہ کو نہ صرف سنبھالا دیا بلکہ اس کو اس کی مرکزیت عطا کی۔ تعلیم اور خوراک وغیرہ میں مثالی انتظام کیا حقیقت یہ ہے کہ اس کے اصل بانی مولانا محمد اسحاق چیمہؒ ہی ہیں ان کے دور نظامت میں فارغ ہونے والے علماء بہترین مدرس اور شیوخ حدیث ہیں ان کا تیسرا بڑا کارنامہ ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد کا قیام ہے جس میں انہوں نے اپنے رفقاء مولانا عبداللہ فیصل آبادی' مولانا محمد رفیق مدنپوریؒ' مولانا عبدالغفور ناظم آبادی میاں عبدالواحد اور دیگر دوستوں کے تعاون سے محقق علماء کی ایک ٹیم تیار کی۔ مختلف مخطوطوں پر کام کیا اور نہایت علمی' تحقیقی' قدیم کتابیں شائع کر کے ادارہ کو عالمی شہرت دی۔

مولانا محمد اسحاق چیمہؒ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے بانیوں میں سے تھے پوری زندگی بھر جمعیت سے بے وفائی نہیں کی۔ مولانا سید داؤد غزنوی کا انہیں ہمیشہ اعتماد حاصل رہا۔ وہ شورائیت اور جمہوریت کے دلدادہ اور علمبردار تھے گفتگو بڑے

سلیقے اور قرینے سے کرتے وہ ہر جگہ میر محفل اور صدر مجلس کی حیثیت اختیار کر جاتے حقیقت یہ ہے کہ وہ مجلسی گفتگو کے بادشاہ تھے دیہاتیوں میں دیہاتی' علماء میں عالم۔ مجلس عاملہ مجلس شوریٰ میں کامیاب پارلیمنٹیرین تھے۔ قانون کی بات سنتے اور قانون سے بات کرتے گفتگو میں تحمل' حوصلہ' گرفت میں مضبوطی' ان کی گفتگو کا جزو اعظم تھے حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی سیاسی جماعت میں ہوتے تو سب سے بڑے پارلیمنٹیرین تسلیم کئے جاتے۔ جب کسی پر گرفت کرتے تو دلائل کے انبار لگا دیتے زود فہم دور اندیش معاملہ کی تہہ تک پہنچنے والی شخصیت تھے دینی حلقوں میں ان کی ٹکر کی شخصیت دکھائی نہیں دیتی مہمان نواز اور کارکنوں کے سرپرست تھے دینی غیرت اور مسلکی حمیت ان کی خداداد صفت تھی جرات' بے باکی' راست بازی نے ان کے تشخص کو چندے آفتاب چندے ماہتاب بنا دیا۔ ڈرنے والے' دبنے والے' بکنے والے ہرگز نہ تھے کسی کی دھونس دھاندلی' کسی کے سرمایہ دولت کی کشش انہیں کبھی جادۂ مستقیم سے نہ ہٹا سکی۔ وہ مخالف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی جرات رکھتے تھے بڑے بڑے قانون دان اور افسروں کو گفتگو میں لاجواب کر دیتے۔ ان کا سیاسی ذوق بھی نہایت صاف ستھرا اور بااصول تھا۔ اپنے جگری دوست چوہدری عزیز الدین کی خاطر کچھ عرصہ بدل نخواستہ مسلم لیگ میں بھی رہے۔ قیام پاکستان سے قبل مجلس احرار ہند میں بھی شامل ہوئے ان دنوں حکیم نور الدین اور میر عبدالقیوم ایڈووکیٹ سابق ممبر مغربی پاکستان اسمبلی مجلس احرار میں تھے۔ لیکن دراصل وہ نیشنلسٹ تھے۔ امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد سے نہ صرف متاثر تھے بلکہ انہیں اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے تھے۔ دو بار حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے تھے تقریباً نصف درجن عمرے بھی کر چکے تھے شب خیز' شب زندہ دار عابد اور ذاکر تھے۔ قرآن اور معارف قرآن پر انہیں عبور و استحضار تھا۔ ان کے درس قرآن میں بڑے علمی نکات اور خوب ربط ہوتا۔ منجھے ہوئے خطیب تھے بڑا پرکشش خطبہ ارشاد فرماتے وقت کی

پابندی کا خاص خیال رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ پیپلز کالونی میں ان کی ٹکر کا کوئی خطیب نہ تھا۔ بیسیوں دیو بندی اور سینکڑوں بریلوی ان کے دروس قرآن اور خطبات جمعہ سے متاثر ہو کر کاروان عمل بالحدیث میں شامل ہو گئے ان کی موت بھی قابل رشک تھی۔ اس سال عمرہ کرنے کے لئے راقم اور قاری حفیظ الرحمٰن تیار ہوئے اور ملنے کے لئے چیمہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بڑے آب دیدہ ہو کر حسرت سے فرمایا کہ میری بھی خواہش تھی کہ میں رمضان میں عمرہ کے لئے بیت اللہ جاؤں اور پھر واپس نہ آؤں ۲۹ ویں رات کو ان کی مسجد میں قرآن ختم ہوا فضائل قرآن اور معارف قرآن پر بڑی جاندار تقریر کی اور پھر آدھ گھنٹہ رو رو کر دعا کی۔ اے اللہ تعالیٰ رمضان جا رہا ہے کاش کہ اسی رات فوت ہو جاتا تو فضائل رمضان پا لیتا۔ قبولیت کا وقت تھا اللہ کے نیک بندے کے منہ سے نیک خواہش دعا بن کر نکلی اور بارگاہ ربوبیت میں قبولیت سے نوازی گئی۔ چنانچہ سحری کے وقت کلمہ توحید پڑھتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کر دی دوسرے روز بے شمار عوام اور سینکڑوں علماء نے رو رو کر ان کی نماز جنازہ پڑھی نماز جنازہ سے قبل چھوٹا سا تعزیتی جلسہ ہوا جس میں ان کے دوستوں نے خراج تحسین پیش کیا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ حفظہ اللہ نے پنجابی کا ایک تاریخی مصرع ارشاد فرمایا۔

ماپے تینوں گھٹ رون گے بہتے رون گے دلاں دے جانی۔

یعنی تیرے ورثاء تیری جدائی پر کم آنسو بہائیں گے لیکن تیرے رفقاء احباب تمہیں کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے راقم کی تربیت میں ان کی شفقتوں کو بہت بڑا دخل ہے حقیقت یہ ہے کہ ڈیڑھ سال گزرنے کے باوجود ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں بھولے بلکہ زندگانی کی گذرگاہوں میں کوئی موقعہ ایسا نہیں آتا جب چیمہ صاحبؒ اور ان کی صلاحیتیں یاد نہ آتی ہوں۔

میاں محمد باقرؒ

میاں محمد باقر جماعت کے ممتاز اہل علم اور بزرگ شخصیتوں میں سے تھے انہیں علم کی زیادہ تر منزلیں حافظ عبدالمنان وزیر آبادی اور غزنوی علماء سے طے کی تھیں۔ وہ کم گو' ذاکر' عابد اور شب خیز انسان تھے کثرت ذکر و اذکار۔ کثرت تلاوت قرآن اور کثرت نوافل ان کا زندگی بھر کا معمول رہا۔ خلق خدا سے ہمدردی' توحید و سنت کی اشاعت کا جذبہ قوم کی اصلاح کا ولولہ ان کا نصب العین تھا۔ تاندلیانوالہ کے قریب طور برادری کے چار دیہات کے اہلحدیث ہونے میں میاں باقر کی خدمات ہمیشہ تابندہ اور درخشندہ رہیں گی خادم القرآن والحدیث کے نام سے ایک درسگاہ بھی جاری کی علاقہ تاندلیانوالہ میں مسلک اہلحدیث کے فروغ میں میاں باقر کے کردار کو مرکزیت حاصل ہے میاں صاحب کا فیضان دور دور تک پہنچا میاں صاحب کی مجالس اور ہم نشینی دینی رنگ چڑھانے میں بڑی شہرت رکھتی تھیں۔ میاں صاحب کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔

مولانا محمد صدیق فیصل آبادیؒ

مولانا محمد صدیقؒ بلوچ برادری کے چشم و چراغ تھے موضع کرپالہ کے رہائشی تھے۔ وہ اپنی ابتدائی زندگی میں بالکل آزاد منش تھے ان کے والد سردار خان بلوچ نے ان کی آزاد منشی سے تنگ آکر ان کا بازو میاں باقر کو پکڑایا اور ان سے کہا کہ ان کو سنبھالو اور اپنا درویش بنا لو۔ ان دنوں حافظ عبداللہ بڈھیمالوی جھوک دادو میں مدرس تھے۔ درس نظامی کی متوسط کتابیں وہیں پڑھیں محدث العصر حافظ گوندلویؒ جب جامعہ تعلیم الاسلام میں تشریف لائے تو مولانا محمد صدیق' مولانا عتیق اللہ' مولانا حافظ زکریا' مولانا محمد حسین طور اور پوری جماعت جامعہ تعلیم الاسلام میں پڑھنے کے لئے آگئی اور یہیں سے تکمیل کی اور سند فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد جھوک دادو میں تعلیم و تدریس کی مسند پر جلوہ افروز ہوئے اور پھر تاندلیانوالہ میں سالہا سال درس نظامی پڑھاتے رہے خطبہ جمعہ اور درس قرآن بھی دیتے رہے۔ سالہا سال جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے شیخ الحدیث بھی رہے۔ تقریباً ۳۴ برس مرکزی جامع مسجد اہل حدیث امین پور بازار میں خطابت کے فرائض سرانجام دیئے مولانا محمد صدیق بڑی دبنگ شخصیت کے مالک تھے۔ بہت اعلیٰ درجہ کے مقرر اور خطیب تھے شیعہ کے مدمقابل بہت بڑے مناظر تھے حافظ عبداللہ بڈھیمالویؒ حافظ محمد گوندلویؒ مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ بیماری بڑھاپے سے قبل جلسوں کے روح اور جان تھے کوئی جلسہ ان کے بغیر کامیاب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اقبالیات کا ذوق بھی قابل رشک تھا۔ جا بجا علامہ اقبال کے شعر اس طرح پڑھتے جیسے کہ ہار میں نگینہ ہوتا ہے آواز میں گھن گرج' دلائل میں تسلسل' تقریر میں ضبط' مخالف پر گرفت میں مضبوطی ان کی تقریر کے اہم اجزاء تھے۔ کوئی شیعہ مناظر ان کے سامنے دم نہیں مارتا تھا۔ نکاح ام کلثوم' بنات الرسولؐ ان کی مشہور کتابیں تھیں سیاسیات میں وہ مسلم لیگی تھے۔ ۱۹۵۱ء' ۱۹۶۲ء' ۱۹۶۵ء' ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں انہوں نے بھرپور حصہ لیا مگر اپنی عدم منصوبہ بندی سے کامیابی سے کبھی ہمکنار نہ ہو سکے۔ ۱۹۸۹ء میں راقم' مولانا حافظ مقصود' مولانا محمد اسحاق چیمہ سعودی عرب گئے ہوئے تھے کہ ہمارے بعد ستمبر ۱۹۸۹ء کی ۱۴ تاریخ کو ہمیں ٹیلی فون کے ذریعے ان کی وفات کا پتہ چلا راقم اور مولانا محمد اسحاق چیمہ ان کی یادوں' ان کی زندگی کے واقعات کو یاد کر کے گھنٹوں روتے رہے۔ کیونکہ پاکستان کے بعد جماعتی زندگی میں ہمیں باہم مل جل کر کام کرنے کا موقع ملا۔

مولانا عبیداللہ احرارؒ

مولانا عبیداللہ احرار ایک انگریز دشمن خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ ان کے

والد گرامی حاجی نور محمد صراف مرحوم انگریز کے سنگین دشمن جماعت مجاہدین کی مرکزی شخصیت تھے۔ وہ زندگی بھر انگریز کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ ہم پچھلے صفحات میں ان کا مختصر ذکر کر چکے ہیں۔ مولانا عبیداللہ احرار الولد سر لابیہ کے صحیح آئینہ دار تھے۔ مولانا عبیداللہ احرار نے عنفوان شباب سے لے کر تادم واپسیں انگریز دشمن قوتوں کا ساتھ دیا۔ انگریز اور اس کے حامیوں سے زندگی بھر جہاد جاری رکھا۔ دسمبر ۱۹۲۹ئ کو مجلس احرار اسلام کا قیام عمل میں آیا تو اس انگریز دشمن اور بہادر جماعت میں شمولیت اختیار کر لی۔ ہمیشہ مجلس احرار کے اسٹیج سے انگریز کے خلاف تابڑ توڑ حملے جاری رکھے۔ کشمیر ایجیٹیشن' کپور تھلہ ایجیٹیشن' مغلپورہ ایجیٹیشن اور شہید گنج ایجیٹیشن میں قائدانہ اور بہادرانہ کردار ادا کیا۔
جنگ عظیم ثانی ۱۹۳۹ء میں انگریز کی فوجی بھرتی کے خلاف اور انگریز سے عدم تعاون کی تحریک میں سب سے پہلی قرارداد مجلس احرار نے پاس کی۔ جس کے نتیجہ میں تمام احرار لیڈر گرفتار کر لئے گئے۔ مولانا عبیداللہ احرار نے بھی بڑی استقامت اور شجاعت سے سنت یوسفی ادا کی۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۵۳ء تحریک تحفظ ختم نبوت میں فیصل آباد میں سب سے پہلی گرفتاری مولانا عبداللہ احرار اور جانباز مرزا نے پیش کی۔ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں مولانا احرار کی خدمات تاریخ کا ایک سنہری باب ہیں۔ جب احرار پر بین لگا دیا گیا تو مجلس احرار کا سیاسی گروہ نواب زادہ نصراللہ خاں اور شیخ حسام الدین کی قیادت میں سید حسین شہید سہروردی کی عوامی لیگ میں چلا گیا لیکن مولانا عبیداللہ احرار کو مولانا سید داؤد غزنوی مرحوم نے "حکماً" واپس کروایا مولانا احرار مرکزی جمعیت اہلحدیث کی عاملہ کے ہمیشہ رکن رہے۔ مولانا احرار اونچے درجے کے سیاسی مقرر تھے۔ نفاست' شجاعت' قیادت' وجاہت' خطابت' جرات' بے باکی' استقامت' تحمل' برداشت اور دیانت ان کی زندگی کے اوصاف جلیلہ تھے۔ تحریکی ذہن کے مالک تھے۔ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ ان کا زندگی بھر کا مشن رہا۔ خلوص' للہیت کا اندازہ فرمائیں کہ

فیصل ہال لائبریری اور موجودہ مہمان خانوں کو چھوڑ کر جامعہ سلفیہ کی باقی تمام عمارات مولانا عبیداللہ کی شب و روز کی مخلصانہ مساعی کی مرہون منت ہیں۔ صلہ کی تمنا اور ستائش کی پرواہ کیے بغیر مولانا عبیداللہ احرار نے فیصل آباد شہر کے مخیر دوستوں سے سیمنٹ' اینٹیں' سریا' لکڑی اور مزدوری کے مصارف کے لئے سرمایہ جمع کیا اور اسے ایک تحریک بنا ڈالا اور کبھی فیصل آباد کا گھنٹہ گھر بننے کی کوشش نہیں کی مولانا عبیداللہ احرار ذیابیطس کے مریض تھے۔ اسی وجہ سے ان کے دل پر اٹیک ہوا۔ فروری ۱۹۷۵ء کو یہ مخلص مجاہد' یہ انگریز دشمن' یہ بے باک مقرر' یہ اشجع انسان ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گیا۔

شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ ؒ فیصل آبادی

مولانا عبداللہ کے والد گرامی ۴۴۸ گ ب اور ۴۵۱ گ ب میں یکے بعد دیگرے رہائش پذیر رہے۔ مولانا عبداللہ کے والد کے گھر عموماً" بچے فوت ہو جاتے تھے۔ امیر المجاہدین صوفی عبداللہ سے بچے کے لئے دعا کروائی گئی۔ مولانا عبداللہ پیدا ہوئے۔ والدین نے صوفی صاحب مرحوم سے عقیدت کی بنا پر ان کا نام بھی عبداللہ رکھا۔ عبداللہ نے پرائمری تک گاؤں میں پڑھا۔ تھوڑے سے عرصہ کے لئے لکھوکی ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب میں گئے لیکن وہاں دل جم نہ سکا۔ پھر مولانا عبدالوہاب صدروی ملتانی کے پاس داخلہ لیا اور وہیں علم کی تکمیل کی۔ شروع سے ہی ان کا رجحان حدیث' معارف حدیث' فنون حدیث' اصول حدیث اور رواۃ حدیث کی طرف تھا۔ جیسے جیسے مطالعہ بڑھتا گیا ان کو ان علوم میں انشراح ہوتا گیا۔ تاآنکہ حدیث' اصول حدیث' رواۃ حدیث اور رجال حدیث پر انہیں مہارت تامہ حاصل ہو گئی اور اہل علم نے اس موضوع پر ان کو سپیشل اتھارٹی کا درجہ دیا سالہا سال رینالہ خورد کے قریب ایک گاؤں ا۔ آر/۱۲ میں گزارے۔ لیکن مطالعہ اور کتب خانے کی وسعت بدستور جاری رکھی ۱۹۶۰ء کے

آس پاس فیصل آباد منتقل ہو گئے اور سچی بات یہ ہے کہ فیصل آباد میں ان کی آمد سے علوم و معارف کے گنجینہ کا در کھل گیا۔ ہر سو حدیث و سنت کے چرچے شروع ہوئے۔ منٹگمری بازار میں ان کے دروس حدیث میں بے شمار خلق خدا نے استفادہ کیا اور اکثر علماء ان کے علمی فیوض و برکات سے متمتع ہوتے رہے۔ مولانا محمد اسحاق چیمہ' مولانا محمد عبداللہ' مولانا محمد رفیق مدنپوری یہ ایک تکون تھی۔ جس نے ادارہ علوم اثریہ کی شکل اختیار کر لی ادارہ علوم اثریہ اور مولانا مرحوم کی خدمات پر مختصر پہلے لکھ چکے ہیں۔ مختلف جامعات میں مولانا عبداللہ کا تقریب بخاری کے موضوع پر خطاب مسلم تھا۔ حدیث اور رجال پر ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے بانی حضرت صوفی عبداللہ سے انہیں دلی تعلق تھا اور ان سے بیعت بھی تھے۔ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کی مجلس منتظمہ کے نائب امیر تھے اور جامعہ کے لئے ہر وقت مستعد اور خدمت گذار تھے۔ کئی بار حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے تھے۔ ۱۹۸۲ء میں پاکستان اہلحدیث کانفرنس ماموں کانجن کے بعد عمرہ کرنے اور بیت اللہ میں رمضان کے روزے رکھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ رمضان کے بعد اپنے ایک عزیز کے یہاں جدہ میں آئے۔ حمام سے غسل کر کے باہر نکلے پاؤں پھسل گیا۔ گر گئے۔ ذیابیطس کے مرض کی وجہ سے کمزوری خاصی لاحق ہو گئی تھی۔ فوری طور پر ہارٹ اٹیک ہوا اور قفس عنصری سے روح پرواز کر گئی۔ بیت اللہ میں نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنت المعلی میں انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔ فیصل آباد دھوبی گھاٹ میں ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ علماء کا جم غفیر بھی اس میں شامل تھا۔ مولانا عبداللہ مرحوم علم و فضل تحقیق و دانش' زہد و ورع' خلوص و تقویٰ' سادگی اور سلیقہ کے اعتبار سے عظیم اسلاف کے عظیم وارث تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے وقت کے نابغہ تھے۔ دھیمے مزاج اور ٹھنڈی میٹھی طبیعت کے مالک تھے ہمیشہ لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی تھی علم پرور اور علم نواز تھے

ان کے اٹھ جانے سے ایک شدید علمی خلاء پیدا ہو گیا۔ فیصل آباد تھوڑے ہی عرصہ میں اساطین علم و فضل سے محروم ہو گیا۔ اب ایسی نامور شخصیتیں چراغ رخ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گی۔ ان کی عظمت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ مولانا مودودیؒ حدیث اور رواۃ حدیث کی تحقیق کے لیے ہمیشہ ان سے رجوع کرتے۔ صوفی برکت علی آف سالار والے کی مرتب شریف کے تمام اجزاء کی تخریج مولانا عبداللہ مرحوم نے کی وہ مرنجاں مرنج ہنس مکھ انسان تھے۔

علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ

علامہ احسان الٰہی ظہیر یگانہ روزگار اور عبقری زماں تھے۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت سے انہی شہادت اور حیات سرمدی مل گئی علامہ احسان الٰہی ظہیر ۱۹۴۲ء کو عدم آباد سے جہان رنگ و بو اور کارخانہ ھست و بود میں تشریف لائے۔ ان میں حافظہ اور ذہانت بلا کی تھی۔ پرائمری اساتذہ آپ کی ذہانت اور معلومات سے ہمیشہ مرعوب رہے اور آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ دینی علوم کے حصول کے لئے جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں تشریف لائے اور درس نظامی سبقاً" سبقاً" پڑھا۔ صرف، نحو، منطق، اصول حدیث اور اصول فقہ کی بنیادی کتابوں کے متون حفظ کیے۔ شیخ الحدیث مولانا ابو البرکات احمد مدراسی، محدث العصر حافظ محمد گوندلوی، مولانا شریف اللہ خان سواتی آپ کے اساتذہ میں نمایاں حیثیت کے مالک ہیں جب تک گوجرانوالہ میں پڑھتے رہے آپ کے والد گرامی حاجی ظہور الٰہی نے دو وقت کھانے اور ناشتہ کا بندوبست اپنی گرہ سے کیا۔ مزید تکمیل کے لئے مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ لیا وہاں چار سال جید اساتذہ سے تکمیل علم کی منزلیں طے کیں بحمداللہ پوری یونیورسٹی میں جہاں بائیس ملکوں کے طلباء زیر تعلیم تھے وہاں ان کی ذہانت و فطانت، وسعت معلومات، جرات اور حاضر جوابی کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی پوری یونیورسٹی میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ ایک قلمی

رسالہ کے ایڈیٹر بھی رہے۔ ایک ہی سال میں محنت شاقہ اور مصری طلباء میں رہائش کی وجہ سے عربی بول چال اور عربی زبان و بیان پر قدرت حاصل کر لی آخری سال میں فراغت سے پہلے اساتذہ چانسلر سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کے حسب ارشاد قادیانیت پر لیکچر دیئے اور پھر انہیں کتابی شکل میں مرتب کر لیا اور فراغت سے پہلے پہلے مدینہ کے ایک مکتبہ نے اسے شائع کر دیا۔ علامہ صاحب نے پاکستان آکر عظیم الشان علمی اور دینی کارنامے سرانجام دیئے۔ شیعیت ہمہ اقسام' بابیت' بہائیت' قادیانیت' تصوف' اسمعیلیت اور بریلویت پر شاندار کتابیں لکھیں ان کی کتابوں کی فہرست یہ ہے۔

(۱) القادیانیہ (اردو) (۲) الشیعہ والسنہ (عربی) (۳) الشیعہ و اہل البیت (عربی) (۴) الشیعہ والقرآن (عربی) (۵) الشیعہ والتشیع (عربی) (۶) بین الشیعہ و اہل السنہ (عربی) (۷) البابیہ عرض و نقد (عربی) (۸) البہائیہ (عربی) (۹) التصوف المنشاء والمصادر (عربی) (۱۰) الاسماعیلیہ (عربی) (۱۱) البریلویہ (عربی) (۱۲) شیعیت (انگلش) (۱۳) سفر حجاز (اردو) (۱۴) حج و عمرہ (اردو) (۱۵) مرزائیت اور اسلام (اردو) (۱۶) کتاب التوحید (انگلش' اردو ترجمہ) (۱۷) کتاب الوسیلہ (انگلش' اردو ترجمہ) یہ کتابیں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو کر نہ صرف عالم اسلام' نہ صرف عالم عرب بلکہ دنیا بھر میں پھیل چکی ہیں علامہ صاحب کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے براہ راست عربی میں لکھا ہے اگر عمر وفا کرتی تو وہ عیسائیت' یہودیت' بدھ مت اور دیگر ادیان باطلہ پر سیر حاصل لکھتے اسی طرح دیو بندیت اور وہابیت پر بھی مدلل لکھنا ان کے پروگرام میں شامل تھا علامہ صاحب کی بہت سی کتابوں کے اردو' فارسی' انگریزی اور دیگر متعارف عالمی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں وہ سالہا سال ترجمان الحدیث اور اہلحدیث کے ایڈیٹر رہے۔ مسجد چینیاں والی لاہور سے خطابت کا آغاز کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک پر چھا گئے۔ عرب' عالم اسلام' یورپ اور امریکہ میں براہ راست پہنچ کر اہل حدیث کا مشن پہنچایا جنوب ایشیاء کے متعدد

ممالک میں تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے گئے وہ بیک وقت ادیب' خطیب' مدرس' مترجم' مولف' مصنف' مبلغ' سیاست دان اور کاروباری انسان تھے۔ دیانت و امانت خلوص و للہیت ان کے ماتھے کا جھمر تھا۔ فاضل عربی' فاضل فارسی' فاضل اردو اور فاضل پنجابی یعنی السنہ شرقیہ کے عظیم سکالر تھے۔ چھ مضامین میں ایم اے کر چکے تھے۔ مختلف یونیورسٹیوں اور ایجوکیشن بورڈوں کی دس ڈگریاں ان کے پاس تھیں۔ وہ واقعی علامہ کہلانے کے سزاوار تھے۔ لیکن آج کل برخود جہالت ماب اشخاص علامہ اور خطیب ملت کہلانے میں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ اینٹ اٹھائیں تو نیچے سے دسیوں علامہ نکل آتے ہیں۔ غضب خدا کا کہ مڈل پاس بھی علامہ کہلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

این چہ ابو العجیبت

علامہ صاحب سیاسیات میں قدم زن ہوئے تو خداداد صلاحیتوں' جرات و بے باکی کی وجہ سے ملک کے مرکزی سیاست دانوں میں شمار ہونے لگے۔ سیاسیات میں نواب زادہ نصراللہ خان کو وہ اپنا سیاسی مربی سمجھتے تھے اور نوابزادہ صاحب کی لاہور میں سیاسی شام غریباں میں پوری باقاعدگی سے شمولیت فرمایا کرتے تھے۔ تحریک استقلال میں رہنے کے باوجود نوابزادہ نصراللہ خان کے ادب و احترام کی وضعداری قائم رکھی۔ ائیر مارشل اصغر خاں اور ان کے بلند مرتبت رفقائے کار علامہ صاحب کو اپنی آنکھوں کا تارہ سمجھتے تھے۔ بھٹو کی فسطائیت سے خوب ٹکر لی اور پوری بہادری سے ان کے مقابل ڈٹے رہے۔ امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد کے بعد برصغیر میں بیباک اور جرات مند علامہ صاحب کے بغیر کوئی نہیں دیکھا گیا۔ جنرل ضیاء الحق کے حامی بھی رہے اور شدید مخالف بھی۔ حمایت اس لئے کی کہ شاید یہ شخص اسلام کا نفاذ کر سکے مخالفت اس لئے کی کہ ضیاء الحق اپنے دس سالہ اقتدار میں اسلام کا نفاذ نہ کر سکا نہ ہی جمہوریت نافذ کر سکا اور نہ ہی فحاشی اور عریانی کو بند کر سکا۔ علامہ صاحب کا موقف تھا کہ

اور جنرل ضیاء الحق کی مخالفت بھی اتنی جرات اور بے باکی سے کی کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دور کی کیسٹیں جب ہم سنتے ہیں تو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

جماعت میں تنظیم و کارکردگی کے اعتبار سے خاصا ضعف اضمحلال آگیا۔ شورائیت اور جمہوریت مفقود ہو گئی شوری کے اجلاسوں کا انعقاد بند کر دیا گیا کچھ لوگ جماعت کے لئے ناگزیر قرار پائے علامہ صاحب ایسا شورائیت اور جمہوریت کا علمبردار ایسی صورتحال سے کب نبھا کر سکتا تھا۔ اسی بناء پر جماعت دو دھڑوں میں بٹ گئی لیکن علامہ مرحوم کی مضبوط مستعد تیز اور جواں سال قیادت نے حالات کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ تھوڑے عرصہ میں نوجوان مقررین' مدرسین اور شیوخ حدیث و علمائے کرام علامہ صاحبؒ کے ساتھ شامل ہوتے چلے گئے اور عام پڑھے لکھے نوجوان یوتھ فورس میں داخل ہو کر ایک مضبوط تنظیم کا باعث بنے دیکھتے ہی دیکھتے علامہ صاحب جماعت کے درو بست پر چھا گئے۔ مضبوط اور جوان سال قیادت نے مولانا عبداللہ' مولانا محمد اسحاق چیمہ کی سرپرستی میں حالات کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ سیاسیات سے بندش اٹھ جانے کے بعد علامہ صاحبؒ نے پنجاب' سرحد اور سندھ کے سترہ اٹھارہ شہروں میں اتنی مضبوط اور زور دار سیاسی کانفرسیں منعقد کیں کہ سیاسی جماعتوں کے دیدے پھٹے کے پھٹے رہ گئے علامہ صاحب کا یہ کتنا بڑا کمال اور جماعتی عظمت کا کتنا بڑا ثبوت تھا کہ مجلس شوریٰ کے کہنے پر سیاسی جماعتوں اور ان کے قائدین کی رفاقت ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر جماعت کے پلیٹ فارم سے ملک کی سیاسیات اور جمہوریت کی بحالی میں ایک بھرپور کردار ادا کیا قادیانیوں' شیعوں اور بریلویوں سے بھی جنگ جاری رہی جماعت کے تن مردہ کو بھی زندہ کرنے میں دن رات ایک کئے رکھا۔ ملکی سیاسیات میں بھی بھرپور قائدانہ کردار ادا کیا۔ ذاتی کاروبار میں خاصی محنت اور ہمت کی غیر ملکی دورے بھی

جاری رکھے۔ کتابوں کی تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی قائم رکھا بقول مولانا حسرت موہانی۔

مشق سخن جاری ہے اور چکی کی مشقت بھی
عجب طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

یوں معلوم ہوتا ہے جو کام پچاس ساٹھ برس میں ہونا تھا اللہ تعالیٰ نے ان سے چند برسوں میں لے لیا ہائے وہ شعلہ مستعجل ثابت ہوئے۔ حاسدوں کا حسد' خبیثوں کی خباثت' سازشیوں کی سازشیں' شیطانوں کی شیطنت اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گئیں ۲۲ اور ۲۳ مارچ کی درمیانی شب میں قلعہ چھمن سنگھ لاہور کی اہلحدیث کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے جب موصوف کے منہ سے۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

ابھی لڑ کے الفاظ منہ سے ادا نہیں ہوئے تھے کہ دشمن کا ریموٹ کنٹرول بم تباہی و بربادی پھیلا گیا اور اہلحدیثوں کی بساط الٹ گئی۔ بقول اقبال

متاع دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی

مولانا قدوسیؒ مولانا محمد خان نجیبؒ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور بہت سے زخمی ہو گئے۔ جبکہ مولانا حبیب الرحمان یزدانی اگلے دن شہید ہو گئے۔ میو ہسپتال میں علاج معالجے کے بعد شاہ فہد کی فرمائش پر علامہ صاحب ریاض ملٹری ہسپتال پہنچا دیئے گئے لیکن قضاء و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے متوالے' توحید کے دیوانے اور سنت کے پروانے کو دیار حبیب میں بلوا لیا اور ۳۰ مارچ کو ان کے جسد خاکی سے روح پرواز کر گئی ریاض کی شاہی مسجد میں ان کے مشفق استاد دور حاضر کے امام سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ نے رو رو کر نماز جنازہ پڑھائی۔ ریاض میں یہ تاریخی جنازوں میں سے ایک تاریخی جنازہ تھا جس میں بے شمار علماء نوجوان علماء اور اہل علم ہزاروں کی تعداد میں شامل ہوئے

دوسرا جنازہ مسجد نبوی کے امام نے لاکھوں کے مجمع میں بڑی آہ و زاری اور رقت قلبی سے پڑھایا اور صحابہؓ تابعین تبع تابعین محدثین مفسرین مجاہدین اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (علامہ احسان الٰہی ظہیر ایک عہد ایک تحریک' مصنفہ محمد اسلم سیف)

حکیم مولانا محمد صادق سیالکوٹیؒ

مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی فاضل السنہ شرقیہ مردم خیز خطہ سیالکوٹ کے مایہ ناز سپوت تھے۔ علوم مولانا حافظ ابراہیم سیالکوٹی سے حاصل کیے پورہ ہیراں بازار میں ان کا مطب تھا جامع اہلحدیث ڈپٹی باغ میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اولاد نرینہ سے محروم تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام ذہنی صلاحیتوں دماغی قابلیتوں اور جسمانی قوتوں کو تصنیف و تالیف کے لئے مجتمع کر دیا تھا۔ کتاب و سنت کی تعلیمات کو عام کرنے اور مسلک اہلحدیث کو فروغ دینے میں انہوں نے تین درجن سے زائد کتابیں لکھیں جن کے بیسیوں ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں ان کی کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے ہزارہا لوگوں کے لئے ہدایت کا باعث بنایا۔ ہزارہا لوگ ان کی تصانیف پڑھ کر کاروان عمل بالحدیث میں شامل ہو گئے اور پورے ملک میں ان کی کتابیں پڑھی گئیں اور پڑھی جا رہی ہیں یہ حقیقت ہے کہ عصر حاضر میں مولانا صادق سیالکوٹی کی کتابیں مسلک کے فروغ کے لئے نسخہ کیمیا کی حیثیت رکھتی ہیں ان کا یہ صدقہ جاریہ قیامت تک باقی رہے گا مولانا جون ۱۹۸۶ء کو وفات پا گئے اور اپنے پیچھے اپنی معنوی اولاد کتابیں چھوڑ گئے جو قیامت تک رشد و ہدایت کا باعث بنیں گی اور مولانا کے لئے صدقہ جاری ثابت ہوں گی۔ آپ کے جنازہ میں عوام کی بہت بڑی اکثریت شامل تھی علماء کا جم غفیر بھی آپ کے جنازہ میں شریک تھا نماز جنازہ علامہ احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ نے بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ رو رو کر پڑھائی۔ (ہفت روزہ اہلحدیث لاہور۔ جولائی ۱۹۸۶ء)

پروفیسر عبدالقیومؒ

پروفیسر عبدالقیوم اصلاً اور وطناً" سیالکوٹی تھے لیکن تقریباً ایک صدی سے ان کا خاندان لاہور میں مقیم تھا۔ مسجد مبارک برانڈرتھ روڈ کے متصل ان کا مکان تھا والد مرحوم سے لے کر ان کی ذات تک مسجد کا نظم و نسق اور جملہ امور کے انتظامات ان کے ذمہ رہے پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے وہ صدر تھے مسلک اہلحدیث کے نہ صرف داعی اور شیدائی تھے بلکہ مبلغ تھے وہ اپنے تلامذہ سے بھی توحید و سنت کھلے بندوں بیان کرتے اور انہیں توحید و سنت کی دعوت دیتے کتنے ہی ان کے ذہین و فطین تلامذہ ان کی تبلیغ کی بدولت عامل بالحدیث ہو گئے ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ مسائل کی تحقیق پر بھی ان کی اچھی خاصی نظر تھی جماعت کی تاریخ اور اس کی خدمات سے پوری طرح باخبر تھے مسلک کی خدمت و اشاعت میں دسیوں فاضلانہ مقالات ان کے قلم سے نکلے وہ مرکزی جمعیت اہلحدیث کے پہلے ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے بعد میں اپنی ذاتی اور سرکاری گوناگوں ذمہ داریوں کی وجہ سے مستعفی ہو گئے۔ شیخ الاسلام مولانا امرتسریؒ، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، قاضی محمد سلیمان منصوری پوریؒ، مولانا ابوالقاسم بنارسیؒ، مولانا عبدالقادر قصوریؒ، مولانا داؤد غزنویؒ، مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ، مولانا محمد حنیف ندویؒ اور مولانا حنیف بھوجیانی سے بہت متاثر تھے سرکاری ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد پنجاب یونیورسٹی کی نگرانی میں انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی تسوید و ترتیب کے وہ ڈائریکٹر تھے وہ بڑی مستعدی محنت شاقہ اور تیز رفتاری سے اسے مکمل کر رہے تھے۔ راقم الحروف سے بھی ان کا بہت تعلق تھا۔ تھوڑا عرصہ بیمار رہنے کے بعد اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے ان کی وفات ۸ ستمبر ۱۹۸۹ء کو ہوئی۔ (الاعتصام لاہور)

مولانا عبداللہ محدث امرتسریؒ

مولانا عبداللہ محدث امرتسریؒ بانی دارالقرآن والحدیث فیصل آباد کا اصلاً تعلق

ویرو وال افغاناں تحصیل ترن تارن ضلع امرتسر مشرقی پنجاب تھا۔ مولانا سید عبدالغفور غزنوی' مولانا محمد ابراہیم باقی پوری" مولانا محمد خان' مولانا سید عبدالرحیم غزنوی۔ شیخ الحدیث مولانا نیک محمد رحمھم اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے حدیث اور اس کے متعلقات پر ان کو کامل عبور و استحضار تھا اساتذہ کی تربیت اور فطری رجحان کی وجہ سے بدو شعور سے نہایت نیک' عابد' ذاکر اور شب خیز انسان تھے۔ پوری زندگی لوجہ اللہ دین کی تعلیم و تدریس کے لیے وقف رہی مدرسہ سے اپنی ذات پر ایک پائی خرچ نہیں کیا۔ اپنی معاش کے لئے وہ ادویہ سازی کا سلسلہ بھی جاری کیے ہوئے تھے چنانچہ زیر جامع مسجد اہلحدیث امین پور بازار فیصل آباد میں ممتاز دواخانہ اور ممتاز شربت ہاؤس کے نام سے انکا ذاتی کاروبار جاری تھا۔ صحت کے ایام میں وہ خود کام کرتے رہے آج کل ان کے بڑے صاحبزادے حافظ عبدالرحمٰن یہی کام کر رہے ہیں ان کی پبلک لائف اور پرائیویٹ زندگی مکمل اسلام کی آئینہ دار تھی اسلامی اوامرو نواہی اور اسلامی احکام پر بلا لومتہ لائم عمل پیرا رہتے تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے ویرو وال افغاناں میں دینی مدرسہ کا اجراء کیا۔ قیام پاکستان کے بعد پہلے امین پور بازار فیصل آباد میں پھر جناح کالونی مدرسے کی اپنی عمارت میں یہ سلسلہ جاری ہے موصوف نے صحاح ستہ عموماً" اور بخاری شریف خصوصاً" پوری زندگی پڑھائی بیماری کے ایام میں اور تکلیف کے باوجود بخاری شریف کی تدریس بہرحال جاری رکھی۔ آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے آپ کی تدریسی عظمت کا اندازہ اس سے فرمائیں کہ مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف بھی آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں مولانا حکیم محمد ابراہیم حافظ آبادی مولانا محمد یحییٰ حافظ آبادی اور دیگر سینکڑوں علماء آپ سے تلمذ پر مفتخر ہیں یہ حدیث و سنت کے شیدائی کئی بار بیت اللہ کے حج سے مشرف ہوئے اور پھر کافی عرصہ علالت کے بعد فروری ۱۹۹۱ء میں ان کے جسد خاکی سے روح پرواز کر گئی فیصل آباد کے چند بڑے جنازوں میں ان کا جنازہ تھا علماء اہلحدیث نے کثرت سے

ان کے جنازہ میں شرکت کی۔ آج کل حافظ عبدالرحمٰن ان کے جانشین اور مدرسہ کے مہتمم ہیں اپنے والد گرامی کی طرح تدریسی فرائض بھی سرانجام دے رہے ہیں۔

پروفیسر غلام احمد حریریؒ

پروفیسر غلام احمد حریری کا اصلاً تعلق گورداسپور مشرقی پنجاب سے تھا۔ راجپوت برادری کے چشم و چراغ تھے۔ بچپنے میں والدین کی شفقتوں سے محروم ہو گئے۔ حالت یتیمی میں تعلیم کا آغاز کیا۔ ذہانت و فطانت خداداد تھی۔ شریف الطبع، نیک مزاج اور محنتی تھے۔ تمام علوم و فنون حضرت محدث دیروالویؒ سے حاصل کئے۔ حضرت محدث گوندلوی، مولانا غلام اللہ خان، مولانا عبدالحق، مولانا عبداللہ امرتسری، مولانا حافظ عبدالحفیظ ہوشیار پوری سے علوم کی تکمیل کی۔ دوران تعلیم ایک مرتبہ ریشم کے کیڑے پالے اور ان سے ریشم حاصل کیا استاد نے ازراہ تفنن ریشمی کیڑوں کی مناسبت سے حریری کہا تو استاد کا یہ تفنن ان کے نام کا لاحقہ بن گیا اور اسی وجہ سے وہ حریری مشہور ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل، منشی فاضل اور اردو فاضل کے امتحانات بڑے امتیاز سے پاس کئے۔ قیام پاکستان کے بعد حضرو ضلع کیمبل پور میں بطور عربی ٹیچر ان کا تقرر عمل میں آیا۔ مولانا غلام اللہ خان سے قریب رہنے کی وجہ سے مسلم الثبوت، شمس بازغہ، صدرا وغیرہ اونچی فنی کتابیں پڑھیں۔ پھر اپنا تبادلہ فاروکہ ضلع سرگودھا ہائی سکول میں کروا لیا۔ وہیں بوایہ بٹھنڈہ دہلی پہنچے۔ یعنی میٹرک، ایف اے، بی اے اور ایم اے کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے ۵۵-۱۹۵۴ء میں جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ کے ہائی سکول کی صدر معلمی (ہیڈ ماسٹر) قبول کی۔ لیکن وہاں بریلویت کی جارحیت کی وجہ سے خاصے پریشان رہے۔ اسی دوران اسلامیہ ڈگری کالج فیصل آباد میں اسلامیات کی پوسٹ نکلی۔ وہاں درخواست اور انٹرویو دیا کامیاب ہو کر

وہاں اسلامیات کے لیکچرار مقرر ہو گئے۔ خاصا لمبا پیریڈ وہیں گزارا۔ ایم اے اردو' ایم اے اسلامیات اور ایم اے عربی پنجاب یونیورسٹی سے بڑی امتیاز سے پاس کر چکے تھے۔ پھر اسلامیہ کالج کی ملازمت چھوڑ کر زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں چلے گئے۔ سید ابو بکر غزنوی شہیدؒ نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور میں ان کا تبادلہ کروا لیا۔ لیکن سید صاحب کی شہادت اور بعد مکان کی وجہ سے بہاولپور سے پھر زرعی یونیورسٹی میں تشریف لے آئے۔ مولانا عبداللہ محدث امرتسری چونکہ ان کے استاد تھے ان کی فرمائش پر سالہا سال دارالقرآن والحدیث فیصل آباد میں ممتاز مدرس رہے۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں بھی کئی سال اپنی تدریسی خدمات ان کے سپرد رکھیں۔ دمے کے مریض تھے۔ اچانک ۷ مئی ۱۹۹۰ء کو دار فانی سے مقام جاودانی منتقل ہو گئے۔ غالباً" اپنے پیچھے بچیوں کے ساتھ ساتھ دو بچے چھوڑے جو ملٹری میں اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں۔ موصوف زندگی بھر نہایت محنتی' عربی اور اردو دونوں زبانوں کے ادیب تھے۔ غالباً ۱۹۵۵ء میں پنجاب یونیورسٹی میں عالم اسلام بالخصوص مصر' بیروت' دمشق اور عراق کے فضلاء' علماء' ادباء اور پروفیسوں کو دعوت دی گئی۔ جنہوں نے یہاں مقالے پڑھے۔ پروفیسر حریری صاحب نے ان کے عربی مقالات کے اردو میں اور دیگر دانشوروں کے مقالات عربی میں ترجمے کئے۔ جس سے اہل علم میں ان کی قابلیت اور زبان دانی کی دھاک بیٹھ گئی۔ ان عرب فضلاء میں شیخ ابو زہرہ مصری بھی تشریف لائے تھے۔ جن کی ائمہ دین پر بڑی علمی اور تحقیقی کتابیں عربی میں شائع ہو چکی تھیں۔ چنانچہ سب سے پہلے مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم نے مولانا سید رئیس احمد جعفری ندوی مرحوم سے سوانح امام احمد بن حنبل کا اردو ترجمہ حیات امام احمد بن حنبل کے نام سے شائع کیا۔ اسی طرح حیات امام ابن تیمیہ کا ترجمہ کروا کر شائع کیا۔ پروفیسر حریری صاحب نے ابو زہرہ کی چار پانچ کتابوں کا اردو میں ترجمہ کیا۔ جسے مکتبہ ملک برادرز فیصل آباد نے شائع کیا۔ پروفیسر حریری صاحب نے ایف اے اور بی اے کے لئے

نصابی کتب بھی لکھیں۔ خصوصاً" اسلامیات کا نصاب ان کا قلمی شاہکار ہے۔ حدیث و علوم حدیث قرآن و علوم قرآن کے بھی عربی سے اردو تراجم کئے جو وفاق المدارس السلفیہ کے نصاب میں شامل ہیں۔ پروفیسرابو زہراہ کی درج ذیل کتابوں کا اردو ترجمہ کیا۔ (۱) تاریخ تفسیرو مفسرین (۲) تاریخ حدیث و محدثین (۳) حیات امام ابو حنیفہؒ (ترجمہ) (۴) حیات امام ابن حزمؒ (ترجمہ) (۵) حیات امام ابن قیمؒ (ترجمہ) (۶) حیات ابو ہریرۃؓ (ترجمہ).(۷) اسلامی مذاہب (ترجمہ) (۸) المنتقی خلاصہ منہاج السنہ کا اردو ترجمہ (۹) قرآن کریم کے فنی محاسن (ترجمہ) (۱۰) اتباع سنت اور آئمہ سلف (ترجمہ) (۱۱) حدیث رسولؐ کا تشریعی مقام (ترجمہ) (۱۲) علوم حدیث کا ترجمہ (۱۳) شرح الحیث والفقہ ترجمہ (۱۴) عدالت نبوی کے فیصلے دو جلد۔ علاوہ ازیں یہ بھی ان کے علمی اور قلمی شاہکار ہیں۔ پروفیسرحریری صاحب جمیل الخط' صحیح الفکر' سلفی الذہن سادہ اور مخلص علمی شخصیت تھے۔ اب اس علمی قحط الرجال میں ایسی علمی ہستیاں کہاں مل سکتی ہیں علم و آگہی اور تحقیق و دانش کا یہ آفتاب ۷ مئی ۱۹۹۰ء کو سرزمین فیصل آباد میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

پروفیسریامین محمدیؒ

پروفیسریامین محمدی عظیم دانشور' نامور اہل علم' ممتاز ادیب' بہترین خطیب اور اعلیٰ ذوق رکھنے والی شخصیت کے مالک تھے۔ وفاقی اردو کالج کراچی کے شعبہ علوم دینیہ کے صدر تھے کراچی کے پڑھے لکھے لوگوں پر ان کے بہت اچھے اثرات تھے اشخاص و رجال پر ان کی نظر وسیع تھی۔ حدیث و راویان حدیث ان کا عمومی موضوع تھا۔ چونکہ ابا" جدا" دہلی سے تعلق تھا۔ زبان کا لب و لہجہ پرکشش تھا۔ بولتے کیا موتی پروتے تھے۔ عصر حاضر کے بہترین اور کامیاب ترین خطباء میں ان کو شمار کیا جاتا تھا۔ پنجاب میں سب سے پہلے پاکستان اہلحدیث کانفرنس ماموں

کانجن میں تشریف لائے۔ ان کی سب سے پہلی مفصل اور مدلل تقریر خدمات محدثین کے نام سے سامعین نے جب سنی تو مجمع عش عش کر اٹھا۔ چہرے کی وجاہت، زبان کی فصاحت و بلاغت، آواز کی گھن گرج، مضمون کا تسلسل، دلائل کا انبار، شخصیت کی کشش اور آداب مجلس سے آشنائی ان کی خطابت کے اجزائے ترکیبی تھے۔ وہ کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی اردو میں بات کرتے ظریف الطبع اور مرنجاں مرنج قسم کے انسان تھے۔ ہمیشہ مجلس میں وہ میر محفل دکھائی دیتے۔ اپنے ظرائف و لطائف سے مجلس کو زعفران زار بنا دیتے۔ نہ تو زاہدان مرتاض کی ان پر عبوست و یبوست طاری تھی اور نہ ہی وہ بے مہار لوگوں کی طرح بے ہنگم ہنسی مذاق ان کا شیوہ تھا۔ پوری وضع داری قائم رکھتے۔ اچھا لکھتے۔ اچھا بولتے۔ اچھا پڑھتے۔ اچھی گفتگو کرتے۔ خدمات محدثین، مسلک اہلحدیث، سیرۃ صدیقہ کائنات، فضائل صحابہ، فضائل خلفائے راشدین ان کے من پسند موضوع تھے۔ توحید کے فدائی اور سنت کے شیدائی تھے۔ کراچی میں شیعہ کی جارحیت ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ان کا نوٹس لینے کے لئے اہلسنت کے تمام فرقوں پر مشترک ایک کونسل بنائی گئی۔ اس میں پروفیسر یامین محمدی نے بڑا پر خلوص اور بھرپور کردار ادا کیا۔ ان کی زور دار تقریروں سے شیعی جارحیت کے دانت خاصے کھٹے ہوئے۔ جامعہ تعلیم الاسلام سے انہیں خاص لگاؤ تھا اور ماموں کانجن کی وجہ سے پنجاب و سرحد میں وہ متعارف ہوئے اور جامعہ تعلیم الاسلام کو وہ اپنا محسن ادارہ سمجھتے تھے۔ ان کے لکھنے پڑھنے کا ذوق بھی قابل رشک تھا۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف اور مترجم تھے۔ اتنا خوبصورت اور اتنا نستعلیق شخص نوجوانی کی حالت میں جولائی ۱۹۹۴ء کو موت کے ہاتھوں نقد جاں ہار گیا۔ پروفیسر یامین محمدی کثیر العیال تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بچوں کی نگہبانی فرمائے۔

مولانا حکیم محمد عبداللہ روہڑی

مشرقی پنجاب میں ضلع حصار زراعت اور کاروبار کے لحاظ سے خاصا پسماندہ

علاقہ تھا۔ بارانی علاقہ تھا۔ اگر بارشیں ہو جاتیں تو زراعت کی اگلی پچھلی ساری کسریں نکل جاتیں اور اگر خدانخواستہ بارش نہ ہوتی تو قحط پڑ جاتا۔ تحصیل سرسہ کے کچھ علاقے دریائے گاگرہ سے سیراب ہوتے۔ دریائے گاگرہ کے پانی کا دارومدار بھی بارش پر ہی تھا۔ کچھ علاقہ دریائے جمنا بھی سیراب کرتا تھا۔ تحصیل سرسہ کو چھوڑ کر آج کل ضلع حصار کا بیشتر حصہ صوبہ ہریانہ میں شامل کر دیا گیا روہڑی کو مولانا حکیم عبداللہ مرحوم کی جنم بھومی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ مولانا حکیم عبداللہ کے والد گرامی کا نام صوفی محمد سلیمان مرحوم تھا۔ صوفی محمد سلیمان عابد' ذاکر' شب زندہ دار' کم گو' خدا ترس' خدا رسیدہ اور باکرامت ولی تھے۔ حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنویؒ سے نہ صرف متاثر بلکہ ان سے بیعت تھے قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ سے بھی ان کے مراسم بہت مضبوط تھے۔ اسی وجہ سے قاضی صاحب کے بھتیجے قاضی حبیب الرحمان وہاں اکثر جایا کرتے تھے۔ غزنوی علماء سے متاثر ہونے کی وجہ سے ہی اپنے اکلوتے صاحبزادے کا نام مولانا عبداللہ غزنوی کے نام پر عبداللہ رکھا۔ صوفی محمد سلیمانؒ جماعت مجاہدین کے معاونین میں سے بھی تھے۔ امیر المجاہدین حضرت صوفی محمد عبداللہ ہمیشہ ان کے پاس روہڑی میں اور پھر جہانیاں ضلع ملتان میں ان سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ صوفی محمد سلیمانؒ ضلع حصار ریاست پٹیالہ' ریاست فرید کوٹ' ضلع فیروز پور کی تحصیل مکتسر اور تحصیل فاضل کا میں ایک روحانی پیشوا اور دینی مرشد کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ بیشمار خلق خدا نے ان سے استفادہ کیا۔ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن میں ان کی مجالس اور ہمنشینی اکسیر عظیم کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہمارے علاقہ کے بہت سے اہل علم ان سے متاثر بلکہ ان کے معتقد تھے وہ عموماً" کوٹ کپورہ میں ایک ایک ہفتہ قیام فرماتے۔ ان کا قیام عموماً" حاجی محمد علی کے مکان میں ہوتا۔ حاجی محمد علی مرحوم جو قیام پاکستان کے بعد جھنگ میں فروکش ہو گئے تھے۔ اپنی اصلاح اور تزکیہ نفس کے لئے کئی مرتبہ روہڑی ان کی خدمت میں بھی حاضر

ہوئے اور کئی کئی روز وہاں قیام فرمایا۔ جب وہ بڈھیمال میں تشریف لائے تو عموماً" ان کا قیام چوہدری محمد سلیمان نمبردار کے گھر میں ہوتا۔ یا شیخ الحدیث مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی ان کی میزبانی کا فریضہ انجام دیتے۔ صوفی محمد سلیمان مستجاب الدعاء اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ دور دور سے لوگ ان سے دعا کرانے کے لئے آتے تھے اور اپنا مقصد حاصل کر کے جاتے۔ ان کی بہت سی کرامات بھی ان کے ملنے والے بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ قیام پاکستان کے اعلان کے بعد جب مشرقی پنجاب میں سکھ سورموں نے ہندوؤں کی سازش سے مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا تو روہڑی پر بھی سکھوں نے بڑی منصوبہ بندی سے حملہ کیا لیکن ناکام واپس آگئے اور تین مرتبہ ایسے ہی ہوا سکھ حملہ آوروں سے کسی نے دریافت کیا کہ تم وہاں بڑے طمطراق سے جاتے ہو لیکن جلد ناکام بھاگ آتے ہو تو سکھوں نے کہا جب ہم روہڑی پہنچتے ہیں تو روہڑی کے چاروں طرف گاؤ ماتا ذبح کی جا رہی ہوتی ہیں۔ ہم گاؤ ماتا کو ذبح ہوتے دیکھ کر ناکام واپس آجاتے ہیں۔ راقم نے مولانا حکیم محمد عبداللہ سے فیصل آباد میں مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کے مکان پر یہ روایت ان کے سامنے پیش کی جن کی انہوں نے تصدیق فرمائی۔ قیام پاکستان کے بعد صوفی محمد سلیمان اور ان کا خاندان جہانیاں ضلع ملتان میں قیام پذیر ہو گیا۔ صوفی محمد سلیمان حکیم عبداللہ کے جماعت اسلامی میں چلے جانے سے خوش نہ تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ اہلحدیث میں رہ کر سلفی علماء کی طرح وہ مسلک اہلحدیث کی خدمت و اشاعت کریں۔ حکیم محمد عبداللہ خدا رسیدہ' صالح' عابد اور ذاکر شخص تھے۔ جماعت اسلامی کو چھوڑ گئے تھے۔ لیکن ان کا طریق تبلیغ اور طریق دعوت میں جماعت اسلامی سے سرمو فرق نہ ہو سکا ویسے اکابر علمائے اہلحدیث سے ان کے روابط اور تعلقات بدستور تھے۔ مولانا سید داؤد غزنوی' قصوری علمائے کرام' لکھوی علمائے عظام' مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی' مولانا محمد حنیف ندوی' مولانا محمد اسماعیل سلفی' امیر المجاہدین حضرت محمد صوفی عبداللہ'

(رحمہم اللہ) ملتانی علماء حضرات سے ان کے مراسم میل جول ہمیشہ قائم رہے اور دیگر علمائے کرام سے بھی ان کا تعلق قائم رہا۔ وہ نہایت سلجھے ہوئے مقرر تھے۔ ضلع حصار اور ریاست پٹیالہ میں ان کی تبلیغ کا دائرہ خاصا وسیع تھا۔ وہ بسا اوقات اہلحدیث جلسوں میں بھی شرکت فرماتے رہے۔ وہ نہایت باذوق انسان تھے ان کی گفتگو' تقریر اور تحریر میں ہمیشہ ادبی چاشنی ہوتی۔ سلیمانی دواخانہ کے نام سے جہانیاں میں ان کا وسیع کاروبار تھا۔ ان کا یہ مطب بیت الحکمت کی حیثیت رکھتا تھا۔ بے شمار خلق خدا کو ان کا طبی فیضان پہنچا۔ ادویہ سازی بھی ان کی نگرانی میں جاری تھی۔ بہترین اجزاء دواؤں میں شامل کرتے۔ محنت اور توجہ سے دوائیاں تیار کرواتے۔ ان کی تشخیص اور علاج بڑا کامیاب تھا۔ وہ ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف تھے۔ بے شمار پڑھے لکھے لوگوں نے ان کی کتابوں کے مطالعہ سے طب و حکمت کا کامیاب سلسلہ جاری کیا۔ مولانا حکیم محمد عبداللہ کئی دفعہ حضرت صوفی عبداللہ مرحوم سے ملاقات کے لئے جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں تشریف لاتے رہے۔ ایک مرتبہ کئی روز ان کا قیام رہا ہمارے حاجی دین محمد بدر منیر کیمیکل ورکس کے مالک جماعت اسلامی کے ناطے سے ان سے قریب اور بے تکلف تھے۔ حاجی صاحب نے کئی روز قیام کی وجہ دریافت کی مولانا حکیم عبداللہ نے فرمایا ہے کہ صوفی عبداللہ بہت بڑے کیمیا گر ہیں میں ان سے کیمیا گری کا نسخہ حاصل کرنا چاہتا ہوں حاجی صاحب فرمانے لگے کہ حکیم صاحب تمہاری یہ بات سن کر خاصی حیرت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار لوگوں کو آپ کی کتابوں کی بدولت کامیاب کاروبار دیا ہے اور آپ کس خام خیالی میں پڑ گئے ہیں۔ دنیا کی کوئی قوم آج تک سونا نہیں بنا سکی۔ کیمیا گروں کی زندگیاں سونا بناتے بناتے کھپ جاتی ہیں اسی طرح ان کا سب کچھ لٹ جاتا ہے لیکن سونا کوئی نہ بنا سکا۔ البتہ جرمن ایک ایسی قوم ہے جس نے سونا بنایا ہے لیکن وہ بھی رولڈ گولڈ سونا ہے جو

کے بظاہر سونا بنایا جاتا ہے لیکن وہ چند روزہ اور عارضی ہوتا ہے۔ البتہ سونے سے بھی زیادہ قیمتی اشیاء وجود میں آگئی ہیں مثلاً ایک گھڑی آدھے تولے کی ہوتی ہے لیکن اس کی قیمت پانچ تولے سونا سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ صوفی صاحب کیمیا ہرگز نہیں ہیں۔ آپ ان کے کام اور مصارف سے شاید انہیں کیمیاگر سمجھتے ہوں۔ ان کی سب سے بڑی کیمیاگری ان کا اخلاص ہے۔ عوام الناس ان پر اعتماد کرتے ہیں اور وہ عوام کے دیئے ہوئے سرمائے میں سے ایک پائی بھی غلط خرچ نہیں کرتے۔ حکیم عبداللہ نے فرمایا بات سمجھ آگئی اور دوسرے روز وہ جہانیاں واپس تشریف لے گئے۔ بہرحال اسلامی غیرت کا یہ مجسمہ' دینی حمیت کا یہ پتلا' اخلاص و اخلاق کا یہ علمبردار' دین و دانش کا یہ داعی' طب و حکمت کا یہ پرچارک' دعوت و ارشاد کا یہ مبلغ غالباً" نومبر ۱۹۷۴ء کو داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے ہمیشہ کے لئے دنیا کو چھوڑ گیا۔ حکیم صاحب نے اپنی زندگی میں متعدد حج کر کے حرمین کے فیوض و برکات سے بھی جھولیاں بھر لیں تھیں جہانیاں کی مسجد حقانی ان کی بہترین دینی یادگار ہے۔ جہاں خطیب جماعت اسلامی سے متاثر اہلحدیث عالم ہوتا ہے۔ اور امام جماعت اسلامی سے متاثر حنفی ہوتا ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کی یہ روایت ابھی تک قائم ہے۔ ان کے تمام صاحبزادے اپنی اپنی جگہ مطب چلا رہے ہیں حکیم سعید احمد ان کے صحیح جانشین ہیں۔ وہ جماعت اسلامی کے ساتھ ساتھ اہلحدیث علماء سے بھی ربط و تعلق رکھتے ہیں۔ حکیم عبداللہ اور ان کے والد گرامی ایک بنجر زمین سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سے دین کا بڑا کامیاب کام لیا۔

مولانا عبدالقادر حصاریؒ

مولانا عبدالقادر حصاری گنگا موڈی ضلع حصار کے رہنے والے تھے یہ مسلم راجپوتوں کا گاؤں تھا مولانا عبدالقادرؒ بھی اسی برادری سے تعلق رکھتے تھے انہوں

نے تعلیم کی ابتدا لکھوکی ضلع فیروز پور سے کی اور تکمیل مرکز علوم و فنون دہلی سے کی مولانا عطاء اللہ لکھویؒ' مولانا محمد علی لکھویؒ' مولانا عبدالوہاب صدرویؒ ان کے اجلہ اساتذہ میں سے تھے موصوف سب سے زیادہ مولانا عبدالوہاب صدرویؒ سے متاثر تھے اور ان کی جماعت غرباء اہلحدیث کے فرد فرید رہے۔

ایک عرصہ تک بسلسلہ امامت و خطابت موضع دیپ سنگھ والا ضلع فیروز پور میں قیام پذیر رہے۔ مسائل کی تحقیق کا ذوق وافر رکھتے تھے۔ صحیفہ اہلحدیث الاعتصام اور دیگر اہلحدیث جرائد و رسائل میں ان کے تحقیقی مضامین شائع ہوتے تھے۔ بے شمار مضامین پر تعاقب بھی کرتے۔ غلط مسائل پر ان کی گرفت بڑی سخت ہوتی تھی چونکہ صحرائی ماحول سے متعلق تھے اس لئے مزاج میں سختی تھی طبیعت کا رجحان تشدد کی طرف مائل تھا۔ سونے' نماز پڑھنے اور دیگر ضروری کاموں کے علاوہ باقی سارا وقت مطالعہ کتب میں صرف ہوتا۔ نظر کی کمزوری اور بڑھاپے کے باوجود مطالعہ کتب میں کوئی فرق نہیں آیا۔ متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ زندگی سادہ اور انداز معاشرت سلفی تھا کثرت اذکار' کثرت نوافل' کثرت تلاوت قرآن اور شب خیزی ان کا زندگی بھر کا معمول رہے ۱۹ ستمبر ۱۹۸۱ء کو وہ راہ گذار عالم بقا ہو گئے افسوس ان کے صاحبزادگان سے ان کا کوئی علمی جان نشین نہ بن سکا البتہ ان کے بھتیجے مولانا محمد شریف حصاری کراچی میں دینی خدمات بجا لا رہے ہیں ان کے نواسے ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر اگرچہ سلفیت سے نبھا نہیں کر سکے البتہ مسلک میں پختہ ہیں اور بہاولپور اسلامیہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں اور متعدد کتب کے مصنف ہیں۔

مولانا پیر سید مولیٰ بخش شاہ کومویؒ

پیر سید مولیٰ بخش شاہ ترمذی سادات گھرانے سے تعلق رکھتے تھے انتہائی خدا رسیدہ' کم گو' کم آمیز' عابد' ذاکر' شب خیز' متقی' پرہیز گار اور مستجاب الدعاء ولی

تھے ان سطور کے راقم پر بڑے مشفق اور مہربان تھے۔ بڑی عمر میں تعلیم حاصل کرنا شروع کی مولانا عبدالقادر لکھوی" استاد پنجاب مولانا عطاء اللہ لکھوی" شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ" آف کھیانوالہ ان کے اجلہ اساتذہ میں سے تھے تکمیل علم کے بعد کوم کلاں ضلع لدھیانہ میں تعلیم و تدریس کا آغاز کیا اور قیام پاکستان تک وہاں دینی درسگاہ قائم رکھی۔ صحاح ستہ اور بخاری شریف ہمیشہ پڑھاتے رہے۔ کوم راجپوتوں کا گاؤں تھا شاہ صاحب" کی مجالس نے راجپوتوں کی رعونتیں توڑ پھوڑ کر رکھ دی تھیں عشرو زکوۃ کا ان کو پابند کیا نماز کا عادی بنایا ان میں سے بہت سے لوگ شب خیز ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد شاہ صاحب" نے سید محمود ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ڈیرے ڈال دیئے ان کا معمول یہ تھا کہ تہجد پڑھتے پھر کچھ تلاوت قرآن پاک کرتے۔ نماز فجر کے بعد ہلکا پھلکا درس قرآن پاک دیتے۔ نماز اشراق تک مسجد ہی میں قیام رکھتے۔ ذکر و اذکار کرتے یا تلاوت قرآن پاک کرتے نماز اشراق کے بعد گھر تشریف لاتے کھانا کھانے کے بعد اپنے کھیت چلے جاتے وہاں کچی چھوٹی سی مسجد بنائی تھی کچھ آموں کے پیڑ تھے ان کے سائے میں مصلیٰ بچھا کر تلاوت کرتے یا دور دراز سے آنے والے مہمانوں کی باتیں سنتے یا ان کے اصرار پر ان کے لئے دعا کا وعدہ کرتے سامنے دعا کرنے سے ہمیشہ احتراز اور اجتناب کرتے اور دن بھر تلاوت قرآن میں ہی مصروف رہتے دنیا کے جھمیلوں چغلیوں غیبتوں اور ایک دوسرے کے خلاف غیرذمہ دارانہ گفتگو سے ہمیشہ پہلو بچا کر رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان میں بڑی تاثیر رکھی تھی طمع و لالچ اور حرص و آز کو کبھی اپنے نزدیک نہیں پھٹکنے دیا۔ فتح الباری کا مطالعہ بھی بدستور جاری رہتا۔ علم اور تقویٰ کا حسین امتزاج تھے فکر معاش میں کبھی مبتلا نہیں ہوئے۔ فرمایا کرتے تھے کھانے پینے اور پہننے اور دوسری ضروریات کے لئے چھ سات ایکڑ رقبہ کافی ہے زراعت کے اخراجات اور آبیانہ و مالیہ کے لئے آم کے دو تین پیڑ کافی ہیں اب میں کسی سے کیوں لوں اور کیوں توقع رکھوں فکر آخرت ان کا خاص

موضوع تھا اصلاح باطن اور تزکیہ نفس ہمیشہ پیش نظر رہا وہ اپنے ہم نشین پر اپنا رنگ چڑھانے میں بڑی شہرت کے مالک تھے جب کسی مولوی سے غیر ثقہ بات یا موضوع حدیث سنتے تو ایک نہایت ہی لطیف پیرائے میں اس پر گرفت کرتے اور فرماتے تعلیم و تدریس جوانی سے یہ مشغلہ جاری ہے لیکن آپ نے جو مسئلہ بیان فرمایا ہے ہمیں تو کہیں نہیں ملا آپ کا علم بڑا اور معلومات بہت وسیع ہیں۔ نہ معلوم آپ یہ مسئلہ کہاں سے لائے آپ ہمیں بتا دیں ہم اس کا مطالعہ کر سکیں۔

بیت اللہ اور مدینہ پاک سے انہیں دلی محبت تھی چنانچہ پونی درجن کے قریب انہوں نے بیت اللہ کے حج کئے۔ فیوض حرمین شریفین خوب اکٹھے کئے۔ راقم نے بھی ان سے چند دعائیں کروائیں جو بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوئیں۔ جامعہ تعلیم الاسلام سے بھی انہیں تعلق خاطر تھا حضرت صوفی محمد عبداللہؒ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ سالانہ کانفرنس میں تشریف لاتے درس قرآن ارشاد فرماتے۔ درس میں دلوں کی منجائی خوب کرتے۔ بہرحال ہر اعتبار سے اپنے عظیم اسلاف کے عظیم وارث تھے مئی کے آخر یا جون کے شروع میں ۱۹۷۵ء میں انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا گاؤں میں ان کا جنازہ دیدنی تھا۔ دور دراز سے علمائے کرام جنازہ میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے جامعہ تعلیم الاسلام میں فوراً چھٹی کر دی گئی تمام اساتذہ و طلبہ موصوف کے جنازہ میں شامل ہوئے دیہات سے بھی سینکڑوں کی تعداد میں احباب جماعت اور غیر جماعتی حضرات بھاری تعداد میں شریک ہوئے۔

مولانا محمد حفیظ اللہؒ

مولانا حفیظ اللہ کی کنیت ابو الفضل اور تاریخ پیدائش ۷ نومبر ۱۸۴۸ء ہے۔ ان کا مولد بندی گھاٹ ضلع اعظم گڑھ یو پی ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ پھر غازی پور میں مولانا احمد حسین صاحب کی خدمت میں حاضر

ہوئے۔ ان سے متوسط درجے تک کتابیں پڑھیں صرف و نحو اور دیگر علوم و فنون مختلف مقامات پر اور مختلف علماء سے حاصل کئے۔ علوم و فنون کی تکمیل کے بعد حدیث کی تعلیم کے لئے مولانا عبدالحئ لکھنویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ صحاح ستہ کی سند حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ سے حاصل کی۔ فراغت کے بعد کاکوری میں روساء کے دینی مدرسہ جس میں عربی اور انگریزی دونوں شامل نصاب تھیں بطور مدرس کئی سال پڑھاتے رہے۔ مدرسہ عالیہ رامپور میں بھی آپ اول مدرس اور پرنسپل مقرر ہوئے۔ وہاں نو برس قیام کیا۔ جب دارالعلوم ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا جبکہ مولانا محمد حفیظ اللہ خان اس کے ابتدائی مشوروں اور ابتدائی کوششوں میں شامل تھے۔ ندوۃ العلماء کی پوری مجلس نے مولانا حفیظ اللہ خان کو مجبور کیا کہ آپ اس کے بانیوں میں سے ہیں۔ آپ کو ہی اس کے اول مدرس کے طور پر اس کی ذمہ داریاں سنبھالنا چاہیں۔ چنانچہ ان کی خواہش کے مطابق مولانا حفیظ اللہ خان نے ندوۃ کی ذمے داریاں سنبھالنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا قیام جون ۱۸۹۸ء میں عمل میں آیا ۱۹۰۹ء تک مولانا وہاں اول مدرس رہے۔ پھر گورنمنٹ کی طلب پر ڈھاکہ کے مدرسہ عالیہ میں انہیں مجبوراً جانا پڑا۔ وہاں آپ ۱۹۰۹ء سے لے کر ۱۹۲۱ء تک بطور مدرس قیام پذیر رہے پھر ڈھاکہ یونیورسٹی میں آپ عربی پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۱ء کو آپ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کئی ماہ قیام کیا۔ جب حج سے واپس تشریف لائے تو دارالعلوم ندوۃ کے ناظم اور انجمن کے ارکان نے پورے اصرار سے مطالبہ کیا کہ ڈھاکہ چھوڑ کر ندوۃ لکھنؤ میں واپس تشریف لائیں۔ کیونکہ آپ کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا روز بروز مرجھا رہا ہے اور تیزی سے فنا اور بربادی کی طرف رواں ہے۔ اس کو آکر سنبھالا دیں اور کامیاب دارالعلوم بنا دیں یا اپنے ہاتھ سے اس کی تجہیزو تکفین کر دیں اور اس کا جنازہ پڑھا کر باوقار طریقے سے اسے دفن کریں۔ موخر الذکر بات ان کے دل پر

بہت اثر انداز ہوئی چنانچہ ڈھاکہ سے خطوط اور بار بار تار آنے کے باوجود مولانا حفیظ اللہ خان نے انہیں صاف جواب دے دیا۔ جبکہ ڈھاکہ میں ۴ سو روپیہ ماہوار ان کی خدمت ہوتی تھی۔ یہاں ان کا مشاہرہ صرف ڈیڑھ صد روپیہ تھا۔ مولانا حفیظ اللہ خان نے اپنی خداداد ذہانت' محنت اور قابلیت سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کو سنبھالا دیا اور اس کیلئے مضبوط بنیادیں مہیا کیں اور اس انداز سے اس کا نظم و نسق مضبوط کیا کہ ایک صدی گزرنے کے باوجود دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نہ صرف بدستور چل رہا ہے بلکہ عالمی شہرت رکھتا ہے۔ اس طرح آپ نے ندوۃ میں قریباً" گیارہ سال مزید گذارے۔ پھر ضعف' پیری اور ضعف بصارت کی وجہ سے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے الگ ہو کر خانہ نشین ہو گئے۔ مولانا حفیظ اللہ خان نے اپنے استاد ابو الحسنات مولانا عبدالحئیؒ کی سوانح حیات لکھی۔ کنز البرکات کے نام سے عربی میں ان کا سوانحی خاکہ مرتب کیا۔ اس طرح تصریح الافلاک کا حاشیہ بھی لکھا جو مطبع مجتبائی دہلی میں چھپا۔ (تراجم علمائے حدیث ہند)

مولانا حفیظ اللہ خان دارالعلوم کا دور علمی' دینی' تحقیقی اور اصلاحی اعتبار سے سنہری دور تھا۔ ندوۃ کے ابتدائی فضلاء مولانا حفیظ اللہ کے تیار کردہ اور تربیت یافتہ تھے۔ مولانا کے تلامذہ کی تعداد خاصی طویل ہے۔ ان کا دائرہ اثر خاصہ وسیع ہے۔ مولانا حفیظ اللہ مرحوم عقائد و اعمال میں پختہ فکر اہلحدیث تھے۔ اسی وجہ سے ندوہ کے ابتدائی فرزندان اور فضلاء حنفیت میں متعصب اور متصلب نہ تھے۔ مولانا حفیظ اللہ اپنے وقت کے جید' متبحر اور نادرۃ الوجود علماء میں سے تھے۔ (تراجم علماء حدیث ہند)

مولانا محمد صدیق فیروز پوریؒ

مولانا محمد صدیق سرگودھویؒ کا اصلاً تعلق تحصیل زیرہ ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب کے ایک گاؤں سے ہے۔ آپ نے تحصیل علم کی بیشتر منزلیں حضرت العلام

حافظ عبداللہ محدث روپڑی کے ہاں گذاریں۔ مولانا عطاء اللہ لکھوی محدث العصر حضرت محدث گوندلوی ؒ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ بھی آپ کے ممتاز اساتذہ میں سے ہیں تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت محدث روپڑی کے حکم سے لدھیانہ میں خطابت اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بحمداللہ وہاں ان کے بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے قیام پاکستان کے بعد سرگودھا میں مولانا محمد صدیق صاحبؒ نے اقامت اختیار کی جامعہ علمیہ کے نام سے دینی درسگاہ کا اجراء کیا۔ سیٹلائٹ ٹاؤن میں خوبصورت' صاف ستھری مسجد تعمیر کروائی اس میں خطبہ جمعہ اور صبح و شام درس قرآن و حدیث شروع کروائے۔ مولانا محمد صدیق سلجھے ہوئے مقرر اور منجھے ہوئے خطیب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بات کرنے کا سلیقہ اور قرینہ انہیں خوب عطا فرمایا تھا۔ گفتگو میں متانت اور شائستگی غالب ہوتی۔ ان کی تقریر و تحریر میں توازن' اعتدال اور تحمل کا حصہ وافر ہوتا۔ وسیع العلم اور وسیع المعلومات تھے ان کا ذاتی کتب خانہ تحقیقی نوادر علمی کتب پر مشتمل تھا۔ ہر وقت مطالعہ ان کی عادت ثانیہ تھی وہ توحید کے فدائی اور سنت کے شیدائی تھے ویسے تو تمام علوم سے بقدر ضرورت تعلق رکھتے تھے لیکن حدیث اور تفسیر پر انہیں کامل عبور اور استحضار تھا۔ مسئلہ وراثت پر وہ نہ صرف سپیشلسٹ تھے بلکہ انہیں ایک اتھارٹی کی حیثیت حاصل تھی سرگودھا شہر اور ضلع کے دیہات میں مولانا محمد صدیقؒ کا حلقہ بہت وسیع تھا ان کے تلامذہ بھی خاصی بڑی تعداد میں ملک میں دینی خدمت انجام دے رہے ہیں مولانا محمد صدیقؒ اس اعتبار سے نہایت بلند مرتبت اور خوش نصیب تھے کہ انہیں حضرت محدث روپڑیؒ کا بھرپور اعتماد حاصل تھا۔ ملک بھر کے تمام مکاتب فکر کے اہل علم میں انہیں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ حضرت محدث روپڑی کے بعد ان کے تلامذہ میں مولانا محمد صدیق کا فتویٰ نہایت مدلل مختصر اور جامع ہوتا تھا درجن کے قریب کتابوں کے مصنف تھے لیکن ان کا سب سے بڑا علمی شاہکار نقشہ وراثت اسلامیہ کی تالیف اور دو جلدوں میں

فتاویٰ اہلحدیث کی ترتیب ہے حسن اخلاق' حسن کردار' حسن معاملات' حسن اخلاص کی دولت سے مالا مال تھے مہمان نوازی میں بھی انہیں بلند مقام حاصل تھا۔ مزاج کے توازن طبیعت کے تحمل اور خیالات کی ثقاہت کی وجہ سے علماء میں انہیں امتیازی مقام حاصل تھا۔ وہ عابد' ذاکر' شب خیز' دیانتدار' متقی اور پرہیزگار شخصیت تھے وہ ظاہراً باطناً" لساناً" ذہناً" قلباً" جنوباً" شمالاً' شرقاً" غرباً" فوقاً" تحتاً" خالص سلفی العقیدہ عالم دین تھے اہلحدیث کے جرائد و رسائل اور مجلّات میں ان کے رشحات فکر ہمیشہ شائع ہوتے رہے۔ وہ مرنجاں مرنج انسان تھے وہ نہ ہی زائد مرتاض تھے نہ ہی عبوست و یبوست کے حامل ظرافت و لطافت سے بھی دلچسپی رکھتے تھے خوش پوشاک' خوش خوراک' وضع دار انسان تھے۔ اس قدر خوبیوں والے انسان اب چراغ رخ زیبا لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں گے وہ بیک وقت محدث' مفسر' مصنف' مترجم' مفتی اور قائد تھے ان کی زندگی دشت علم کی سیاحی میں گذری۔ افسوس ۱۶ اپریل ۱۹۸۸ء کو موت کے ہاتھوں نقد جان ہار گئے ایک بہت بڑے اجتماع میں رو رو کر مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی نے اپنے مخلص دوست اور رفیق کی نماز جنازہ پڑھائی۔ مجلسی گفتگو میں بھی وہ امتیازی شان رکھتے تھے۔

مولانا عبدالخالق قدوسی شہیدؒ

مولانا عبدالخالق قدوسی درویش منش' سادہ طبیعت' سادہ بود و باش' علمی اور تحقیقی مزاج رکھنے والی شخصیت تھے۔ مولانا قدوسی ایک گمنام گھرانے کے فرد تھے۔ لیکن اپنی مسلسل محنت' علمی ذوق و شوق' دینی خدمات اور خلوص کی بدولت شہرت کے آسمان پر پہنچے۔ استاذ العلماء حضرت حافظ محمد گوندلویؒ مولانا عبدالحیؒ' مولانا محمد یعقوب قریشیؒ' مولانا محمد عبدہ الفلاح اور دیگر اجلاء علماء کرام ان کے محترم اساتذہ ہیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا قدوسی مرحوم نے یسر چھوڑ کر

عسری زندگی اختیار کی۔ وہ کس قدر دانش ور تھے اس کا اندازہ اس مکتبہ میں آنے جانے والے دوستوں کو یقیناً ہو گا کہ وہاں علمی مشورہ لینے والوں' مصادر و مراجع تلاش کرنے والوں کا ہمیشہ تانتا بندھا رہتا تھا مولانا وسیع المطالعہ' وسیع العلم اور وسیع الظرف انسان تھے' حسن اخلاق' حسن کردار' حسن معاملات ان کی ایک اہم خوبی تھی۔ علم پرور' علم نواز انسان تھے۔ مستقبل میں ان سے بہت سے علمی اور تحقیقی کارناموں کی امیدیں وابستہ تھیں۔ تاریخ اہلحدیث ان کا خاص موضوع تھا اور وہ ایک مبسوط تاریخ اہل حدیث بھی مرتب کر رہے تھے۔ جس کی سن ہجری کے اعتبار سے چودہ جلدیں ہوتیں۔ اور ہر جلد میں اس صدی ہجری کے اہل حدیث علماء و فضلاء اور اکابرین کے حالات اور انکی خدمات کا تذکرہ ہوتا۔ لیکن افسوس یہ عظیم الشان منصوبہ ان کی شہادت سے ادھورا رہ گیا۔ قافلہ احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ کے وہ ایک اہم رکن رکین تھے۔ صاحب الرائے اور صائب الرائے ساتھی تھے۔ سیاسی ذوق میں خاصی وسعت تھی سیاسیات کے نشیب و فراز سے بھی باخبر تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ جماعتی نیا کے کھیون ھار تھے۔ لیکن ظالم ہاتھوں نے ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو انہیں ہم سے جبرا چھین لیا اور ہماری دین و دانش لٹ گئی۔ مقام شکر ہے کہ ان کے صاحبزادگان گرامی باپ کی علمی میراث کے وارث ہیں اور اپنے والد کے دوستوں سے نہایت خلوص و نیاز مندی سے پیش آتے ہیں۔

علامہ نواب وحید الزمان حیدر آبادیؒ

مولانا وحید الزمان حیدر آبادی جو علمی اور مایہ ناز ہستی تھے۔ شروع شروع میں نہایت متعصب اور متصلب حنفی تھے۔ مطالعہ سے تحقیق و تفتیش کی طرف رخ مڑ گیا اور تقلید جامد کا زور ٹوٹ گیا پھر عامل بالحدیث ہو گئے۔ بڑے فاضل اور حدیث پر عبور و استحضار رکھنے والی شخصیت تھے۔ بعض مسائل میں ان کے تفردات بھی ہیں۔ جس سے شیعہ کو شہ مل سکتی ہے۔ اسی لئے بعض علماء اہلحدیث نے ان کا

رد فرمایا ہے۔ نواب وحید الزمان خان نے شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی، علامہ شیخ حسین بن محسن انصاری خزرجی یمانی، شیخ عبدالحق بنارسی اور مولانا محمد بشیر قنوجی ایسے اساطین علم و فضل سے حدیث اور دیگر علوم و فنون اخذ کیے۔

نواب وحید الزمان خان ۱۲۹۴ھ میں حجاز مقدس تشریف لے گئے، وہاں کچھ عرصہ ان کا قیام رہا۔ علامہ نواب سید صدیق حسن خان رحمتہ اللہ علیہ کو ان کی علمی گہرائی، ذہانت و فطانت اور قادر الکلامی کا علم ہوا تو ان کے برادر اکبر نواب بدیع الزمان کے ذریعے پیغام بھیجا کہ آپ جب تک حجاز مقدس میں قیام رکھیں گے پچاس روپے ماہوار آپ کو برابر ملتے رہیں گے اور نواب سید صدیق حسن خان نے لکھا کہ میری دلی خواہش ہے کہ کتب احادیث خصوصا" صحاح ستہ کا اردو ترجمہ کر کے شائع کیا جائے تاکہ اردو دان اہل وطن فیضان نبوت" سے محروم نہ رہیں۔ نواب صاحب نے مولانا وحید الزمان اور مولانا بدیع الزمان دونوں بھائیوں کو صحاح ستہ کے اردو ترجمہ کے لئے آمادہ کر لیا اور یہ حقیقت ہے کہ مولانا وحید الزمان اور مولانا بدیع الزمان دونوں بھائیوں کی مسلسل محنت اور مساعی سے احادیث خصوصا" صحاح ستہ کا ترجمہ اردو میں ہوا۔ یہ وہ علمی کارنامہ ہے جس کی دنیا بھر میں کوئی مثال نہیں۔ چنانچہ دیگر دو درجن کتب کے ساتھ ساتھ صحاح ستہ کا اردو ترجمہ ان ناموں سے کیا۔ (۱) کشف المغطا عن الموطا۔ (۲) الھدی المحمود ترجمہ سنن ابی داؤد۔ (۳) نسائی کا ترجمہ روض الربی من ترجمہ المجتبی (۴) المعلم لترجمتہ صحیح مسلم (۵) تسہیل القاری شرح اردو صحیح بخاری۔ لیکن افسوس چار پاروں سے آگے بخاری کی شرح جاری نہ رکھ سکے۔ (۶) تیسیر الباری ترجمہ صحیح البخاری۔ (۷) رب العجاجتہ عن ترجمتہ سنن ابن ماجتہ، اس کا آغاز ان کے برادر اکبر مولانا بدیع الزمان نے کیا تھا لیکن ابھی وہ کتاب الطہارۃ پر پہنچے تھے۔ ۱۳۰۴ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ تو اس کی تکمیل مولانا وحید الزمان نے کی۔ (۸) جائزۃ

الشعوذی ترجمہ جامع الترمذی۔ اس ترجمے کا آغاز بھی مولانا بدیع الزمان کے کیا تھا ابھی وہ یکجا نہیں ہوا تھا کہ وہ فوت ہو گئے آخری ابواب کا ترجمہ مولانا وحید الزمان نے کیا۔ (۹) اشراق الابصار فی تخریج احادیث نور الانوار یہ اصول فقہ کی مشہور کتاب ہے اس کی احادیث کی تخریج مولانا وحید الزمان نے کی۔ (۱۰) احسن الفوائد فی تخریج احادیث شرح العقائد یہ بھی مشہور درسی کتاب ہے جو شرح عقائد نسفیہ کے نام سے متعارف ہے۔ مولانا وحید الزمان نے اس کی احادیث کی تخریج کی۔ (۱۱) توحید اللغات یہ اردو میں حدیث کی جامع اور مبسوط لغت ہے جو ۲۸ جلدوں پر مشتمل ہے۔ (۱۲) تصحیح کنز العمال برصغیر کے نامور محدث شیخ علی متقی المتوفی ۹۷۵ھ کی مشہور تالیف کنزل العمال فی سنن الاقوال والافعال کو جب دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن نے شائع کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی تصحیح کا کام مولانا وحید الزمان نے انجام دیا۔ (۱۳) تبویب القرآن یہ بھی مولانا وحید الزمان کی مایہ ناز تصنیف ہے جس میں قرآن پاک سے ہر مضمون کی آیات کی تبویب کی گئی ہے۔

مولانا وحید الزمان جید عالم، عظیم محدث، ممتاز فاضل، ماہر حدیث اور عربی سے اردو زبان میں ترجمہ کرنے کے سلسلے میں لاثانی شخصیت تھے۔ ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں یہ علم و فضل کا آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ بحمد اللہ یہ کریڈیٹ بھی اہلحدیث کے کھاتے میں جاتا ہے۔ جو پورے برصغیر میں اردو داں طبقے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے متعارف کروانے میں ادا کیا۔ فرزندان اہلحدیث نے جو خدمات انجام دیں ان کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔

(حیات مولانا وحید الزماں، علماء اہلحدیث کی خدمات حدیث، مولنا ارشاد الحق اثری)

مولانا عبدالوہاب محدث دہلویؒ

مولانا عبدالوہاب ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۰ء میں قصبہ واسو آستانہ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے بعد میں ان کے والدین قصبہ مبارک آباد ضلع ملتان میں منتقل ہو گئے اسی

لئے ملتانی کہلائے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مرحوم سے حاصل کی۔ پھر لکھو کی ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب میں حضرت حافظ محمد لکھوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ لکھو کی صرف و نحو کا بہت بڑا مرکز تھا اور پورے پنجاب میں اس کی شہرت تھی۔ مولانا عبدالوہاب نے وہاں اپنی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے قرآن پاک بھی حفظ کر لیا اور صرف و نحو کی متوسط کتابوں تک رسائی حاصل کر لی۔ پھر قطب ربانی مولانا سید عبداللہ غزنویؒ کے پاس پہنچے۔ وہاں جا کر صرف و نحو کے ساتھ ساتھ بلوغ المرام ریاض الصالحین و دیگر کتب شروع کر دیں اور ساتھ ساتھ حضرت غزنویؒ کی صحبت و مجلس سے مستفیض ہوئے۔ حضرت غزنویؒ کی مجالس نے روحانی اور دینی طور پر ان کو چندے آفتاب چندے ماہتاب بنا دیا۔ پھر امرتسر سے دہلی تشریف لے گئے دہلی اس وقت علوم و فنون کا مرکز تھا۔ شیخ العرب والعجم' شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ متوفی ۱۳۲۰ھ کی مسند درس بچھی ہوئی تھی نہ صرف برصغیر بلکہ افغانستان' ترکستان' عرب' یمن' برما دور دراز سے طالبان علم ان کے حلقہ درس میں شامل ہوتے اور اپنی علمی لب تشنگیاں بجھا کر واپس جاتے۔ حضرت میاں صاحب کے تلامذہ انتہائی باکمال اشخاص تھے بلکہ ان کا ایک ایک شاگرد چلتی پھرتی انجمن کی حیثیت رکھتا تھا۔ مولانا عبدالوہاب نے حضرت میاں صاحب اور مولانا منصور الرحمان تلمیذ امام شوکانی کے سامنے زانوائے تلمذ طے کئے' صحاح ستہ' ادب و بلاغہ' منطق و فلسفہ' تاریخ و سیر' تفسیر و فقہ جملہ علوم فنون کی تعلیم بیس سال کی عمر میں مکمل کر کے فراغت حاصل کی اور زندگی بھر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ باون سال مسند حدیث پر بیٹھ کر صحاح ستہ کا درس دیا۔ رجب ۱۳۵۱ھ جولائی ۱۹۳۲ء کو آپ دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں آپ کو دفن کیا گیا ویسے تو ان کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ لیکن ان کے درج ذیل تلامذہ نہ صرف نامور تھے بلکہ اپنے علمی' دینی' تعلیمی' تدریسی خدمات کی بناء پر ملک گیر شہرت رکھتے تھے۔ مثلاً مولانا حافظ

عبدالستار محدث دہلویؒ' مولانا عبدالجبار محدث کھنڈیلوی' مولانا محمد بن ابراہیم جونا گڑھی' امام حرم شیخ ابو السمح عبدالظاہر المکی' مولانا عبدالستار کلانوری' مولانا عبدالجلیل سامرودی' مولانا عبدالجلیل خاں دہلوی' مولانا محمد عبداللہ اوڈ' امیر المجاہدین ولی کامل صوفی محمد عبداللہ' علامہ عبدالعزیز میمن' مولانا محمد سورتی' شیخ الحدیث مولانا عبداللہ فیصل آبادی' مولانا عبدالرشید اثاوی' مولانا عبیداللہ اثاوی' مولانا نسیم الدین رنگ پوری' (بنگلہ دیش)' مولانا عبدالحئی میمن سنگھی' مولانا احمد اللہ ندوی' مولانا محمد ابراہیم نڑیاوی' مولانا احمد حسن نڑیاوی' مولانا عبدالحمید بدھو آنوی' مولانا حافظ عنایت اللہ وزیر آبادی' مولانا عبدالعظیم بستوی' مولانا محمد اسحاق کوٹ کپوری' مولانا عبدالقادر حصاری

مولانا عبدالوہاب نہایت صالح' شب زندہ دار' کثرت سے نوافل اور تلاوت کرنے والے بزرگ تھے آپ کے کلام میں بلا کا اثر تھا۔ ہر معاملہ میں سنت کو ترجیح دیتے تھے اور سنت پر ہی عمل پیرا رہتے تھے۔ آپ احقاق حق اور ابطال باطل میں مجسمہ صاف گوئی اور راست بازی تھے۔ مولانا عبدالوہاب نے سنت کی اشاعت' حدیث کے فروغ' کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے کے سلسلہ میں بڑی تکلیفوں اور مخالفتوں کا سامنا کیا۔ لیکن وہ کوہ استقامت بن کر حدیث و سنت کے تعامل پر ڈٹے رہے۔ کوئی مفاد' مصلحت اور مفاہمت تعامل حدیث پر ان میں سر مو فرق نہیں ہونے دیا۔ غالبا" ۱۹۲۱ء' ۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے کہ ترکی کی خلافت کی حمایت میں پورے برصغیر میں ہندو و مسلم کا اتحاد پیدا ہوا اور پوری یکجہتی سے بلا امتیاز عقیدہ و مذہب انگریز کے خلاف ڈٹ گئے۔ اسی اتحاد کی وجہ سے مجلس خلافت نے ہندوؤں کے جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے از خود رضا کارانہ طور پر قربانی کے موقعہ پر دہلی میں گاؤ کا ذبیحہ بند کر دیا تاکہ ہندو و مسلم میں یکجہتی قائم رہے۔ مولانا عبدالوہاب اس مسئلہ میں ڈٹ گئے اور خلافتی مسلمانوں کے اس فیصلے کو غیر اسلامی' غیر دینی اور غیر مسنون قرار دیا۔ اور گائے کی قربانی کا فیصلہ کیا۔ مجلس

خلافت میں شامل ہندوؤں اور مسلمانوں نے بذریعہ عدالت مولانا عبدالوہاب کو گائے کی قربانی سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن انگریز نے فیصلہ مولانا عبدالوہاب کے حق میں دیا اور لکھا جب کہ پورے ملک میں گائے کی قربانی ہو رہی ہے تو دہلی میں اس کی ممانعت کیوں؟ دہلی کے قصابوں نے گائے ذبح کرنے سے انکار کر دیا مولانا عبدالوہاب نے اپنے مبارک ہاتھوں سے عید کے روز گائے ذبح کی پھر اس کا گوشت بیل گاڑی پر لاد کر لایا جا رہا تھا کہ گاڑی کے بیل چھین لئے گئے اور گوشت لے جانے سے انکار کر دیا گیا۔ مولانا عبدالوہاب اور ان کے تلامذہ اپنے سروں پر گوشت رکھ کر لائے۔ یہ ان کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس سے ان کی دینی حمیت' اسلامی غیرت کا بخوبی اندازہ لگ سکتا ہے۔ دار الکتاب والسنہ کے نام سے مدرسہ ان کی دینی یادگار تھی۔ ۱۹۳۲ء میں مولانا عبدالوہاب فوت ہو گئے۔

مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی

مولانا عبدالجبار کھنڈیلہ سابق ریاست جے پور راجپوتانہ کے مایہ ناز سپوت تھے۔ مولانا عبدالجبار نے ابتدائی تعلیم کے بعد مولانا عبدالوہاب کے پاس دہلی میں داخلہ لیا اور مولانا عبدالوہاب نے اپنے ہونہار' ذہین' صالح' مخلص تلمیذ کو اپنے تلمذ اور شفقت میں لیا۔ ان کی تعلیم و تربیت میں خصوصی دلچسپی لے کر علوم و فنون میں انہیں یگانہ روزگار بنا دیا۔ مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی نے حضرت مولانا حافظ عبداللہ روپڑیؒ' حضرت مولانا امام سید الجبار غزنویؒ اور مولانا عبدالقادر لکھویؒ سے بھی اکتساب فیض کیا۔ فراغت کے بعد کچھ عرصہ مدرسہ دارالکتاب والسنہ دہلی میں مدرس رہے۔ پھر کھنڈیلہ میں دینی مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور سالہا سال تعلیمی و تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے مدرس مولانا محمد امین صادق کے والد گرامی مولانا قدرت اللہ بڈھیمالوی اور مولانا قاری عبداللطیف جالندھری آف وہاڑی' مولانا کھنڈیلوی کے ارشد تلامذہ میں سے

تھے اور وہیں سے انہوں نے فراغت حاصل کی تھی۔ مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کافی عرصہ دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ (بہار) میں شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر فائز رہے پھر کراچی پاکستان تشریف لے آئے اور تھوڑا عرصہ بعد دارالحدیث اوکاڑہ کی انتظامیہ نے بطور شیخ الحدیث مولانا کھنڈیلوی کی خدمات حاصل کیں اور سالہا سال وہیں تدریسی و تعلیمی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۱۹۶۲ء میں اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ موصوف کی پوری زندگی نہایت سادہ اور سلفی انداز میں گذری۔ ظاہر و باطن میں ہمیشہ یکسانیت رکھی۔ قول و عمل میں کبھی تضاد پیدا نہیں ہونے دیا۔ طبیعت کے بھی بڑے مرنجاں مرنج تھے ان کی طلباء سے محبت و شفقت مسلم تھی۔ چند رسائل بھی تصنیف کئے۔ ان کے مسائل کی تحقیق کا ذوق بڑا پختہ تھا۔ فتویٰ نہایت خوبصورت، متوازن، مدلل لکھا کرتے۔ جو اختصار و جامعیت کا حامل ہوتا۔ وہ مسائل میں بعض لوگوں کی ناپختگی پر بھی بڑا مدلل تعاقب فرماتے تھے۔ مولانا قاری عبدالخالق رحمانی آف کراچی ان کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ اسلاف کی یہ نشانی ۱۹۶۲ء میں ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئی اور اوکاڑہ میں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔

مولانا حافظ عبدالستار دہلویؒ

مولانا حافظ عبدالستار دہلویؒ، مولانا عبدالوہاب محدث دہلویؒ کے صاحبزادے ہیں۔ ۱۳۱۳ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ نیک اور عالم باپ کے نیک اور عالم بیٹے تھے۔ بدو شعور سے نیکی کی طرف میلان تھا اور کتاب و سنت پر عمل کرنے کا رجحان تھا۔ ابتداء سے لے کر انتہاء تک تمام علوم و فنون، تفسیر و احادیث، فقہ و معانی، تاریخ و ادب اپنے والد مرحوم سے پڑھے اور دوران تعلیم ابتدائی کتابوں کے جزو وقتی مدرس بھی رہے۔ فراغت کے بعد اپنے والد مرحوم کے جاری کردہ

مدرسہ دارالکتاب والسنہ صدر بازار دہلی میں مسند تعلیم و تدریس پر جلوہ افروز ہوئے اور چند ہی سالوں میں مدرسہ کے اہتمام کی ذمہ داریاں بھی ان پر ڈال دی گئیں اور شیخ الحدیث کے منصب جلیل پر بھی فائز ہوئے۔ زندگی بھر تعلیم و تدریس' وعظ و تبلیغ' بحث و مناظرہ اور تصنیف و تالیف کا شغل جاری رکھا مولانا عبدالوہاب مرحوم کے تلامذہ میں بڑی جلیل القدر علمی ہستیاں تھیں لیکن مولانا حافظ عبدالستار دہلوی کا تو حلقہ تلامذہ خاصا وسیع ہے۔ لیکن ان کے تلامذہ میں ہواؤں کا رخ موڑنے والی یگانہ روزگار شخصیت نہ تھی۔ البتہ شیخ الحدیث مولانا عبداللہ فیصل آبادی مرحوم نے ان سے کچھ اسباق ضرور پڑھے تھے۔ تاہم ان کے تلامذہ نہایت نیک' صالح طبیعت اور شب و روز دین کی خدمت بجا لانے میں مصروف تھے اور مصروف ہیں۔ مولانا عبدالستار مرحوم نے جماعت کا نظام امارت بھی پوری مضبوطی اور شرح صدر سے جاری رکھا ہر معاملے میں سنت کی اتباع کو ترجیح دی۔ جماعت کے نام غرباء اہلحدیث میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم **"بداء الاسلام غریبا وسیعود کما بداء وطوبی للغربا"** کو پیش نظر رکھا اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ مولانا حافظ عبدالستار کے صاحبزادے مولانا حافظ عبدالرحمان سلفی جماعت کے امام اور امیر ہیں اور ان کا صدر دفتر کراچی میں ہے۔ جماعت غرباء اہلحدیث کے کارناموں میں سے صحیفہ اہلحدیث کا اجراء بھی ہے جو جماعت اہلحدیث کا سب سے پرانا پندرہ روزہ رسالہ ہے۔ حافظ عبدالستار صاحب کم گو' صالح طبیعت' قائم اللیل' کثرت سے تلاوت اور نوافل پڑھنے والے تھے' ان کے وعظ و تبلیغ میں بلا کی سی تاثیر تھی بہت اچھے مناظر تھے ان کی اولاد بھی نہایت صالح اور باپ کی علمی جانشین اور وارث ہے۔ کراچی میں مدرسہ دارالسلام کے نام سے انہوں نے دینی درسگاہ شروع کی تھی آجکل وہ جامعہ ستاریہ کے نام سے گلشن اقبال کراچی میں کامیابی سے جاری ہے مولانا عبدالستار صاحب نے علمی یادگار کے طور پر تفسیر ستاریہ' فتاویٰ ستاریہ' بخاری شریف کا اردو ترجمہ

نصرۃ الباری شرح صحیح بخاری' حقیقت التوسل والوسیلۃ' اضافۃ جدیدہ' حکم رب الانام فی ابطال عمل المولد والقیام' تکمیل البرہان فی قراۃ ام القرآن' الدلائل والواثقہ فی جواز تسلیمۃ واحدۃ' خطبہ امارت' شمس الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ' ایک اہم سوال اور اس کا جواب' احقاق حق و ابطال باطل' اقامۃ الحجۃ علی ان نداء الثالثۃ یوم الجمعۃ فی المسجد بدعۃ' القول الصحیح فی اثبات المسیح وغیرہ گراں قدر تصانیف ہیں۔

مولانا حافظ عبدالستار دہلوی اہلحدیث کے جید علماء اور ممتاز فضلاء میں نمایاں حیثیت کے حامل تھے ان کے شب و روز اعلاء کلمۃ اللہ سربلندی اسلام' توحید و سنت کے فروغ اور دین کی تبلیغ میں صرف ہوتے رہے۔ اسلام کے یہ عظیم پاسبان ۱۹۶۶ء میں تھوڑا عرصہ علیل رہ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔

مولانا عبدالجلیل محدث سامرودیؒ

مولانا عبدالجلیل سامرودی مرحوم عظیم محدث' فقیہ' وسیع المطالعہ' متبحر فی العلوم تھے۔ انہوں نے اپنے خود نوشت حالات اپنی مشہور تصنیف "زہرۃ ریاض الابرار" میں شامل کئے ہیں۔ اور ان کے حالات ص ۱۸ سے ۲۴ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ہم اسی سے ان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ مولانا عبدالجلیل کی ولادت سامرود ضلع سورت صوبہ سوراشٹر میں ۱۳۰۹ یا ۱۳۱۰ھ کو ہوئی۔ مولانا کے دادا گرامی مولانا محمد عبدہ بھی چوٹی کے عالم اور محدث تھے۔ ۱۳۱۴ یا ۱۳۱۵ھ میں وہ مرض طاعون سے فوت ہو گئے بلکہ ان کی بستی سے طاعون کی وجہ سے چند نفوس ہی بچے اور غالباً" ۱۹۱۷ء کی بات ہے۔ جنگ عظیم اول کے خاتمے کے قریب مرض طاعون سے پورا برصغیر متاثر ہوا۔ پنجابی معمر لوگ اسے تباہ کرنے والی بیماری کا نام دیتے ہیں۔ وہ خود لکھتے ہیں۔ ۱۳۲۲ھ کو دہلی پہنچ گیا جبکہ میری عمر تقریباً ۱۲ برس تھی۔ حضرت میاں صاحب کے مدرسہ میں داخلہ لینا چاہا علامہ عبدالعزیز میمن مرحوم بھی

وہاں داخل تھے لیکن مہتمم مدرسہ نے صغر سنی کی وجہ سے مجھے داخلہ نہ دیا۔ علامہ عبدالعزیز میمن نے مجھے کہا کہ آپ مولانا عبدالوہاب صدروی کے مدرسہ میں چلے جاؤ۔ اس میں تمہیں داخلہ مل جائے گا۔ جب میں مدرسہ دارالکتاب والسنتہ صدر بازار میں پہنچا تو وہاں مولانا محمد سورتی سے ملاقات ہوئی جو رشتہ داری میں میرے ماموں جان اور چچا جان بھی تھے۔ چھ برس کی عمر میں بحمداللہ تمام علوم و فنون کی تکمیل کر لی۔ وہیں آریہ سماج سے مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا عبدالحق حقانی کا مناظرہ ہوا۔ پہلی مرتبہ مولانا ثناء اللہ مرحوم کی زیارت ہوئی تھی وہیں مولانا امرتسری نے طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ کہ تم حدیث میں امام بخاریؒ اور فقہ میں امام ابو حنیفہؒ بننے کا عزم رکھو اور محنت سے تعلیم حاصل کرو یقیناً تمہیں کوئی مقام مل جائے گا۔ ۱۳۴۰ھ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حج کی سعادت حاصل ہوئی وہاں آب زمزم پیتے وقت یہ خیال آیا کہ اس کو جس نیت سے پیا جائے اللہ تعالیٰ اس کی نیت پوری کر دیتے ہیں۔ چونکہ باب ملتزم پر مانگی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے تو میں نے باب ملتزم سے چمٹ کر اور رو رو کر دعا کی کہ اے اللہ پاک مجھے علم حدیث اور فقہ میں کمال عطا کر۔ بحمداللہ اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا قبول فرمائی۔ ہندوستان کے چوٹی کے علماء مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا ابو القاسم بنارسیؒ، مولانا عبدالرحیم فیروز آبادی اور خطیب الہند مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری نے میری دینی اور علمی خدمات کے اعتراف میں تحسینی و تعریفی خطوط لکھے۔

مولانا سامرودی اپنے وقت کے بہت بڑے محدث، محقق، فقیہہ اور مستحضر فی العلم عالم دین تھے۔ اکثر اہل علم مسائل کی تحقیق میں ان سے رجوع کرتے۔ مولانا سامرودی نے متعدد علمی، دینی اور تحقیقی کتب حوالہ قلم و قرطاس کیں۔ خصوصاً" زہرۃ ریاض الابرار (۲) وسلیتہ النجاۃ فی اتباع سنہ نبینا سیدنا السادات عربی و اردو (۳) اعتقاد الاکابر فی اجراء الصفات علی الظواہر عربی (۴) الباعث الحثیث

فی فضل علم الحدیث عربی (۵) اعلام من الغنی فی تلخیص الضعفاء والمتروکین من کتاب ابی الحسن الدار قطنی عربی (۶) الدلیل الاظہر فی تحقیق معنی اللہ اکبر عربی (۷) الغمغمتہ فی سنیتہ التسمیتہ عندالا لممتہ وغیرھا دون البسملتہ عربی (۸) ارسال البرید لقطع لغادید اہل التقلید والتردید لمن عزی اہل الحدیث الی القول الجدید (۹) الغمغمتہ مع ترجمتہ المجمتہ۔ ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۲۵' ۲۶ ہے جو نہایت مدلل اور محقق ہے۔

نہ صرف صوبہ سوداشٹر بلکہ پورے برصغیر میں ان کے علمی اثرات تھے۔ ان کے تحقیقی ذوق کی عظمت کو عرب کے علماء بھی تسلیم کرتے تھے ان کو اللہ تعالیٰ علمی طور پر بلند مقام اور عالمی شہرت دی تھی۔ ۱۳۹۴ھ میں کچھ عرصہ بیمار رہنے کے بعد وہ دار آخرت کو شدھار گئے۔ (مولانا سامرودی کے خود نوشت حالات)

مولانا محمد سورتیؒ

مولانا محمد سورتی بھی صوبہ سوداشٹر کے رہنے والے تھے۔ حصول علم کے لئے مرکز علوم و فنون دہلی میں تشریف لائے۔ مدرسہ دارالکتاب والسنتہ صدر بازار دہلی میں داخلہ لیا اور تمام علمی منزلیں مولانا عبدالوہابؒ کی سرپرستی میں گذاریں' مولانا محمد سورتی کو مولانا عبدالوہابؒ کی شفقتیں اور اعتماد ہمیشہ حاصل رہا۔ مولانا عبدالوہاب کی تعلیم و تربیت اور محبت نے ان پر خوب دینی رنگ چڑھایا بلکہ دینی ذوق کو دو آتشہ و سہ آتشہ کرنے میں مولانا عبدالوہابؒ کی تربیت کو بہت بڑا دخل ہے۔ جامعہ ملیہ جب دہلی میں منتقل ہوا تو ڈاکٹر ذاکر حسین اس کے سربراہ (سابق صدر جمہوریہ ہند) تھے۔ ڈاکٹر ذاکر حسینؒ نے جامعہ ملیہ میں بڑی باکمال علمی شخصیتیں جمع کرلی تھیں چنانچہ قرآن اور اسی کے متعلقات کی تعلیم کے لئے خواجہ عبدالحیٔ فاروقی مرحوم کو جامعہ ملیہ میں بلا لیا گیا۔ دینیات کی تعلیم و تدریس کے لئے مولانا محمد سورتی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ مولانا محمد سورتی دینی معاملات'

دینی مسائل اور دینی شعار میں بقول پروفیسر محمد سرور جامعی بہت متشدد تھے اور ان پر ان کے استاد مولانا عبدالوہابؒ کا رنگ غالب تھا۔ پروفیسر محمد سرور جامعی نے "شخصیات" میں مولانا محمد سورتی کے حالات لکھے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مولانا سورتی کسی استاد اور طالب علم کو گھٹنوں سے نیچے شلوار اور پائجامہ نہیں کرنے دیتے تھے۔ جامعہ کے دفتر میں کوئی غیر شرعی چیز آویزاں نہ ہونے دیتے۔ بلکہ ایک مرتبہ مختلف علمی اور تحقیقی اشخاص کی آویزاں تصاویر کو انہوں نے تہس نہس کر دیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین دفتر دیکھ کر دم بخود رہ گئے لیکن مولانا سورتی کے علمی تبحر' نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے کوئی باز پرس نہ کی۔ یہ مجسمہ دعوت و ارشاد' پیکر کتاب و سنت اگست ۱۹۴۲ء کو وفات پا گئے۔ مولانا عبدالرحمان سورتی جو کہ کئی کتابوں کے مصنف اور مترجم تھے وہ مولانا محمد سورتی کے بڑے صاحبزادے تھے۔
(شخصیات مصنفہ پروفیسر محمد سرور جامعی)

علامہ عبدالعزیز میمنؒ

مولانا عبدالعزیز میمن راج کوٹ صوبہ سوراشٹر (گجرات کاٹھیہ واڑ) سے تعلق رکھتے تھے حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے آخری ایام میں میاں صاحب کے مدرسہ میں داخل ہوئے اور میاں صاحب ضعف بصارت' پیرانہ سالی کی وجہ سے صحیحین پڑھاتے تھے۔ علامہ عبدالعزیز میمن اس وقت بالکل مبتدی تھے حضرت میاں صاحب سے استفادہ نہیں کر سکے لیکن ان کی زیارت ان کی خدمت کا انہیں شرف حاصل تھا۔ چنانچہ ایک ملاقات میں انہوں نے بیان فرمایا کہ حضرت میاں صاحب کی تجہیز و تکفین کے موقعہ پر میں پانی کے لوٹے بھر بھر کر لاتا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ میاں صاحب کی پشت پر ساٹھ سال تدریس کی وجہ سے کولہے پڑے ہوئے تھے۔ میاں صاحب کی وفات کے بعد ۱۳۲۲ھ تک تو وہیں رہے پھر مولانا عبدالوہاب صدروی دہلوی کے مدرسہ

دارالکتاب و السنہ صدر بازار میں داخل ہوئے۔ بقیہ علوم کی تعلیم و تکمیل مولانا عبدالوہاب مرحوم کے پاس کی۔ شروع سے ہی ان کا حافظہ اور ادبی ذوق قابل رشک تھا۔ ذہانت و فطانت انہیں ورثہ میں ملی تھی۔ کہتے ہیں کہ علامہ عبدالعزیز میمن کو پانچ ہزار وہ عربی اشعار یاد تھے جو ابھی تک طبع نہیں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا جماعت اہلحدیث پر یہ خاص فضل و کرم ہے کہ دو فرزندان اہلحدیث کی عربیت نہ صرف برصغیر بلکہ عالم عرب میں مسلم تھی ایک مولانا عبدالمجید حریری بنارسیؒ اور دوسرے علامہ عبدالعزیز میمنی چونکہ میمن برادری کے چشم و چراغ تھے اس لئے ان کے نام کے ساتھ لفظ میمن کا لاحقہ لازم تھا۔ مولانا عبدالعزیز کا عربی زبان دانی' عربی لکھت پڑھت' عربی بول چال میں پورے برصغیر میں طوطی بولتا تھا۔ قیام پاکستان سے قبل وہ علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے صدر رہ چکے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد کراچی یونیورسٹی میں عربی شعبہ کے ہیڈ رہے کئی سال اورینٹل کالج کے پرنسپل رہے۔ اورینٹل کالج لاہور پنجاب یونیورسٹی سے ملحق ادارہ ہے۔ مولانا کی عربی زبان و ادب پر عبور کامل کا یہ عالم تھا کہ ان کی عربی کتابوں کو مصر کی یونیورسٹیوں میں ان کی زندگی میں داخل نصاب کیا کسی عجمی نژاد عربی ادیب کے رشحات قلم عرب یونیورسٹیوں میں داخل نصاب ہونا بہت بڑی بات ہے اور ان کی خدمت کا عظیم اعتراف ہے اور ان کی زبان و قلم کو زبردست خراج تحسین ہے علامہ عبدالعزیز میمن اکل کھرے اہلحدیث تھے مسلک کے اظہار میں نہ وہ کبھی مصلحت کا شکار ہوئے نہ مداہنت کے روادار۔ علامہ عبدالعزیز میمن نے تقریباً ۳۵ کتب لکھیں جو کہ سب کی سب عربی ہیں۔

مسلک اور جذبہ اتباع سنت میں وہ اپنے واجب الاحترام استاد مولانا عبدالوہاب صدروی مرحوم کے ساختہ و پرداختہ تھے۔ اہل علم علامہ میمن کی چوکھٹ کو ہمیشہ اعتراف عظمت میں سلام کرتے۔ عرب دانشور ان کی زبان و بیان' فصاحت و بلاغت' ذہانت و فطانت سے بہت متاثر تھے۔ علامہ عبدالعزیز

میمن کی تصنیفات کا استقصاء کرنا تو خاصا دشوار ہے البتہ چند کتابوں کا "تبرکاً" نام حاضر ہے۔ (۱) الزہر الجنی من ریاض المیمنی (۲) سمط اللالی فی شرح امالی القالی (۳) حیوۃ ابن رشیق جو کہ اردو میں لکھی اور عربی میں بھی ترجمہ کیا۔ (۴) اقلید الخزانہ (۵) نقد لسان العرب (۶) رسالۃ الملا ئکۃ (۷) خلاصۃ السیر (۸) المستجاد من فعلات الاجواد (۹) النکت علی خزانۃ الادب (۱۰) دیوان کعب بن زہیر۔ علم و فضل کا یہ آفتاب' تحقیق و دانش کا یہ نیر تاباں ۱۹۷۸ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

سولھواں باب

دینی مدارس کا تابناک ماضی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلم کی فضیلت بیان کی ہے اور تعلیم و تعلم کو دنیا کا بہترین مشغلہ قرار دیا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **خیرکم من تعلم القران وعلمہ** خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معلم بھی تھے اور ہمیشہ اصحاب صفہ میں بیٹھنے کو پسند کرتے تھے۔ اسلام کے پھیلاؤ اور وسعت میں جہاں اور اسباب اور عوامل کا دخل ہے۔ وہاں تدریس و تعلیم نے بھی اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ قرآن منبع علوم ہے قرآن کی تشریح رسول اللہ کی حدیث مصدر فنون ہے اور تمام علوم کی وسعت ہمہ گیری تعلیم و تدریس کی مرہون منت ہے۔ پہلی صدی ہجری میں ہی تابعینؒ اور تبع تابعینؒ نے دینی علوم کی اشاعت اور تبلیغ کے لئے اپنے اپنے مکاتب و مدارس قائم کئے اور بے شمار خلق خدا تک ان کا فیضان پہنچا۔ انہی مدارس و مکاتب سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں محدثین اٹھے جنہوں نے اپنی حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس کے لئے وقف کیا اور اپنی زندگیاں اسی راہ میں کھپا دیں اور دنیا کی کایہ پلٹ کر رکھ دی۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ پوری کائنات میں اسلام پہلا اور آخری مذہب ہے جس کی حفاظت و صیانت کی ذمہ داری خود خدا تعالیٰ نے اٹھائی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون** (سورۃ الحجر) اسلام کی پہلی تین صدیاں علمی برتری کی صدیاں ہیں اور دینی علوم کی سربلندی کی صدیاں ہیں۔ مکہ مکرمہ' مدینہ منورہ' دمشق' بغداد' بصرہ و کوفہ' فسطاط' سکندریہ' یمن' حجاز اور عراق میں دینی مدارس و علمی معاہد کے عظیم مراکز تھے ایک ایک شہر میں کئی کئی عظیم مدارس

تھے۔ ان مدارس کا فیضان شمالی افریقہ' اندلس (یورپ) شرق اوسط' مشرق قریب اور مشرق بعید کے امصار و بلدان تک پھیلے ہوئے تھا۔ ایک ایک محدث کے پاس ۷۰' ۷۰ ہزار طلباء ان سے استفادہ کرنے والے ہوتے تھے اور علم کی روشنی سے تین براعظم منور ہو چکے تھے فکری اور نظری گمراہیوں ملوک و سلاطین کی سرپرستی اور غیردینی عقائد و اعمال کے علی الرغم محدثین نے ہر جہ بادہ باد کے تحت قرآن و سنت کی شمع کو ہر حال میں فروزاں رکھا۔

حقیقت یہ ہے یہ دور ہماری علمی سربلندیوں دینی سرفرازیوں تحقیقی رفعتوں کا دور تھا۔ تاریخ کے ہر دور میں ان دینی مدارس سے نابغہ عصر اور عہد ساز شخصیتوں نے جنم لیا جن کی مخلصانہ مساعی نے اپنے اپنے دور میں علم و آگہی اور تحقیق و دانش کی قندیلیں روشن کیں اور صفحہ عالم پر اپنی عظمت و برتری کے جھنڈے گاڑے محدثین کا ان مدارس میں علم و فضل' تحقیق و دانش کا طنطنہ قائم تھا۔ محدثین نے آنے والے لوگوں کے لئے اپنے خلوص اور محنت کے لازوال اور غیرفانی نقوش ثبت کئے۔ ان کے انہی علمی کارناموں کی وجہ سے ان کی عبقریت ہمیشہ مسلم رہی اور ہر دور میں انہیں خراج تحسین پیش کیا گیا۔

بحمداللہ آج بھی ان کا نام روشن ان کی دینی عظمت باقی ہے اور ان کی علمی رفعت مسلم ہے۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شہ بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

پورے عالم اسلام میں دینی مدارس کلیات اور جامعات کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔ برصغیر میں بھی بحمداللہ دینی مدارس نے دینی علوم و فنون کی اشاعت میں ایک بھرپور کردار ادا کیا۔ ایک وقت تھا کہ برصغیر کے رؤسا اور مخیر حضرات نے دینی مدارس کے لئے بڑی بڑی جائیدادیں وقف کر دی تھیں انگریز کی آمد سے پہلے دینی مدارس اپنے اوقاف کی وجہ سے اپنے مصارف اور اخراجات میں خود کفیل تھے۔ لیکن

انگریز نے مسلمانوں کے اوقاف ضبط کر کے دینی مدارس علماء اور مسلمانوں کے خلاف سب سے پہلا جارحانہ حملہ کیا اور مدارس کے خلاف زبردست سازش کی۔

برصغیر میں انگریز کی آمد

برصغیر میں شاہ جہان کے زمانے میں انگریز تاجر کے بھیس میں آیا سلطان غازی محی الدین' اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے بعد جب تیزی سے مغلیہ سلاطین بدلنے شروع ہوئے ان میں رقابت کی کشمکش شروع ہو گئی اور ان کا اندرونی خلفشار اور بیرونی انتشار بالکل کھل کر سامنے آگیا تو حالات و ظروف اور واقعات و مشاہدات کا جائزہ لے کر ایسٹ انڈیا کمپنی نے مغلیہ خاندان سے مراعات لے کر ہندوستان میں اپنے بال و پر بکھیرنے شروع کئے اپنے مفادات اور مقاصد کا دام ہم رنگ زمین بچھا کر دو صدیوں میں اپنے طویل المیعاد منصوبے کے تحت ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ رسوائے زمانہ اصول "پھوٹ ڈالو حکومت کرو" کو بروئے کار لا کر دھیرے دھیرے پورے ہندوستان پر تسلط جما لیا۔ انگریز کا طریق واردات یہ تھا کہ وہ دو ریاستوں کو آپس میں لڑاتا ایک ریاست کا دوسرے پر قبضہ کرواتا پھر اس پر خود قابض ہو جاتا۔ مغلیہ سلاطین کو شاہد و شباب اور کباب و شراب نے نہ صرف عیاش بنایا بلکہ ان کے باہمی اختلافات سے مرکز برائے نام رہ گیا سکھوں' مرہٹوں اور مسلمان جرنیلوں اور نواب زادوں نے مختلف صوبوں پر اپنی حکومتوں کے قیام کا اعلان کر دیا اور فی کل جریرۃ محراب و منبر کا منظر پیش کر دیا۔ انگریز کی شاطرانہ چالوں سے ہندوستان بھر میں چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہو گئیں اور ان میں آپس میں اتنا بعد پیدا کر دیا گیا کہ کبھی وہ متحدہ اقدام نہ کر سکیں۔ سراج الدولہ'' ٹیپو سلطان شہید'' شاہ اسماعیل شہید'' سید احمد شہید'' جھانسی کی رانی' مولانا احمد اللہ'' اور جنرل بخت نے اپنے اپنے وقت میں ہندوستان کو سنبھالا دینا چاہا۔ لیکن ملت کے جعفروں' صادقوں' غلام مرتضاؤں' احسن اللہ

خاؤں' مرزا الٰہی بخشوں اور میر رجب علیوں کی غداریاں اور ملت فروشیاں آڑے نہ آتیں تو یقیناً ہندوستان کی قسمت کا پانسہ پلٹ سکتا تھا اور انگریزوں کی قسمت کا تیا پانچا کیا جا سکتا تھا لیکن۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
اور کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

انگریز کے جبر و تشدد کا نشانہ

برصغیر میں مسند رحیمیہ دہلی نے تدریسی اور تعلیمی میدان میں قابل رشک کردار ادا کیا۔ لاہور' ملتان' منصورہ' ٹھٹھہ' مالیگاؤں' سورت' گجرات' کاٹھیہ واڑ' وسطی ہند' مشرقی ہند' جنوبی ہند میں دینی علوم و فنون کے ہزاروں مراکز اور مدارس اپنے فرائض انجام دے رہے تھے۔ چونکہ شاہ عبدالعزیزؒ نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ خیر آبادی علمی خاندان کے بغیر ہندوستان بھر کے علماء نے شاہ عبدالعزیز کی تائید کی اور انگریز کا مقابلہ علمائے کرام نے پوری مستعدی قوت اور استقامت سے کیا۔ اس کی پاداش میں انگریز نے دلی پر دوبارہ قبضہ کر کے ہزاروں علماء کو شہید کیا۔ بے شمار علماء کو زندان خانوں کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند کر دیا۔ بے شمار علماء کی جائیدادیں اور مکانات ضبط کر لئے گئے اور ان کے گلوں میں پھانسی کے پھندے ڈال دیئے گئے۔ سینکڑوں علماء کو جزائر انڈمان بھیج دیا گیا۔ حریت پسند علماء کو کالے پانیوں اور عبور دریائے شور کی سزائیں دی گئیں لیکن یہاں۔

بڑھتا ہے ذوق گناہ ہر سزا کے بعد ------ کی سی کیفیت تھی اور علماء کرام یہ فیصلہ کر چکے تھے۔

دو ہی مقام ہیں آزاد منش انسانوں کے
تختہ جگہ آزادی کی یا تخت مقام آزادی کا

(۱۸۵۷ء مصنف میاں محمد شفیع)

چونکہ علماء کرام انگریز کو طاغوت قرار دے چکے تھے اور قرآن پاک مسلمانوں کو طاغوت کے خلاف ہمیشہ آمادہ جہاد کرتا ہے۔ انگریز نے علماء سے ان کی حریت مالی اور جذبہ جہاد کا انتقام لیتے ہوئے۔ انہیں مفلوج کرنے کا پروگرام بنایا۔ دینی مدارس کی اکثریت مختلف خاندانوں کے ملوک و سلاطین اور مخیر حضرات کی وقف شدہ جائیدادوں سے چل رہی تھی انگریز نے علماء پر ضرب کاری لگاتے ہوئے ان کی اقتصادی و معاشی حالت کو تہہ و بالا کرنے کے لئے یا ہمنوا بنانے کے لئے ہندوستان بھر کے اوقاف ضبط کر لئے۔ ان کو ملاں کہہ کر ذلیل کرنے کی سازشیں بنائی گئیں۔ لیکن فرنگی شاطر کا کوئی بھی حربہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ حالانکہ وقف جائیدادوں کی ضبطیوں کے بعد علمائے کرام اقتصادی بدحالیوں اور معاشی ناہمواریوں کا شکار ہو گئے۔ چند مخصوص لوگوں کے علاوہ علماء کرام انگریزوں سے نہ ڈرے نہ دبے نہ بکے۔ بلکہ وہ کوہ استقامت بن کر اپنے میدان میں ڈٹے رہے۔

انگریز کی پسپائی اور علماء کی ثابت قدمی

انگریز نے وقف جائیدادیں ضبط کر کے بزعم خود معاشی طور پر علماء کو مفلوج کر دیا۔ ادھر علماء بھی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں تھے بلکہ استقامت کا پہاڑ بن کر ذہنی اور عملی طور پر انگریز کے خلاف صف آراء رہے۔ انگریز نے بھنا کر علماء اور مدرسین کو اپنے جبر و تشدد کا نشانہ بنایا۔ مگر وہ اپنے مقاصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اوقاف کی ضبطی کے بعد حالات انتہائی تشویش ناک ہو گئے۔ علماء کرام نے ہرحال میں تعلیم و تدریس کی شمع کو فروزاں رکھا۔ قوت لایموت پر گذر بسر کی۔ اوقاف مدارس چھن جانے کے بعد ہر عسرو یسر میں علماء کبھی غافل نہیں ہوئے۔ غربت اور اقتصادی بدحالی کی وجہ سے طلباء کے رات کے مطالعہ

کے لیئے روشنی کا انتظام بسا اوقات نہ ہو سکا۔ اس دور کے طلبہ محنتی، مخلص اور شب زندہ دار قسم کے انسان تھے۔ وہ اپنی فنی اور ممتاز کتابوں امہات الکتب کا رات کا مطالعہ کمیٹیوں کے چراغوں کی روشنی سے کرتے رہے۔ یوں انگریز نے علماء پر مہمل وار کر کے دینی مدارس کو ختم کرنا چاہا لیکن اس دور کے علماء بڑے سخت جان اور استقامت کا پہاڑ تھے۔ انگریز کے منصوبے کے علی الرغم علماء نے عظیم الشان قربانیاں دے کر متحدہ انداز میں اسلام کو سربلند رکھا اور دین کی قندیلیں بجھنے نہ دیں۔ تمام تر معاشی کٹھنائیوں کے ہوتے ہوئے دینی مدارس کا ملک بھر میں جال بچھا دیا اور ایسے ایسے مردان کار اور عبقری رجال ان دینی مدارس کی پھوڑیوں سے اٹھے جنھوں نے ہندوستان بھر میں انگریز اور اس کی کارستانیوں کو طشت ازبام کیا اور دینی علوم و فنون کو سینوں سے لگا کر اس کو زندہ و جاوید رکھا۔ جتنے بھی دینی مدارس تھے انہوں نے اپنی اقتصادی ناہمواری کے باوجود دین اور دینی علوم سے وابستگی برقرار رکھی اور اپنی مدد آپ کے تحت نئے نئے دینی مدارس کھولے گئے اور علماء کرام کی ایک ایسی کھیپ تیار کر دی جو انگریز اور اس کی شاطر اولاد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حریت و استقلال وطن اور جہاد کا جھنڈا سربلند کرتے رہے۔ انگریز کی کوئی بھی قہرمانیت علماء کو نہ ڈرا سکی نہ دبا سکی اور نہ جادہ حق سے ہٹا سکی۔ علماء کرام کل بھی زندہ تھے آج بھی زندہ ہیں اور کل کو بھی زندہ رہیں گے۔ بحمد اللہ۔ علماء کی صفوں سے اور دینی مدارس سے عہد ساز شخصیتوں نے جنم لیا جنھوں نے اپنی قوت کے بل بوتے پر ملک کی فضاؤں کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ سیرت و اعمال، گفتار و کردار، دعوت و ارشاد تالیف و تصنیف، تقویٰ و طہارت، بحث و مناظرہ، فکر و نظر، سیاست و فراست ہر ہر میدان میں علمائے کرام نے داد شجاعت دی۔

دینی مدارس

خصوصاً" انگریز کی اسلام اور مسلمان دشمنی کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے دینی تعلیم و تربیت کے لئے دینی مدارس کا ایک جال بچھا دیا۔ دہلی کی مسند رحیمیہ" نے ایسی ایسی باکمال شخصیتوں کو تیار کیا کہ گزشتہ دو صدیوں میں ان کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ حقیقت یہ ہے مسند رحیمیہ سے ایسی نابغہ عصر شخصیتیں اٹھیں جنہوں نے حالات کے رخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا علم و آگہی' تحقیق و دانش' دیانت و امانت' تقویٰ و طہارت' بحث و مناظرہ' دعوت و ارشاد' اخلاص و ایثار' استعداد و قابلیت' ذہانت و فطانت' قلم و قرطاس' تعلیم و تدریس' تالیف و تصنیف' سیف و سنان' شجاعت و راست بازی اور جرات و بے باکی ان پر ناز کرتی تھی و فعداری' شب خیزی' ذکر و فکر' عبادت و ریاضت ان کے ماتھے کا جھومر تھا۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں علماء اسی مسند رحیمیہ کے فیض یافتہ اور خوشہ چیں تھے۔ پانچ نسلیں اسی مسند رحیمیہ کے فیضان کی مرہون منت تھیں مسند رحیمیہ نے عبقری رجال پیدا کرنے میں وہ کردار ادا کیا جو گزشتہ چار صدیوں میں عالم اسلام کی کوئی دانش گاہ نہ کر سکی۔ مسند رحیمیہ" کے فضلا اپنی اپنی جگہ پر ایک چلتی پھرتی انجمن اور ایک ادارہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہیں ہم اسلامی تاریخ کا لب لباب' خلاصہ اور جوہر بھی کہہ سکتے ہیں۔ وہ فخر الاماثل اور عہد ساز شخصیتیں تھے۔ تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ شاہ عبدالرحیم فاروقی" امام شاہ' ولی اللہ محدث دہلوی" شاہ عبدالعزیز" اور ان کے برادران گرامی۔ شاہ محمد اسحاق" شاہ محمد یعقوب" شیخ الکل میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہم اللہ علیہم اجمعین اسی مسند کے فضلا اسی کے مسند نشین اور اسی کی صفوں پر بیٹھ کر چار دانگ عالم میں اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کی رشد و ہدایت پھیلاتے رہے۔ برصغیر کے تمام مکاتب فکر اس مسند کی ہمہ گیری اور عظمتوں کے احسانات سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

دیگر مدارس

صدر الحمید شاہ محمد اسحاقؒ اور شاہ محمد یعقوبؒ کے مکہ مکرمہ میں ہجرت کر جانے کے بعد حضرت میاں سید نذیر حسینؒ دہلوی نے مسند رحیمیہ پر بیٹھ کر ساٹھ سال تک علوم کتاب و سنت کو فروغ دیا۔ ہندوستان بیرون ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں آپ کی روشن کردہ شمع فیروزاں نے کتاب و سنت اور علم و تحقیق کی روشنی پھیلائی۔ ہندوستان کی راجدھانی دہلی کو علمی بغداد بنا دیا۔ برصغیر کی وسعتوں سے ذہین و فطین اور قابل صد احترام شخصیتیں سمٹ سمٹا کر دہلی پہنچنا شروع ہوئیں۔ دہلی میں حضرت میاں صاحب کے مدرسہ کے ساتھ ساتھ مدرسہ حاجی علی جان' مدرسہ سعیدیہ' مدرسہ محمدیہ' مدرسہ دارالسلام' مدرسہ دارالکتاب والسنہ' مدرسہ سبل السلام' مدرسہ زبیدیہ' مدرسہ ریاض العلوم' مدرسہ فیاضیہ' مدرسہ امینیہ' مدرسہ فتح پوری بھی اپنے حلقے میں کام کر رہے تھے۔ مولانا عبدالغنی مجددی نے بھی ایک مدرسہ بنایا ہوا تھا۔ مولانا احمد علی نے سہارنپور میں۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دیو بند میں مدرسہ قاسمیہ کے نام سے شروع کر رکھے تھے جو آج بحمداللہ یونیورسٹیاں بن چکے ہیں۔

مدرسہ احمدیہ آرہ

اس کی بنیاد مولانا محمد ابراہیم آوری متوفی ۱۳۲۰ھ نے ۱۸۸۰ء میں اس کی بنیاد رکھی۔ مولانا آروی حضرت میاں صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ یہ مدرسہ کس قدر اہمیت کا حامل تھا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ اس کے بارے میں لکھتے ہیں "مولوی نذیر حسین کے شاگردوں میں ابراہیم صاحب آروی خاص حیثیت رکھتے تھے۔ وہ نہایت خوشگوار اور پردرد واعظ تھے۔ وعظ کہتے تو خود روتے اور دوسرے کو رولاتے۔ نئی باتوں مین اچھی باتوں کو پہلے قبول کرتے۔ چنانچہ نئے طرز پر انجمن علماء اور عربی مدرسہ اوز اس میں دارالاقامہ کی بنیاد کا خیال انہی کے دل میں آیا انہی نے ۱۸۸۸ء میں مدرسہ احمدیہ کے نام سے ایک مدرسہ آرہ میں

قائم کیا اور اس کے لئے جلسہ مذاکرہ علمیہ کے نام سے ایک مجلس بنائی جس کا سال بہ سال جلسہ آرہ میں ہوتا" (حاشیہ حیات شبلی صفحہ ۳۸۲)

مدرسہ احمدیہ آرہ کی عظمت کا اندازہ ان کے اساتذہ اور شیوخ سے بخوبی لگ سکتا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد سعید محدث بنارسی' مولانا محمد اسحاق فخر غازی پوری' مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی' ثم اعظم گڑھی' مولانا عبدالغفار مہدانوی' مولانا عبدالنور در بھنگوی' مولانا نذیر الدین احمد بنارسی' مولانا عبدالقادر' مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری' قاضی محمد مچھلی شہری یہ سب مدرسہ احمدیہ صوبہ بہار کے شیوخ اور مدرسین تھے۔ جب یہ اساتذہ وہاں تعلیم و تدریس کے فرائض سرانجام دے رہے تھے۔ اس دور کے بارہ میں مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی لکھتے ہیں۔ "ان بزرگوں کی موجودگی سے مدرسہ مرجع خلائق بن گیا۔ حوالی اور مدرسہ کے اساتذہ ہالہ بنے ہوئے تھے جس میں حدیث کا یہ چاند ضیا پاشی کر رہا تھا" (تراجم علمائے حدیث ہند ص ۳۰۷) مدرسہ احمدیہ آرہ کا علمی طور پر کیا مقام تھا اپنے اور بیگانے اسے کیا اہمیت دیتے تھے۔ اس کا اندازہ اس امر سے لگایئے کہ ندوۃ العلماء کے پہلے اجلاس میں جبکہ مولانا آروی بھی اس میں شامل تھے۔ علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے ایک تجویز پیش کی (حالانکہ نعمانی صاحب حنفیت کے بارے میں خاصے متشدد تھے) "اس امر میں سعی کی جائے کہ مدارس اسلامیہ جو کثرت سے جا بجا قائم ہیں۔ ان کو ایک سلسلہ میں مربوط کرنے کے لئے دو تین بڑے بڑے مدرسے مثل مدرسہ دیو بند' مدرسہ فیض عام کانپور' مدرسہ احمدیہ آرہ وغیرہ بطور دارالعلوم کے قرار دیئے جائیں اور چھوٹے چھوٹے مدرسے ان کی شاخیں قرار دی جائیں (حیات شبلی ص ۳۸۲) وسطی ہندوستان کے اہل علم مدرسہ احمدیہ آرہ کی علمی اہمیت کو نہ صرف خوب سمجھتے تھے بلکہ اکثر علماء کی خواہش یہ تھی کہ اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے مدرسہ احمدیہ آرہ میں بھیجا جائے چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم لکھتے ہیں کہ "۱۹۰۰ء میں میرے والد مرحوم مجھے اسی مدرسہ

میں بھیجنا چاہتے تھے مگر تقدیر کچھ اور تھی" مدرسہ احمدیہ آرہ کو تاریخی اعتبار سے یہ برتری اور فوقیت حاصل ہے ۱۹۰۶ء میں اسی کے سالانہ جلسہ کے موقع پر آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے پہلے صدر استاذ الاساتذہ حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری" منتخب ہوئے اور اس کے ناظم اعلیٰ شیخ الاسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری منتخب ہوئے اور خازن حافظ حمیداللہ دہلوی قرار پائے۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس نے برصغیر میں بڑا کام کیا۔ پنجاب' سرحد' ہمہ چل پردیش' اتر پردیش' مدھیہ پردیش' مدراس' بنگال اور دوسرے صوبہ جات میں انیس' بیس فقید المثال سالانہ اہلحدیث کانفرنسیں منعقد کیں۔ اندرون ملک ۳۸ کے قریب دینی مدارس قائم کئے پورے ہندوستان میں مبلغین کا جال بچھایا لاکھوں روپے کی ہزاروں کتابیں مفت تقسیم کیں۔ مدرسہ چشمہ رحمت کی تدریس سے حنفی حضرات نے حافظ صاحب غازی پوری کو تدریس سے جواب دے دیا اور شہر والوں نے عمل بالحدیث کی وجہ سے شدید مخالفت شروع کر دی چنانچہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی اور حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم آروی" مرحوم کے شدید تقاضا اور اصرار پر حافظ غازی پوری مرحوم نے مدرسہ احمدیہ آرہ کی صدر مدرسی قبول فرمائی حضرت غازی پوری کی تشریف آوری سے مدرسہ احمدیہ آرہ کی رونق دو چند ہو گئی خلق خدا اور علماء کا وہ مرجع اور مرکز بن گیا۔ بیس برس تک حافظ صاحب نے وہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔ مولانا ابراہیم آروی کی وفات کے بعد مولانا غازی پوری دل برداشتہ ہو کر آرہ سے دہلی تشریف لے آئے' ان کے آنے کے بعد مدرسہ احمدیہ آرہ اجڑ گیا۔ پھر مولانا عبدالعزیز رحیم" آبادی نے اپنے جاری کردہ دینی مدرسہ دربھنگہ میں اسے ضم کر دیا اور اس کا نام دارالعلوم احمدیہ سلفیہ قرار پایا۔

درخت کا اندازہ اس کے پھل سے لگ سکتا ہے۔ مدرسہ احمدیہ آرہ سے کیسی کیسی باکمال شخصیتوں نے سند فراغت حاصل کی مختصر طور پر اس کا اندازہ

اس سے فرمائیں مولانا عبدالسلام مبارک پوریؒ صاحب "سیرۃ امام بخاری" حضرت مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ صاحب "تحفۃ الاحوذی" مولانا عبدالغفور حاجی پوریؒ مولانا ابو بکر محمد شیث جونپوریؒ صدر شعبہ علوم دینیہ' مسلم یونیورسٹی علی گڑھ' مولانا شاہ عین الحق پھلواروی اس قسم کے اکابر اسی لئے خانہ علم سے سرشار ہوئے حقیقت یہ ہے کہ وسطی ہند اور مشرقی ہند یعنی مشرقی یو پی' صوبہ بہار' صوبہ بنگال اور ملک کے بعض دیگر قرب و جوار میں مدرسہ احمدیہ آرہ کے اثرات اور نشانات ایک عرصہ تک باقی رہے۔

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ

دربھنگہ صوبہ بہار میں ایک چھوٹی سی ہندو ریاست تھی جو اب ضلع بن چکی ہے وہاں مولانا عبدالعزیز رحیمؒ آبادی مرحوم نے مدرسہ سلفیہ کی بنیاد رکھی۔ جب مدرسہ احمدیہ آرہ سے حضرت غازی پوری دہلی تشریف لے گئے مدرسہ احمدیہ آرہ بالکل بے رونق ہو گیا طلباء کی اکثریت بھی دہلی چلی گئی اور اسے حسب سابق بارونق رکھنے کی کوئی سبیل باقی نہ رہی تو حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ مرحوم نے اسے مدرسہ سلفیہ دربھنگہ میں ضم کر دیا اور مدرسہ احمدیہ آرہ کی تمام لائبریری اور دیگر سامان دربھنگہ پہنچا دیا۔ اس کا نام دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریہ سرائے دربھنگہ قرار پایا۔ مولانا عبدالعزیز رحیمؒ آبادی کی وفات کے بعد اس کے جملہ انتظامات ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم کے سپرد کر دیئے گے۔ ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم اپنے علاقہ کی نہایت موثر شخصیت تھے۔ وہ بہار اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے تھے۔ ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم نے دارالعلوم احمدیہ سلفیہ کو چار چاند لگانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا۔ دارالعلوم احمد سلفیہ مشرقی ہند کی ایک ممتاز اور مشہور دانش گاہ ہے۔ جس میں تقریباً پانچ صد طلباء اور تیس اساتذہ تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں آج کل ڈاکٹر سید عبدالحفیظ بن ڈاکٹر سید محمد فرید

مرحوم دارالعلوم کے منتظم اور منصرم ہیں۔ گزشتہ سال ریاض سعودی عرب میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔ دارالعلوم سے پندرہ روزہ "الہدیٰ" بھی نکلتا ہے جو تقریباً نصف صدی سے جاری ہے۔

حمیدیہ برقی پریس کے نام سے دارالعلوم کا ایک چھاپہ خانہ بھی ہے۔ صوبہ بہار کے اکثر علماء دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے فضلاء فیض یافتہ اور خوشہ چین ہیں۔ حالات کی عدم مساعدت کے باوجود دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریہ سرائے دربھنگہ روبہ ترقی ہے۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی

امیر المجاہدین حضرت صوفی عبداللہؒ مجاہدین کا کوئی پیغام لے کر علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے پاس دارالعلوم دیو بند گئے۔ علامہ صاحب اس وقت ترمذی شریف پڑھا رہے تھے صوفی صاحب علامہ انور شاہ کی حدیث کی تاویلات کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے علامہ انور شاہ مرحوم سے دریافت کیا کہ حضرت آپ ترمذی پڑھا رہے ہیں یا اس کی تردید فرما رہے ہیں؟ دو تین افغانی طالب علم ان کے خیال میں یہ بہت بڑی گستاخی تھی جس سے مشتعل ہو کر اور چاقو لے کر وہ صوفی صاحب کی طرف لپکے صوفی صاحب مرحوم نے فرمایا کہ میں جماعت مجاہدین کا آدمی ہوں اور میں ان کا پیغام لے کر شاہ صاحب کے پاس آیا ہوں اگر مجھے کوئی نقصان پہنچا تو تم خود اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ علامہ انور شاہ مرحوم نے افغانی طلباء کو جھڑک دیا اور صوفی صاحب کو ایک طالب علم کے سپرد کیا کہ ان کو مہمان خانہ میں لے جاؤ۔ اس طالب علم نے بتایا کہ یہاں ساٹھ' ستر اہلحدیث طلباء حنفی بن کر پڑھ رہے ہیں صوفی صاحب نے ان سے کہا کہ تم اہلحدیث مدارس میں کیوں داخل نہیں ہوتے؟ اس نے کہا کوئی اہلحدیث مدرسہ بیس تیس طلباء سے زیادہ کا متحمل نہیں ہے شیخ عبدالرحمٰن اور ان کے بھائی شیخ عطاء

الرحمٰن دہلی کے بڑے تجار میں شمار ہوتے تھے اور جماعت مجاہدین کے خاص معاون تھے۔ صوفی صاحب کا بسلسلہ جماعت مجاہدین ان کے یہاں آنا جانا رہتا تھا۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کے پاس بھی بسلسلہ مالی اور افرادی اعانت حضرت صوفی صاحب کثرت سے جایا کرتے تھے صوفی صاحب نے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی سے درالعلوم دیو بند کا سارا ماجرا بیان کیا۔ چنانچہ صوفی صاحب کی تجویز مولانا رحیم آبادی کی تائید توثیق' ترغیب' اور تحریک سے دارالحدیث رحمانیہ کی نہ صرف بنیاد رکھی بلکہ شیخ عبدالرحمٰن اور ان کے بھائی شیخ عطاء الرحمٰن نے باڑہ ہندو راؤ دہلی میں ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کروائی جدید تقاضوں کی روشنی میں اس کے دارا لتدریس اور دارالاقامہ کو الگ الگ تعمیر کروایا گیا اور ۱۹۲۱ء میں باقاعدہ تعلیم و تدریس کا آغاز کر دیا گیا۔ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ اس کے پہلے مدرس مقرر ہوئے شیخ الحدیث مولانا احمد اللہؒ پرتاب گڑھی' مولانا غلام یحییٰ کانپوری' مولانا عبدالرحمٰن نگر ہنسوی اس کے اولین اساتذہ میں سے تھے۔ مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ شروع سے قیام پاکستان تک اس کے سالانہ ممتحن رہے۔ مولانا نذیر احمد رحمانی مرحوم' مولانا عبیداللہ رحمانی مرحوم اسی مدرسہ کے فیض یافتہ اور مدرس رہے۔ مولانا شیخ محمد عبدہ الفلاح حفظہ اللہ بھی اس میں کئی سال مدرس رہے۔ مولانا نذیر احمد رحمانیؒ مولانا عبیداللہ رحمانیؒ صاحب المرعاۃ المفاتیح' مولانا محمد شفیع آروی' مولانا عبیداللہ پیغمبر پوریؒ مولانا ولایت حسینؒ مولانا عبدالرؤف مرشد آبادیؒ مولانا عبدالرؤف جھنڈ نگریؒ مولانا محمد عبدالرحمٰن مسئولی' مولانا عبدالرحیم رحمانی' مولانا مجاز اعظمیؒ مولانا عبدالرحیم حسینوی رحمانیؒ و دیگر اجلہ علمائے کرام اسی دبستان رحمانیہ کے گل سرسبد تھے دارالحدیث رحمانیہ نے چند سالوں میں اپنے بلند علمی معیار کی ایک ایسی ساکھ پیدا کر لی جس کے نتیجہ میں ہندوستان بھر سے ذہین و فطین' قابل اور محنتی طلباء رحمانیہ میں پہنچنے شروع ہو گئے۔ مولانا عبدالحلیم صدیقی رحمانی متوفی ۱۹۳۵ء' مولانا محمد ابراہیم رحمانی اپنی

حسن تقریر و تحریر اور سیاسی بلند مقام کی وجہ سے دارالحدیث رحمانیہ کے ماتھے کا جھومر تھے۔ دارالحدیث رحمانیہ سے ایک وقیع علمی اور تحقیقی مجلہ ماہنامہ "محدث" کے نام سے جاری تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بٹوارے میں الشیخ عبدالوہاب نے دارالحدیث رحمانیہ کی عمارات اور لائبریری سکول جامعہ ملیہ کو دے دے جو اب بھی ان کے پاس ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ رحمانیہ کے اجڑنے کے بعد ہم دارالحدیث رحمانیہ کا نعم البدل نہ بنا سکے اگرچہ برصغیر میں بڑے بلند بانگ دعاوی رکھنے والے مرکزی مدارس موجود ہیں لیکن رحمانیہ کی علمی جانشینی ابھی تک تشنہ کام ہے۔

جامعہ محمدیہ عربیہ رائدرک مدراس

جنوبی ہند میں ایک عظیم الشان دینی مدرسہ ہے جو سالہا سال سے دینی علوم کی خدمات بجا لانے میں مصروف ہے۔ جنوبی ہند میں کتاب و سنت کی تعلیمات کو عام کرنے اور مسلک اہلحدیث کے فروغ میں اس کا تاریخی کردار مسلم ہے۔ اس دینی مدرسہ نے خاصے مردان کار پیدا کئے جنھوں نے تقریر و تحریر تعلیم و تدریس' دعوت و ارشاد' بحث و مناظرہ اور تالیف و تصنیف کے جمیع میدانوں میں مسلک اہلحدیث کی اشاعت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں ہونے دیا۔ بحمد اللہ اب بھی بڑی کامیابی سے چل رہا ہے۔

جامعہ دارالسلام عمر آباد

یہ مدراس جنوبی ہند کی عظیم الشان دانش گاہ ہے۔ جامعہ دارالسلام نے پورے جنوبی ہند میں اپنا ایک وسیع حلقہ پیدا کیا ہے اس کا فیضان سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں انسانوں تک پہنچ چکا ہے۔ بڑی بڑی نامور شخصیتوں کو اس نے جنم دیا۔ سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اس کے فضلاء سینکڑوں کی تعداد میں اپنے دینی اور علمی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ دیہات و قصبات کی مساجد

اہلحدیث میں اسی کے فضلاء خطابت و امامت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ جامعہ دارالسلام کی سند سرکاری حلقوں نے بھی منظور کی ہے اور ہندوستان کے سرکاری حلقوں میں اس کی سند کو اہمیت حاصل ہے۔ دینی مدارس میں بھی دارالسلام کے فضلاء کو نہایت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ بحمداللہ اب بھی تقریباً پانچ صد طلباء اس میں زیر تعلیم ہیں اور بڑی کامیابی سے یہ جامعہ چل رہی ہے۔ مولانا یوسف کوکن عمری مصنف امام ابن تیمیہ" جیسے فضلاء' مولفین اور مصنفین اس جامعہ کے فرزند ہیں۔

جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر

جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر ریاست نیپال میں اہلحدیث کی عظیم اور قدیم دینی دانشگاہ ہے اس کے بانی مشہور فاضل ممتاز خطیب شہرہ آفاق مصنف مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈے نگری کی ذات گرامی ہے۔ مولانا رحمانی نے اس دینی باغ کو اپنے خون جگر سے سینچا ہے۔ مولانا رحمانی رابطہ عالم اسلامی کے بھی رکن ہیں۔ متعدد علمی کتابوں کے مصنف اور فصیح و بلیغ خطیب ہیں آج کل بڑھاپے اور کمزوری کے باوجود ان کی علمی سرگرمیوں میں چنداں فرق نہیں آیا۔ ریاست نیپال میں اسلام کی سربلندی' دین کی اشاعت' کتاب و سنت کی تبلیغ اور مسلک اہلحدیث کے فروغ میں جامعہ سراج العلوم کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اب مدرسہ عائشہ کے نام سے بچیوں کے لئے بھی کامیاب درسگاہ چل رہی ہے۔ مولانا عبداللہ مدنی مولانا جھنڈا نگری کے دست و بازو ہیں۔

جامعہ سلفیہ بنارس

بنارس وسطی ہند میں ہندوؤں کا ایک متبرک مقام ہے۔ شام اودھ صبح بنارس کا محاورہ واقعی اس پر صادق آتا ہے۔ ویسے بھی بنارس مسلک اہلحدیث کا قدیم مرکز ہے۔ خصوصاً" محلہ مدن پورہ اہلحدیث کا گڑھ ہے مولانا محمد سعید بنارسی

نے یہاں ڈیرے ڈالے اور مدرسہ سعیدیہ کے نام سے اپنا فیضان عام شروع کیا۔ مولانا بنارسی کے صاحبزادگان مولانا ابو القاسم بنارسی' مولانا ابو مسعود قمر بنارسی' مولانا قاری احمد سعید بنارسی اور ان کے بھائیوں نے وہاں بڑا کام کیا۔ مولانا محمد سعید بنارسی سے قبل مولانا عبدالحق بنارسی تلمیذ امام شوکانی مرحوم جیسے محدث بھی یہیں پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالمجید حریری جیسے مسلمہ عربی ادیب بھی یہیں کے رہنے والے تھے۔ جامعہ رحمانیہ بنارس کی علمی دینی اور تاریخی خدمات سے کوئی مصنف مزاج مورخ انکار نہیں کر سکتا۔ بحمداللہ وہ اب بھی جاری ہے۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند کی متعدد مجالس میں ایک مرکزی جماعتی دانش گاہ کے بنانے کا فیصلہ ہوا۔ بالآخر وسطی ہند کے عظیم تاریخی مرکزی شہر بنارس میں ۱۹۶۳ء میں اس کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ بنارس کی جماعت اور رؤسا نے بڑا بھرپور اور پرخلوص تعاون فرمایا۔ آج الجامعۃ السلفیۃ ریوڑی تالاب بنارس کے نام سے وہ نہ صرف ہندوستان بھر میں بلکہ عالم اسلام میں اپنا ایک مقام بنا چکا ہے۔ تھوڑے عرصے میں علمی اور دینی حلقوں میں جامعہ سلفیہ کا جو تشخص قائم ہوا ہے بہت کم ہی ادارے ایسا تشخص قائم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ جامعہ سلفیہ بنارس سے عربی اردو کے دو معیاری رسالے نکلتے ہیں۔ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری جنہوں نے عربی میں "رحمۃ للعالمین" کی تینوں جلدوں کا ترجمہ کیا ہے اس کے وکیل ہیں جامعہ سلفیہ بنارس میں ہندوستان بھر کی علمی طور پر چوٹی کی شخصیتیں محو تعلیم و تدریس ہیں جامعہ سلفیہ میں آٹھ' نو صد بیرونی طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جامعہ سلفیہ کو تھوڑی سی مدت میں متعدد علمی اور تحقیقی کتابیں شائع کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ اس کے پہلے شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد مرحوم تھے۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری "صاحب الرحیق المختوم" بھی اسی کے نامور فرزند اور عظیم استاذ رہے ہیں جو آج کل مدینہ یونیورسٹی میں حدیث کی تحقیق پر کام کر رہے ہیں۔ جامعہ سلفیہ نے تھوڑے عرصہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور

درالعلوم دیو بند کی برابری کا مقام تقریباً حاصل کر لیا ہے۔

بھارت میں ہندوؤں کی متعصب اور متشدد حکومت کے باوجود اور مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور معاشی ناہمواری کے ہوتے ہوئے بھی بحمد اللہ جماعت اہلحدیث کتاب و سنت کی تبلیغ، تفہیم، تعلیم و تدریس اور مسلک کے فروغ کے فرائض سے کبھی غافل نہیں ہوئی۔ چنانچہ مرکزی جمعیت اہلحدیث کی تازہ جائزہ رپورٹ کے مطابق ملک بھر میں چار صد سے زائد دینی مدارس اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں ہم اگر ہر مدرسہ کے تعارف کے سلسلہ میں صرف پانچ پانچ سطریں لکھیں تو کتاب کی ضخامت بہت بڑھ جائے گی۔ اس لئے چند مشہور مدارس کے اسماء کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جامعہ محمدیہ مالیگاؤں صوبہ مہاراشٹر، جامعہ رحمانیہ بنارس، جامعہ نذیریہ، جامعہ اصلاح المسلمین پٹنہ، مدرسہ اسلامیہ فیض عام مئو ضلع اعظم گڑھ مدرسہ عالیہ مئوناتھ بھجن، دارالعلوم ششنیاں (لبتی) مدرسہ ریاض العلوم دہلی، مدرسہ دارالکتاب والسنۃ دہلی وغیرہ

ہندوستانی بھائیوں سے معذرت کے ساتھ ناگزیر مجبوریوں کے تحت مدارس کی تفصیلات لکھنے سے قاصر ہیں اسی طرح بنگلہ دیش میں دو درجن کے قریب اہلحدیث کے مدارس و مکاتب نہایت اچھا کام کر رہے ہیں ان کے علمی اور دینی نتائج و ثمرات قابل رشک ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مرضیات سے نوازے۔ اب ہم پاکستان کے اہل حدیث دینی مدارس کی ایک ہلکی سی جھلک حوالہ قلم و قرطاس کر رہے ہیں۔

پاکستان میں اہلحدیث کے دینی مدارس

متحدہ پنجاب میں بحمد اللہ مسلک اہل حدیث کے فروغ میں اہل حدیث کے دینی مدارس نے بنیادی کردار ادا کیا، یہ اللہ کا خاص فضل و کرم ہے کہ غزنوی اور لکھنوی خاندان نے اشاعت توحید و سنت میں جو رول ادا کیا ہے۔ وہ بے مثال

اور غیر فانی ہے۔ متحدہ پنجاب میں جامعہ محمدیہ لکھوکی۔ دارالعلوم تقویتہ الاسلام غزنویہ امرتسر' جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن' جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ اور مدرسہ اسلامیہ ڈھلیانہ' مدرسہ دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیروالہ' دارالحدیث محمدیہ ملتان کی خدمات بھی سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔ دارالحدیث رحمانیہ بڈھیمال' دارالحدیث کھپیانوالی' مدرسہ اسلامیہ منڈی صادق گنج' مدرسہ اسلامیہ نہجانوالی وغیرہ چھوٹے مدارس بھی اپنے دائرہ کار میں خوب دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ اب چیدہ چیدہ دینی مدارس جن کا حلقہ اثر قابل رشک اور قابل فخر ہے ان کی خدمات غیر فانی ہیں۔ ذیل میں ہم ان کے بارے میں مختصر لکھنا چاہتے ہیں۔

جامعہ محمدیہ لکھوکی

حافظ محمد رحمتہ اللہ علیہ جب دہلی سے ۱۲۷۰ھ میں فارغ ہو کر وطن واپس تشریف لائے تو اپنے بیٹے مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی سے مشورہ کے بعد ۱۲۷۰ھ میں لکھوکی ضلع فیروز پور میں مدرسہ محمدیہ کی بنیاد رکھی۔ باپ بیٹے نے اس میں نمایاں حصہ لینا شروع کیا۔ سرزمین متحدہ پنجاب میں مدرسہ محمدیہ لکھوکی میں سب سے پہلا اہلحدیث کا دینی مدرسہ تھا جس کے قیام سے لاکھوں انسانوں کو فیض پہنچا اور سینکڑوں علماء کرام فارغ التحصیل ہوئے۔ مدرسہ محمدیہ کے خاکے میں حافظ صاحب کے برادر زادہ مولانا عبدالقادر لکھوی اور ان کے صاحب زادے استاذ پنجاب مولانا عطاء اللہ لکھوی مرحوم نے خوب رنگ بھرا اس کو پروان چڑھانے اور نقطہ عروج تک پہنچانے میں ان دونوں باپ بیٹے نے اپنی ہڈیوں کی کھاد مہیا کی اور انہی کی مخلصانہ تدریسی مساعی سے وہ مدرسہ سے جامعہ بن گیا۔ آج کل جامعہ محمدیہ کے نام سے اوکاڑہ میں وہ مصروف تعلیم و تدریس ہے۔ مولانا معین الدین لکھوی حفظہ اللہ اس کے مہتمم ہیں۔ استاذ پنجاب مولانا عطاء اللہ لکھوی مرحوم کے صاحب زادگان گرامی نے مدرسہ محمدیہ کے نام سے رینالہ خورد میں اس کا

اجراء کیا۔ اس کے روح رواں مولانا حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی مرحوم تھے۔ ان بھائیوں کے خلوص للہیت اور فاضلانہ تدریس سے مدرسہ محمدیہ رینالہ خورد نے نہایت اچھی شہرت اور اچھی ساکھ قائم کر لی مولانا عبدالرحمٰن لکھوی حفظہ اللہ اور مولانا حافظ شفیق الرحمٰن لکھوی کی سرپرستی سے حافظ حفظ الرحمٰن لکھوی بی اے۔ بن مولانا حافظ عزیز الرحمٰن لکھوی اس کے نظم و نسق کو نہایت مستحکم طریق اور خوش اسلوبی سے چلا رہے ہیں۔ بلکہ آج کل وہ دو مدرسے چلا رہے ہیں جامعہ عائشہ بنات کے لئے اور جامعہ ابی ہریرہ بنین کے لئے اللہ تعالٰی انہیں کامیابی عطا فرمائے۔ (سوانح حیات حافظ محمد لکھوی مصنفہ محمد ابراہیم خلیل)

دارالعلوم تقویۃ الاسلام غزنویہ امرتسر

پنجاب میں دوسرا قدیم دینی مدرسہ دارالعلوم تقویۃ الاسلام غزنویہ امرتسر ہے اس کے بانی حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی رحمتہ اللہ کی ذات گرامی ہے مولانا عبدالجبار غزنویؒ کی وفات کے بعد اس کا انتظام و انصرام مولانا سید احمد علی غزنویؒ نے سنبھالا۔ مولانا احمد علیؒ کی وفات کے بعد مولانا سید داؤد غزنویؒ نے اس کے جملہ انتظامات اپنی نگرانی میں انجام دیئے۔ امرتسر میں اس کی جدید عمارت بنوائی۔ مولانا سید عبدالاول غزنوی کی تدریسی خدمات بھی دارالعلوم کو ہمیشہ حاصل رہیں۔ مولانا داؤد غزنوی کے بعد پروفیسر سید ابو بکر غزنویؒ شہید نے اسے بڑی ترقی دی پروفیسر کی شہادت کے بعد مولوی سید عمر فاروق غزنویؒ اس کے مہتمم قرار پائے۔ مولوی عمر فاروق غزنویؒ کی وفات کے بعد آج کل سید عثمان غزنوی بن سید حافظ محمد سلمان غزنوی اس کے مہتمم ہیں۔ دارالعلوم تقویۃ الاسلام میں شیخ الحدیث مولانا نیک محمدؒ مولانا عبداللہ بھوجیانیؒ" مولانا محمد خانؒ" مولانا عبدالمجید ہزارویؒ" مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ" مولانا حافظ محمد اسحاقؒ" مولانا الشیخ محمد عبدہؒ ایسی یگانہ رزگار شخصیتیں اس کی مدرس رہی ہیں۔ مولانا حافظ

محمد گوندلوی' مولانا حافظ عبداللہ روپڑی'' مولانا محمد یوسف کلکتوی'' مولانا محمد اسحاق چیمہ'' مولانا محمد یوسف راجوالوی' مولانا حافظ عبدالحق صدیقی'' مولانا عبداللہ ویرالوی'' مولانا حافظ محمد اسماعیل ذبیح اسی گلستان علوم دینیہ کے سدا بہار پھول تھے دارالعلوم تقویتہ الاسلام غزنویہ نے متحدہ پنجاب میں عموماً'' اور مشرقی پنجاب میں خصوصاً'' بڑا کام کیا۔ لکھوی خاندان کے اکثر اکابر بھی اسی درس گاہ کے خوشہ چیں ہیں۔ سینکڑوں علماء یہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ ہزاروں علماء نے یہاں سے اکتساب فیض کیا۔ لاکھوں انسانوں تک اس کا فیضان پہنچا۔ اب بھی لاہور میں یہ بڑی مستعدی سے تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی' مولانا عبدالرشید سلام پوری اور دیگر نوجوان فضلاء بھی اسی چشمہ صافی اسلام سے سیراب ہوئے۔ ان سطور کا راقم بھی اس عظیم الشان دینی درسگاہ کا خوشہ چین ہے۔

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن ضلع فیصل آباد ساندل بار کا عظیم اور قدیم دینی مدرسہ ہے اس کے قیام کا چند سطری پس منظر یہ ہے۔

۱۔ چونکہ لاہور سے ملتان تک مغربی اور جنوبی پنجاب میں کوئی دینی مدرسہ نہ تھا۔ امیر المجاہدین صوفی عبداللہ'' کی دلی خواہش تھی کہ ایک دینی مدرسہ کو شروع کر کے اس خلا کو پر کیا جائے اور عوام الناس کو مثبت طور پر تعلیمات کتاب و سنت سے روشناس کروایا جائے۔

۲۔ حضرت صوفی صاحب نے ایک خواب دیکھا جس کی تعبیر ان کے نزدیک دینی مدرسہ کا اجراء تھا۔

۳۔ جماعت مجاہدین کے قافلوں کو براستہ جھنگ' بھکر' ڈیرہ اسماعیل خاں' آزاد علاقے تک پہنچانے کے لئے اوڈانوالہ کو ایک اہم پڑاؤ بنایا جائے۔

۴۔ مجاہد علماء تیار کئے جائیں۔ جو انگریز کے خلاف جنگ و پیکار میں ایک بھرپور کردار ادا کریں۔

۵۔ صوفی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے ذمے ہندوستان بھر سے مجاہدین کے لئے فراہمی چندہ کی ذمہ داری تھی۔ لیکن جنگ عظیم اول کی وجہ سے حالات اس قدر سنگین ہو گئے تھے اور مجاہدین انگریز کے خاص نشانہ ستم تھے۔ مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی مرحوم کی رفاقت کی وجہ سے صوفی صاحب کے لئے ہندوستان میں چلنا پھرنا بہت زیادہ دشوار ہو گیا تھا حضرت صوفی صاحب نے اس کا حل یوں نکالا کہ ایک دینی مدرسہ جاری کر کے اس کے مہتمم کی حیثیت سے ہندوستان میں گھومے پھریں اور ساتھ ساتھ جماعت مجاہدین کا کام بھی کرتے رہیں۔

۶۔ زیادہ سے زیادہ طلباء کو داخلہ دے کر اہلحدیث نوجوانوں کو حنفی مدارس کی چیرا دستیوں سے بچایا جائے یہ تھے وجوہ و اسباب مدرسہ تعلیم الاسلام کے قیام و اجراء کے جس کا آغاز غیر رسمی طور پر ۱۹۲۱ء میں چک گ ب/۴۹۳ میں کیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں اسے باقاعدہ دارالعلوم کی شکل دی گئی۔ ۶۶۔۱۹۶۵ء میں یہ منڈی ماموں کانجن منتقل کر دیا گیا۔ پھر اس کی وسعت کار اور مزید شعبہ جات کے قیام کی وجہ سے اسے جامعہ قرار دیا گیا۔ اب یہ جدید تقاضوں سے آراستہ' خوبصورت عمارت رکھنے والی مثالی جامعہ ہے نو ایکڑ رقبہ اراضی پر یہ مشتمل ہے۔ اس کی جدید اور تاریخی مسجد زیر تکمیل ہے۔ حضرت صوفی صاحب ۲۸ اپریل ۱۹۷۵ء کو وفات پا گئے ان کے بعد مولانا عبدالقادر ندوی اس کے مہتمم اور ان سطور کا راقم اس کا ناظم ہے۔

تھوڑا سا عرصہ مولانا محمد سلیمانؒ وزیر آبادی بھی اس کے مہتمم رہے۔ جامعہ میں مولانا حافظ محمد اسحاقؒ' استاد العلماء حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی' مولانا محمد اسحاق چیمہؒ' مولانا الشیخ محمد عبدہ' مولانا عبدالرحمٰن لکھوی' مولانا پیر محمد یعقوب قریشی' مولانا عبدالرشید راشد ہزاری' مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی' مولانا حافظ

عبدالعزیز علوی' مولانا حافظ عبدالستار حماد' مولانا محمد صادق خلیل' مولانا محمد یعقوب ملوی' مولانا حافظ عبداللہ محدث بڈھیمالویؒ اس کے نامی گرامی مدرس رہے ہیں۔ مولانا محمد اسحاق چیمہؒ حافظ ذکریا جھوکویؒ مولانا عتیق اللہ جھوکویؒ مولانا محمد صدیق فیصل آبادیؒ مولانا ابو البرکات احمد' مولانا محمد حسین مدراسیؒ مولانا حافظ عبداللہ بہاولپوریؒ مولانا محمد اسماعیل فاضل ریاض یونیورسٹی' پروفیسر عبداللہ گجراتیؒ ' مولانا عبدالحمید ہزاروی' پروفیسر ظفر اللہ' پروفیسر عبدالخالق روپڑی' قاری محمد صدیق ایم اے فاضل مدینہ یونیورسٹی' مولانا عبدالواحد ایم اے' لیفٹننٹ کرنل مولانا عمر فاروق غازی' پروفیسر حبیب اللہ مجاہد' پروفیسر غلام نبی' پروفیسر محمد علی حلیم' مولانا قدرت اللہ فوق' مولانا محمد احمد پرواز' مولانا محمد اسماعیل حلیم' مولانا حافظ مشتاق احمد پرواز' پروفیسر محمد یحیٰ' مولانا طیب معاذ' پروفیسر محمد اسماعیل عقیل شجاع آبادی' مولانا محمد مدنی جہلمی' مولانا برق توحیدی' مولانا حافظ عبدالغفور جہلمی' مولانا عبدالغفور ناظم آبادی' مولانا محمد شریف اشرف' قاری محمد ایوب فیروز پوری' مولانا حافظ فتحی مدفون مکہ مکرمہؒ مولانا عبدالصمد رؤف' مولانا عبدالستار ظفرؒ مولانا محمد رفیق بٹالوی' مولانا محمد اسحاق خائفؒ مولانا عبدالقدوس ہزاروی' قاری عبدالرحیم زاہد' مولانا عبدالستار آف خانپور' مولانا عبدالقادر ندوی' مولانا محمد صدیق اعظمی' مولانا محمد صادق خلیل اس کے نامور فرزندان گرامی ہیں۔ جامعہ کا نصاب ہشت سالہ جدید و قدیم کا حسین امتزاج ہے وفاق المدرس کے عین مطابق بی اے تک انگریزی اختیاری مضمون ہے۔ پانچ صد کے قریب بیرونی طلباء جن میں کئی دیگر ممالک کے بھی ہیں۔ ملک کے دیہات و قصبات' ہائی سکولوں اور کالجوں میں بھی جامعہ کے فضلاء کام کر رہے ہیں۔ جامعہ کے فاضل عربی کلاس کے نتائج بھی ہمیشہ قابل فخر ہوتے ہیں۔ وفاق المدارس کے امتحانات میں جامعہ اپنی انفرادی اور امتیازی حیثیت کا مالک ہے۔ جامعہ کی سالانہ تبلیغی کانفرنس ملک اور بیرون ملک میں بہت اچھے اثرات رکھتی ہے۔ جس میں پاکستان اور بیرون

پاکستان سے جید اور نامی گرامی علماء کرام اور مشہور دانشور شمولیت کیا کرتے ہیں سعودی عرب' مصر اور یمن کے اہل علم بھی کانفرنس کے موقع پر تشریف لاتے ہیں خصوصاً" سماحۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظ اللہ امام و خطیب کعبۃ اللہ و رئیس شوون الحرمین' فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر عبداللہ الصالح العبید چانسلر مدینہ یونیورسٹی' ڈاکٹر عبداللہ الترکی وزیر مذہبی امور سعودیہ عربیہ' ڈاکٹر عبداللہ الزائد اور ڈاکٹر محمد شریف مشیر وزارت مذہبی امور عراق۔ جامعہ میں وقتاً" فوقتاً" سعودی عرب' مصر اور کویت کے جید علما کرام اور عظیم دانش واران تشریف لاتے رہتے ہیں۔ بھارت سے مولانا عبدالوہاب خلجی' نیپال سے مولانا عبداللہ مدنی' مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری' مولانا عزیر شمسی' مولانا شریف سلفی بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے جامعہ کو نواز چکے ہیں۔ جامعہ کا ترجمان مجلّہ تعلیم الاسلام کے نام باقاعدہ جاری ہے۔ وہ ملک کے معیاری اور علمی و تحقیقی مجلّات میں شمار ہوتا ہے۔

جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

جمعیت تنظیم اہلحدیث پنجاب جس کے امیر مولانا سید محمد شریف گھریالوی مرحوم اور ناظم مولانا حکیم نور الدین امرتسری تھے کے ماتحت گوجرانوالہ میں ایک جماعتی درس گاہ کے اجراء کا فیصلہ کیا گیا۔ شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم مدرسہ کے روح رواں تھے اور تنظیم اہلحدیث کے نظم میں پرجوش تھے۔ لیکن بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ان کی جلد واپسی ہو گئی۔ استاذ العلماء حافظ محمد گوندلوی" بھی اس میں سالہا سال مدرس رہے۔

جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ نے اپنے ماحول میں تعلیم و تدریس کے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ کے فضلاء نے اپنے اپنے دائرہ کار میں علمی و دینی خدمات انجام دیں شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ حفظ اللہ' مولانا عبدالحمید

ہزاروی' مولانا عبدالرحیم حسینوی" مولانا محمد اسماعیل السلفی" مولانا حافظ محمد گوندلوی" اس کے ممتاز مدرسین تھے۔ مولانا محمد حنیف ندوی" مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی" مولانا عبدالرحمٰن لکھوی' مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی' مولانا محمد اسحاق بھٹی' مولانا محمد افضل فرید کوٹی' مولانا محی الدین لکھوی' مولانا محمد رفیق مدنپوری' پروفیسر قاضی مقبول احمد' مولانا عبدالرحمٰن واصل جامعہ کے نامور فرزندوں میں سے ہیں۔ مولانا سلفی" کی وفات کے بعد مدرسہ محمدیہ اور مدرسہ شرعیہ دونوں کو آپس میں ضم کر دیا گیا اور اسے جی ٹی روڈ پر واقع جامعہ محمدیہ کی خوبصورت اور جدید عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ حفظہ اللہ اس کے مہتمم ہیں۔ یہ جامعہ بھی گوجرانوالہ کی جماعت کے اخراجات پر کامیابی سے چل رہی ہے۔ قیام پاکستان سے ایک عرصہ قبل اس کا اجراء ہوا تھا۔ جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ کو بہترین ذہین و فطین محنتی' اور مخلص سلفی مدرسین کی خدمات حاصل ہیں۔

ملتان

مولانا عبدالتواب ملتانی متوفی ۱۹۴۷ء حضرت میاں صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ عالم باعمل راست باز صاف گو' معاملات کے صاف ستھرے دیانت و امانت کے پتلے' تقویٰ و تدین کے مجسمہ' توحید و سنت کے پرچارک اور مسلک اہلحدیث کے داعی تھے۔ ان کا علمی ذوق قابل رشک تھا۔

وہ متعدد علمی کتابوں کے مصنف اور مولف تھے۔ عربی اردو پر انہیں یکساں دسترس حاصل تھی کتابوں کا کاروبار کرتے تھے۔ مصری کتب کے تجار اب تک ان کی دیانت و امانت اور ان کے خلوص کی کہانیاں بیان کرتے ہیں مولانا عبدالتواب مرحوم نے محلہ قدیر آباد کی جامع مسجد میں (جو انہوں نے خود ہی آباد کیا تھا) غیر رسمی طور پر ایک دینی مدرسے کا اجراء کیا اور پوری باقاعدگی سے تعلیم

و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اضلاع ملتان' بہاولپور' مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خاں میں ان کی بدولت خوب مسلک پھیلا اور ان کے تلامذہ نے ان اضلاع کے دیہات میں توحید و سنت کی تبلیغ و اشاعت میں بڑی جانفشانی سے کام لیا۔ مولانا سلطان محمود متوفی ۱۳۲۰ھ ڈیرہ اسماعیل خاں کے فارانی خوانین سے حسبی نسبی تعلق رکھتے تھے۔ کارواں عمل بالحدیث میں شامل ہو گئے اور جماعت مجاہدین سے انہیں بہت زیادہ تعلق خاطر تھا اور ان کی حمایت میں بڑے پرجوش تھے۔ وہ ڈیرہ اسماعیل خاں سے ملتان تشریف لائے اور یہیں اپنے محلے کی جامع مسجد اہلحدیث میں خطبات جمعہ' درس قرآن پاک کے ساتھ ساتھ درس نظامی کی تعلیم و تدریس بھی شروع کر دی اور اپنے بیٹے مولانا عبدالحق ملتانی کو شیخ الکل فی الکل میاں سید نذیر حسین دہلوی کے پاس دہلی بھیجا۔ (نزہتہ الخواطر)

مولانا عبدالحق ملتانیؒ حضرت میاںؒ صاحب کے معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے۔ فتاویٰ نذیریہ میں کتنے ہی فتوے ایسے ہیں جنہیں میاں صاحب نے حضرت مولانا عبدالحق سے لکھوایا اور پھر ان پر توثیقی دستخط فرمائے۔

مولانا عبدالحق نے دہلی سے فراغت کے بعد اپنے باپ کی مسند تدریس کو رونق بخشی اور سرائیکی علاقے میں ان کے تلامذہ کا حلقہ کافی وسیع ہے۔ مولانا عبدالحق مرحومؒ جمعہ کا خطبہ لکھ کر دیا کرتے تھے ۱۹۴۷ء کے بعد ان دونوں مساجد کے مدرسوں کو ضم کر کے اس کا نام دارالحدیث محمدیہ رکھا گیا۔ پہلے قدیر آباد میں پھر وہ عام خاص باغ منتقل ہو گیا۔ دارالحدیث محمدیہ میں مولانا ابو سعید محمد شرف الدین محدث دہلویؒ' مولانا محمد اسحاق چیمہؒ' مولانا عبدالرحیم رحمانیؒ' مولانا محمد عبدہ' مولانا عبدالرحمٰن لکھوی' مولانا شمس الحق افغانیؒ' مولانا شرف الحق محمودؒ' مولانا حافظ بشیر احمد بھوجیانیؒ' مولانا محمد رفیق رحمانی اس کے ممتاز اساتذہ میں رہے ہیں۔ آج کل مولانا حافظ عبدالکبیر علوی بڈھیمالوی صدر مدرس مولانا حافظ عزیز الرحمٰن لکھویؒ مرحوم اس کے مہتمم رہے ہیں۔

دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیروالہ

دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیروالہ ضلع ملتان یہ بھی قیام پاکستان سے پہلے کی دینی درسگاہ ہے۔ مولانا سلطان محمود محدث جلالپوری نصف صدی بلکہ اس سے بھی زائد مدت سے وہاں پڑھا رہے ہیں مولانا عبدالرحیم رحمانی بھی وہاں سالہا سال مدرس رہے آج کل مولانا جلال پوری کے نائب مولانا محمد رفیق ہیں۔ ملتان ڈویژن' بہاولپور ڈویژن اور ڈیرہ غازی خاں ڈویژن میں دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیروالہ کے نہایت اچھے اثرات ہیں۔ مولانا سلطان محمود حفظ اللہ کے تلامذہ کا دائرہ خاصہ وسیع ہے۔ آج کل بھی وہ اس پسماندہ علاقے میں نہایت خوش اسلوبی سے کام کر رہے ہیں۔

احمد پور شرقیہ

مولانا عبدالحق ہاشمی احمد پوری اپنے وقت کے ممتاز محدث جید عالم دین اور سحرالبیان خطیب تھے۔ انہوں نے انفرادی طور پر احمد پور شرقیہ کی جامع مسجد اہلحدیث میں دینی علوم کی تدریس جاری رکھی۔ ان کا حلقہ بھی ماشاء اللہ خاصہ وسیع تھا۔ مولانا سلطان محمود محدث جلال پوری ان کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ مولانا عبدالحق' قیام پاکستان کے بعد شاہ ابن سعودؒ کی دعوت پر مستقل طور پر مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر ہو گئے اور مسجد حرم میں وہ تازیست مدرس رہے ۱۹۷۰ء میں وہ مکہ مکرمہ میں فوت ہو گئے اور جنت المعلی میں انہیں دفن کیا گیا۔ علامہ ابو تراب' مولانا عبدالوکیل ہاشمی ان کے صاحبزادے ہیں۔ ان کے بڑے بیٹے مولانا عبدالرزاق فاروقی پاکستان اہلحدیث کانفرنس ماموں کانجن سے تقریر کرنے کے بعد واپس جاتے ہوئے چیچہ وطنی میں شہید ہو گئے تھے۔

دارالحدیث رحمانیہ بڈھیمال

مولانا عبدالرحمٰن مرحوم بڈھیمالوی' جب دہلی سے فراغت کے بعد اپنے

گاؤں بڈھیمال ضلع فیروز پور مشرقی پنجاب میں تشریف لائے۔ غالباً ۸-۱۹۰۷ء میں دارالحدیث رحمانیہ ایک دینی درس گاہ کا قیام و اجراء عمل میں لائے۔ دارالحدیث رحمانیہ بڈھیمال نے تحصیل مکتسر، تحصیل موگا، تحصیل فاضلکا، تحصیل نتھانہ، ریاست فرید کوٹ، ریاست پٹیالہ اور ضلع حصار میں بڑی دینی خدمات انجام دیں اور مسلک اہلحدیث کو خوب فروغ بخشا۔ مولانا عبدالرحمٰن نہایت حسین و جمیل اور وجیہہ شخصیت تھے۔ گاؤں کے نمبردار تھے۔ اکثر بیرونی طلباء کو دو وقت کا کھانا اپنے گھر سے دیتے۔ جنگ عظیم اول میں ان کی کرامات کا ظہور ہوا۔ جو ان کے تذکرے میں الگ بیان کیا جائے گا۔ مولانا عبدالرحمٰن ۱۹۱۷ء میں طاعون کے مرض سے فوت ہو گئے اور ان کا جاری کردہ مدرسہ ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالویؒ، مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی، مولانا عطاء اللہ بڈھیمالویؒ، مولانا محمد عمر بڈھیمالویؒ اس کے ممتاز اساتذہ میں سے تھے۔ مولانا احمد مدنی دہلویؒ، ملک عبدالعزیز ملتانیؒ، مولانا حافظ عبدالغفور جہلمیؒ، مولانا حافظ محمد زکریا جھوکویؒ، مولانا محمد یعقوب گوجرویؒ، مولانا محمد عبدہ، مولانا سردار علی، مولانا عبداللہ امجد، مولانا عبدالرشید، مولانا ہدایت اللہ ندوی، مولانا محمد اسحاق، صوفی محمد مولانا محمد حسین حصاریؒ، مولانا عبدالغفور، مولانا محمد سلیم، مولانا محمد صادق، مولانا محمد سلیمان اس کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے۔

پاکستان کے دیگر مدارس و جامعات

قیام پاکستان سے قبل مشرقی پنجاب میں بحمداللہ علمائے اہلحدیث کی کثرت تھی علماء کی اکثریت تعلیمی و تدریسی شوق سے سرشار تھی۔ انفرادی طور پر بعض علماء نے اپنے ہاں طلباء رکھے ہوئے تھے جن کی تعلیم و تربیت کی تمام تر ذمہ داری انہیں کے ذمہ تھی۔ مدرسہ غزنویہ صادق گنج ضلع بہاولنگر مولانا عیسیٰ غزنویؒ کی وفات کے بعد وہ برائے نام اور برائے وزن بیت ہی رہ گیا اس کی پہلی رونق یکسر

ختم ہو گئی چاویکا ضلع بہاولنگر میں مولانا جمال الدین اور ان کے بھائیوں نے اپنے باپ کی وفات کے بعد دریائے ستلج کے آس پاس کے رہنے والے لوگوں کے لئے قائم کیا تھا اس کی باقاعدہ مدرسہ کی شکل نہیں تھی۔ اسی طرح دینہ نگری بھائیوں نے ہوشیار پور میں دینی تعلیم کا ایک غیر مربوط سلسلہ جاری کیا تھا۔ کھپانوالی اور بھائی دے کوٹ میں شیخ الحدیث مولانا عبداللہ شہید نے بھی ایک انفرادی تدریسی سلسلہ شروع کیا تھا۔ مولانا عبداللہ شہید متوفی ۱۹۴۷ء ایک فدا رسیدہ عالم باعمل تبحر فی الحدیث شخصیت تھے۔ شیخ پنجاب حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے انھیں شرف تلمذ حاصل تھا مولانا عبداللہ شہید" مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری" کے تحفتہ الاحوذی کی تالیف میں معاون تھے۔ اسی طرح بکھیلے والا' صدر والا' زیرہ' نعمت پورہ ریاست بٹیالہ' روپڑ ضلع انبالہ' ہنجانوالی ضلع گوجرانوالہ' ڈھیر دے ڈوگراں ضلع شیخوپورہ' کنگن پور ضلع قصور ویرو وال ضلع امرتسر' کیر پورہ ضلع امرتسر' بھوجیاں امرتسر ساہووالا ضلع سیالکوٹ' جہلم اور دیگر مختلف مقامات پر بھی انفرادی سلسلہ جاری تھا۔ جھوک دادو میں دینی درسگاہ حضرت میاں باقرؒ نے جاری کی تھی لیکن اس کی حیثیت بھی غیر مربوط رہی۔ قیام پاکستان سے دو تین سال قبل پٹی ضلع قصور اب تحصیل ترن تارن ضلع امرتسر میں دینی مدرسہ جاری ہوا تھا۔ مولانا عبدالرحمٰن لکھوی اور مولانا ہدایت اللہ ندوی مدرس مقرر ہوئے۔

ابھی اڑنے بھی نہ پائے تھے کہ گرفتار ہوئے ہم

والا معاملہ ہو گیا کیونکہ ملک کے بٹوارے میں تھانہ پٹی اور علاقہ کھیم کرن ضلع قصور سے کاٹ کر ظالم ریڈ کلف نے ضلع امرتسر میں شامل کر دیا۔ احباب پٹی مختلف شہروں میں بکھر گئے۔

علمی نقصانات

ہمارے علماء کی اکثریت مشرقی پنجاب میں رہائش پذیر تھی۔ دینی مدارس و

مکاتب بھی زیادہ تر مشرقی پنجاب میں تھے۔ لیکن چودہ اگست ۱۹۴۷ء کو قیام پاکستان کے اعلان کے معاً بعد ہندو وحشی اور درندے اور سکھ سورے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ لاکھوں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا۔ مساجد و مکاتب کو لوٹ لیا گیا۔ قیمتی کتب خانے جلا ڈالے گئے۔ بہت سے مقامات پر علماء کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ دینی مدارس کی چھتیں تک اکھیڑلی گئیں۔ ہندو وحشیوں اور سکھ سوروں نے نہ صرف انسانیت سوز حرکتیں کیں بلکہ بے گناہ مسلمانوں پر وہ لرزہ خیز مظالم ڈھائے گئے کہ چنگیز خان' ہلاکو خان' بخت نصر اور فرعون کی روحیں بھی ان وحشیانہ مظالم سے کانپ اٹھیں۔ لٹے پٹے مسلمان پاکستان میں پہنچے۔ اس بٹوارے سے سب سے زیادہ نقصان اہلحدیث اور علمائے اہلحدیث کو ہوا۔ وہ دینی مدرسے جنہیں علماء نے خون جگر سے سینچا تھا انہیں ملک کے وحشیوں کی بھینٹ چڑھا دیا۔ ہم خون کی ندیاں عبور کر کے پاکستان تک پہنچے۔ قیام پاکستان کے بعد احباب جماعت بے شمار مسائل سے دو چار ہو گئے۔ مثلاً مستقل رہائش کا مسئلہ الاٹ منٹ کا مسئلہ' کاروبار کا مسئلہ' رشتہ داروں کو تلاش کرنے کا مسئلہ وغیرہ۔ جونہی احباب کو مسائل سے فرصت ملی تو انہوں نے مساجد اور مدارس کے محور پر نہ صرف سوچنا شروع کیا بلکہ عملاً اس کے لئے مساعی شروع کر دیں۔ مولانا سید داؤد غزنویؒ' مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ' مولانا حنیف ندویؒ' مولانا عطاء اللہ حنیفؒ' مولانا محی الدین احمد قصوریؒ' مولانا محمد علی قصوریؒ' پروفیسر عبدالقیومؒ اور ان کے رفقاء نے جماعت کے نظم و نسق کا خاکہ مرتب کیا اور مولانا سید داؤد غزنویؒ کی قیادت میں قلیل عرصہ میں پورے ملک میں ایک ہزار سے زائد شاخیں قائم کر کے جمعیت اہلحدیث کو زندہ جماعتوں کی صفوں میں لا کھڑا کیا۔ چنانچہ پورے ملک میں حالات کے تقاضوں کے مطابق دینی مدارس کا ایک جال بچھ گیا۔ لیکن یہ سب مدارس ذاتی ہیں جماعتی مدرسے صرف تین ہیں۔ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ' جامعہ سلفیہ فیصل آباد۔ اب تمام دینی مدارس کا تفصیلی

تذکرہ لکھنا کتاب کی تنگ دامانی کی وجہ سے مشکل ہے البتہ چیدہ چیدہ مشہور اور متعارف مدارس کا نام ہم لکھ رہے ہیں یہ بھی ذہن میں رہے کہ ایک جائزہ کے مطابق اہلحدیث کے بڑے بڑے تقریباً دو صد مدرسے کام کر رہے ہیں ویسے مدارس پر ایک تنقیدی جائزہ رپورٹ کی ضرورت ہے۔ کوئی اللہ کا بندہ یہ کام کر گذرے یا احباب تعاون کریں تو راقم بھی یہ خدمت انجام دے سکتا ہے۔ جامعہ کمالیہ دارالحدیث راجووال' جامعہ اہلحدیث چوک دالگراں لاہور' جامعہ رحمانیہ گارڈن ٹاؤن لاہور' جامعہ ابن تیمیہ لاہور' مدرسہ ریاض القرآن والحدیث مجاہد آباد لاہور' مدرسہ عربیہ دینیہ زیر اہتمام مولانا حافظ احمد اللہ حامد لاہور' جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ' جامعہ رحمانیہ گوجرانوالہ' جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ' جامعہ اثریہ جہلم' جامعہ سلفیہ اسلام آباد' جامعہ اثریہ پشاور' جامعہ سلفیہ کوئٹہ' دارالحدیث رحمانیہ کراچی' جامعہ ابی بکر کراچی' جامعہ ستاریہ کراچی' جامعہ احسان الٰہی ظہیر کراچی' جامعہ سعودیہ آسن مل اوجہ روڈ کراچی' جامعہ عمر بن خطاب کراچی' مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو سعید آباد حیدر آباد' مدرسہ اسلامیہ سلفیہ گوٹھ حاجی سلطان' جامعہ محمدیہ خانپور' مدرسہ اسلامیہ بہاولپور' مدرسہ اسلامیہ سلفیہ لودھراں' مرکز ابن قاسم ملتان' دارالحدیث رحمانیہ ملتان' دارالقرآن والحدیث محمودیہ محمود کوٹ ضلع مظفر گڑھ' المعہد الشریعہ والصناع کوٹ ادو' مدرسہ سعیدیہ خانیوال' مدرسہ اشاعت اسلام چیچہ وطنی' جامعہ عزیزیہ ساہیوال' جامعہ رحیمیہ ساہیوال' دارالحدیث اوکاڑہ' مدرسہ دارالقرآن والحدیث چشتیاں' مدرسہ رحمانیہ فاروق آباد' جامعہ محمدیہ شیخوپورہ' جامعہ علمیہ سرگودھا' دارالحدیث سرگودھا' دارالقرآن والحدیث فیصل آباد' جامعہ سلفیہ فیصل آباد' ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد' صرف ان مدارس کا مختصر تذکرہ کیا ہے جو قیام پاکستان سے پہلے کے تھے۔ لیکن یہ تین چار مدرسے اپنی مرکزیت' جامعیت اور اچھی شہرت کی وجہ سے اس امر کے متقاضی ہیں کہ ان کا بھی بالاختصار تذکرہ کیا جائے تاکہ جانبداری یا غیر منصف مزاج کے طعنہ سے ہم بچ

سکیں۔

جامعہ سلفیہ فیصل آباد

جامعہ سلفیہ فیصل اباد' مرکزی جمیعت اہلحدیث مغربی پاکستان کے اعمال خیریہ میں سے ہے۔ اس کا ابتدائی تخیل مولانا محمد حنیف ندویؒ نے پیش کیا۔ اس کے خاکوں میں مولانا سید داؤد غزنوی نے رنگ بھرا۔ اس کے وقوع پذیر ہونے کا ماحول مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ نے بنایا۔ اس کو علمی اور دینی حلقوں میں متعارف کرانے میں مولانا محی الدین احمد قصوریؒ اور مولانا محمد اسحاق بھٹی کے قلم کی توانائیوں نے بھرپور کردار ادا کیا۔ اس کی تعمیر و تکمیل کی منزلوں کو مولانا عبیداللہ احرارؒ کے ولولہ تازہ نے عملی جامہ پہنایا اس کی تعلیمی اور تدریسی بنیادیں مہیا کرنے۔ اس کے نظم و نسق کو مستحکم بنانے اور اسے باقاعدہ جامعہ کی شکل دینے میں مولانا محمد اسحاق چیمہؒ کی خدمات کبھی مورخ کا قلم فراموش نہیں کر سکتا۔ اس کی جگہ مہیا کرنے میں مولانا عبدالواحد فیصل آبادی اور مولانا محمد اسحاق چیمہ کے اس عظیم الشان کارنامہ کو سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ میاں عبدالمجیدؒ حاجی محمد اسحاق حنیفؒ اور مولانا عطاء اللہ حنیف کا جامعہ سلفیہ کے سلسلہ میں خلوص و دیانت شک و شبہ سے بالا ہے۔ جامعہ سلفیہ کے نام کی تجویز مولانا محمد حنیف ندوی کا عظیم کارنامہ ہے۔ اس کی سنگ بنیاد مولانا سید داؤد غزنوی' مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ' میاں باقرؒ' امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہؒ کے ہاتھوں انجام پائی۔ افسوس ہے کہ اس خالص جماعتی ادارہ کو ذاتی بنا لیا گیا ہے۔

جامعہ سلفیہ کا سنگ بنیاد اپریل ۱۹۵۵ء میں رکھا گیا اس کا درجہ تخصص ۱۹۵۶ء میں لاہور میں شروع کیا گیا۔ ۱۹۵۷ء میں فیصل آباد جامع مسجد اہلحدیث امین پور بازار میں اس کی تعلیم کا عارضی آغاز کیا گیا۔ ۱۹۵۸ء میں یہ اپنی اصل عمارت میں منتقل ہو گیا۔ جامعہ سلفیہ جماعت کا عظیم الشان ملک گیر شہرت رکھنے

والا ادارہ ہے۔ ملک کی نامور شخصیتیں اس کے اساتذہ میں شامل رہی ہیں۔ بڑے ذہین و فطین طلباء کو جامعہ سلفیہ سے فراغت کی سعادت حاصل ہے۔ اب تقریباً پانچ صد طلباء ۳۲' ۳۳ اساتذہ مصروف تعلیم ہیں۔ اس میں پاکستان کے علاوہ بعض دیگر ممالک کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں۔ وفاق المدارس سلفیہ کا صدر دفتر اسی میں واقع ہے۔ ان سطور کا راقم بھی جامعہ سلفیہ کے درجہ تخصیص کا طالب علم ہے۔ آج کل حافظ عبدالعزیز علوی اس کے شیخ الحدیث ہیں۔

جامعہ علومیہ اثریہ جہلم

جہلم میں داالحدیث کے نام سے عرصہ سے ایک دینی مدرسہ جاری تھا۔ فضیلتہ الشیخ عبدالقادر حبیب اللہ سندھی حفظہ اللہ نے خطبہ عیدالفطر میں جامعہ علوم اثریہ کے قیام کا تخیل پیش کیا۔ مولانا حافظ عبدالغفور جہلمیؒ نے زندگی کی بازی لگا کر اس تخیل کے خاکوں میں خوب رنگ بھرا۔ ستمبر ۱۹۷۹ء میں فضیلتہ الشیخ محمد بن عبداللہ سبیل امام کعبتہ اللہ و رئیس شئون الحرمین نے عیدگاہ اہلحدیث میں اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ تین چار سال کے قلیل عرصہ میں اس کی سہ منزلہ عمارت مکمل کرلی گئی۔ ۸۵۔۱۹۸۴ء میں دارالحدیث کو وہاں منتقل کر دیا گیا۔ جب حاکم شارجہ نے دوسری عمارت مکمل تعمیر کروا دی تو طلباء وہاں منتقل کر دیئے گئے اور طالبات پہلی عمارت میں منتقل ہو گئیں۔ اب اس کے گویا دو حصے ہیں۔ جامعہ علوم اثریہ للبنین' وللبنات۔ مولانا محمد مدنی اس کے رئیس ہیں نہایت خوش اسلوبی مستعدی' خلوص اور تندہی سے اسے چلا رہے ہیں۔ یہ اہلحدیث کی بڑی جامعات میں سے ایک ہے۔ طلباء اساتذہ کی رونق اور جملہ انتظامات قابل رشک ہیں۔ تمام بھائی جذبہ ٹیم ورق سے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اڑھائی تین صد طلبا اور بیس اساتذہ تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں۔ علامہ پیر محمد یعقوب قریشی اس کے شیخ الحدیث ہیں ماہنامہ تحفظ حرمین اس کا ترجمان ہے۔ شعبہ تصنیف و تالیف بھی

جاری ہے۔

جامعہ ابی بکر کراچی

جامعہ ابی بکر کراچی کی تعمیر کا آغاز ۱۹۷۸ء کے اواخر میں ہوا چار پانچ سال میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ تقریباً دس گیارہ سال سے اس میں تعلیم و تدریس کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس کی چار منزلہ خوبصورت عمارت ہے اس کے بانی اور منتظم اعلیٰ پروفیسر ظفر اللہ ہیں۔ مولانا عیش محمد اس کے نائب مدیر ہیں مولانا عبدالرحمٰن قریشی اس کے ناظم طعام ہیں۔ تعلیمی' تنظیمی اعتبار سے یہ معیاری دانش گاہ ہے۔ بیس پچیس کے قریب اساتذہ چھ' سات صد کے قریب طلباء زیر تعلیم ہیں۔ پاکستان کے علاوہ کئی غیر ممالک کے طلباء بھی یہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس کی جملہ عمارات مولانا رضی اللہ بڈھیمالوی کی نگرانی میں انجام پائیں۔ مولانا رضی اللہ بڈھیمالوی آج کل جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں سینئر اساتذہ میں سے ہیں۔

جامعہ کمالیہ راجووال

جامعہ کمالیہ دارالحدیث راجووال ضلع اوکاڑہ میں واقع ہے۔ مولانا محمد یوسف حفظ اللہ نے بے سرو سامانی کے عالم میں قیام پاکستان کے بعد اس کا آغاز کیا۔ مدرسہ تدریجاً" آگے بڑھتا رہا آجکل ماشاء اللہ اپنی جدید اور خوبصورت عمارت میں منتقل ہو چکا ہے' اس کا شعبہ بنات بھی عنقریب شروع کیا جا رہا ہے۔ مولانا عبداللہ سلیم مرحوم نے اسے معیاری درسگاہوں کے مقابل لانے میں شب و روز بڑی محنت سے کام کیا۔ ان کی وفات کے صدمہ سے مولانا محمد یوسف کی کمر دوہری ہو گئی ہے پروفیسر حافظ عبدالرحمٰن کو نہ صرف اپنے باپ کا ہاتھ بٹانا چاہیے بلکہ مولانا عبداللہ سلیم مرحوم کی طرح تمام ذمہ داریوں کو نبھانا چاہیے جامعہ کمالیہ نے ضلع اوکاڑہ اور ضلع قصور میں بڑا کام کیا ہے۔ اس کے شعبہ نشرو اشاعت

نے بڑی قیمتی کتب شائع کر کے شائقین علم کی لب تشنگیاں بجھائی ہیں۔ مولانا حافظ عبداللہ روپڑی' مولانا حافظ عبداللہ بڈھیمالوی" مولانا محمد عبدہ' مولانا عبداللہ امجد" مولانا قدرت اللہ فوق اور مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی سے سالانہ تعطیلات میں دورہ تفسیر بھی کراتے رہے ہیں۔

ملک میں بنات کے دینی مدارس بھی بے شمار جاری ہیں لیکن ہمیں کسی کے بارے میں تفصیلات حاصل نہ تھیں اور نہ ہی ارباب مدارس نے ہم سے کوئی تعاون کیا ہے اس لئے ان کا ذکر کرنے سے قاصر ہیں۔

برصغیر میں علمی اور دینی مراکز

دہلی صدیوں سے علم و فضل تحقیق و دانش کا منبع و مرکز رہا ہے۔ ہمیشہ اہل علم' اہل فضل' اہل دانش' اہل فن' اہل شعر اور اہل کمال کا گھوارہ رہا ہے۔ مختلف علوم و فنون کے فضلائے گرامی کی قدم بوسی کا شرف اسے حاصل رہا ہے۔ مغلیہ اور دیگر خاندان حکمرانوں کے زمانہ میں دہلی اہل کمال کا مرکز تھا عالم اسلام خصوصا" ایران' افغانستان' ترکستان ماورا والنہر' بلخ و بخارا' سمرقند' تاشقند' کاشغر' عراق' شام اور عرب سے اہل علم سمٹ سمٹا کر دہلی پہنچ رہے تھے کیونکہ دہلی کے تاجدار ہمیشہ باکمال لوگوں کی سرپرستی کیا کرتے تھے علماء فضلاء' ادباء' حکماء' شرفاء' اولیاء ہر صنف سے متعلق وہاں لوگ دہلی میں قیام فرما رہے تھے۔ فقہاء' خطباء ایک سے ایک بڑھ کر تھے۔ اور جب سے شاہ عبدالرحیم نے یہاں ڈیرے ڈالے اور ان سے پہلے شاہ عبدالحق محدث دہلوی" پھر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی" اور ان کے چاروں صاجزادگان گرامی' دہلی میں قیام پذیر تھے۔ صدر الحمید شاہ محمد اسحاق' شاہ محمد یعقوب' مولانا عبدالغنی مجددی' حضرت میاں صاحب اور دیگر اہل علم دہلی کی علمی' دینی اور روحانی مرکزیت کا باعث تھے۔ ان بزرگوں کے مکہ مکرمہ میں ہجرت کر جانے کے بعد دہلی کا یہ علمی مرکز شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر

محدث دہلوی کے پاس منتقل ہو گیا۔ حضرت میاں صاحبؒ نے نہایت ذمہ داری خلوص' شوق و منعداری اور پوری دیانت سے نہ صرف اس مرکز کو مزید فروغ بخشا بلکہ اسے چار چاند لگا دیئے۔ پورے ساٹھ برس اسی مسند پر بیٹھ کر عسرو یسر میں صحاح ستہ اور خصوصاً" بخاری شریف کا درس جاری رکھا اور برصغیر کے اطراف' اکناف' افغانستان' ترکستان' ایران اور عرب سے حضرت میاں صاحب کے منبع فیض سے جھولیاں بھرنے والوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے۔ میاں صاحب کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ ان کا ہر شاگرد ایک مستقل ادارہ اور چلتی پھرتی انجمن کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان کے تلامذہ میں سے جہاں کوئی بیٹھ گیا۔ وہاں علم و عمل کا دبستان کھل گیا اور پورا برصغیر حدیث و سنت کی خوشبوؤں سے مہک اٹھا اور پورا ہندوستان قال اللہ و قال الرسولؐ کی دلنواز صداؤں سے گونج اٹھا۔ برصغیر میں احیاء سنت کی لہر پیدا ہو گئی دہلی مسلک حق و صداقت کا عظیم مرکز بن گیا۔

بھوپال

دہلی کے بعد علم و فضل' تحقیق و دانش' قرآن و حدیث' محدثین' مفسرین' مصنفین' کاملین اور اولیاء کرام کا دوسرا بڑا مرکز بھوپال تھا۔ ہندوستان بھر سے وہاں اہل علم پہنچے ہوئے تھے۔ بھوپال کو علمی طور پر اہلحدیث کا بغداد کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہیں ہو گا۔ مجدد الوقت مجتہد العصر نواب والہ جاہ سید صدیق حسن خان مرحوم' نواب محسن انصاری یمانی نے اس کی علمی مرکزیت کو اپنی محنت شاقہ سے بہت اونچے مقام پر پہنچا دیا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ بھوپال کی علمی مرکزیت اور کثیر اکابر اور جید علمائے کرام کے اکٹھا کرنے میں نواب سید صدیق حسن خاں اور نواب محسن انصاری یمنی نے بھوپال کو چندے آفتاب اور چندے مہتاب بنا دیا تھا ہم نے بھوپال میں ایسے ایسے علماء' فضلاء' اساتذہ' محدثین' مفسرین' حفاظ کو پڑھا ہے جس پر علم و تقویٰ ناز کرتا ہے۔ ضخیم کتابوں کی اشاعت' نئی نئی کتابوں

کی تصنیف، علم کے فروغ، سنت کے احیاء، توحید کے پھیلاؤ، بدعات کے انسداد رسم و رواج کی بیخ کنی، حدیث کی حفاظت، رطب و یابس کی تردید میں بھوپال کے اہل علم کا کردار برصغیر کی دینی تاریخ میں سنہرے حروف لکھا جائے گا۔

نواب سید صدیق خانؒ نے اپنی تصنیفات اور دیگر امہات الکتب ہزاروں کی تعداد میں بیروت اور مصر سے چھپوا کر اہل علم میں مفت تقسیم کیں نواب صاحب مرحوم کے راہوار قلم نے ہر صنف علم کے میدان میں خوب چوکڑیاں بھریں نواب صاحب نے اشاعت علم کے لئے اپنے ذاتی پیسے اور ریاست کے خزانے کے منہ کھول دیئے اندازہ فرمائیں نواب محسن انصاری یمنیؒ علامہ محمد بشیر محدث سہسوانیؒ مولانا عبدالقیوم بڈھانویؒ مولانا محمد مچھلی شہری اور دیگر اجلہ علماء کرام بھوپال میں اپنا فیضان لوٹاتے رہے۔

آرہ

صوبہ بہار میں علمی اور مسلکی طور پر آرہ کو بھی بڑی مرکزیت حاصل تھی اسی سرزمین نے مولانا محمد ابراہیم آرویؒ تلمیذ خاص حضرت میاں صاحب کو جنم دیا مولانا محمد ابراہیم آروی پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے ہندوستان کے درس نظامی میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کرنے کی کوشش کی اور اس میں دور رس اصلاحات نافذ کیں۔ دینی مدرسہ کے لئے دارالاقامہ بنانے کی طرح ڈالی۔ پرانی ڈگر سے ہٹ کر اس میں تبدیلیاں پیدا کیں مذاکرہ علمیہ کے نام سے سالانہ علمی جلسہ بلانے کا آغاز کیا جس میں ملک بھر سے جید علمائے کرام تحریرا و تقریرا بحث و مذاکرہ کرتے اور علمی منصوبوں کو منطقی انجام تک پہنچانے کی کوشش کرتے آخری ایام میں مولانا عبدالوہاب آروی بھی اسی مردم خیز خطہ سے اٹھے استاذ الاساتذہ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری بھی ایک عرصہ تک یہاں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔

دربھنگہ

دربھنگہ صوبہ بہار میں پہلے ایک ہندو ریاست تھی اب یہ ضلعی صدر مقام ہے مولانا آروی کی وفات کے بعد مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم نے مذاکرہ علمیہ دربھنگہ منتقل کر دیا اور اس کا نام دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریہ سرائے دربھنگہ رکھا گیا اس کا نام امیر المومنین سید احمد شہید کی یاد تازہ رکھنے کے لئے یہی تجویز ہوا۔ مولانا رحیم آبادی کی وفات کے بعد ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم نے اس کا نظم و نسق سنبھالا اور نہایت مضبوط بنیادوں پر اس کا انتظام و انصرام فرمایا ڈاکٹر سید محمد فرید صوبائی اسمبلی بہار کے ممبر بھی رہے انہیں علاقہ بھر میں بڑے عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کو علم و فضل اور تحقیق و دانش کا عظیم ادارہ بنا دیا اس کے فیضان سے مسلک اہلحدیث کو خوب فروغ ملا اس کے ہزاروں سے متجاوز فیض یافتگان نے وسطی ہند اور مشرقی ہند کے مختلف دیہات قصبات اور شہروں میں تعلیمی' تدریسی' تبلیغی' تحریری' تصنیفی اور دعوت و ارشاد کے محاذوں میں خوب کام کیا اور کر رہے ہیں آج کل پندرہ روز "الہدیٰ" دربھنگہ جاری ہے حمیدیہ برقی پریس کے نام سے تصنیفی اور تالیفی کتابیں شائع کرنے کے لئے پریس بھی جاری ہے۔

رحیم آباد

رحیم آباد صوبہ بہار میں اہلحدیث کا ایک عظیم مرکز تھا۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم "صاحب حسن البیان" حضرت میاں صاحب کے قابل فخر تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا رحیم آبادی نے رحیم آباد میں بیٹھ کر مسلک کے فروغ توحید و سنت کی اشاعت اسلام کے دفاع اور دینی علوم کے فروغ و استحکام کے لئے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اسی طرح مولانا رحیم آبادی نے جماعت مجاہدین سے پرخلوص اور بھرپور مالی اور افرادی تعاون جاری رکھا آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا قیام ۱۹۰۶ء میں عمل میں آیا وسطی ہند اور مشرقی ہند میں اسے منظم کرنے کے لئے

مولانا رحیم آبادی نے ایک بھرپور اور مثالی کردار ادا کیا۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کے پہلے صدر حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری مرحوم ناظم اعلیٰ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم اور خزانچی حافظ حمید اللہ دہلوی مرحوم تھے۔

صادق پور

محلّہ صادق پور پٹنہ صوبہ بہار اہلحدیث اور اہل دین کا ایک بہت بڑا مرکز تھا جس نے متعدد عبقری رجال اور نابغہ عصر شخصیتیں پیدا کرنے میں بڑا نام پایا مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا احمد اللہ شیخ الہی بخش، مولانا یحییٰ علی اسی خانوادہ علم و فضل کے روشن چراغ تھے امیر عبداللہ امیر رحمت اللہ امیر نعمت اللہ، شہزادہ برکت اللہ بھی اسی مقدس اور معظم محلّہ سے آبائی نسبت رکھتے تھے آخری ایام میں اس علمی اور تاریخی خاندان کے گل سرسبد مولانا عبدالخبیر تھے۔ یہی وہ شخصیت تھی کہ آزادی ہند کے بعد وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضرت اگر سارے ملک کے حریت پسندوں کی وطن کی آزادی کے لئے خدمات ایک پلڑا میں ڈال دی جائیں اور دوسرے پلڑا میں صرف علماء صاد قپور کی خدمات ڈالی جائیں تو صادق پوری علماء کا پلڑا بھاری ہو گا۔ تحریک مجاہدین صادق پوری خاندان کے دم قدم سے ڈیڑھ سو سال تک انگریز کے خلاف نبرد آزما رہی جائیداد کی قرقیوں اور مال و متاع کی ضبطیوں کے مرحلے بھی اسی عظیم خاندان کو پیش آئے۔ کالے پانی اور عبور دریائے شور کی سزائیں بھی اسی خاندان کے افراد کو دیں گئیں مقدمات بغاوت بھی ان پر قائم کئے گئے۔ میں آپ کی ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو اس کا صلہ دینا چاہتا ہوں۔ فرمائیں آپ زرخیز زمین کا ٹکڑا پسند فرمائیں گے یا آپ کو کارخانہ یا فیکٹری دی جائے مولانا عبدالخبیر مرحوم نے ان کی پیشکش اور ان کے اس احساس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں نہ صلہ کی تمنا ہے نہ ستائش کی پرواہ ہم نے یہ عظیم

قربانیاں محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے دی ہیں اس لئے اسی سے اجر و ثواب حاصل کریں گے صادقین صادق پور برصغیر کی تحریک آزادی میں سب سے مقدم سربر آوردہ اور بلند مرتبت ہیں۔ مولانا ولایت علی امام شوکانی کے شاگرد تھے پٹنہ اور صادق پور کو امیر المومنین سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی قدم بوسی کا فخر بھی حاصل ہے۔ یاد رہے پٹنہ کا موجودہ میونسپل ہال علمائے صادق پور کے مکانات مسمار کر کے بنایا گیا تھا صدق پور توحید و سنت حریت و استخلاص وطن اور عسکریت کا بہت بڑا مرکز تھا۔ ان کی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع ہے تفصیلات کے لئے دیکھئے "تذکرہ صادقہ"

ڈیانا اور پھلواره

صوبہ بہار کے موضع ڈیانا اور پھلواره بھی اہلحدیث کے مرکز تھے اور تحریک مجاہدین سے تعاون کے سلسلے میں بھی ان کے کارنامے ہمیشہ سنہری حروف سے لکھے جائیں گے ڈیانا کے عظیم سپوت شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر حسین کے قابل صد فخر تلمیذ حضرت مولانا شمس الحق ڈیانوی متوفی ۱۳۲۹ھ کا وجود مسعود ڈیانا کی عظمت کے لئے بس کرتا ہے۔ مولانا شمس الحق دیانوی اپنے وقت کے جید عالم ممتاز محدث اور عظیم فاضل تھے۔ مولانا ڈیانوی کی عون المعبود شرح سنن ابی داؤد نے ڈیانا کو چار دانگ عالم سے متعارف کروا دیا۔ عالم اسلام کے تمام علمی حلقوں سے مولانا ڈیانوی کی عون المعبود نے خراج تحسین وصول کیا ان کے برادر خورد مولانا شرف الحق بھی بڑے جید عالم تھے۔ مولانا شرف الحق کی "غایۃ المقصود" بھی ایک بہت بڑا علمی کارنامہ ہے پھلواره کے خانقاہی نظام میں مولانا شاہ عین الحق پھلواروی نے کتاب و سنت کی صاف ستھری تعلیمات سے تہلکہ مچا دیا مولانا شاہ عین الحق عابد، ذاکر شب زنده دار انسان تھے۔ تمام شعبہ ہائے حیات میں وہ کتاب و سنت کی تعلیمات کو ترجیح دیتے زندگانی کی تمام گذرگاہوں میں انہوں

نے ہمیشہ مسلک اہلحدیث کے فروغ کو پیش نظر رکھا۔

بنارس

بنارس اتر پردیش (صوبہ یو پی) میں ہندوؤں کا ایک متبرک مقام ہے۔ بنارس کی صبح اور اودھ کی شام بہت مشہور ہے بنارس میں کنجاہ پنجاب کے ایک کھاتے پیتے سکھ گھرانے کے چشم و چراغ' مسلمان ہو کر حضرت میاں صاحب کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے اور محمد سعید نام رکھا گیا۔ وہ دہلی سے محدث بن کر نکلے اور بنارس میں مستقل ڈیرے ڈال دیئے مولانا محمد سعید بنارسی کی بدولت مشرقی یو پی میں مسلک اہلحدیث کو خوب فروغ ملا۔ مولانا بنارسی کے صاحبزادگان مولانا ابو القاسم سیف بنارسی' مولانا ابو مسعود قمر بنارسی' مولانا احمد سعید بنارسی' مولانا عبدالخیر بنارسی نے بھی مسلک کی اشاعت کے لئے عظیم کارنامے انجام دیئے۔ مولانا عبدالمجید حریری' مولانا عبدالوحید اس مادر گیتی ہند کے عظیم سپوت تھے۔ اب بھی ہندوستان بھر کی مرکزی دانش گاہ الجامعہ السلفیہ بنارس قائم ہے۔ اس کی تفصیلات آئندہ بیان ہو گی۔

صوبہ یو پی میں کانپور' میرٹھ' ضلع بستی' علی گڑھ' لکھنؤ' مبارکپور' اعظم گڑھ' جیراج پور' مئوناتھ بھنجن' مئوناتھ آئمہ' مسلک اہلحدیث کے عظیم مرکز تھے۔ یہاں سے مسلک اہلحدیث کی اشاعت کے سوتے پھوٹتے رہے۔ مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب تحفتہ الاحوذی' مولانا عبدالسلام مبارکپوری صاحب سیرۃ البخاری مولانا نذیر احمد رحمانی' مولانا محمد امین مولانا ابو علی اثری' مولانا سلامت اللہ جیرا پوری' مولانا عبدالجلیل رحمانی اور دیگر رجال انہی مراکز سے اٹھے اب مولانا عبیداللہ رحمانی مرحوم صاحب مرعاۃ المفاتیح' مولانا عبدالحمید رحمانی بستوی اسی علاقہ کی نامور شخصیتیں ہیں ریاست نیپال میں جھنڈا نگر بھی اہلحدیث کا عظیم مرکز ہے۔ وہاں سے بھی اہلحدیث کے بڑے بڑے رجال پیدا ہوئے۔

مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری' مولانا عبداللہ مدنی' مولانا بدر زمان سرزمین نیپال کے مایہ ناز سپوت ہیں۔ بمبئی مالیگاؤں سامرود' سورت' راج گڑھ' حیدر آباد دکن' بنگلور' مدراس' عمر آباد' رائیدرگ' جبل پور' لکھنؤ' کھنڈیلہ' جے پور' سیوہاوہ اور سب اہلحدیث کے علمی دینی اور روحانی مرکز تھے جہاں کے مخلص اور جید علماء نے حالات کی عدم مساعدت کے باوجود مسلک کی تبلیغ و اشاعت میں سرمو فرق نہیں پیدا ہونے دیا ہرحال میں ہرچہ بادہ باد کے ماتحت کتاب و سنت کی صاف ستھری تعلیمات مسلمانوں کے سامنے پیش کیں اور بدعتیوں اور بدعقیدہ لوگوں کو اپنی شبانہ روز کی مخلصانہ دعوت ارشاد مسلم معاشرے اور مسلم سوسائٹی میں عظیم ذہنی اعتقادی' روحانی اور دینی انقلاب پیدا کیا۔ آج بحمداللہ پورے بھارت میں اہلحدیث کی موثر آواز کو نہ صرف نظرانداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ اپنے اور بیگانے علمائے اہلحدیث کی علمی اور دینی خدمات کے معترف اور معتقد ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی نے ہندوستانی علماء کو جلا بخشنے میں ایک بھرپور اور بنیادی کردار ادا کیا ہے مولانا عبدالوہاب خلجی مولانا مختار احمد ندوی' حکیم اجمل خان' مولانا عبدالحمید رحمانی' مولانا محمد شریف سلفی' ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی' مولانا بدرالزمان نیپالی' مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری' مولانا عبداللہ مدنی' ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری' مولانا عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ' مولانا عبدالرشید بن مولانا عبدالسلام بستوی" اور دیگر افراد و اشخاص اہلحدیث کے ماتھے کا جھومر ہیں اور مسلک اہلحدیث کے ستون سمجھے جاتے ہیں ان کی دینی خدمات کا دائرہ وسیع ان کے علمی' دینی' تبلیغی کارنامے ہمیشہ سنہری حروف سے لکھے جائیں گے اس طرح مولانا عبدالجلیل سامرودی مرحوم مولانا حکیم عبدالشکور شکراوی" مولانا عبدالسلام بستوی' مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی' مولانا عبیدالرحمٰن پیغمبرپوری' مولانا عبدالجبار حسن' مولانا عبدالجبار شکراوی' مولانا محمد داؤد راز' مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی' مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی' مولانا محمد یونس دہلوی' مولانا محمد جونا گڑھی' مولانا محمد سورتی' مولانا عبدالعزیز میمن'

مولانا ابو بکر شیث، نواب وحید الزمان، نواب بدیع الزمان، مولانا محمد حسین میرٹھی، مولانا ابو الوفا شاہ جہان پوری، مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا ظفر عالم، مولانا عبدالغفور بسکوہری، مولانا عبدالصمد سورتی، مولانا زاکر ندوی یہ وہ بزرگان گرامی ہیں جن کی زندگی کا ایک ایک لحہ مسلک کے فروغ توحید و سنت کی اشاعت شرک کی تردید بدعات کے انسداد، رسم و رواج کی مذمت کے لئے وقف رہا۔ کتاب کی تنگ دامانی ان سب حضرات کی روشن اور تابناک خدمات کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔

ستر ھواں باب

علمی خدمات

برصغیر میں حدیث کے حاملین اور عاملین نے علمی طور پر نہایت قابل رشک خدمات انجام دیں علمی اعتبار سے اہلحدیث کا ماضی تابناک اور لائق ستائش ہے اہلحدیث کے اکابر نے تمام اصناف علم میں غیر فانی اور لازوال نقوش ثبت کئے ہیں ہم سب سے پہلے اہلحدیث کی ان خدمات کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا محور اور مرکز قرآن پاک ہے قرآن کے تراجم تفاسیر اور قرآن فہمی کے سلسلہ میں اہلحدیث علماء کے کارنامے سب کے یہاں مسلم ہیں۔

شاہ ولی اللہ کی علمی تحریک

برصغیر میں اگرچہ گجرات' کاٹھیہ واڑ' جنوبی ہند اور سندھ کے ارباب علم نے ہمیشہ علم کی جوت جگائی اور توحید و سنت کی شمع فروزاں رکھی لیکن مدرسہ رحیمیہ اور حجتہ اللہ فی الارض حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے علمی تحریک کی جو بنیاد رکھی اور اپنے دل کا تیل جلا کر ظلمت کدہ ہند کو منور کرنے کی جو تاسیس کی اور جدید علمی تحریک کی جو طرح ڈالی اس کے بارے میں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتیں۔ اگرچہ برصغیر کے تمام دینی مکاتب فکر اپنی علمی نسبت ولی اللھی خاندان سے کرتے ہیں لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فقہ الحدیث کی جو طرح ڈالی تھی اور مستقر رہ کر جس طرح سنت کا احیاء اور قرآن و حدیث سے تمسک کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اہلحدیث کے علاوہ باقی مکاتب فکر نے اس خول کو اتار پھینکا ہے۔ ہمارے بریلوی بھائیوں کو اس باب میں توحید و سنت اور قرآن و حدیث سے چنداں دلچسپی نہیں یہ سنسنی خیز واقعات من گھڑت افسانے دور از عقل حکایات اور رطب و یابس کہانیوں پر سر دھنتے اور اپنا کاروبار

زندگی چلاتے ہیں۔ یہ بھی شاہ صاحبؒ سے علمی نسبت کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ حالانکہ علم و تحقیق، حدیث و قرآن اور آثار صحابہؓ سے انہیں دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ دوسرا بڑا گروہ علماء دیو بند کا ہے جو علمی طور پر واقعی اپنی مضبوط پوزیشن کے حامل ہیں لیکن شاہ ولی اللہ کی تحریک فقہ الحدیث سے وہ کلیتہ کٹ چکے ہیں بلکہ شاہ محمد اسحاق نزیل مکہ مکرمہ نے جب اپنی علمی مسند کا جانشین حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کو بنا دیا۔ تو دیو بندی بھائی اہلحدیث سے تو خفا ہونا ہی تھے وہ شاہ ولی اللہ کی فقہ الحدیث کی تحریک سے بھی مستقل طور پر روٹھ گئے کیونکہ مولانا عبدالغنی مجددی دہلوی، مولانا احمد علی سہانپوری، اس جانشینی کے امیدوار تھے قرعہ فال حضرت میاں صاحب کے نام نکلا۔

اگرچہ دارالعلوم دیو بند کے دفتر میں یہ چارٹ نمایاں طور پر آویزاں ہے کہ دارالعلوم دیو بند کا طریق کار دعوت فکر اور عقائد و اعمال افکار و نظریات حضرت شاہ ولی اللہؒ کی علمی تحقیقی روشنی میں چلایا جائے گا لیکن عملاً کچھ بھی نہیں ہے بلکہ دیو بندی حضرات کا مرکز و محور فقہ حنفیہ اور حنفی علماء کے فقہی اجتہادات کو علمی جامہ پہنانا ہے۔ وہ فقہا کے اجتہادات کو قائم رکھنے اور درست ثابت کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بے سروپا تاویلات کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے بقول اقبال مرحوم

زمن بر صوفی و ملاں سلامے
کہ قول خدا گفتند مارا
ولے در تاویل ایشاں حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بانیان نے بھی فکر ولی اللہی کو فروغ دینے کے عزم کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ ابتدائی سالوں میں نواب علی حسن خان کو ناظم بھی بنا دیا گیا تھا اور اہلحدیث مدرسین بھی رکھے گئے تھے لیکن جب سے علامہ سید

سلیمان ندوی مرحوم نے مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کی بیعت کر لی اور مولانا سید ابو الحسن ندوی نے مولانا عبدالقادر رائے پوری کی بیعت کر لی تو ندوۃ کا رخ بدل کر رہ گیا۔ اب اسے یکے از مدارس حنفیہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ اہل حدیث نے ہمیشہ شاہ ولی اللہ کو اپنا دینی راہنما' روحانی پیشوا اور علمی مقتدا قرار دیا اور اس علمی تحریک میں اسی عقیدہ و نظریہ کو آگے بڑھایا جو شاہ صاحب کے پیش نظر تھا اور ہمیشہ حضرت شاہ صاحب کے فکر کو ترجیح دی ابتدائی سالوں کے بعد فکر محدثین کے تعصب' تصلب اور تشدد کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے ردعمل کے طور پر کھل کر عاملین حدیث بن گئے اور بحمداللہ آج سیف و سناں قلم و قرطاس تعلیم و تدریس فکر و نظر اور عقائد و اعمال کے اعتبار سے اہلحدیث شاہ صاحبؒ کے صحیح جانشین ہیں **فذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

ایں	سعادت	بزور	بازو	نیست
تانہ	بخشد	خدا	بخشندہ

علوم قرآن

قرآن پاک وہ آخری آسمانی صحیفہ صادقہ ہے جو انسانوں کی راہنمائی اور اخروی فلاح و بہبودی کے لئے نازل کیا گیا ہے۔ لیکن برصغیر میں کٹر ملاؤں اور نام نہاد روحانی مسند نشینوں نے اسے چیستان بنا کر رکھ دیا۔

دنیائے جہاں میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے ہندوستان کی سرکاری زبان کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن پاک کا ترجمہ فارسی میں شائع کر دیا ان کے صاحبزادوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے لفظی اور بامحاورہ اردو میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ شاہ عبدالقادر نے "موضح القرآن" کے نام سے اردو میں قرآن پاک کی پہلی مختصر تفسیر لکھی حضرت شاہ ولی اللہؒ نے قرآن کے مطالب کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے "الفوز الکبیر" کے نام سے قرآن فہمی

کے پیمانے وضع کئے اور علم اصول تفسیر کو وجود بخشا۔ شاہ عبدالعزیز نے تفسیر عزیزی کے نام سے قرآن پاک کی تفسیر لکھی۔ مجدد الوقت مجتہد العصر سید نواب صدیق حسن خاںؒ نے "فتح البیان فی مقاصد القرآن" کے نام سے عربی میں سات جلدوں میں تفسیر لکھی۔ اسی طرح ترجمان القرآن کے نام سے پندرہ جلدوں میں اردو میں قرآن کی تفسیر لکھی۔ اصول تفسیر اور طبقات مفسرین پر "الاکسیر فی اصول التفسیر" لکھی شیخ الاسلام رئیس المناظرین شیر پنجاب فاتح قادیان مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" لکھ کر ایک اچھوتا تخیل پیش کیا جو القرآن **یفسر بعضہ بعضا** کا آئینہ دار ہے مولانا امرتسری کی اس تفسیر کو مصر کے علماء نے نہایت استحسان کی نظر سے دیکھا مصر کے "الاہرام" اور "المنار" نے اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو کر یہاں تک لکھا کہ "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" کو دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جانا چاہئے مولانا امرتسری مرحوم نے "بیان الفرقان علی علم البیان" عربی میں ایک اور بہترین تفسیر لکھی مولانا ثناء اللہ امرتسری نے "تفسیر ثنائی" کے نام سے اردو میں آٹھ جلدوں میں تفسیر لکھی اور اس میں قادیانیوں' عیسائیوں' آریہ سماجیوں اور دیگر غیر مسلم مذاہب کے اعتراضات کو پیش نظر رکھ کر اسے تالیف کیا۔ قرآن کریم پر ان کی زندگی تک جو اعتراضات کئے گئے سب کے دندان شکن جواب دیئے۔ قرآن پر جب کسی غیر مسلم نے کوئی اعتراض وارد کیا تو مولانا امرتسری سب سے پہلے اس کے مقابلے میں اترے اور قرآن کے دفاع میں محققانہ کتابیں لکھیں۔ مشہور آریہ سماجی سوامی دیانند سرسوتی نے "ستیارتھ پرکاش" میں قرآن پر اعتراضات وارد کئے مولانا امرتسری نے اس کے جواب میں "حق پرکاش" لکھ کو قرآن کی عظمت اور اسلام کی صداقت کا لوہا منوایا۔ پھر ایک زبان دراز آریہ سماجی نے قرآن پر جارحانہ حملوں کا سلسلہ شروع کیا۔ تو مولانا امرتسری نے "کتاب الرحمٰن" کے نام سے ان کو میدان سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا ایک اور بدباطن و

بدزبان آریہ سماجی راجپال نے رنگیلا رسول لکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف مصفی معطر پاکیزہ سیرت پر غلاظت کے چھینٹے اڑانے کی کوشش کی۔ مولانا امرتسری نے "مقدس رسول" لکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی عقیدت کا مظاہرہ فرمایا الغرض جس طرف سے بھی قرآن اور صاحب قرآن کو کسی بدبخت نے موضوع سخن بنایا تو وہ مولانا امرتسری کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا سکا اور ذلت و رسوائی سے میدان سے بھاگ گیا۔

حافظ محمد لکھوی نے پانچ جلدوں میں "تفسیر محمدی" کے نام سے پنجابی اشعار میں قرآن پاک کی بہترین تفسیر لکھی جو لاکھوں انسانوں میں ذہنی انقلاب کا باعث ہوئی نواب وحید الزماں حیدر آبادی نے قران کریم کا ترجمہ بعنوان "موضحتہ القرآن" لکھ کر اہل علم کے لئے قرآن فہمی آسان کر دی ڈاکٹر حافظ ڈپٹی نذیر مرحوم نے قرآن پاک کا بامحاورہ ٹکسالی اردو میں ترجمہ کر کے اپنی علمی عظمت کا ثبوت دیا اور اس کے حاشیے پر تفسیری نوٹ بھی لکھے۔ مولانا سید احمد حسن مرحوم دہلوی متوفی ۱۳۳۸ھ نے "احسن الفوائد" کے نام سے قرآن کریم کا حاشیہ لکھا اور پھر احسن التفاسیر کے نام سے قران کی بہترین مکمل تفسیر لکھی۔ مولانا محمد جونا گڑھی مرحوم نے تفسیر ابن کثیر کا اردو میں ترجمہ کر کے بنام "تفسیر محمدی" اردو دان طبقہ کے لئے قرآنی تعلیمات عام کر دیں۔ امام العصر مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ نے ۴۸۸ بڑے سائز کے صفحات پر مشتمل سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھی۔ آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی نے جب انی متوفیک سے ممات مسیح ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی تو مولانا سیالکوٹی مرحوم نے دو ضخیم جلدوں میں "شہادۃ القرآن" کے نام سے بلند پایہ محققانہ کتاب لکھی جن کا آج تک مرزائی جواب نہیں لکھ سکے مرزائیوں پر اس کتاب کا جواب بصورت قرض باقی ہے۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ سے سورۃ مومنون تک امام الہند مولانا ابو الکلام آزادؒ نے ترجمان القرآن کے نام سے دو جلدوں میں تفسیر لکھی۔ "ام الکتاب" کے نام سے سورۃ

فاتحہ کی مفصل تفسیر کئی صد صفحات پر مشتمل الگ لکھی۔ مولانا ابو الکلام نے قرآن کی عظمت' فصاحت و بلاغت قاری سے منوائی۔

جامعہ ملیہ دہلی کے سابق شیخ التفسیر خواجہ عبدالحئی فاروقی مرحوم نے سورۃ بقرہ' سورۃ آل عمران' سورۃ انفال' سورۃ توبہ اور سورۃ یوسف پر مشتمل "الخلافتہ الکبریٰ" لکھ کر انہوں نے عظیم قرآنی کارنامہ انجام دیا تفسیر سورۃ النور سبیل الرشاد' تفسیر سورۃ الحجرات قبل السلام تفسیر سورۃ یوسف برہان التفسیر کے نام سے تفسیر پارہ ۲۸ اور پارہ ۳۰ بھی لکھی۔ قاضی محمد سلیمان منصوری پوریؒ نے سورۃ یوسف کی تفسیر "الجمال والکمال" کے نام سے لکھ کر علوم قرآن کی کمال کر دی مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی مرحوم نے الگ الگ سورتوں اور پاروں کی عالمانہ اور فاضلانہ تفسیریں بھی لکھیں متکلم اسلام مولانا محمد حنیف ندویؒ نے "سراج التفاسیر" کے نام سے لکھ کر قرآن کی فصاحت و بلاغت اور ادب و انشاء سب سے منوا لیا۔

شیخ المکرم مولانا محمد عبدہ حفظہ اللہ نے اشرف الحواشی کے نام سے قرآن پر بہترین حواشی حوالہ قلم و قرطاس کئے مفردات کا ترجمہ لکھ کر مولانا محمد عبدہ نے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا' مولانا عبدالستار دہلوی مرحوم نے تفسیر ستاریہ لکھ کر قرآن کو ایک اچھوتے انداز میں پیش کیا۔ مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم نے الاعتصام کے بیسیوں شماروں میں منتخب آیات کی تفسیر اور "چہرہ نبوت" قرآن کے آئینہ میں لکھ کر قرآن پر اپنے عبور و استحضار کا لوہا منوایا۔ مولانا اکرم خاں محمدی نے اسی طرح بنگالی زبان میں قرآن پاک کی تفسیر لکھی۔ مولانا وحید الزمان نے تفسیر وحیدی کے نام سے قرآن کی اردو میں بہترین تفسیر لکھی۔ مولانا وحید الزمان نے قرآن پاک کے تمام مضامین کو "تبویب القرآن" کے نام سے مرتب کر کے اہل علم پر بہت بڑا احسان فرمایا الغرض ہمارے اکابر علماء نے قرآن کریم کی تفسیر کا کوئی پہلو تشنہ نہیں رہنے دیا۔ ضلع ہزارہ کے ایک فاضل نے "تبصیر الرحمٰن فی

تفسیر القرآن" کے نام سے قرآن پاک کی نامکمل تفسیر لکھی۔ مولانا ابو الخیر محمد اسماعیل سلفی رحمتہ اللہ علیہ نے قرآن پاک کی تفسیر اور ترجمہ شروع کیا تھا جو ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی کا فہرس ابن ندیم کا ترجمہ عظیم علمی، دینی، تحقیقی، کارنامہ ہے مولانا سید عبدالغفور غزنوی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی قرآن پا کا اردو میں فاضلانہ ترجمہ کیا جو حمائل کی شکل میں شائع ہوا جو ہندوستان بھر میں حمائل غزنوی کے نام سے مشہور ہوا اس حاشیہ پر مختصر تفسیری نوٹ بھی لکھے۔

اہلحدیث کے عالمی شہرت رکھنے والے دو عظیم فرزندوں، ڈاکٹر تقی الدین الہلالی المراکشی مرحوم متوفی ۱۹۸۷ء اور ڈاکٹر محمد محسن خان حفظہ اللہ آف مدینہ منورہ نے انگریزی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا جسے ہمارے دوست مولانا عبدالمالک مجاہد نے مکتبہ دارالسلام ریاض کی طرف سے نہایت عمدہ اور خوبصورت طور پر شائع کیا۔ ہمارے ایک اور عزیز دوست قابل صد رشک رفیق ڈاکٹر مجیب الرحمٰن راجشاہی یونیورسٹی نے بنگلہ زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کر کے عظیم کارنامہ انجام دیا۔ مولانا محمد حنیف ندوی نے "تعلیمات قرآن" کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔ مولانا محمد علی قصوری ایم اے مرحوم نے قرآنی دعوت انقلاب لکھ کر پڑھے لکھے طبقہ کے سامنے قرآن پاک کی انقلابی تعلیمات پیش کیں۔

حدیث

ہندوستان میں حدیث کیسے پہنچی کن کن راہوں سے پہنچی حدیث کے مراکز کہاں کہاں تھے؟ اس پر ہم سابقہ صفحات میں لکھ چکے ہیں۔ ان تمام محدثین کا ذکر آچکا ہے۔ جو برصغیر میں حدیث کی آمد کا باعث تھے۔ اب صرف یہی مقصود ہے کہ برصغیر کے علماء اہل حدیث نے حدیث کی کیا خدمات انجام دیں اور کس نے کیا لکھا۔ تدریسی طور پر اہلحدیث کا سلسلہ نسب یہ ہے کہ دور حاضر کے تمام

علماء حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی متوفی ۱۹۸۵ء کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔ حضرت محدث گوندلوی نے حدیث حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنویؒ سے پڑھی۔ مولانا حافظ عبداللہ روپڑی م ۱۹۶۴ء بھی مولانا عبدالجبار غزنویؒ کے شاگرد تھے۔ مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ متوفی ۱۹۶۸ء نے تعلیم کا آغاز شیخ پنجاب حضرت مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے کیا اور تکمیل حضرت مولانا سید عبدالاول غزنویؒ سے کی۔ مولانا امرتسری، مولانا سیالکوٹی، مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی۔ مولانا محمد علی لکھوی، مولانا عبداللہ **کھیانوالوی**، تمام حضرات مولانا حافظ عبدالمنان کے تلامذہ میں سے تھے۔ گویا پنجاب میں علم حدیث مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی اور غزنوی علماء نے پھیلایا۔ مولانا عبدالجبار غزنویؒ مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی یہ تمام حضرات حضرت میاں سید نذیر حسینؒ محدث دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ میاں صاحب نے حضرت شاہ محمد اسحاق سے حدیث پڑھی شاہ محمد اسحاق حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے اور تلمیذ خاص تھے۔ شاہ عبدالعزیزؒ حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے اور شاگرد تھے۔ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ شیخ محمد طاہر مدنی کے شاگرد تھے اسی طرح مولانا عبدالحئی بڈھانوی مولانا شاہ اسماعیل شہید مولانا شاہ مخصوص اللہ، مولانا شاہ محمد عمر شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ میں سے تھے۔ شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی، حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے اور تلامذہ تھے۔ شاہ عبدالغنی مجددی، مولانا احمد علی سہانپوری بھی شاہ محمد اسحاق کے شاگردان رشید میں سے تھے۔ حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی، حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری کے استاد تھے۔ حضرت غازی پوری کا حلقہ تلامذہ بہت وسیع تھا۔ گویا برصغیر کے جید علمائے اہلحدیث کی بہت بڑی اکثریت کو حضرت میاں صاحب سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ یہ ہے ہمارا تدریسی و تعلیمی شجرہ نسب۔

ہندوستان میں سلسلہ اسناد کے دو طرق

برصغیر میں حدیث کی سند کے دو طریق ہیں۔ ایک طریق حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے تدریسی شجرہ نسب لکھ چکے ہیں۔ کیونکہ شاہ ولی اللہؒ کی سند کا سلسلہ شیخ محمد طاہر مدنیؒ سے شروع ہو کر صحابہ کرام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

برصغیر میں سند کا دوسرا طریق براستہ یمن ہے جو امام شوکانیؒ کے ذریعے پہنچتا ہے۔ نواب سید صدیق حسن خاں نے حدیث کا اکتساب قاضی حسین بن محسن انصاریؒ خزرجی یمنی سے کیا۔ قاضی حسین بن محسن امام شوکانیؒ کے شاگرد تھے۔ بقیہ سلسلہ سند امام شوکانی سے صحابہ کرامؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح مولانا عبدالحق بنارسیؒ شیخ محمد مچھلی شہری' مولانا ولایت علی عظیم آبادی بھی امام شوکانی کے تلامذہ میں سے تھے۔ گویا برصغیر میں حدیث کا سلسلہ اسناد شاہ ولی اللہ اور شیخ حسین بن محسن انصاریؒ بواسطہ امام شوکانی پہنچتا ہے۔ بحمداللہ ان دونوں سلسلہ اسناد میں اہلحدیث علماء کی اہمیت و حیثیت واضح ہے۔

خدمات حدیث

بحمداللہ علمائے اہلحدیث نے برصغیر کے انتہائی دور افتادہ گوشوں تک فیضان حدیث پہنچایا اور اپنی محنت شاقہ سے ہر حال میں حدیث کی شمع کو فروزاں رکھا۔ حدیث کی ضیاء پاشیوں سے پورا برصغیر بقعہ نور بن گیا۔ علمائے اہلحدیث کی مساعی کی بدولت پورا ہندوستان قال اللہ وقال الرسول کی دل نواز صداؤں سے گونج اٹھا۔ جا بجا حدیث کی مسندیں بچھ گئیں۔ تدریس حدیث کے غلغلے بلند ہوئے۔ سنت کے احیاء کی لہر پیدا ہو گئی۔ علمائے اہلحدیث کی خدمات حدیث سے متاثر ہو کر اہل علم اور عوام الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا کا منظر پیش کرنے لگے۔ حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کے تلامذہ نے ہندوستان بھر میں پرچم

حدیث کو بلند کیا۔ حدیث کے فیوض و برکات عام ہو گئے علمائے اہلحدیث کا علمی' دینی اور روحانی فیضان کوہستانوں' بیابانوں اور میدانوں تک پہنچا۔ تحریک اہلحدیث ایسی موثر اور زوردار تھی کہ تقلید جامد کی کوئی بندھن ان کے سامنے اڑ نہ سکی۔ بلکہ حدیث و سنت کے اس فیضان سے تقلیدی دنیا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی اور انہیں بھی اپنے درس نظامی میں ترمیم کرنا پڑی۔ بحمداللہ حدیث اور کتب حدیث کی خدمت اور اشاعت میں علمائے اہلحدیث نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا۔

شروح حدیث

(۱) نواب سید صدیق حسن خاں نے "فتح الوصول الی اصطلاح حدیث رسول" "الحطہ فی ذکر صحاح ستہ" "الرحمتہ المہداۃ الی من یرید زیادہ العلم علی احادیث المشکوۃ" "مسک الختام شرح بلوغ المرام" (فارسی) "فتح العلام شرح بلوغ المرام" (عربی) "الروض البسام من ترجمتہ بلوغ المرام" (عربی) کے علاوہ مزید تیں فاضلانہ اور محدثانہ کتابیں اور شروح حدیث قلمبند فرمائیں۔

(۲) مولانا شمس الحق ڈیانوی متوفی ۱۳۲۹ھ نے "النجم الوہاج شرح مقدمہ الصحیح لمسلم بن الحجاج" "عون المعبود من شرح سنن ابی داؤد" "غایتہ المقصود فی شرح سنن ابی داؤد" "ہدایتہ اللوذعی بنکات الترمذی" (عربی) "التعلیق المغنی شرح دار قطنی" "اعلام اہل العصر فی احکام رکعتی الفجر" "فضل الباری شرح ثلاثیات البخاری" "المکتوب اللطیف الی المحدث الشریف" "تعلیقات علی سنن النسائی" "تعلیق علی اسعاف المبطاء" عربی زبان میں لکھ کر حدیث اور کتب حدیث کی فاضلانہ خدمات انجام دیں۔

(۳) مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ متوفی ۱۳۵۳ھ تلمیذ رشید حضرت میاں سید نذیر حسینؒ محدث دہلوی نے چار جلدوں میں عربی زبان میں "تحفتہ الاحوذی" کے

نام سے جامع الترمذی کی شرح لکھی اور مقدمتہ تحفتہ الاحوذی کے نام سے ایک ضخیم فاضلانہ اور محدثانہ مقدمہ بھی سپرد قلم فرمایا "ابکار المنن فی تنقید آثار السنن" بھی مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری کا علمی شاہکار ہے۔ علامہ نواب وحید الزمان اور علامہ نواب بدیع الزمان نے صحاح ستہ کا اردو ترجمہ کر کے اردو دان حضرات کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے استفادہ کا موقع فراہم کیا مولانا ابو محمد عبدالوہاب دہلوی نے "مشکوۃ المصابیح" پر عربی حاشیہ لکھا۔ مولانا عبدالتواب ملتانی مرحوم نے "قیام الیل" مروزی الاشارات الی بیان اسماء المبہمات پر عربی میں حاشیہ لکھا' مولانا ابو سعید شرف الدین محدث دہلوی مرحوم نے نصب الرایہ فی تخریج الہدایہ' مولانا عبیدالرحمٰن پیغمبر پوری نے النوامیس الہیہ لکھی مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی نے مسلم الثبوت مولانا عبدالتواب ملتانی نے تحفتہ الودود' باحکام المولود پر عربی میں حواشی لکھے نواب سید صدیق حسن خان نے "نہج الوصول الی اصطلاح احادیث رسول" مولانا فرید الدین خاں کاکوروی نے نظم الدر فی مسانید الفرید الاحقر" حضرت شاہ ولی اللہ نے المصفی فی شرح الموطا فارسی' المسوی فی شرح الموطا عربی" میں شیخ عبدالوہاب دہلوی آف کوٹھی علی جان نے "تسہیل درائیہ الموطا" عربی میں لکھیں۔ علامہ شمس الحق ڈیانوی نے عون المعبود کے ساتھ ساتھ فیض الباری ترجمہ ثلاثیات بخاری۔ نواب صدیق حسن خاں نے عون الباری علی ادلتہ البخاری عربی میں دو جلدوں میں لکھی۔

مولانا شرف الدین دہلوی نے "تخریج آیات الجامع الصحیح البخاری" نواب سید صدیق خان نے "غنیتہ العاری فی ثلاثیات البخاری" مولانا محمد بکنوی نے "صمصام الباری علی عنق جارح البخاری" سید نواب صدیق حسن خان نے "السراج الوہاج فی شرح مختصرا لصحیح لمسلم بن الحجاج" حافظ عبداللہ غازی پوری نے "مقدمتہ الصحیح المسلم" عربی میں لکھیں۔ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی نے "سواء

الطریق" چار جلدوں میں عربی میں لکھی' مولانا محمد رفیع الدین شکرانوی نے "رحمت الودود علی رجال سنن ابی داؤد" براہ راست عربی میں لکھی۔ مولانا شرف الدین دہلوی نے سنن ابن ماجہ کے چند ابواب کی عربی میں شرح لکھی۔ سید احمد احسن عرشی قنوجی متوفی ۱۲۹۳ھ اور ڈپٹی سید احمد حسن دہلوی نے بھی عربی میں بلوغ المرام کی شرحیں لکھیں۔ ریاض الصالحین کا حاشیہ اور اردو ترجمہ مولانا سید عبدالاول غزنوی نے کیا۔ نواب وحید الزمان اور بدیع الزمان کا ذکر پہلے آچکا ہے مولانا عبدالتواب ملتانی نے صحیح بخاری کے آٹھ پاروں کا اردو میں ترجمہ لکھا۔ مولانا ابو الحسن سیالکوٹی نے فیض الباری ترجمہ شرح صحیح البخاری اردو میں لکھی مولانا عبدالاول غزنوی نے نصر الباری مولانا فضل حق دلاوری نے فیض الباری کے نام سے مکمل بخاری کے اردو تراجم کئے۔ مولانا ابو القاسم محمد خاں سیف بنارسی نے ایک بدباطن جارح بخاری کا جواب حل مشکلات بخاری کے نام سے اردو میں لکھا مولانا عبدالاول غزنوی نے مشکوۃ المصابیح کا اردو میں ترجمہ کیا علامہ قاضی سید محمد سلیمان منصور پوری مرحوم نے اسماء الحسنہ کی اردو میں شرح لکھی۔ مولانا خرم علی بلہوری نے مشارق الانوار کا اردو میں ترجمہ کیا۔ مولانا فضل حق دلاوری نے امام شوکانی کی "الاحادیث الموضوعہ" ملاں علی قاری کی "الموضوعات" کا اردو میں ترجمہ لکھا۔ علامہ نواب وحید الزمان نے لغات الحدیث "انوار اللغات" کے نام سے اردو میں مرتب کی۔ غرض اہلحدیث اکابر علماء نے کتب حدیث کی شروح حواشی اور تراجم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا تفصیلات کے لئے مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی کی ہندوستان میں اہلحدیث کی علمی خدمات دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس دور واپسیں میں اہلحدیث علماء کرام نے حدیث اور کتب حدیث کی نشرو اشاعت شروح و حواشی اور تراجم لکھنے سے غافل نہیں رہے۔

حضرت مولانا عبیداللہ رحمانیؒ نے میاں محمد باقر مرحوم کے تعاون اور مولانا

عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم کی تحریک سے مشکوۃ المصابیح کی عربی میں شرح "مرعاۃ المفاتیح" کے نام سے لکھی جو آٹھ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اسی طرح مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم نے التعلیقات السلفیہ علی سنن نسائی کے نام سے نسائی شریف کا بہترین حاشیہ لکھا۔ جسے عالم اسلام کے اہل علم نے نہایت وقعت اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔ مولانا عطاء اللہ مرحوم نے ابو داؤد پر بھی فیض الودود و تعلیق علی سنن ابی داؤد لکھنا شروع کی۔ اس کے دو پارے مکمل ہو چکے تھے۔ افسوس وہ مکمل نہ ہو سکی۔

مولانا ارشاد الحق اثری نے مسند امام ابی یعلی پر نہایت تحقیقی کام کیا جسے دارالقبلہ جدہ نے شائع کیا مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی نے جلاء العینین فی تخریج روایتہ البخاری فی جزء رفع الیدین لکھ کر اہل علم کے لئے تحقیق کی نئی راہیں کھولیں۔ مولانا محمد رفیق جلالپوری نے موطا امام مالک کے نہایت قیمتی حواشی لکھے۔ مولانا عبدالرحمٰن الفریوائی نے الاباطیل والمناکیروالصحاح والمشاہیر پر نہایت تحقیقی کام کیا جسے جامعہ سلفیہ بنارس نے دو جلدوں میں شائع کیا۔ مولانا محمد علی جانباز فیروز پوری نے ابن ماجہ کی شرح کی جو تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری استاذ العلماء حضرت محدث گوندویؒ کے فیوض و عرفان کی روشنی میں فیض الباری کے پیدا کردہ شکوک و شبہات کے ازالہ کے لئے ارشاد القاری الی نقد فیض الباری کے نام سے محققانہ اور فاضلانہ انداز میں کتاب ترتیب دے رہے ہیں۔ ہمارے فاضل دوست مولانا ارشاد الحق اثری نے المعجم لابی یعلی الموصلی پر محققانہ تعلیق لکھ کر شائع کی ہے۔ اہل علم میں اسے جو پذیرائی حاصل ہوئی وہ اہل خبر سے مخفی نہیں۔ مولانا عبدالصمد شرف الدین مولانا مختار احمد ندوی اور برصغیر کے دیگر علمی ادارے کتب حدیث کی نشرو اشاعت میں جو اہتمام کر رہے ہیں وہ یقیناً قابل تعریف اور لائق ستائش ہے۔ اسی طرح مصر' عراق' شام' اردن' مراکش' اور سعودی عرب میں علماء اہلحدیث اور سلفی اکابر کتب

حدیث کے شروح اور حواشی میں جو کام کر رہے ہیں وہ یقیناً قابل صد فخر ہے۔ اللہ تعالیٰ علماء اہلحدیث کو اس سے بھی بڑھ کر علمی خدمات انجام دینے کی توفیق عنایت فرمائے تفسیر حدیث شروح حواشی فقہ تاریخ سیرت مختلف علمی و تحقیقی مسائل تبلیغ دعوت و ارشاد بحث مناظرہ اصلاح باطن' تزکیہ نفس ذکر و فکر' اصلاح معاشرہ' قادیانیت' عیسائیت' یہودیت' مجوسیت' بہائیت' بابیت' بدھ مت' آریہ سماج' نیچریت' انکار رسالت' رفض و شیعیت' انکار حدیث' تقلید جامد' بریلویت' شرک و بدعت' اثبات توحید' احیاء سنت' تمسک بالحدیث' فرنگی سامراجیت' مسئلہ جہاد' تردید مزارات و قبور پرستی وہ کون سا موضوع ایسا ہے جس پر علماء اہلحدیث نے داد سخن نہ دی ہو اور اپنی تصنیفات و تالیفات کے انبار نہ لگا دیئے ہوں۔ برصغیر پاک و ہند کے مصنف و مولف علماء کا تذکرہ اور ان کی تصنیفات و تالیفات کے اسماء کا حیطہ تحریر میں لانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ صرف اسی موضوع کے لئے ایک ضخیم کتاب بھی ناکافی ہو گی۔ اس لئے ہم اسی مجبوری کے تحت برصغیر کے اہلحدیث مصنفین و مولفین اور ان کی تصنیفات و تالیفات کا تذکرہ درج کرنے سے قاصر ہیں۔ البتہ چیدہ چیدہ نامور علماء کرام کے اسماء گرامی پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت میاں سید نذیر حسینؒ محدث دہلوی کے دور تک علماء اہلحدیث کا ذکر ان کی علمی خدمات کا تذکرہ اور ان کی تصنیفات و تالیفات کی جھلک پیش کر چکے ہیں۔

مولف و مصنف علماء کے اسمائے گرامی

حضرت میاں سید نذیر حسینؒ محدث دہلوی' نواب سید صدیق حسن خاں' مولانا محمد بشیر سہسوانیؒ' مولانا وحید الزمان حیدر آبادیؒ' مولانا نواب بدیع الزمان حیدر آبادیؒ' حضرت حافظ محمد لکھوی' مولانا عبدالرحمٰن محی الدین لکھوی' مولانا سید عبدالاول غزنوی' مولانا سید عبدالغفور غزنوی' مولانا سید محمد غزنوی' مولانا

خرم علی بلہوری، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا احمد حسن، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبدالسلام مبارکپوری، مولانا نذیر احمد رحمانی، مولانا عبیداللہ رحمانی، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری، قاضی اطہر مبارکپوری، مولانا حافظ اسلم جیراجپوری، مولانا عبدالسلام بستوی، مولانا محمد جونا گڑھی، مولانا محمد سورتی، مولانا عبدالعزیز میمن راجکوٹی، مولانا ابو بکر شیث جونپوری، مولانا ابو القاسم بنارسی، مولانا عبدالمجید، ڈاکٹر مقتدیٰ ازہری، مولانا عبدالجلیل سامرودی، مولانا حافظ عبدالستار دہلوی، مولانا حکیم عبدالشکور شکراری، مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا شرف الحق ڈیانوی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا حافظ عبداللہ غازیپوری، مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مولانا محمد یوسف کوکن عمری، مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری، علامہ راغب احسن، مولانا عبداللہ الکافی القرشی، مولانا اکرم خان محمدی، ڈاکٹر مجیب الرحمٰن، ڈاکٹر عبدالباری، مولانا عبدالرحمٰن بی اے، بی ٹی، مولانا ابو علی اثری، مولانا مختار احمد ندوی، مولانا مجاز اعظمی، مولانا عبدالوہاب خلجی، مولانا بدر الزمان نیپالی، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، مولانا ابو تمیم محمدی، مولانا ناصر الدین محدث البانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابو الحسن سیالکوٹی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا محمد صادق سیالکوٹی، مولانا عبدالغفور اثری، مولانا محمد علی جانباز، مولانا محمد رفیق خان پسروری، مولانا عبدالمجید سوہدروی، مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، مولانا ہدایت اللہ سوہدروی، مولانا حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی، مولانا محمد حسین بٹالوی، خواجہ عبدالحیٔ فاروقی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا نور حسین گھرجاکھی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا رحیم بخش لاہوری، مولانا محمد اسحاق بھٹی، مولانا ارشاد الحق اثری، مولانا حافظ صلاح الدین یوسف، مولانا حافظ عبداللہ روپڑی، شہید اسلام حافظ علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا عبد الخالق قدوسی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا سید داؤد غزنوی، پروفیسر سید ابو بکر غزنوی، مولانا نور محمد سوتروی، مولانا حکیم عبداللہ روڑی والے (جہانیاں)، مولانا محمد ابراہیم

خلیل، مولانا محمد صدیق فیصل آبادی، مولانا برق توحیدی، مولانا عبدالتواب ملتانی، ملک عبدالعزیز ملتانی، مولانا محمد صادق خلیل، ڈاکٹر فضل الٰہی، مولانا حافظ مقصود احمد، مولانا ثناء اللہ زاہدی، مولانا محمد بشیر سیالکوٹی، مولانا محمد صدیق سرگودھوی، شیخ محمد سعید الفت، مولانا علی محمد صمصام، مولانا عبدالقادر حصاری، ڈاکٹر عبدالرؤف، قاضی عبداللہ خانپوری، مولانا غلام رسول، مولانا خالد گرجاکھی، ڈاکٹر محمد بشیر کمبوہ، ملک عبدالرشید عراقی، حافظ عبدالشکور شیخوپوری، مولانا عبدالستار صاحب قصص المحسنین، مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری، مولانا حکیم عبدالرحمٰن آف بدوملہی، استاذ العلماء مولانا محمد عبدہ حفظہ اللہ، مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی، مولانا محمد داؤد راز، مولانا فضل حق دلاوری، مولانا عبدالجلیل ہزاروی، امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا عبدالمجید سوہدروی، مولانا عبدالکریم فیروز پوری، مولانا محمد اشرف سندھو، مولانا محمد حنیف یزدانی، مولانا محی الدین احمد قصوری، مولانا عبداللہ قصوری، مولانا محمد علی قصوری، علامہ قاضی محمد سلمان منصور پوری، قاضی حبیب الرحمٰن منصور پوری، قاضی عبدالعزیز منصور پوری، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا ہدایت اللہ ندوی، مولانا غلام رسول قلعہ میاں سنگھ والے، مولانا عبدالوہاب دہلوی، مولانا عبدالرشید حنیف جھنگوی، مولانا سلطان محمود جلالپوری، مولانا محمد شریف اشرف، مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، مولانا محمد اقبال کیلانی، مولانا عزیز زبیدی، مولانا عبدالعظیم انصاری، ڈاکٹر سبطین لکھنوی، مولانا عبداللہ معمار، مولانا محمد یوسف راجووال، پروفیسر شاہین، مولنا محمد اعظم، بشیر انصاری، مولانا علی محمد سعیدی، حافظ عبدالرشید ازہر، مولانا حافظ عبدالستار حماد، میاں محمد جمیل۔

اہل حدیث کے جرائد و رسائل

برصغیر میں اہلحدیث کے اکابر علماء اور دانشوروں نے ملک کی صحافت میں ایک بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ صحافت کی ہر صنف میں ان کے نقوش پا ہمیشہ زندہ

اور محفوظ رہیں گے۔ روزنامہ اخبارات سے لے کر سہ ماہی اور ہفت روزہ جرائد تک اہلحدیث کے صحافیوں کی خدمات کو کوئی مورخ فراموش نہیں کر سکتا لاہور' دہلی' بمبئی اور کلکتہ کے روزنامہ اخبارات میں اہلحدیث کو کس طرح نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔ روزنامہ زمیندار اور آزاد لاہور میں علامہ حسین میر کاشمیری' چوہدری افضل حق ' روزنامہ انقلاب لاہور میں مولانا غلام رسول مہر' روزنامہ الجمعیت دہلی میں مولانا عثمان فارقلیط' زمزم اور کوثر میں مولانا عبدالمجید سوہدروی' ملک نصر اللہ خاں عزیز' مولانا فارقیط' روزنامہ خلافت بمبئی میں حافظ علی بہادر روزنامہ اقدام کلکتہ میں مولانا محی الدین احمد قصوری' ہفت روزہ الہلال' البلاغ کلکتہ میں مولانا ابو الکلام آزاد روزنامہ آزاد کلکتہ میں مولانا اکرم خان محمدی' ہفت روزہ صحافت میں مولانا ابو الکلام آزاد' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی' مولانا عبداللہ الکافی القرشی اور مولانا محمد حنیف ندوی اور دیگر اکابر کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہم ذیل میں ان جرائد و رسائل اور ان کے مدیران کے اسمائے گرامی لکھیں گے جو قیام پاکستان سے قبل مختلف اوقات میں جاری رہے۔ نمبر ۱ "اشاعۃ السنہ" جو مولانا محمد حسین بٹالوی کی ادارت میں نکلتا رہا

نمبر ۲۔ ماہ نامہ "ضیاء السنہ" کلکتہ جس کے ایڈیٹر مولانا ضیاء الرحمٰن عمرپوری تھے۔

نمبر ۳۔ "الہادی" سیالکوٹ جس کی ادارت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی کے پاس تھی۔

نمبر ۴۔ ہفت روزہ "اہلحدیث" امرتسر جس کے ایڈیٹر مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔

نمبر ۵۔ ماہ نامہ "مرقع قادیانی" امرتسر اس کے رائیس التحریر بھی مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔

نمبر ۶۔ ماہ نامہ "اہل الذکر" فیض آباد جو مولانا محمد یوسف شمسی کی ادارت میں نکلتا

شروع ہوا تھا۔

نمبر۷۔ ہفت روزہ "توحید" امرتسر جس کے مدیر اعلیٰ مولانا سید داؤد غزنوی مرحوم تھے۔

نمبر۸۔ ہفت روزہ "الہلال" کلکتہ امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد اس کے رئیس التحریر تھے۔

نمبر۹۔ ہفت روزہ "البلاغ" کلکتہ اس کے رئیس التحریر بھی مولانا ابو الکلام آزاد تھے۔

نمبر۱۰۔ ماہنامہ "الجامع" (عربی) کلکتہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی ادارت میں شروع ہوا تھا۔

نمبر۱۱۔ روزنامہ "اقدام" جس کی ادارت مولانا محی الدین احمد قصوری کے ذمہ تھی۔

نمبر۱۲۔ ماہ نامہ "تبلیغ السنہ" دہلی کے ایڈیٹر مولانا احمد اللہ پرتاب گڑھی تھے۔

نمبر۱۳۔ ماہ نامہ "النذیر" جو چک رجاوی ضلع گجرات مولانا عبدالغنی مرحوم کی ادارت میں شروع ہوا۔

نمبر۱۴۔ ماہ نامہ "دلگداز" لکھنؤ اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم شرر تھے۔

نمبر۱۵۔ ماہ نامہ "النظارد" میرٹھ جو مولانا عبدالمجید صاحب کی نگرانی میں نکلتا تھا۔

نمبر۱۶۔ ماہ نامہ "نصرت السنہ" بنارس جس کو ایڈٹ کرنے والے مولانا محمد سعید بنارسی اور مولانا سید عبدالکبیر بہاری تھے۔

نمبر۱۷۔ ماہنامہ "مسلمان" امرتسر اسکے ایڈیٹر مولانا ثناء اللہ امرتسری تھے۔

نوٹ = یہ وہ جرائد و رسائل ہیں جو بقول مولانا امام خاں نوشہروی مرحوم ۱۹۴۷ء سے پہلے بند ہو گئے۔

(برصغیر پاک و ہند میں اہلحدیث کی علمی خدمات ص ۱۰۰ تا ۱۰۳)

وہ جرائد و رسائل جو قیام پاکستان تک جاری رہے

۱۔ ہفت روزہ "اہلحدیث" جو ۱۳ دسمبر ۱۹۰۳ء کو مولانا ثناء اللہ امرتسری کی ادارت میں امرتسر سے شائع ہونا شروع ہوا اور ۱۹۴۷ء میں بند ہوا۔

۲۔ پندرہ روز "محمدی" دہلی جو ۱۳۴۰ھ میں مولانا محمد جونا گڑھی کی نگرانی میں شروع ہوا اور ان کے دم واپسیں تک سولہ برس تک زندہ رہا۔

۳۔ ہفت روزہ "ہند جدید" کلکتہ جس کے ایڈیٹر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی تھے۔

۴۔ ماہ نامہ "محدث" دہلی جو دارالحدیث رحمانیہ کی طرف سے مولانا عبیداللہ رحمانی اور مولانا نذیر احمد املوی رحمانی کی اوارت میں شروع ہوا اور قیام پاکستان تک جاری رہا۔

۵۔ ماہ نامہ "ریاض توحید" دہلی' ۱۹۳۶ء سے شروع ہوا جس کے ایڈیٹر مولانا عبیدالرحمٰن عمرپوری تھے۔

۶۔ "اہلحدیث گزٹ"' اس کے مدیر اعلیٰ مولانا عبدالحنان بہاری تھے جو قیام پاکستان کے بعد کراچی سے بھی کئی برس جاری رہا۔

۷۔ ماہ نامہ "مسلمان" سوہدرہ اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالمجید سوہدروی تھے۔ ۱۹۵۹ء ان کی حیات تک جاری رہا۔

۸۔ ماہ نامہ "مجلہ سلفیہ" دربھنگہ اس کے ایڈیٹر مولانا سید عبدالحفیظ گیاوی تھے۔

۹۔ تنظیم "اہلحدیث" روپڑ جو حضرت العلام حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ محدث روپڑی کی ادارت میں شروع ہوا جو اب بھی لاہور چوک دالگراں سے جاری ہے۔

۱۰۔ ماہ نامہ "مصحف" مدراس جو جامعہ عربیہ عمر آباد کا موقر ترجمان تھا۔

۱۱۔ ہفت روزہ مبلغ امرتسر جسے ۱۳۵۰ھ میں حاجی محمد اسحاق حنیف نے شروع کیا تھا۔

۱۲۔ ہفت روزہ "الاخوان" گوجرانوالہ مولانا محمد حنیف ندوی کی ادارت میں شروع ہوا تھا لیکن ایک دو اشاعتوں کے بعد بوجہ ہنگامہ آزادی ۱۹۴۷ء بند ہو گیا۔

(برصغیر پاک و ہند میں اہلحدیث کی علمی خدمات ص ۱۰۴ تا ۱۰۶)

برصغیر میں قیام پاکستان کے بعد اخبارات و رسائل

۱۔ پندرہ روزہ صحیفہ اہلحدیث کراچی جس کے بانی مولانا حافظ عبدالستار دہلوی تھے جو پچھتر سال سے جاری ہے مولانا عبدالجلیل دہلوی مرحوم مولانا حافظ عبدالغفار مرحوم اس کے ایڈیٹر رہے۔ آج کل کرم الجلیلی صاحب اس کے ایڈیٹر ہیں۔ قیام پاکستان سے قبل یہ دہلی سے شائع ہوتا تھا اب کراچی سے جاری ہے۔

۲۔ ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور آج کل اس کے ایڈیٹر مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی ہیں قیام پاکستان سے قبل روپڑ ضلع انبالہ سے شائع ہوتا تھا۔ ۱۹۹۰ء سے شائع ہونا شروع ہوا مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری مرحوم مولانا نظام الدین انصاری، مولانا عزیز زبیدی بھی اس کے ایڈیٹر رہے۔

۳۔ ہفت روزہ الاعتصام اس کے بانی مولانا عطاء اللہ بھوجیانی مرحوم تھے، یہ آج سے چھیالیس برس پہلے گوجرانوالہ سے شروع کیا گیا پھر اس کا دفتر لاہور میں منتقل ہو گیا۔ مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم، مولانا محمد اسحاق بھٹی، مولانا محی الدین گوہڑوی مرحوم علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید، مولانا عزیز زبیدی، حافظ صلاح الدین یوسف، مولانا علیم ناصری اس کے ایڈیٹر رہے ہیں آجکل حافظ احمد شاکر اس کے ایڈیٹر ہیں۔

۴۔ ہفت روزہ الاسلام اس کے ایڈیٹر بشیر انصاری تھے یہ جمعیت اہلحدیث علامہ احسان الٰہی ظہیر گروپ کا ترجمان تھا۔ ان سطور کا راقم بھی ایک سال تک اس کا اداریہ لکھتا رہا۔

۵۔ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور یہ تقریباً بیس برس سے جاری ہے اس کے بانی شیخ محمد اشرف مرحوم تھے مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری، مولانا عزیز زبیدی، مولانا علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید، مولانا محمد اسحاق بھٹی اس کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ آج

کل اس کے مدیر بشیر انصاری ہیں اور یہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کا آرگن ہیں۔

۶۔ پندرہ روزہ الارشاد جدید کراچی' یہ اکتالیس برس سے جاری ہے مولانا عبدالوکیل اور پروفیسر یامین محمدی اس کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ آج کل شیخ محمد سعید پریس والے اس کے ایڈیٹر ہیں۔

۷۔ ہفت روزہ اہلحدیث سوہدرہ' اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالمجید سوہدروی مرحوم تھے اور یہ ۱۹۶۰ء سے بند ہے۔

۸۔ ماہنامہ مسلمان سوہدرہ اس کے ایڈیٹر بھی مولانا عبدالمجید سوہدروی مرحوم تھے۔ یہ بھی مولانا کی وفات سے بند ہو گیا اور قیام پاکستان سے قبل یہ ہفت روزہ تھا بعد میں اس کو ماہنامہ بنا دیا گیا۔

۹۔ ہفت روزہ توحید لاہور پہلے یہ امرتسر سے شائع ہوتا رہا۔ پھر ۱۹۶۵ء میں پروفیسر سید ابو بکر غزنوی مرحوم نے اسے شروع کیا تقریباً ایک سال کے بعد یہ بند ہو گیا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی اور پروفیسر خالد بزی اس کے ایڈیٹر رہے ہیں۔

۱۰۔ ہفت روزہ المنبر فیصل آباد' یہ ۱۹۵۶ء سے جاری ہے اس کے ایڈیٹر مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف تھے۔ آج کل حکیم اشرف صاحب کے صاحبزادے زاہد اشرف صاحب اسے مرتب کرتے ہیں۔ راقم بھی تقریباً ایک سال اس کے ادارہ سے وابستہ رہا۔

۱۱۔ ماہنامہ رحیق لاہور یہ عظیم علمی اور تحقیقی رسالہ ۱۹۵۶ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی ادارت میں شروع ہوا لیکن افسوس اپنی تمام تر شان عظمت کے باوجود ناگزیر وجوہ کی بنا پر غروب ہو گیا۔

۱۲۔ پندرہ روزہ اہل حدیث دہلی' یہ رسالہ مولانا سید اقتدار احمد کی ادارت میں شروع ہوا مولانا حکیم عبدالشکور شکراوی بھی اس کے ایڈیٹر رہے۔ آج کل مجلہ اہل حدیث کے نام سے مولانا اجمل خاں کی ادارت میں جاری ہے۔

۱۳۔ ہفت روزہ ترجمان دہلی یہ مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کا آرگن ہے۔ مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی مولانا عبدالحمید رحمانی اور مولانا محمد داؤد راز اس کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ آج کل مولانا محمد عثمان فار قلیط کے بھتیجے مولانا محمد سلیمان صابر مولانا عبدالوہاب خلجی اس کے ایڈیٹر ہیں۔

۱۴۔ ماہنامہ الاسلام دہلی' یہ وقیع ماہنامہ سالہا سال تک مولانا عبدالسلام بستوی کی ادارت میں جاری رہا۔ آج کل مولانا عبدالسلام کے صاحبزادے مولانا عبدالرشید اس کے مدیر ہیں۔

۱۵۔ التوعیہ دہلی' یہ معیاری اور تحقیقی ماہنامہ مولانا عبدالحمید رحمانی کی ادارت میں نو دس سال سے جاری ہے۔

۱۶۔ ترجمان الحدیث لاہور' یہ باوقار علمی ماہنامہ مولانا علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید کی ادارت میں شروع ہوا پروفیسر ساجد میر بھی اس کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ راقم بھی ایک سال تک اس کا اداریہ یاد رفتگاں اور تعارف و تبصرہ کا کالم لکھتا رہا۔ آج کل یہ فیصل آباد سے شائع ہوتا ہے مولانا محمد یٰسین ظفر اس کے ایڈیٹر ہیں۔

۱۷۔ ماہناہ مصباح ششنیاں' یہ رسالہ ششنیاں ضلع بستی یو پی بھارت سے مولانا عبدالجلیل رحمانی کی ادارت میں شروع ہوا تھا۔ مولانا عبدالجلیل کی وفات کے بعد اپنی چند بہاریں دیکھا کر عدم آباد میں چلا گیا۔

۱۸۔ پندرہ روزہ نور ایمان دہلی' یہ رسالہ مولانا محمد داؤد راز کی ادارت میں اجمیری گیٹ دہلی سے شروع ہوا اور مولانا مرحوم کی وفات سے یہ بھی ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

۱۹۔ ہفت روزہ عرفات ڈھاکہ' یہ ہفت روزہ بنگالی زبان میں نکلتا ہے اس کے بانی مولانا عبدالرحمٰن بی اے بی ٹی تھے یہ جمعیت اہل حدیث بنگلہ دیش کا ترجمان ہے۔ آج کل ان کے ایڈیٹر کا علم نہیں ہو سکا۔

۲۰۔ ترجمان الحدیث ڈھاکہ' اس کے ایڈیٹر مولانا عبدالرحیم فاضل دیو بند ایم

اے' بی ٹی لیکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی ہیں یہ بھی بنگالی زبان میں شائع ہوتا ہے۔ یہ بنگلہ دیش کے چند اونچے اور علمی رسائل میں شمار ہوتا تھا۔ ڈاکٹر مجیب الرحمٰن پروفیسر راجشاہی یونیورسٹی بھی اس میں لکھتے ہیں۔

۲۱۔ پندرہ روزہ الہدیٰ کراچی' یہ پندرہ روزہ رسالہ مولانا عبدالمنان کی ادارت اور علامہ سید بدیع الدین شاہ راشدی کی سرپرستی میں شروع ہوا اور تھوڑے عرصے کے بعد یہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

۲۲۔ ماہنامہ اہل حدیث گزٹ کراچی' یہ ماہنامہ رسالہ مولانا عبدالحنان بہاری کی ادارت میں شروع ہوا یہ معیاری اور دینی ماہنامہ چند سال اپنی چمک دمک دیکھانے کے بعد ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

۲۳۔ سہ روزہ منہاج لاہور' جو ۱۹۵۸ء سے لاہور سے مولانا محمد اسحاق بھٹی کی ادارت میں جاری ہوا۔ سال کے بعد ایوبی مارشل لاء کی وجہ سے بند ہو گیا۔ راقم بھی اس کی ادارت میں شامل تھا۔

۲۴۔ پندرہ روزہ الہدیٰ دربھنگہ' یہ رسالہ ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم نے آج سے چالیس برس قبل دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ کا بطور ترجمان شروع کیا تھا۔ اس کی ادارت بھی ہمیشہ علماء اور فضلاء نے کی ہے۔

۲۵۔ نور توحید لکھنؤ' یہ رسالہ بھی اپنی چمک دمک دیکھا کر جلدی غروب ہو گیا۔

۲۶۔ ماہنامہ میثاق لاہور اس کا ڈیکلریشن ہم نے جمعیت طلباء اہل حدیث کے لیے منظور کروایا تھا۔ لیکن اس کے اجرا سے پہلے مولانا محی الدین سلفی گوہڑوی کے حوالے کر دیا گیا انہوں نے مولانا امین احسن اصلاحی کو دے دیا اور آج کل بھی وہ لاہور سے جاری ہے۔

۲۷۔ مجلّہ الاسلام سہ ماہی عربی ہفت روزہ الاسلام جمعیت کے اتحاد کے بعد سہ ماہی عربی مجلّہ بنا دیا گیا۔ پروفیسر ساجد میر سینٹر امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان اس کے مدیر اعلیٰ ہیں۔

۲۸۔ ماہنامہ تعلیم الاسلام' یہ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کا ترجمان ہے اس کی ادارت راقم الحروف کے ذمہ ہے۔

۲۹۔ ماہنامہ محدث لاہور' یہ علمی رسالہ مولانا عبدالرحمٰن مدنی کی ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ پہلے ماہوار تھا پھر یہ سہ ماہی مجلّہ بنا دیا گیا ہے۔

۳۰۔ مجلتہ الدعوۃ۔ یہ مرکز الدعوۃ والارشاد کا ماہانہ رسالہ ہے۔ جو امیر حمزہ کی ادارت میں لاہور سے نکلتا ہے۔

۳۱۔ ماہنامہ صوت الحق مالیگاؤں' یہ صوبہ مہاراشٹر بھارت مالیگاؤ سے مولانا نور الدین سلفی کی ادارت میں نکلتا ہے۔ مولانا مختار احمد ندوی امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند اس کے سرپرست ہیں۔

۳۲۔ پندرہ روزہ ضیائے حدیث سوہدرہ' اس کے مدیر مولانا محمد ادریس فاروقی ہیں۔

۳۳۔ مانامہ والضحیٰ گوجرانوالہ' اس کی ادارت بشیر انصاری صاحب فرماتے ہیں۔ یہ مدرستہ للبنات گلشن آباد گوجرانوالہ کی طرف سے نکلتا ہے سلفی خواتین اس میں لکھتی ہیں۔

۳۴۔ ماہنامہ ترجمان السنہ لاہور' اس کے مدیر اعلیٰ علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید کے صاحبزادے حافظ ابتسام الٰہی ظہیر ہیں۔ یہ علامہ احسان الٰہی ظہیر کے معارف کا ترجمان ہے۔ آج کل عارضی طور پر بند ہے

۳۵۔ ماہنامہ شہادت مظفر آباد' یہ تحریک آزادی کشمیر کا ترجمان ہے اس کے ایڈیٹر انجم بلال خان ہیں۔ اس کا عربی ایڈیشن بھی شائع ہوتا ہے۔ مولانا عبدالصمد رفیقی بھی اس میں کام کرتے ہیں۔

۳۶۔ موہنامہ تحفظ الحرمین جہلم' یہ تحفظ حرمین موومنٹ کا ترجمان ہے مولانا محمد مدنی اور مولانا حافظ عبدالحمید کی ادارت میں نکلتا ہے۔

۳۷۔ ماہنامہ صراط مستقیم برمنگھم' یہ رسالہ مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ کا ترجمان ہے۔ اس کے پہلے ایڈیٹر مولانا محمود میرپوری شہید تھے۔ آج کل اس کے

مدیر مولانا عبدالهادی عمری ہیں۔

۳۸۔ ماہنامہ البلاغ بمبئی' یہ علمی رسالہ مولانا ارشد مختار کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔

۳۹۔ ماہنامہ نوائے اسلام دہلی' یہ خوبصورت سالہ عزیز عمر سلفی کی ادارت میں دہلی سے شائع ہوتا ہے۔

۴۰۔ ماہنامہ نور توحید جھنڈا نگر نیپال' اس کے مدیر اعلیٰ مولانا عبداللہ مدنی ہیں۔

۴۱۔ ماہنامہ طوبیٰ گوجرانوالہ' جامعہ اہل حدیث للبنات کھوکھر کی ضلع گوجرانوالہ کا ترجمان ہے۔ اس کی مدیرہ باجی زبیدہ امین ہے۔

۴۲۔ ماہنامہ ترجمان السنہ رچھا بریلی' نہایت معیاری انداز سے شائع ہوتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر رضاء اللہ عبدالکریم المدنی ہیں۔

۴۳۔ ماہنامہ البدر ساہیوال' یہ سید ضیاء اللہ شاہ بخاری کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے اس کا اداریہ مولانا حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں۔

۴۴۔ ماہنامہ صوت الامتہ بنارس جامعہ سلفیہ بنارس انڈیا کا ترجمان ہے جو ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔

۴۵۔ ماہنامہ الفلاح بھیگم پورہ' یہ بلرام پور ضلع گونڈہ صوبہ یو پی بھارت سے شائع ہوتا ہے اس کے ایڈیٹر سراج الحق سلفی ہیں۔

۴۶۔ ماہنامہ اسلامی صحافت راولپنڈی' اس کے ایڈیٹر اکرام الحق جاوید ہیں جو اہلحدیث ہیں۔ لیکن رسالہ غیر اہل حدیث ہے کیونکہ یہ مصور ہے اس میں کوئی مسلک کی بات بھی نہیں ہوتی۔

۴۷۔ ماہنامہ المعارف لاہور' یہ ایک علمی' تحقیقی' تاریخی اور ادبی رسالہ ہے جو ادارہ ثقافت اسلامیہ کا ترجمان ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولانا محمد اسحاق بھٹی ہیں۔

۴۸۔ الاصلاح لاہور' یہ اہل حدیث سٹوڈنٹس فیڈریشن کا ترجمان ہے اور بے قاعدگی سے بوقت ضرورت شائع ہوتا ہے۔

۴۹۔ ماہنامہ دعوت پشاور' اس کے ایڈیٹر مسلم دوست ہیں شیخ جمیل الرحمٰن کی جماعت کا ترجمان ہے۔

۵۰۔ سہ ماہی مجلّہ ابراہیمیہ سیالکوٹ' جامعہ ابراہیمیہ سیالکوٹ کی طرف سے سہ ماہی مجلّہ ابراہیمیہ جاری کیا گیا تھا جس کے نگران مولانا محمد علی جانباز اور مدیر اعلیٰ میاں یوسف سجاد ایم اے تھے۔ مجلّہ کی عمر دو تین سال سے آگے نہ بڑھ سکی لیکن یہ مجلّہ اپنے علمی قد کاٹھ اور تحقیق و دانش کی وجہ سے وقیع سمجھا جاتا تھا۔

اہلحدیث مطابع

برصغیر میں مطابع دو قسم کے تھے۔ اولاً خالص کاروبار کی روشنی میں قائم کیے گئے۔ ثانیاً" وہ مطابع جن کے مالکوں کے پیش نظر کاروبا کے ساتھ ساتھ کتاب و سنت کو فروغ دینا اور تعلیمات نبوی کو عام کرنا اور مسلک اہلحدیث کو تقویت پہنچانا تھا۔ تاکہ قیمتی سے قیمتی لٹریچر شائع کر کے ملک میں پھیلایا جا سکے۔ بحمداللہ اس باب میں کاروباری اہلحدیث حضرات نے اپنی دینی ذمہ داریوں کو بڑی خوش اسلوبی سے بھرپور طور پر ادا کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اہل حدیث علماء کی تحریریں محفوظ ہو گئیں اور اہلحدیث علماء کی تصنیفات و تالیفات اور ان کے قلمی شاہ پارے عوام تک پہنچتے رہے۔ اج بحمداللہ تمام اصناف علم میں اہل حدیث علماء نے تصنیفات و تالیفات اور تراجم کے امبار لگا دیئے مسلمان گمراہ فرقوں کی تردید بھی کی اور غیر مسلم مذاہب کے اٹھائے گئے سوالات کے مسکت جوابات بھی دیئے۔

۱۔ سب سے پہلا مطبع

مولانا ولایت علی صادق پوری تلمیذ رشید امام شوکانی نے "بردوان" میں قائم کیا جس میں اور قیمتی کتب کی طباعت کے ساتھ ساتھ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا ترجمہ قرآن بڑی عقیدت و خلوص سے شائع کیا گیا۔

۲۔ مطبع انصاری دہلی

مولوی عبدالمجید میرٹھی مرحوم نے قائم کیا اس میں بڑی علمی اور قیمتی کتب شائع ہوتی رہی ہیں۔ خصوصاً" بخاری شریف کی شرح فتح الباری' سنن ابی داوٗد کی شرح عون المعبود' دار قطنی' دارمی' احکام الاحکام' مشکوۃ المصابیح وغیرہ بھی اسی میں شائع ہوئیں لیکن ایک عرصہ ہوا کہ یہ پریس ختم ہو گیا۔

۳۔ مطبع احمدی لاہور

اس کو شیخ محی الدین مرحوم نے قائم کیا تھا۔ وہ صاحب علم و ذوق شخصیت کے مالک تھے علمی کتابوں کی اشاعت کا انہوں نے اہتمام کر رکھا تھا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ احمد نے اکابر علماء اہل حدیث کی تصنیفات بڑے شوق اور ذوق سے شائع کیں۔ خصوصاً" نواب والہ جاہ سید صدیق حسن خاں کی تصنیفات شائع کرتے رہے۔ اسی طرح علامہ نواب وحید الزمان' علامہ نواب بدیع الزمان حیدر آبادی کی مترجمات حدیث شائع کرنے کا اعزاز بھی انہیں حاصل ہے۔ قرآن کریم کے بعض تراجم اور اردو تفاسیر بھی بڑے اہتمام سے شائع کیں لیکن افسوس یہ مطبع بھی قیام پاکستان کے بہت پہلے ختم ہو گیا۔

۴۔ مطبع فاروقی دہلی

یہ مطبع مولوی محمد معظم مرحوم نے قائم کیا تھا دہلی ان ایام میں علم و فضل اور تہذیب و ثقافت کا شہر تھا۔ وہاں بڑے بڑے مکتبہ تھے ایک پورے بازار کا نام اردو بازار تھا۔ کہ اب لاہور میں اردو بازار ہے۔ مکتبہ فاروقی نے دین کی سینکڑوں سے متجاوز کتابیں شائع کیں جو ہندوستان بھر میں پھیلیں۔ لیکن صد افسوس یہ مطبع بھی قیام پاکستان سے پہلے ختم ہو گیا۔

۵۔ مطبع انوار الاسلام امرتسر

یہ مطبع مولانا عبدالغفور غزنوی نے قائم کیا تھا مولانا عبدالغفور غزنوی نے

اس میں بڑی بڑی کتابیں شائع کیں جس سے مسلک اہلحدیث کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ قرآن پاک کتب حدیث کے بعض تراجم شائع کئے حسب ضرورت دیگر کتب بھی شائع کیں۔ مشکوۃ شریف' ریاض الصالحین اور قران پاک کے تراجم شائع کئے اور ان کے حاشے پر توضیحی نوٹ لکھے۔ مشکوۃ غزنوی اور حمائل غزنوی اب تک اہل علم کو یاد ہیں۔ افسوس مولانا عبدالغفور کے ورثاء نے قیام پاکستان کے بعد یہ سلسلہ جاری نہ رکھا۔

۶۔ مطبع سلفی دربھنگہ

یہ مطبع ڈاکٹر سید محمد فرید مرحوم نے ۱۹۳۳ء میں قائم کیا تھا۔ اس میں دارالعلوم احمدیہ' سلفیہ' لہریا' سرائے دربھنگہ بہار کا ترجمان ماہنامہ مجلّہ سلفیہ شائع ہوتا تھا اور کتب بھی شائع ہوتی تھیں۔

۷۔ الہلال پریس کلکتہ

یہ مطبع امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ نے ۱۹۱۱ء میں کلکتہ میں شروع کیا تھا۔ جس میں ہفت روزہ الہلال اور البلاغ شائع ہوتے تھے۔ لیکن فرنگی سامراج نے جب الہلال اور البلاغ کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا تو یہ پریس بھی منظر سے غائب ہو گیا

۸۔ آزاد پریس دہلی

مولانا عبداللہ قصوری مرحوم نے یہ پریس دہلی میں شروع کیا تھا۔ مولانا عبداللہ قصوری کے پیش نظر طباعت و اشاعت کے اونچے مقاصد تھے اور اسے الہلال پریس کلکتہ کا طلوع ثانی کہا جاتا تھا۔ امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد رحمتہ اللہ علیہ کی توثیق و تائید بھی انہیں حاصل تھی۔ لیکن نامساعد حالات کی بنا پر یہ بھی ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

۹۔ ثنائی برقی پریس امرتسر

یہ پریس شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم نے قائم کیا تھا۔ اسی میں مولانا کا ہفت روزہ اہل حدیث' ماہنامہ مسلمان' ماہنامہ مرقع قادیانی چھپتے تھے۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم کی جملہ تصنیفات و تالیفات شائع ہوتی تھیں۔ مولانا امرتسری مرحوم کے اکلوتے صاحبزادے مولانا عطاء اللہ شہید اس کے منصرم اور منتظم تھے۔ ان کے بہترین اہتمام کی وجہ سے پنجاب بھر کے علمائے اہل حدیث کی تصنیفات ثنائی برقی پریس امرتسر میں شائع ہوتی تھیں' ہندوستان میں علماء اہلحدیث کی خدمات علمی ص ۱۰۷

۱۰۔ حمیدیہ پریس دربھنگہ

دربھنگہ میں جب مطبع سلفی مرور ایام سے ناقابل استعمال ہو گیا تو ڈاکٹر سید فرید مرحوم حاظم جماعت حافظ حمیداللہ کے پاس دہلی میں تشریف لائے اور ان کے سامنے مطبع کی اہمیت اور ضرورت پیش کی۔ حافظ حمید اللہ مرحوم نے کمال فیاضی سے کام لیتے ہوئے انہیں نیا پریس خرید کر دیا۔ جو اب حمیدیہ برقی پریس کے نام سے مشہور ہے۔ دارالعلوم احمدیہ' سلفیہ دربھنگہ کا ترجمان پندرہ روزہ الہدیٰ شائع ہوتا ہے۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی کے بڑے بھائی مولوی احمد روپڑی نے ایک متروکہ پریس الاٹ کروا کر بڑی کامیابی سے چلوایا تھا۔ ہفت روزہ الاعتصام لاہور تنظیم لاہور اور دیگر جماعتی رسائل اسی میں شائع ہوتے تھے۔ لیکن افسوس مولانا محمد احمد کی دفات کے بعد پریس بند ہو گیا۔ اسی طرح حضرت العلام محدث روپڑی رحمہ اللہ علیہ کے منجھلے صاحبزادے مولوی محمد جاوید روپڑی نے لاہور سرکلر روڈ پر البلاغ پریس کے نام سے جاری کیا ہوا ہے۔ شیخ محمد اشرف مرحوم تاجر کتب کشمیری بازار میں ایبک روڈ لاہور پر حدیث منزل میں اشرف پریس کے نام سے ایک شاندار پریس لگوایا سالہا سال تک اس میں ہفت

روزہ اہلحدیث شائع ہوتا رہا شیخ محمد اشرف مرحوم انگریزی کتابوں کے ناشر تھے ان کی کتابیں اسی پریس سے شائع ہوتیں ہیں دیگر علمی' دینی' تبلیغی اور مسلکی ضخیم کتابیں بھی اشرف پریس سے شائع ہوتی ہیں۔ یہ کامیاب پریس ہے جسے شیخ محمد اشرف مرحوم کے نواسے شہزاد ریاض چلا رہے ہیں۔ وینس پریس عبدالحمید مرزا مرحوم کا تھا۔ ان کی وفات کے بعد اس کو اس کے بیٹے چلا رہے ہیں۔ لیکن یہ چھوٹا پریس ہے اس میں کتابیں وغیرہ نہیں شائع ہوتیں۔ لاہور میں چھ سات اور ایسے پریس بھی ہیں جن کے مالک اہل حدیث ہیں۔ وہ محض کاروباری ہیں اور مسلکی اشاعت کے جذبہ سے عاری۔ چند سالوں سے مولانا ثناء اللہ امرتسری کے پڑپوتوں نے ثنائی برقی پریس شروع کیا ہوا ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کو سرگودھا میں پریس الاٹ ہوا تھا۔ وہیں مولانا ثناء اللہ مرحوم کے پوتوں نے بڑی مضبوط اور وسیع بنیادوں پر اسے شروع کر رکھا ہے۔ ایوب کے دور سے پہلے اور ایوبی دور میں پریسوں پر بڑے سخت پہرے تھے گورنمنٹ کے خلاف کوئی اشتہار وغیرہ شائع کرنے کی جرات نہیں کرتا تھا۔ تحریک تحفظ ختم نبوت ۱۹۵۳ء اور ایوبی آمریت کے دور میں پاکستان بھر میں ثنائی برقی پریس سرگودھا واحد پریس تھا جس کے بہادر مالکان پوری جرات اور مردانگی سے گورنمنٹ کے خلاف پوسٹر شائع کرتے تھے۔ کچھ عرصہ سے ثنائی برادران نے مولانا امرتسری مرحوم کی تصنیفات شائع کرنے کا پروگرام بنا رکھا ہے' مکتبہ ثنائیہ سرگودھا نے مولانا مرحوم کی چند کتابیں شائع بھی کیں ہیں ملتان' فیصل آباد میں بھی بعض کاروباری اہل حدیث نے پریس شروع کر رکھے ہیں۔ کراچی میں بھی چھ' سات پریس اہل حدیث حضرات کے جاری ہیں لیکن مسلکی سے زیادہ کاروباری ہیں۔ لیکن شفیق پریس کراچی اس اعتبار سے قد آور ہے کہ اس کے مالک کا ذہن جماعتی ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کا ذہن مسلک اور جماعتی جذبہ سے سرشار فرمایا ہے قیام پاکستان سے قبل مختلف مطابع کے اہلحدیث مالکان کاروبار کے ساتھ ساتھ مسلکی اور دینی لٹریچر

بھی شائع کرتے تھے لیکن قیام پاکستان کے بعد اب مادیت کا دور دورہ ہے۔ اس لئے اب اس کے مالکوں کا ذہن دور حاضر کا ہے اس لئے کوئی شکوہ شکایت بھی نہیں۔

"علمی اور اشاعتی ادارے"

پاکستان میں بحمداللہ اہل حدیث مکتبات اور اشاعتی ادارے خلوص تندہی اور مستعدی سے اپنے فرائض سرانجام دینے میں مصروف ہیں اور ماضی قریب میں ان کے علمی اور اشاعتی کارنامے اپنوں اور بیگانوں سے داد و تحسین وصول کر چکے ہیں۔

مکتبہ سلفیہ لاہور

اس کے بانی شیخ المکرم مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم تھے۔ قیام پاکستان کے تھوڑا عرصہ بعد اس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ابتدائی سالوں میں حافظ عبدالرحمٰن گوہڑوی کا ولولہ تازہ بھی مولانا کے ساتھ شریک و سہیم تھا۔ مکتبہ سلفیہ نے چھوٹی بڑی بیسیوں کتابیں شائع کیں۔ مکتبہ سلفیہ کا نام کتابت' طباعت' کاغذ اور جلد کی عمدگی کی ضمانت ہے۔ پیارے رسول کی پیاری دعائیں اور فرہنگ قراۃ الرشیدہ سے لے کر سنن نسائی مع التعلیقات سلفیہ حماسہ مترجم' حیات ولی' الرحیق المختوم' ابواب الصرف' پروفیسر ابو زہرہ مصری کی کتب کے تراجم اکمل البیان اور بیسیوں علمی' تحقیقی اور مسلکی کتابوں تک اس نے شائع کر کے عالمی شہرت پائی۔ آج کل حافظ احمد شاکر صاحب نہایت خوش اسلوبی سے مکتبہ سلفیہ کے کام اور ساکھ کو پورے معیار کے ساتھ قائم رکھے ہوئے ہیں۔

مرکزی جمعیت اہلحدیث

مرکزی جمعیت اہل حدیث مغربی پاکستان نے جب اس کا دفتر شیش محل روڈ لاہور میں تھا۔ شعبہ تصنیف و تالیف شروع کیا تھا۔ جس کی طرف سے متعدد کتب شائع کی گئیں۔ خصوصا" بینات جس کا عربی سے ترجمہ مولانا نصرت اللہ مالیر کوٹلوی نے کیا تھا شائع کی تھی۔ مولانا غزنوی کی وفات کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اسے جاری رکھا جانا چاہیے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے امیر پروفیسر سینٹر حافظ ساجد میر نے فرمایا کہ اب بہت جلد جمعیت اہل حدیث کی طرف سے ہلکا پھلکا لٹریچر شائع کیا جائے گا جنہیں بطور مسلکی دعوت پیش کیا جا سکے گا۔

جمعیت اہل حدیث لاہور

مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم صاحب ذوق' صاحب تحقیق بزرگ تھے۔ ہمیشہ وہ قیمتی کتابوں کی اشاعت کے متمنی رہتے۔ وہ جمعیت اہل حدیث لاہور کے امیر تھے۔ ان کی زمانہ امارت میں شہری جمعیت اہل حدیث نے متعدد علمی کتابیں شائع کیں۔ قادیانیوں کے رد میں مشہور بین الاقوامی کتاب محمدیہ پاکٹ بک مصنفہ مولانا عبداللہ معمار مرحوم شائع کر کے ملت اسلامیہ پر ایک عظیم احسان کیا گیا کیونکہ ان دنوں میں مرزائیوں کے جواب میں اس کی بہت زیادہ ضرورت تھی اور بھی کئی کتابیں شائع کیں۔

اشاعتی ادارہ ملتان

مولانا عبدالتواب ملتانی مرحوم متوفی ۱۹۴۷ء حضرت میاں سید نذیر حسین دہلوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت میاں صاحب سے فراغت کے بعد ملتان میں انہوں نے انفرادی طور پر تعلیم و تربیت کا سلسلہ محلہ قدیر آباد مسجد میں جاری کر دیا۔ مرحوم کسی سے تنخواہ یا معاوضہ لینے کے روادار نہ تھے اپنی گزر اوقات کے لئے انہوں نے اشاعت کتب اور فروخت کتب کا سلسلہ شروع کر رکھا

عبور تھا۔ موصوف ایک درجن سے زائد کتابوں کے مصنف تھے۔ جن کی اکثریت عربی زبان میں تھی۔ الجامع الصحیح للبخاری کے بعض حصوں پر انہوں نے بڑا تحقیقی کام کیا۔ بلوغ المرام مع اردو ترجمہ اور قرآن پاک کا سرائیکی میں ترجمہ شائع کیا گیا جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے ۱۹۲۱ء آغاز کے وقت مولانا مرحوم سے تمام درسی کتب اور شروح منگوائی گئیں تھیں۔ مصر' شام اور بیروت سے ان کے مضبوط روابط تھے ان کی معاملات میں صفائی اور کاروباری دیانتداری سے مصری' شامی اور بیروتی تاجر کتب نہ صرف متاثر تھے بلکہ ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان تھے اور بوڑھے تاجر اب تک انہیں یاد کرتے ہیں تعریف کی پرواہ اور ستائش کی تمنا کئے بغیر علم دین اور مسلک کی بڑی خدمت کی اللہ انہیں اپنی بہترین جزاؤں سے نوازے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے پوتے مولانا عبدالباقی مرحوم نے فاروقی کتب خانہ محلّہ قدیر آباد ملتان کے نام سے سلسلہ جاری رکھا مولانا عبدالباقی کی وفات کے بعد ان کے بڑے صاجزادے حافظ عبدالمنعم نے اپنے باپ دادا کے کام کو چار چاند لگا دیئے اور مکتبہ فاروقیہ کے فروغ کو ہمدوش ثریا کر دیا آج کل سرکلر روڈ ملتان پر فاروقی کتب خانہ کے نام سے حافظ عبدالمنعم نے اپنے آباؤ اجداد کی روایات کو قائم اور دائم رکھا ہے۔ فاروقی کتب خانہ کی ایک شاخ لاہور میں بھی قائم کر دی گئی ہے۔ ان کے چھوٹے بھائی حافظ عبدالخبیر اویسی اس کے نگران اعلیٰ ہیں فاروقی کتب خانہ نے چھوٹی بڑی سینکڑوں کتب شائع کیں۔ بعض امہات الکتب وہ منظر عام پر لائے شیخ الحدیث حضرت مولانا سلطان محمود حفظہ اللہ اور پیر بدیع الدین شاہ راشدی کی سرپرستی انہیں حاصل ہے صفحات کی تنگ دامانی ان کی مطبوعات کے نام لکھنے میں حائل ہے۔

ادارہ محمدیات دہلی

مولانا محمد جوناگڑھی متوفی ۱۹۴۴ء نے دہلی سے فراغت کے بعد وہیں صدر

بازار میں ڈیرے ڈال دیئے۔ مدرسہ محمدیہ کے نام سے ایک دینی درسگاہ شروع کی جس میں تعلیم و تدریس کا باقاعدہ سلسلہ شروع کیا۔ خود بھی تدریسی ذمہ داریاں نبھائیں مولانا مسلک اہل حدیث کے فروغ میں ہمیشہ سیماب صفت رہتے تھے۔ چنانچہ اسی جذبہ صادقہ سے مسلک کی تحریری خدمت کے لئے اخبار محمدی کے نام سے ایک پندرہ روزہ رسالہ جاری کیا جو تاحین حیات جاری رہا۔ مولانا بیک وقت مدرس محدث، مفسر، مقرر اور مدیر تھے۔ بڑے محنتی اور انتھک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کی وجہ سے ہر تصنیف کے آخر میں محمدی کا لاحقہ جاری ہو گیا۔ جیسا کہ نماز محمدی، زکوۃ محمدی، صیام محمدی، حج محمدی، علیٰ ہذا القیاس مولانا محمد جوناگڑھی نے تفسیر محمدی کے نام سے لکھ کر شائع کی اسی طرح اعلام الموقعین حافظ ابن قیم مرحوم کا اردو ترجمہ دین محمدی کے نام سے شائع کیا مولانا جوناگڑھی کی تصانیف سے ہزارہا اشخاص قافلہ عمل بالحدیث میں شامل ہو گئے۔

جماعت غرباء اہل حدیث دہلی

جماعت غرباء اہل حدیث جس کے بانی مولانا عبدالوہاب صدر روی ملتانی تھے۔ جن کی جانشینی کا اعزاز مولانا عبدالستار دہلوی کو حاصل ہوا۔ حافظ عبدالستار کے زمانہ امارت میں دہلی میں لٹریچر کی اشاعت کا نہایت اچھا مرکز تھا اور مسلک کے فروغ کے لئے اچھی اچھی کتابیں شائع کی گئیں۔

اشاعتی ادارہ بنارس

بنارس اہل حدیث کا ایک قدیم مرکز ہے۔ مولانا عبدالحق بنارسی تلمیذ امام شوکانی مرحوم بنارس میں مرکز اہل حدیث کے بانیوں میں سے تھے۔ کنجاہ ضلع گجرات پنجاب کے سکھ گھرانے کے ایک نوجوان مسلمان ہو کر حضرت میاں صاحب کے پاس دہلی پہنچ گئے۔ حضرت میاں صاحب کے فیوض و برکات سے جھولیاں بھر کر محمد سعید محدث کے نام سے بنارس میں ڈیرے ڈال دیئے ان کے

تمام صاحبزادے عالم دین تھے۔ بڑے صاحبزادے مولانا ابو القاسم سیف بنارسی تھے وہ بڑے جلیل القدر عالم تھے۔ محدثین سے بغض و عناد رکھنے والے ایک جارح نے الجرح علی البخاری لکھی اس کے جواب میں مولانا ابو القاسم بنارسی نے حل مشکلات بخاری لکھ کر اس کا دنداں شکن جواب دیا۔ مولانا ابو القاسم نے متعدد علمی کتابیں لکھیں جنہیں ان کے ادارے نے شائع کیا۔ حسب ضرورت اور بھی کتابیں شائع کیں۔

عبدالصمد و اولادہ

ان کا مکتبہ پہلے سورت میں تھا اب بمبئی میں منتقل ہو چکا ہے ان کے بیٹے شرف الدین اور ان کی اولاد اعلیٰ سطح پر سنبھالے ہوئے ہے۔ اس مکتبہ نے بڑی ضخیم کتابیں معیاری انداز میں شائع کر کے دنیا بھر میں عموماً" اور عالم عرب میں خصوصاً" پھیلا دیں۔ مصر' شام' عراق' لبنان' اردن' یمن اور سعودی عرب میں خصوصاً" کوئی مکتبہ ان کی کتابوں سے خالی نہیں رہا۔ رابطہ عالم اسلامی کے سابق سیکرٹری اور مجلس شوریٰ سعودی عرب کے سپیکر فضیلتہ الشیخ الدکتور عبداللہ عمر نصیف سے ان کی عزیز داری ہے۔

ادارہ دینیات مدن پورہ بمبئی

محلّہ مدن پورہ بمبئی اہلحدیثوں کا عظیم مرکز ہے وہاں سالہا سال مولانا محمد داؤد راز مرحوم بطور خطیب اور مدرس قیام پذیر رہے مولانا محمد داؤد راز وسیع المطالعہ' وسیع العلم' صاحب قلم و قرطاس بزرگ تھے۔ وہ صرف تدریس و خطابت پر قانع رہنے والے نہیں تھے۔ نہ ہی خاموشی سے بیٹھنا ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنا ان کا مزاج تھا۔ بلکہ ان کا مسلک تو یہ تھا۔

محشر میں بھی فارغ تو نہ بیٹھے گا جنوں میرا
اپنا دامن چاک یا دامن یزداں چاک

چنانچہ مولانا محمد داؤد راز نے ادارہ دینیات قائم کر کے نہایت علمی اور ضخیم کتابیں شائع کیں اور پورے برصغیر میں اپنا علمی فیضان پہنچایا۔ اب مولانا مختار احمد ندوی امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کی سرپرستی میں ادارہ دینیات مدن پورہ بمبئی اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس

جامعہ سلفیہ بنارس ریوڑی تلاب بنارس مرکزی جمعیت اہل حدیث کی مرکزی دانش گاہ ہے۔ جہاں وہ جماعت کی تعلیمی اور تدریسی ضروریات پوری کرتی ہے۔ وہاں ان کی علمی، تحقیقی، تصنیفی، تالیفی اور تراجم کی ضروریات بھی مہیا کرتی ہے۔ چنانچہ عربی اردو میں ان کے دو ماہنامہ مجلّے شائع ہوتے ہیں اور کتابوں کی نشر و اشاعت کا سلسلہ بھی بہت قابل قدر ہے۔

حضرت مولانا عبید اللہ رحمانی مرحوم و مغفور کی مرعاۃ **المصابیح** کی بڑی جلدیں شائع کرنے کی اسے سعادت حاصل ہے جامعہ سلفیہ کے وکیل ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری نے قاضی محمد سلیمان منصوری پوری کی رحمتہ اللعالمین کا عربی ترجمہ کیا جسے جامعہ کے ادارہ نے نہایت خوبصورت انداز میں شائع کر کے عالم عرب کو قاضی صاحب کے افکار سے روشناس کروایا۔ اسی طرح جامعہ کے شعبہ اشاعت کتب نے اور بھی بہت سی قیمتی کتب شائع کر کے علم و آگہی تہذیب و ثقافت، تعلیمات کتاب و سنت اور مسلک اہلحدیث کو فروغ بخشا۔ جامعہ سلفیہ کے پہلے شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد املوی رحمانی مبارک پوری نے مسئلہ تراویح پر بڑی معرکتہ الآراء کتاب لکھی اسی طرح اہل حدیث اور سیاست ان کا علمی شاہکار ہے۔

جامعہ سراج العلوم جھنڈا نگر نیپال

اس کے بانی مولانا عبدالرؤف رحمانی رکن رابطہ عالم اسلامی ہیں۔ مولانا عبدالرؤف رحمانی بڑے فصیح و بلیغ، قادر الکلام، مبلغ اور خطیب تھے وہاں وسیع

المطالعہ وسیع العلم اور بہترین لکھنے والے ہیں۔ ان کے بھی متعدد علمی شاہکار کتابوں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ خطابت کے ساتھ تھے کا لفظ اس لئے لکھا ہے کہ اب وہ ضعف و پیری اور مرض کی وجہ سے جلسوں میں آنا جانا چھوڑ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں تادیر سلامت رکھے۔ (آمین)

مولانا عبدالسلام بستوی

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالسلام بستوی رحمہ اللہ جید علماء میں سے تھے۔ وہ مدرسہ ریاض العلوم دہلی کے شیخ الحدیث ماہنامہ الاسلام دہلی کے ایڈیٹر اور متعدد علمی اور تحقیقی کتابوں کے مصنف تھے۔ چنانچہ ان کے ادارہ نے درج ذیل ان کی کتابیں شائع کیں۔ مصباح المومنین' کشف الملہم' ترجمہ و شرح' مقدمہ صحیح مسلم' اسلامی عقائد' اسلامی توحید' اسلامی صورت' اسلامی پردہ' اسلامی وظائف' خواتین جنت' حلال کمائی' اسلامی تعلیم' انوار **المصابیح**' ترجمہ مشکوۃ المصابیح اور اسی طرح کی اکیس تحقیقی کتب شائع ہو چکی ہیں ان کی سب سے معرکتہ الآراء کتاب اسلامی خطبات ہے جو مکتبہ سلفیہ لاہور نے بھی شائع کی۔ ان کی ہر کتاب کے ساتھ اسلامی لاحقہ ضرور ہوتا ہے۔

ان کے بڑے صاحبزادے مولانا عبدالرشید مدرسہ رسالہ اور اشاعت کتب کے نگران اعلیٰ ہیں۔ ہفتہ روزہ ترجمان دہلی کے مدیر مسئول مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوہاب خلجی متعدد کتابوں کے مصنف' مولف اور مترجم ہیں اور بیسیوں کتابوں کے ناشر ہیں۔ جو ان کے مقدمہ اور دیباچہ کے ساتھ اشاعت پزیر ہوئیں۔ ہماری کتاب ارمغان ظہیر بھی شائع کر چکے ہیں۔ حالیہ رمضان میں عظمت صحابہ کرام قرآن کی روشنی میں شائع کرنے کا عزم بھی ظاہر کیا تھا۔

ادارہ التوعیہ دہلی

ماہنامہ التوعیہ دہلی کے مدیر مولانا عبدالحمید رحمانی بڑے فاضل اور متحرک رفیق ہیں ان کے نشرو اشاعت کا منصوبہ خاصہ دلکش ہے' گزشتہ دنوں انہوں نے الحقیقتہ الاسلامیہ فی الانتعار المذاہب ابن تیمیہ شائع کر کے بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے ان کے رفیق سفر مولانا بدر الزمان نیپالی' نے مولانا عبداللہ غزنوی پر معرکے کی کتاب لکھی۔

نوائے اسلام دہلی

ماہنامہ نوائے اسلام دہلی مجلس دعوۃ اسلامیہ نے شروع کیا ہے۔ مجلس دعوۃ الاسلامیہ کے متعدد شعبے ہیں۔ جو بڑے خلوص اور تندہی سے مصروف کار ہیں۔ دیگر شعبہ جات کے ساتھ ساتھ ان کا شعبہ نشرو اشاعت بھی جاری ہے۔ شعبہ نشر و اشاعت نے تقریباً سترہ کتابیں شائع کی ہیں۔ ان میں قاضی محمد سلیمان منصوری پوری کی الجمال والکمال' امام ابن تیمیہ کی الجواب الاباہر فی الزوا اللمقابل' علامہ شکیب ارسلان کی اسباب زوال امت' شاہ اسمٰعیل شہید کی تقویتہ الاحسان' مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کی تحریک اہل حدیث کا مدو جزر۔ حافظ صلاح الدین یوسف کی ماہ محرم اور موجودہ مسلمان مولانا ارشاد الحق اثری کی احادیث ہدایہ شائع کر چکے ہیں۔ فنی اور تحقیقی حیثیت سے مولانا محمد علی جانباز کی تحیتہ المسجد اور دیگر کتابیں شائع کیں۔

جمعیت طلباء اہلِ حدیث

جمعیت طلباء اہل حدیث مغربی پاکستان میں راقم کی نظامت کے زمانہ میں مولانا حکیم عبدالشکور شکراوی کی جمع تدوین حدیث عہدہ صحابہ اور تابعین میں' مولانا محمد اسمٰعیل سلفی کی امام "بخاری کا مسلک" شائع کیں۔ راقم کے بعد جمعیت طلباء اہل حدیث پاکستان نے مولانا ابو یحیٰی امام خان نوشہروی کی تراجم علمائے حدیث ہند شائع کی۔

شیخ محمد اشرف

شیخ محمد اشرف مرحوم کا کاروبار اشاعت کتب بڑے وسیع پیمانے پر تھا وہ انگریزی کتابوں کے ناشر تھے۔ لیکن علمائے اہل حدیث کی فاضلانہ اور محققانہ کتابیں بھی شائع کرتے رہتے تھے۔ اشرف الحواشی انہیں کا شائع کردہ قرآن مجید ہے جس کا اردو ترجمہ مولانا ثناء اللہ مرحوم کا ہے اور حواشی پر توضیحی نوٹ استاذی المکرم مولانا محمد عبدہ حفظہ اللہ کے ہیں شیخ محمد اشرف اسی طرح بہت سی تحقیقی کتابوں کے ناشر ہیں۔

نعمانی کتب خانہ لاہور

مولانا محمد بشیر نعمانی نے الاعتصام کی ایجنسی سے کام کا آغاز کیا۔ صدق مقال' کسب کمال اور اکل حلال سے اللہ تعالیٰ نے انہیں کاروبار میں برکت عطا فرمائی۔ آج اور کل اور وہ دھیرے دھیرے آگے بڑھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے پایا رحمت سے اردو بازار گوجرانوالہ میں نعمانی کتب خانہ قائم کر دیا۔ کام جب زیادہ بڑھ گیا تو حق سٹریٹ اردو بازار میں کتب خانہ نعمانیہ کے نام سے ان کی شاخ لاہور میں قائم کر دی۔ بعد میں کام کے فروغ کی وجہ سے لاہور والی شاخ اصل اور مرکز کہلائی۔ گوجرانوالہ کا مکتبہ شاخ قرار پایا۔ کتب خانہ نعمانیہ کے سامنے قرآن کریم اور اس کی تفاسیر پر مشتمل قران محل بنا دیا گیا۔ مولانا نعمانی نے اپنی رہائش گاہ بھی گوجرانوالہ سے لاہور منتقل کر لی۔

نعمانی کتب خانہ نے بڑے علمی کارنامے سرانجام دیئے۔ مولانا محمد صادق سیالکوٹی کی تین درجن سے زائد کتابوں کا ناشر نعمانی کتب خانہ ہے اور اس کے کئی کئی ایڈیشن شائع کر چکا ہے۔ مولانا محمد اسمٰعیل سلفی اور کئی علماء کی تصنیفات کا ناشر بھی مکتبہ نعمانیہ ہے۔ مکتبہ نعمانیہ کے زیر اہتمام راقم کی بھی دو کتابیں' علامہ احسان الٰہی ظہیر ایک عہد ایک تحریک اور مشاجرات صحابہ پر ایک نظر بھی شائع

ہو چکی ہیں۔ تفسیر ابن کثیر اردو مکتبہ نعمانیہ نے اپنے بعض معاصرین سے مل کر شائع کی۔ صحاح ستہ اور مشکوۃ شریف کے تراجم بھی مکتبہ نعمانیہ نے شائع کئے۔ الغرض مکتبہ نعمانیہ نے مسلک اور جماعت کی بے لوث خدمت کی۔ مکتبہ نعمانیہ نے مزید علمی و تحقیقی کتابیں اور تراجم بھی شائع کئے ہیں۔

سبحانی اکیڈمی لاہور

یہ مکتبہ مولانا نذیر احمد سبحانی کا ہے۔ مکتبہ سبحانیہ ناشر سے زیادہ دوسرے مکتبوں کی کتابیں فروخت کرنے کو ترجیح دیتا ہے اور ہمیشہ اہل علم کا جم گھٹا وہاں موجود ہوتا ہے اور سبحانی صاحب تمام مکاتب فکر میں ہر دلعزیز ہیں اور پنجابی میں اچھی نظم کہہ لیتے ہیں۔ تبلیغی جلسوں کی زینت بھی بنتے ہیں۔

مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور

اس کے بانی مولانا عبدالخالق قدوسی شہیدؒ تھے آج کل مولانا کے صاحبزادے ابوبکر قدوسی نہایت اچھے پیمانے پر چلا رہے ہیں۔ مولانا عبدالخالق قدوسی' صاحب تحقیق اور صاحب ذوق انسان تھے۔ راقم کی طرح ان کا طبعی میلان اور ذہنی رجحان بھی تاریخ سے وابستہ تھا۔ ہمیشہ اپنے مکتبہ میں نادر و نایاب کتابیں رکھتے۔ مکتبہ قدوسیہ دراصل قدوسی مکتبہ فکر کا نام تھا۔ اکابر علماء' اصحاب علم' ارباب دانش' مصنفین' مولفین' مترجمین' صحافی حضرات' پروفیسر اور اساتذہ نیز یونیورسٹیوں کے طلباء کثرت سے مولانا قدوسی کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ ان سے مشورے لیتے اور ان کی رہنمائی حاصل کرتے۔

مولانا مرحوم ان کو علمی مشورے دیتے' ان کی تحقیقی رہنمائی کرتے اور انہیں ہر طرح مطمئن کرتے۔ بحمداللہ ان کے صاحبزادگان محترم اپنے باپ کے دوستوں کا احترام کرتے ہیں۔ بڑے باذوق اور سلیقہ شعار ہیں۔ تفسیر ابن کثیر' تفسیر ثنائی اور دیگر کئی کتابوں کے ناشر ہیں۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی کی قصوری خاندان کی

اشاعت بھی ان کے اہتمام میں ہوئی ہے۔ راقم کی یہ کتاب بھی ان کے اہتمام میں شائع ہو گی۔ انشاء اللہ

ادارہ احیاء السنہ

مولانا خالد گرجاکھی جماعت کے جید فضلاء اور محقق علماء میں شمار ہوتے ہیں کئی کتابوں کے مصنف اور مولف ہیں۔ ادارہ احیاء السنہ کے نام سے انہوں نے گوجرانوالہ میں احیاء السنہ کے قیام کا اعلان کیا۔ اب اسے اقراء سنٹر اردو بازار میں منتقل کر دیا گیا ہے ان کے بیٹے مولوی محمود بن خالد ان کے نگران اعلیٰ ہیں۔ یہ ادارہ بھی علمی، دینی، تحقیقی اور تبلیغی چھوٹی بڑی کئی کتابوں کا ناشر ہے۔ یہ مکتبہ بیک وقت ناشر بھی ہے اور تاجر بھی یعنی دوسرے ناشرین کی کتابیں فروخت بھی کرتا ہے۔

مکتبہ غزنویہ شیخ محل روڈ لاہور

پروفیسر سید ابو بکر غزنوی نے انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی یونیورسٹی مغل پورہ لاہور کے کے قیام کے زمانہ میں مکتبہ غزنویہ قائم کیا جس کے زیر اہتمام مولانا سید داؤد غزنوی کی مسنون نماز پروفیسر سید ابو بکر شہید کی کتابیں اور مولانا سید داؤد غزنوی کی سوانح حیات شائع کی گئی لیکن افسوس پروفیسر صاحب کی شہادت کے بعد یہ سلسلہ آگے نہ بڑھ سکا۔

مکتبہ عزیزیہ لاہور

مسجد قدس اہل حدیث چوک دالگراں لاہور میں مکتبہ عزیزیہ کے نام سے ایک کاروباری مکتبہ جاری ہے جو ناشر سے زیادہ تاجر کتب ہے غالباً" ایک دو کتابیں اس کی طرف سے شائع کی گئیں ہیں۔

اسلامی اکیڈمی لاہور

اردو بازار کے وسط میں اسلامی اکیڈمی کے نام سے مولانا منصور احمد نے کتابوں کی نشر و اشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ کئی اہم علمی اور تحقیقی کتابوں کے ناشر ہیں اور کتابوں کی خرید و فروخت کا وسیع کام کرتے ہیں۔ کتابوں کی خرید و فروخت میں خاصا تجربہ رکھتے ہیں۔

اسلامک شو روم شیش محل روڈ لاہور

مولانا منیر احمد کا ادارہ ہے۔ یہ بھی گوجرانوالہ سے لاہور منتقل کیا گیا ہے۔ اس کی طرف سے استاذ العلماء حضرت محدث گوندلوی رحمۃ اللہ کے محاضرات و دروس شائع کئے گئے ہیں۔ کئی اور کتابیں بھی ان کے اہتمام میں شائع کی گئیں ہیں۔ درحقیقت یہ ادارہ ناشر کم اور کاروباری زیادہ ہے۔ پتا چلا ہے کہ اب انہوں نے اردو بازار میں بھی کام جاری کر رکھا ہے۔

دارالدعوۃ سلفیہ لاہور

اس کے بانی استاذ المکرم مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی تھے۔ اس کا قیام مولانا بھوجیانی کی دور اندیش پالیسی کا نتیجہ ہے۔ مولانا بھوجیانی مرحوم دل سے چاہتے تھے کہ ان کا کتب خانہ وقف ہو جائے اہل علم اور شائقین حضرات اس سے استفادہ کر سکیں۔ نیز لکھنے والوں کی ایسی کھیپ تیار کی جائے جو ہر صنف علم پر داد تحقیق دے سکے۔ اسی جذبہ و ولولہ سے انہوں نے دارالدعوۃ سلفیہ قائم کیا اور اپنی زندگی بھر کا اثاثہ (ذاتی کتب خانہ) اس کے لئے وقف کر دیا۔ جبکہ ان کا ذاتی کتب خانہ نہایت قیمتی اور نادر و نایاب کتابوں پر مشتمل تھا۔ اس کے لئے شیش محل روڈ پر ایک چار منزلہ عمارت تعمیر کی گئی۔ پہلی منزل کے نصف حصہ میں شعبہ تحفیظ القرآن کھولا گیا۔ پہلی منزل کے دوسرے حصہ میں الاعتصام کے دفاتر بنائے گئے۔ دوسری منزل پر مسجد تعمیر کی گئی جہاں پانچ وقتہ اذان جماعت ہوتی

ماحول بنا دیا گیا ہے تاکہ وہ اطمینان اور شرح صدر سے لکھ پڑھ سکیں۔ آج کل حافظ نعیم الحق نعیم اپنا علمی اور تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ دارالدعوۃ سلفیہ نے چند سالوں میں تحقیق و تدقیق اور نشرو اشاعت کا بڑا کام کیا ہے۔ نہایت ضخیم اور قیمتی کتابیں شائع کی ہیں۔ علم و آگہی کی نئی نئی راہیں پیدا کیں ہیں اور دارالدعوہ سلفیہ لاہور کی طرف سے بہت سی تحقیقی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ صفحات کی قلت کے پیش نظر ان کی مطبوعہ کتابوں کے نام شائع کرنے سے قاصر ہیں۔ تاہم وہ بڑی علمی، تحقیقی اور ضخیم کتابیں ہیں۔ المحلی اردو، التحقیق الراسخ، ابقاء المنن بالقاء المحن، منتقی الاخبار اردو، تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ، منکرات اللالی والدر فی الحالہ بین العینی وابن حجر قریباً تیں پینتیس اور کتابیں شائع کر چکا ہے۔

مدینہ کتاب گھر گوجرانوالہ

یہ دراصل تجارتی کتب خانہ ہے۔ لیکن انہوں نے بعض مصنفین کی کتابیں بھی شائع کی ہیں۔ مولانا عزیز الرحمٰن کی سر دلبراں جو مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی کی سوانح حیات ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو چند اور کتابیں بھی شائع کی ہیں۔

مسلمان اینڈ کمپنی سوہدرہ

مولانا عبدالمجید سوہدروی مرحوم مولانا عبدالحمید سوہدروی کے صاحبزادے مولانا غلام نبی سوہدروی مرحوم کے پوتے شیخ پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی مرحوم کے نواسے مولانا احمد علی لاہوری مرحوم کے داماد امام العصر مولانا سیالکوٹی کے تلیذ رشید تھے۔ وہ ہماں صفت، موصوف انسان تھے وہ بیک وقت ایڈیٹر، لیڈر، مصنف، مولف، خطیب، ادیب اور حکیم تھے۔ ان کی ادارت میں ہفت روزہ مسلمان جو قیام پاکستان کے بعد ماہنامہ ہو گیا ہفت روزہ اہل حدیث اور ماہنامہ طبی دنیا شائع ہوتے تھے۔ مفتی اور مفسر قرآن بھی تھے۔ انہوں نے

اشاعت کتب کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا تھا۔ چنانچہ ان کی تمام تر طبی تصنیفات' رہبر کامل' کرامات اہل حدیث' سیرت امام الہند' مولانا ابو الکلام آزاد اور سیرت ثنائی اور ان کی دیگر تصنیفات مسلمان کمپنی سوہدرہ نے شائع کی اور پورے برصغیر میں پھیلائیں۔

ضیاء اللہ کھوکھر گوجرانوالہ

ضیاء اللہ کھوکھر نہایت علمی' تحقیقی اور تاریخی ذوق رکھنے والے بزرگ ہیں۔ برصغیر سے نکلنے والے تمام جرائد و رسائل کی فائلیں ان کے پاس ہیں جو حقیقت میں بہت بڑا علمی سرمایہ ہے جو اللہ کی رحمت سے ان کے پاس محفوظ ہے۔ کھوکھر صاحب اشاعت کتب کا بھی بڑا صاف ستھرا شوق اور ذوق رکھتے ہیں۔ چنانچہ علمی اور تحقیقی کتابیں انہوں نے چھپوا کر اہل طلب اور اہل شوق میں مفت تقسیم کیں' اس سے ان کی علم نوازی اور علماء کی حوصلہ افزائی کا اندازہ خوب لگ سکتا ہے۔

سیالکوٹ

سیالکوٹ ایک مردم خیز تاریخی شہر ہے۔ غازی محی الدین سلطان اورنگزیب عالمگیر کے محترم استاذ مولانا محمد افضل مشہور محدث' مولانا محمد طاہر' علامہ عبدالحکیم' مولانا غلام حسن' مولانا میر حسن' علامہ محمد اقبال' فیض احمد فیض' حزین سیالکوٹی' مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی' مولانا محمد صادق سیالکوٹی' خواجہ محمد صفدر' حافظ محمد شریف' مولانا محمد ابراہیم ریاستی' شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر اسی سرزمین کے بہادر سپوت اور نابغہ عصر شخصیتیں تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی' حافظ عابد الٰہی اور سینئر پروفیسر ساجد میر اسی چمن زار کے گل سرسبد ہیں مذکورہ بالا تمام شخصیتوں کے افکار و خیالات کتابوں کی صورت میں شائع ہوتے رہے۔ ان کی تصنیفات کی تفصیلات کے لئے ایک مستقل باب کی ضرورت ہے۔ اہل علم ان کی تصنیفات کے اسماء سے یقیناً باخبر ہیں۔ آج کل مولانا عبدالغفور اثری مولانا محمد علی

جانباز فیروز پوری' میاں محمد یوسف سجاد اپنے اپنے دائرہ کار میں خوب داد تحقیق دے رہے ہیں۔ ان بزرگوں کی ایک درجن سے زائد کتابیں سیالکوٹ سے شائع ہوئیں۔ اسی طرح حکیم عنایت اللہ سوہدروی اور ملک عبدالرشید عراقی اپنے حلقہ اثر میں علمی اور تحقیقی کام کر رہے ہیں جبکہ اس سے پیشتر اسی سرزمین کے سپوت پنجاب کے مایہ ناز اسلامی' انقلابی' شاعر' خطیب' ادیب' مدیر' زعیم' سیاست دان' مولانا ظفر علی خان مرحوم اپنی ہمت سے ہواؤں کا رخ موڑ چکے' انگریز سے بہادرانہ ٹکر لے چکے اور جریدہ عالم پر اپنے نقوش پا ثبت کر چکے ہیں۔

ادارہ ترجمان السنہ لاہور

یہ ادارہ شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر نے شروع کیا تھا۔ علامہ مرحوم کی زندگی میں علامہ صاحب کی جملہ عربی' اردو کتب اسی ادارہ نے شائع کیں۔ علامہ صاحب نے ایم اے او کالج کے قریب لوئر مال روڈ پر اس کے لئے عظیم الشان سہ منزلہ عمارت تعمیر کی۔ اس کے لئے فرنیچر اور فراش کا بندوبست کر لیا گیا۔ اعلیٰ قسم کا کمپیوٹر بھی منگوا لیا گیا۔ اپنے سیکرٹری کو ریاض بھیج کر کمپیوٹر چلانے کی ٹریننگ بھی دلوائی' لیکن قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا کہ ان کا پیمانہ زندگی چھلک گیا اور انہوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت البقیع میں ڈیرے ڈال دیئے۔

تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ

اردو شاعر لکھتا ہے

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

عرب شاعر نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے۔

يريد المرء ان يعطى مناه

ويأب الله الا ما يشاء

ہائے وہ بساط الٹ گئی' وہ آشیانہ تہہ و بالا ہو گیا' کام کے خاکے جو علم و فنون کے رنگ بھرنے کے لئے بنائے گئے تھے تشنہ کام رہے۔ یعنی علامہ احسان الٰہی ظہیر جام شہادت نوش فرما گئے۔ لیکن علامہ مرحوم جو جوت جگا گئے تھے اور جو شمع فروزاں کر گئے تھے۔ ان کے صاحبزادہ گرامی حافظ ابتسام الٰہی ظہیر نے اس شمع کو بجھنے نہیں دیا بلکہ فروزاں ہی رکھا۔ ادارہ کی کتب بالخصوص علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید" کی کتب کے اردو تراجم کی پاکستان میں نشرو اشاعت اور فروخت مکتبہ قدوسیہ کے ذریعے ہو رہی ہے۔ علامہ مرحوم کے ادارہ ترجمان السنہ نے درج ذیل کتابیں شائع کیں۔

القادیانیہ عربی' الشیعہ والقرآن عربی' البابیتہ عرض و نقد عربی' الاسماعیلیتہ عربی' شیعہ و سنت فارسی' دراسات فی التصوف عربی' سفر حجاز اردو' کتاب التوحید انگریزی' الشیعہ والسنہ عربی' الشیعہ والتشیع عربی' البہائیت عربی' البریلویت عربی' شیعیت انگریزی' بریلویت انگریزی' الشیعہ والسنہ اردو' کتاب الوسیلہ انگریزی' الشیعہ و اہل البیت عربی' بین الشیعہ و السنہ' التصوف المنشاء والمصادر عربی' قادیانیت انگریزی' مرزائیت اور اسلام اردو' بریلویت اردو' کتاب الوسیلہ اردو' حج و عمرہ اردو

مکتبہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن اپنی اشاعتی ذمہ داریوں سے کبھی غافل نہیں ہوا۔ چنانچہ مختلف اوقات میں علمی اور تحقیقی کتابیں شائع کر کے اپنی اشاعتی ذمہ داریوں کو باحسن انداز پورا کر کے اہل علم سے خراج تحسین وصول کیا وہ کتابیں یہ ہیں۔ جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد نیل المرام فی تفسیر آیات الاحکام۔ حیاۃ الشیخ فضل الٰہی وزیر آبادی' مکتبہ تعلیم الاسلام نے مختلف اوقات میں مندرجہ ذیل کتابیں شائع کیں۔

۱۔ حرمین شریفین کے خلاف خمینی کے خطرناک عزائم (۲) سیاسیات برصغیر میں اہل

حدیث کا حصہ (۳) ارمغان ظہیر (۴) علامہ احسان الٰہی ظہیر ایک عہد ایک تحریک (۵) عظمت صحابہ قرآن کی روشنی میں (۶) مشاجرات صحابہ پر ایک نظر (۷) تذکار حافظ عبدالغفور جہلمی۔ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر مکتبہ تعلیم الاسلام کو مکتبہ تعلیمات اسلام میں بدل دیا گیا۔ مکتبہ تعلیمات اسلام کی طرف سے مولانا محمد اسحاق بھٹی کی "قصوری خاندان" شائع ہو چکی ہے۔ "تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں" بھی مکتبہ تعلیمات اسلام نے شائع کی ہے۔ راقم کی آئندہ تمام کتابیں اسی مکتبہ کی طرف سے شائع ہوں گی۔ انشاء اللہ العزیز

دارالکتب رحمانیہ فیصل آباد

دارالکتب رحمانیہ فیصل آباد امین پور بازار میں دارالکتب رحمانیہ کے نام سے مولانا عبدالرحمٰن عاجز مالیر کوٹلوی نے کافی عرصہ سے اپنا مکتبہ شروع کر رکھا ہے وہ تجارتی بھی ہے اور اشاعتی بھی ان کے یہاں عربی' اردو' تاریخ' تفسیر' حدیث' شروح' حواشی' اصلاح معاشرہ تمام موضوعات پر کتابیں موجود ہیں۔ مولانا مالیر کوٹلوی کی پون درجن کے قریب نظم و نثر پر مشتمل کتابیں اسی مکتبہ نے شائع کی ہیں۔ مولانا مالیر کوٹلوی فصیح و بلیغ شاعر اور قادر الکلام نثار ہیں۔ بظاہر مولانا کوٹلوی کم گو ہیں لیکن پرگوہ ہیں' موت' قبر' فکر آخرت' مولانا کوٹلوی کا عمومی موضوع ہے۔ اسی موضوع پر ان کا قلم خوب چوکڑیاں بھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا مالیر کوٹلوی کے کلام میں تاثیر اور جاذبیت بخشی ہے۔ رحمانیہ دارالکتب فیصل آباد نے مولانا عبدالرحمٰن عاجز کی اپنی تصنیفات جو نظم و نثر پر مشتمل ہے شائع کیں ہیں۔

ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد

آئے روز علماء کے اٹھ جانے سے علمی انحطاط تیزی سے شروع ہو گیا' دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں اکابر اور جید علماء کرام محدثین فاضل مدرسین

مشہور مناظرین' ممتاز اور محقق مصنفین مالا اعلیٰ سے جا ملے۔ علماء کے اٹھ جانے سے علمی' دینی' تعلیمی' تدریسی' تصنیفی اور تحقیقی میدانوں میں ہول ناک خلا پیدا ہو گیا۔ مولانا محمد اسحاق چیمہ' مولانا محمد عبداللہ فیصل آبادی' مولانا محمد رفیق مدنپوری' مولانا محمد حنیف ندوی' پروفیسر غلام احمد حریری' پیر سید بدیع الدین شاہ راشدی' مولانا عبدالغفور ناظم آبادی' مولانا محمد اسحاق بھٹی' مولانا محمد عبدہ اور دیگر علماء پر مشتمل علماء کی متعدد مجالس مشاورت منعقد ہوئیں' مولانا محمد اسحاق چیمہ' مولانا محمد رفیق مدنپوری اور مولانا عبداللہ فیصل آبادی ان مجالس کے محرکین اور داعی تھے۔ راقم بھی ان مجالس میں بدستور شرکت کرتا رہا۔ مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ اولاً درجہ تخصیص قائم کر کے حدیث اور اس کے متعلقات پر نوجوان فارغ التحصیل علماء کی تربیت کی جائے اس کا دو سالہ کورس رکھا گیا۔ مولانا محمد عبداللہ اور استاذ العلماء مولانا محمد عبدہ' درجہ تخصیص کے فضلاء کی علمی اور تحقیقی تربیت فرمائیں۔ داخل ہونے والے طلبہ کو ماہانہ معقول وظائف دیئے جائیں۔ چنانچہ مولانا ارشاد الحق اثری' مولانا خالد سیف' مولانا عبدالحمید اثری وغیرہم اسی دور کی یادگار ہیں۔ ثانیاً" اس کا مقصد قیام علمی اور تحقیقی خصوصاً" احادیث کی کتب کو شائع کرنا تھا۔ چنانچہ درجہ تخصیص کے کتابچوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ یہ ادارہ ۱۹۶۸ء کو قائم ہوا ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد نے درجن کے قریب علمی' دینی اور تحقیقی کتابیں شائع کیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

العلل المتناہیۃ' فی الاحادیث الواہیۃ' اعلام اہل العصر باحکام رکعتی الفجر' للمحدث شمس الحق للدیانوی' المسند الامام' ابی یعلی احمد بن علی بن المثنی الموصلی' المعجم للامام ابی یعلی الموصلی' احکام الجنائز' توضیح الکلام فی جواب القراۃ خلف الامام علاوہ ازیں سترہ اٹھارہ چھوٹی بڑی اور کتابیں شائع کی ہیں۔

جامعہ کمالیہ راجووال

جامعہ کمالیہ راجووال کے بانی نہایت مخلص ان سلفی بزرگ مولانا محمد

حفظہ اللہ ہیں۔ مولانا محمد یوسف بڑی باذوق شخصیت ہیں۔ تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں ان کا ذوق یکساں ہے۔ چنانچہ انہوں نے جامعہ کی تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف' تالیف اور اشاعت کتب کا سلسلہ بھی جاری رکھا' وہ خود متعدد کتابوں کے مصنف اور مولف ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالقادر حصاری' اور حضرت مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی کی علمی اور تحقیقی کتابیں شائع کر چکے ہیں' ان کے بڑے صاحب زادے مولانا محمد عبداللہ سلیم مرحوم بھی لکھے پڑھے اور اشاعت کتب کے بہترین شوق کے مالک تھے۔

مکتبہ نذیریہ

مکتبہ نذیریہ کے بانی مولانا محمد حنیف یزدانی مرحوم تھے۔ مکتبہ نذیریہ قصور اور چیچہ وطنی میں بھی کام کرتا رہا۔ اخراً لاہور منتقل ہو گیا۔ مولانا محمد حنیف یزدانی مرحوم نے نہایت علمی اور تحقیقی کتابیں مکتبہ نذیریہ لاہور کی طرف سے شائع کیں خصوصاً "معیار الحق" مصنفہ حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی "اصحاب بدر" مصنفہ حضرت مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری مرحوم "تحریک آزادی فکر" اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تجدیدی مساعیؒ "ہندوستان میں اہلحدیث کی علمی خدمات" تالیف حضرت مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی ایسی علمی اور تحقیقی کتابیں شائع کیں۔ خود ان کی اپنی تصنیفات مرشد جلانی کے ارشادات حقانی "قرآنی دعائیں" "ہمارے عقائد" "احمد رضا خان صاحب بریلوی تصویر کا دوسرا رخ" بھی شائع کیں مولانا حنیف کی وفات کے بعد یہ سلسلہ بھی بند ہو گیا۔

مولانا علی محمد سعیدیؒ

جامعہ سعیدیہ خانیوال کے بانی مولانا علی محمد سعیدیؒ متوفی ۱۹۸۷ء بڑے

مونچھ" "تہذیب نسواں" ان کے مکتبہ نے نہایت خوبصورت انداز میں شائع کیں۔ خود انہوں نے بڑی علمی اور تحقیقی کتابچے بھی لکھ کر شائع کئے اسی طرح مولانا محمد بشیر سہسوانیؒ نے فرضیت فاتحہ خلف الامام پر مسلسل تین ماہ نماز فجر کے بعد درس دیا جسے سب سے پہلے مولانا احمد اللہ محدث دہلوی نے "برہان العجاب فی فرضیت ام الکتاب" کے نام سے شائع کیا۔ مولانا سعیدی نے اس کی علمی اور تحقیقی حیثیت کے پیش نظر اسے دوبار شائع کیا۔ نیز مختلف جرائد و رسائل سے علماء اہلحدیث کے فتاوے اکٹھے کر کے "فتاویٰ علمائے اہلحدیث" کے نام سے شائع کیا غالباً" اس کی آٹھ جلدیں شائع ہو گئی ہیں لیکن مولانا سعیدی کی وفات کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا۔

ادارہ نشر علوم اسلامی جھنگ

اس کے بانی مولانا عبدالرشید حنیف ہیں۔ صاحب قلم و قرطاس اور صاحب ذوق سلیم ہیں۔ متعدد رسائل اور کتابوں کے مصنف اور مترجم ہیں ان کے ادارہ نے بھی علمی اور تبلیغی حلقوں میں نہایت نتائج خیز کام کیا۔ مولانا عبدالرشید حنیف انتہائی سادہ اور سلفی بزرگ میں مسلکی تڑپ میں حظ وافر رکھتے ہیں۔

ادارہ احیاء السنہ سرگودھا

مولانا محمد صدیق فیروز پوری سرگودھوی متوفی ۱۹۸۸ جماعت کے جید اور محدث علمائے کرم میں سے تھے اور ان خوش نصیب حضرات میں سے تھے۔ جنہیں علمی طور پر حضرت محدث روپڑی کا جانشین اور وارث کہا جاتا تھا۔ جو نہ صرف تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف میں یکساں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ زندگی بھر پڑھنا پڑھانا ہی ان کا مشغلہ رہا۔ مسئلہ میراث میں وہ نہ صرف سپیشلسٹ تھے بلکہ اس موضوع پر انہیں مجتہدانہ بصیرت حاصل تھی۔ گویا وہ فخر الاماثل اور ممتاز المعاصرین تھے۔ اس موضوع پر ان کا نقشہ وراثت اور میراث پر

ان کی کتاب اہل علم کے یہاں حرف آخر کی حیثیت رکھتی تھی۔ ان کے فتوے بڑے محققانہ ہوتے ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع ہے۔ مولانا محمد صدیق مرحوم نے ادارہ احیاء السنہ کے نام سے کتابوں کی تصنیف و تالیف اور طباعت و اشاعت کا ایک بہترین منصوبہ بنایا تھا۔ چھوٹی چھوٹی کتابوں کے ساتھ ساتھ بلوغ المرام مع ذیل ادارہ کا شاہکار ہے۔ حضرت محدث روپڑیؒ کے زندگی بھر کے مطبوعہ فتوے بھی انہوں نے دو جلدوں میں ترتیب دیئے جو فتاویٰ اہلحدیث کے نام سے ادارہ احیاء السنہ نے نہایت عمدہ پیرائے میں شائع کئے۔

دارالاشاعت اشرفیہ

مولانا محمد اشرف مرحوم آف بلوکی ضلع قصور جماعت کے تبحر علماء میں سے تھے۔ حضرت محدث روپڑی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تدریس و تقریر سے انہیں کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ البتہ تحریر کے دھنی تھے۔ تصنیف و تالیف سے تعلق خاطر تھا۔ صاحب قلم و قرطاس بزرگ تھے مسلکی اہمیت اور سلفی غیرت سے ہمیشہ سرشار رہے۔ ہمیشہ زندگی درویشانہ رہی اور دینی کام وہ عالمانہ اور محققانہ انداز میں کر گئے۔ انہوں نے مسلک کی تبلیغ و اشاعت اور دفاع میں درج ذیل فاضلانہ کتابیں لکھی اور دارالاشرفیہ کی طرف سے شائع کیں۔

اسی طرح شیخ الکل فی الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلویؒ کی سوانح حیات عربی میں "البشریٰ بسارۃ الدارین فی ترجمۃ السید نذیر حسین" لکھ کر کمال کر دی وہ کتاب بھی ادارہ اشاعت الاشرفیہ کی طرف سے شائع کی گئی ان کے صاحب زادہ گرامی نے مولانا محمد صادق سیالکوٹی کی مشہور تصنیف "صلوۃ رسول" میں درج شدہ احادیث کی تخریج کی اور بڑے سائز کی ایک ضخیم کتاب شائع کی۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ مولانا محمد اشرف مرحوم کی وفات کے بعد یہ سلسلہ اشاعت جاری نہ رہ سکا۔

مکتبہ ایوبیہ کراچی

مکتبہ ایوبیہ کراچی یہ جماعت غرباء اہلحدیث کے زیر اہتمام خرید و فروخت کتب کے ساتھ ساتھ نشرو اشاعت کا کام بھی اچھے پیمانے پر کر رہا ہے۔ کراچی میں حدیث محل میں اس کا صدر دفتر ہے' اس کا آغاز مولانا حافظ عبدالغفار دہلوی مرحوم نے کیا تھا۔ بحمداللہ اب بھی انہی خطوط پر اس کا علمی' تحقیقی' اشاعتی اور تجارتی سلسلہ قائم ہے۔ مکتبہ ایوبیہ کراچی نے مسلک کے فروغ' توحید و سنت کی اشاعت اسلامی تعلیمات کے عام کرنے میں ایک بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اب مولانا حافظ عبدالرحمٰن سلفی' امام جماعت غرباء اہلحدیث پاکستان کی نگرانی و سرپرستی میں اشاعت کتب میں ایک اچھا رول ادا کر رہا ہے۔ تفسیر فوائد ستاریہ اور اسی طرح کی دیگر ضخیم کتابیں اسی مکتبہ نے شائع کی ہیں۔

مکتبہ اہل حدیث ٹرسٹ کراچی

مسجد اہلحدیث کورٹ روڈ کراچی کی انتظامیہ بحمداللہ بڑی باذوق علم پرور علم نواز ہے۔ ان کے علمی ذوق کا اندازہ فرمائیں کہ انہوں نے اہلحدیث ٹرسٹ کورٹ روڈ کراچی کے زیر اہتمام مکتبہ اہلحدیث قائم کر کے نہایت علمی' تحقیقی اور دینی کتابیں شائع کیں اور خوبی کی بات یہ ہے کہ مکتبہ اہلحدیث ٹرسٹ روڈ کراچی نے سود و زیاں اور نفع و نقصان سے بالا ہو کر علمی' تحقیقی اور مسلکی کتابیں شائع کیں ہیں۔ حصول زر اور جلب منفعت اس کے مقاصد میں ہرگز ہرگز شامل نہیں کتابیں بڑے خوبصورت انداز میں اعلیٰ کتابت' عمدہ طباعت' بہترین کاغذ اور نفیس جلدوں میں شائع کیں ہیں حضرت مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی کی مایہ ناز کتاب تراجم علمائے حدیث ہند جزء اول بڑے سائز کے پونے چھ صد صفحات میں شائع کر کے اپنے اعلیٰ ذوق کا ثبوت مہیا کیا ہے اور ہمیں پتہ چلا ہے کہ مزید علمی اور تحقیقی کتابیں ان کے اشاعتی پروگرام میں شامل ہیں۔

مرکز الدعوۃ الاسلامیہ اوکاڑہ

مولانا سیف الرحمٰن الفلاح فیروز پوری نے اوکاڑہ کے محلّہ صمد پورہ میں مرکز الدعوۃ الاسلامیہ کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا ہے جس نے آج تک بیسیوں رسائل اور مختصر کتابیں مختلف موضوعات پر شائع کیں ان کا یہ پہلو کتنا تابناک ہے کہ ان کی اکثر کتابیں اہل علم' اہل ذوق اور اہل ضرورت میں مفت تقسیم کی گئیں۔ ابھی ابھی انہوں نے تاریخ بیت اللہ کا دوسرا ایڈیشن حک و اضافہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اسی طرح بہت سے اعلیٰ مصنّفین نے اپنی اپنی کتابیں از خود شائع کیں۔ مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم اور مولانا ابو یحیٰی امام خاں نوشہروی مرحوم اور مولانا محمد اسحاق بھٹی کے رشحات قلم ان کی فکری کاوشیں اور ان کا حاصل مطالعہ مختلف عنوانات کے ساتھ ادارہ ثقافت اسلام کلب روڈ لاہور نے شائع کیا۔

دار العلم اسلام آباد

یہ مکتبہ مولانا محمد بشیر سیالکوٹی نے آبپارہ مارکیٹ اسلام آباد سے شروع کیا ہے۔ مولانا محمد بشیر بڑے لائق شخص ہیں' اردو' عربی' انگریزی تینوں زبانوں پر عبور رکھتے ہیں نہایت ذہین و فطین شخصیت ہیں درس نظامی اور عربی ادبیاتِ پر وہ وسیع نظر کے مالک ہیں مکتبہ دار العلم نے "اقراء" کے نام سے ان کی تین کتابیں شائع کیں جو طلباء درس نظامی کے لئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں پاکستانی اعلیٰ عدالت نے قادیانیوں کے ارتداد پر جو فیصلہ صادر فرمایا تھا مولانا محمد بشیر نے اس کا اردو اور عربی میں ترجمہ شائع کر کے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر عربی میں ایک ضخیم ان کی تازہ تصنیف منظر عام پر آئی ہے۔ اسی طرح موصوف امام شاہ ولی اللہ کی خلافت راشدہ کے موضوع پر فارسی کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" عربی میں تیزی سے ترجمہ کر رہے ہیں۔ شاہ

صاحب مرحوم کی یہ بڑی معرکہ کی کتاب ہے جس سے عرب اہل علم بے خبر ہیں۔

ادارہ اشاعت السنہ فیصل آباد

استاذ المکرم مولانا محمد صادق خلیل بڑے باذوق صاحب تحقیق بزرگ ہیں متعدد کتابوں کے مترجم ہیں۔ ان کے ادارہ اشاعت السنہ کی طرف سے محدث زماں علامہ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ کی متعدد تصنیفات اردو ترجمہ کر کے شائع کی گئیں ہیں اسی طرح مشکوۃ شریف کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ ریاض الصالحین کا ترجمہ بھی شائع کیا گیا ہے اور کئی ضخیم کتابیں بھی اس ادارہ کی طرف سے شائع کی گئیں۔

تبلیغی چارٹر

عصر حاضر میں چارٹوں کے ذریعے اپنے موقف' مقاصد' منشور اور عزائم پڑھی لکھی دنیا تک پہنچانے کا کامیاب ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک چارٹ درحقیقت ایک مختصر کتاب کا خلاصہ ہوتا ہے۔ مصروفیت کے اس دور میں جیسے قاری کے لئے پڑھنا آسان ہوتا ہے۔ قاری کو ٹھنڈے دل سے چارٹ کی تحریر پر غور و فکر کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔ جو نتائج اور ثمرات کے اعتبار سے نہایت مفید ہے' اس سلسلہ میں مولانا محمد اشرف سلیم آف قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ' مرکزی مکتبہ اصلاح انسانیت کی خدمات لائق احترام اور قابل ستائش ہیں۔ جام پور ضلع راجن پور کے مولانا محمد یٰسین راہی فیروزپوری کی خدمات بھی مسلم ہیں موصوف نے بھی مولانا محمد اشرف سلیم کی طرح مسلک کے امتیازی مسائل اور شرک و بدعت کی تردید میں مختلف عنوانات کے تحت خوبصورت اور جاذب نظر چارٹ شائع کر کے ملک بھر میں مسلک کی خاموش تبلیغ کی۔

جہلم

جامعہ علوم اثریہ جہلم جس کے بانی مولانا حافظ عبدالغفور رحمتہ اللہ علیہ اور

جس کے موجودہ امیرو سربراہ مولانا محمد مدنی حفظہ اللہ ہیں۔ مولانا مدنی اور ان کے چھوٹے بھائی خصوصاً" حافظ عبدالحمید عامر علمی ذوق اور دینی شوق رکھنے والے انسان ہیں۔ علمی تقاضوں کے پیش نظر انہوں نے جامعہ کے تحت ایک تحقیقاتی اور نشریاتی ادارہ بھی کھول رکھا ہے۔ مولانا ثناء اللہ زاہدی فاضل مدینہ یونیورسٹی جامعہ علوم اثریہ کے مدرس ہیں۔ حدیث اور اس کے متعلقات پر انہیں خاصہ عبور حاصل ہے۔ وہ کئی کتابوں کے مجموعے لکھ چکے ہیں۔ وہ نہایت علمی اور تحقیقی کام کر رہے ہیں ان کی متعدد تصنیفات شائع ہو چکی ہیں۔ چونکہ وہ کتابیں ہمیں نہیں مل سکیں اس لئے ان کا تعارف ذرا مشکل ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں ان کی تفصیلات انشاء اللہ شائع کر دی جائیں گی۔

جدہ

جدہ میں سماحۃ الشیخ الدکتور عبداللہ عمر نصیف سابق جنرل سیکرٹری رابطہ عالم اسلامی آف مکہ مکرمہ اب صدر مجلس شوریٰ، مملکت عربیہ سعودیہ کے دادا محترم الشیخ محمد نصیف رحمتہ اللہ علیہ صحیح العقیدہ سلفی بزرگ تھے۔ وہ اسلام کے فدائی اور توحید و سنت کے شیدائی تھے۔ مسلک سلف کے وہ ہمیشہ علمبردار رہے۔ فکر شیخین کو عام کرنا ان کا مشن تھا۔ چنانچہ مرحوم نے جدہ میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ، شیخ ابن قیمؒ، امام ابن حنبلؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کی فکر دعوت اور مشن کو عام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا وہ جدہ میں کتابوں کی اشاعت و طباعت کا وسیع کاروبار کرتے تھے۔ شیخ الحدیث مولانا ابو محمد اسماعیل سلفیؒ سے ان کے بڑے مضبوط مراسم تھے اور بڑی باقاعدگی سے ان کی باہمی مراسلت رہتی تھی۔ بہرحال فضیلتہ الشیخ محمد نصیف رحمہ اللہ نے دیار حبیب اور مملکت عربیہ سعودیہ میں بڑا کام کیا اور مسلک کی خوب اشاعت کی۔

مدینہ منورہ میں بھی سلفی دوستوں کا مکتبہ سلفیہ کے نام سے کتابوں کی اشاعت اور خرید و فروخت کا اچھے پیمانے پر کاروبار تھا ان کی وجہ سے مسلک سلف کے حامیوں کو کافی تقویت حاصل تھی لیکن افسوس اب وہ کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ ہم اس کی بندش کے وجوہ و اسباب اور پس منظر سے بے خبر ہیں۔

الریاض

سعودی عرب کے پایہ سلطنت الریاض میں ہمارے سعودی اور پاکستانی دوست نہایت اچھے پیمانے اور خوش اسلوبی سے مسلک کی خدمت و اشاعت میں مصروف ہیں اور علمی تحقیق اچھی اچھی کتابیں نہایت اچھے انداز میں شائع کر رہے ہیں۔

مکتبہ دارالسلام الریاض

مولانا عبدالمالک مجاہد نے دیگر سعودی دوستوں سے مل کر اشاعت کتب کا بہت عمدہ' معیاری اور خوبصورت سلسلہ جاری کیا ہے۔ چنانچہ ریاض الصالحین تفسیر ابن کثیر اور کئی دیگر علمی کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ "الرحیق المختوم" عربی بھی ان کی طرف سے نہایت عمدہ اور اعلیٰ انداز میں شائع ہوئی ہے۔ ڈاکٹر تقی الدین الہلالی" اور ڈاکٹر محمد محسن خاں حفظہ اللہ نے قرآن پاک کا فصیح اور معیاری انگریزی میں ترجمہ کیا۔ جسے مولانا عبدالمالک مجاہد نے مکتبہ دارالسلام کی طرف سے بیروت سے لاکھ سے زیادہ تعداد میں بہت اعلیٰ طور پر شائع کیا ہے۔ مکتبہ دارالسلام نے ۱۴۰ سے زائد کتابیں شائع کی ہیں مکتبہ طالب العلم کے نام سے ۱۲ کتابوں کے سیٹ الگ کر دیئے ہیں قیمت مناسب بلکہ ارزاں ہونے کی وجہ سے دنیا کے تمام حصوں میں پہنچ گئی ہیں۔ مکتبہ دارالسلام کے پیش نظر اعلیٰ تحقیقی کتابیں شائع کرنے کے اونچے عزائم اور وسیع منصوبے ہیں۔ اسی سلسلہ میں اب اردو بازار لاہور' امریکہ (نیویارک) هیوسٹن' برطانیہ (برمنگھم) میں بھی مکتبہ دارالسلام کی برانچیں کھول دی ہیں۔ جہاں سے مسلک سلف کی کتابوں کی نشرواشاعت کا وسیع پروگرام ہے۔ لاہور

میں ایک بڑا پرنٹنگ پریس کا منصوبہ ہے۔ مسلک کی کتابوں کا انگلش ترجمہ کروا کر ساری دنیا میں پھیلانے کا منصوبہ ہے۔ اس کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی تراجم کیئے جا رہے ہیں۔ حافظ صلاح الدین یوسف سے قرآن پاک کی اردو تفسیر لکھوائی جا رہی ہے۔

مکتبہ الہدیان

نہایت مستعد فاضل جناب محمد رفیق عتیق بڑے ذہین و فطین اور معاملہ فہم اور وسیع کاروباری ذہن رکھنے والے نوجوان ساتھی ہیں۔ مکتبہ الہدیان کے نام سے انہوں نے کتابوں کی خرید و فروخت کا بہت عمدہ بندو بست کر رکھا۔ اصل بات یہ ہے کہ عتیق صاحب نے مضامین کے اعتبار سے کتابوں کو ایسے سلیقے اور قرینے سے ترتیب دیا ہے کہ وہ مکتبہ سے زیادہ شوروم دکھائی دیتا ہے۔ ان کی ہر چیز سے ان کے ذوق کی نفاست نمایاں ہے۔

مکتبہ الفرقان

ہمارے فاضل دوست قاری محمد صدیق نے شروع کر رکھا ہے قاری صاحب' صاحب علم' صاحب ذوق اور بڑے مستعد فاضل ہیں۔ حی الوزارۃ میں ان کا وسیع مکتبہ جاری ہے۔ احباب مسلک کی عربی و اردو کتابیں عموماً" انہیں سے خریدتے ہیں قاری صاحب دیار عرب میں مسلک کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ دینی جذبہ' مسلکی اہمیت ان کا امتیازی وصف ہے۔ حضرت صوفی محمد عبداللہ اور جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن سے انہیں خصوصی تعلق اور دلی لگاؤ ہے۔

مصر

قدیم تہذیب و تمدن کا ملک ہے عالم عرب میں بھی تعلیم و ثقافت میں اسے ہمیشہ قیادت حاصل رہی ہے۔ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی جامعہ ازہر اسی میں واقع ہے۔ جامعہ فواد' جامعہ عین الشمس' جامعہ مصر' جامعہ سکندریہ اور مصر کی دیگر

یونیورسٹیاں عالمی شہرت رکھتی ہیں' عہد فراعنہ سے لے کر اب تک مصر میں ہر دور میں حق و باطل کی آویزش رہی ہے۔ تاریخ کے ہر دور میں مصر میں شرار بو لہبی' چراغ مصطفوی سے ستیزہ کار رہا ہے۔ مصر نے بڑی نابغہ عصر شخصیتیں پیدا کیں مصر کا کوئی دور عبقری اشخاص سے خالی نہیں رہا ہے۔ مصر میں غالب اکثریت شوافع کی ہے۔ شوافع بھی ہمارے حنفی بھائیوں کی طرح اکثر بدعتی ہوتے ہیں۔ وہاں تصوف اپنی تمام تر قباحتوں سمیت موجود ہے۔ مزار پرستی' قبہ پرستی عام ہے۔ شخصیت پرستی کی قبیح عادت بھی وہاں موجود ہے سرکار پرست لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں لیکن اس کے بر عکس راست باز زبانیں حق گو علماء بھی بحمداللہ بکثرت موجود ہیں۔ تلوار کی دھار پر کلمہ حق کہنے والے پھانسی کے پھندوں کو چومنے والے حریت مابوں کی بھی کوئی کمی نہیں جنہیں حسنی مبارک اور امریکہ بنیاد پرست کہہ کر اپنا نشانہ ستم بنانے کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ وہاں بحمداللہ فکر محدثین کے علمبردار ہر دور میں عمل بالحدیث کے مشن کے علمبردار رہے ہیں علامہ سید رشید رضاء ایڈیٹر "المنار" مصنف تفسیر المنار ان سے پہلے شیخ محمد عبدہ' شیخ حامد فقہی جنہوں نے مسند احمد کی ذیل لکھی۔ علامہ سید محب الدین الخطیب وہ باکمال شخصیتیں ہیں جنہوں نے اپنے دور میں حدیث و سنت کی شمع فروزاں رکھی۔ مصر کے مکتبہ سلفیہ اور مکتبہ المنار نے وہ علمی اور دینی کارنامے انجام دیئے جو مصر کے دینی حلقوں کے لئے روشنی کے منار کی حیثیت رکھتے تھے۔ اب بھی وہاں انصار السنہ محمدیہ کے پیروکار علمائے کرام اور قافلہ عمل بالحدیث کے حدی خوان سید وائل محمد القبیسی معجزانہ حافظہ اور ذہانت کے مالک ہیں اور بڑے خلوص مستعدی اور دینی ہمدردی سے مسلک کی خدمت بجا لانے میں مصروف ہیں

مکتبہ منیریہ دمشق

دمشق شام کے مکتبہ منیریہ نے سلفیت کے فروغ اور حدیث و سنت کی

اشاعت میں ایک تاریخی کردار ادا کیا ہے اس سلسلہ میں زر کثیر صرف کر کے امہات الکتب شائع کیں ہیں عالم عرب میں ان کی خدمات ہمیشہ مسلم رہی ہیں۔

اردن اور عراق

اردن میں محدث العصر علامہ ناصر الدین البانی فروغ حدیث و سنت میں مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں ان کے شب و روز فیضان حدیث کو عام کرنے میں صرف ہو رہے ہیں۔ ان کے تلامذہ کا ایک وسیع حلقہ ہے عالم اسلام کے نوجوان اہل علم ہزاروں کی تعداد میں ان سے متاثر ہیں عمان کے مکتبات علامہ البانی کے رشحات قلم اور تحریروں کو عام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیتے۔

عراق میں جب سے علامہ ڈاکٹر تقی الدین الہلالی مرحوم بغداد میں کئی سالہ قیام کر چکے تھے۔ اللہ تعالٰی کی رحمت سے وہاں مسلک اہلحدیث کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ کرکوک اور زبیر نامی شہر اہلحدیث کے بہت بڑے مرکز ہیں۔ علامہ سامرائی بہت بڑے محدث ہیں۔ وہ جنگ خلیج سے قبل پاکستان میں تشریف لائے تھے۔ انہوں نے پاکستان کے اہلحدیث جامعات میں چکر لگایا تھا۔ وہ ہمارے یہاں جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں بھی تشریف لائے تھے۔ وہ وہاں حدیث اور سنت کی بڑی خدمت کر رہے ہیں اللہ تعالٰی علمائے اہلحدیث کی مساعی کو شرف قبولیت سے نوازے اور مسلک اہلحدیث کو اس سے بھی زیادہ وسعت عطا فرمائے۔ آمین

اٹھارہواں باب

تحریک اہلحدیث اکابر اہل علم کی نظر میں

مجدد الوقت نواب سید صدیق حسن خانؒ

نواب سید صدیق حسن خان کے بارہ میں ہم پیچھے لکھ چکے ہیں نواب صاحب اپنے دور کی بہت بڑی علمی اور دینی شخصیت تھے اور انہوں نے برصغیر میں حدیث کو پھیلانے اور سنت کو عام کرنے میں ایک خاص رول ادا کیا اور بھوپال کو ان کی وجہ سے علمی دنیا میں عالمی شہرت حاصل ہوئی۔ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ کتاب و سنت کی اشاعت میں بسر ہوا ان کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ دنیا بھر میں کتاب و سنت کے پرچم کو لہرایا جائے اور بدعت کا کلیتہ" انسداد کیا جائے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "میں یہ نیت رکھتا ہوں کہ اگر میرا بس چلے تو روئے زمین پر کسی ایسی کتاب کو باقی نہ رہنے دوں جو کتاب اللہ کے مخالف ہو نہ کسی بدعت کو چھوڑوں جو سنت سے متصادم ہو۔ نہ دن یا رات میں کسی قسم کا فسق علی الاعلان ہونے دوں اور اگر کسی قسم کا فسق وقوع پذیر ہو جائے تو شریعت کے مطابق حدود و تعزیرات نافذ کر کے اس کی روک تھام کر دوں اگرچہ مجھے اپنا فسق و عصیان بھی معلوم ہے لیکن میرے اس خیال کی بنیاد نیت پر ہے اور عمل کی نیت پر اجر ملتا ہے۔ خواہ وہ کسی مانع کی وجہ سے وقوع پذیر نہ ہو سکے۔

(ابقاء المنن بالقاء المحن ص ۱۳۵ مصنفہ نواب صدیق حسن خاں)

نواب سید صدیق حسن خانؒ کے زمانے میں مسئلہ تقلید کا دور دورہ تھا تقلید خواہ کتنی بھی ڈھیلی ڈھالی ہو وہ سنت سے ضرور متصادم ہوتی ہے نواب صاحب کو بھی یہ مراحل پیش آئے چنانچہ وہ لکھتے ہیں

"اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اس نے مجھے فرقہ ناجیہ اہل سنت میں پیدا

فرمایا ہے اللہ نے گمراہ ہونے والے بہتر فرقوں میں سے کسی میں پیدا نہیں فرمایا۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ عذر بنہ

چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ہندوستان میں دو مذہب کے مسلمان رہتے ہیں ایک شیعہ دوسرے حنفی شیعہ کی حکومت کے زمانہ میں دنیا کے لالچ سے بہت سے شرفاء شیعہ ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے میرے والد کو خالص سنی و محمدی بنایا ہے اس ملک میں اہلحدیث بہت کم ہوئے ہیں چند اہل علم و اہل باطن جو عامل بالسنہ تھے "مقامات مرزا مظہر جاناں" میں ان کا جستہ جستہ ذکر آیا ہے وہ مصلحت وقت کے پیش نظر متستر بالفقہ رہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی بطور محدث مشہور تھے لیکن محرر مذہب حنفیہ تھے اس کے باوجود ان کا علم و فضل اور تقویٰ میرے نزدیک مسلم ہے انہوں نے فقہاء کے طریقہ پر تاویل حدیث کو اختیار کیا کسی جگہ تاویل صحیح ہے اور کسی جگہ صحیح نہیں اس جگہ وہ میزان شعرانی والی بات درست ہے کہ فقہاء کا مسائل میں اختلاف تشدید و تخفیف پر محمول ہے اور سوء ظن کی بہ نسبت سب کے ساتھ حسن ظن رکھنا سلامتی کا راستہ ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتب میں رائے و تقلید کے اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے اور اتباع سنت کی طرف خوب رغبت دلائی ہے اور اپنی کتاب "حجتہ البالغہ" میں حنفی و شافعی مسائل فقیہ کے درمیان تطبیق اور بعض جگہ ترجیح دی ہے۔ ان کے بعد شاہ اسماعیل شہیدؒ کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان تقلید کی بحث شروع ہوئی بحث ابھی ناتمام ہی تھی کہ ان کا عہد سعادت مہد ختم ہو گیا"

(ابقا المنن بالقاء المحن، ص ۱۵۲)

نواب سید صدیق حسن خانؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں "میں اظہار حق میں کسی یار و اغیار کا لحاظ نہیں کرتا۔ میرا دل اتباع سنت پر مطمئن اور شک و شبہ کی کوئی گرد میرے داخل خاطر پر نہیں جمتی میں اس سلسلہ میں علمائے ربانی کا ہم زبان

ہوں۔ چنانچہ علامہ شعرانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ایک احسان مجھ پر یہ بھی ہے کہ اس نے قولی، فعلی اور اعتقادی طور پر سنت محمدیہؐ کے اتباع کے لئے میرے سینہ کا انشراح فرما دیا ہے اور اس کے برعکس کے لئے میرے دل میں انقباض ہے اور یہ نعمت مجھے بچپن ہی سے حاصل ہے۔ حتیٰ کہ میں بحمداللہ بعض اوقات ان امور پر بھی عمل سے توقع کرتا ہوں۔ جنہیں بعض علماء نے مستحسن سمجھا ہوتا ہے۔ جب تک کہ میرے لئے کتاب و سنت سے اس کی موافقت ظاہر نہ ہو جائے۔ اسی طرح سنت مطہرہ کے صحف کے علاوہ کسی اور علم میں میں نے وقت ضائع نہیں کیا۔ کیونکہ صحائف کی مزاولت سے بصیرت تامہ حاصل ہوتی ہے۔ (ابقاء المنن بالقاء المحن ص ۹۶، ۹۷)

حضرت نواب صدیق حسن خاںؒ تقلید کو علم و تحقیق کے منافی سمجھتے ہیں ان کا نقطہ نظریہ ہے کہ اہل علم مقلد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ علم اور تقلید اجتماع ضدین ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری تک تقلید کا وجود تک نہ تھا پانچویں صدی ہجری میں اہل الرائے (مقلدین) اور اہل حدیث میں فکر و نظر کی باہمی کشمکش جاری ہوئی۔ روز بروز اہل علم میں قلت پیدا ہوتی گئی۔ جہالت عام ہو گئی اور دھیرے دھیرے تقلیدی عمل آگے بڑھتا گیا تاآنکہ چھٹی صدی ہجری میں تقلید و جمود کا رواج عام ہو گیا۔ اس لئے تن آسان لوگوں نے تقلید کو اپنا لیا اور سنت کی شاہراہ اعظم سے کٹ گئے۔ چونکہ اکثر لوگ آرام طلب اور راحت پسند ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے علم کی طرف توجہ مبذول نہ کی نہ علوم ادلہ کو سیکھا۔ بلکہ حسن ظن کی بنا پر تقلید کو اختیار کر لیا۔ علماء نے بھی جو کہ علم و دین کی انتہائی منزلوں کو طے کر چکے تھے عوام اور حکام کے ڈر سے انہوں نے اپنے مرتبہ اجتہاد یا مرتبہ اتباع پر فائز ہونے کا اظہار نہ کیا۔ بلکہ مصلحت عامہ کا خیال رکھتے ہوئے شافعیؒ، مالکیؒ اور حنفیؒ وغیرہ کہلاتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود اعتقاد و عمل کے اعتبار سے وہ لوگ مقلد جامد نہ تھے اور یہ بات خود ان علماء کی کتابوں

ہی سے ثابت ہے چنانچہ ہم نے "التاج المکلل من جواہر ماثر الطراز الاخر والاول" میں علماء مجتہدین میں سے ایک عظیم جماعت کا نام بنام ذکر کر کے بتا دیا ہے۔ کہ وہ کسی کے مقلد نہ تھے اور جو لوگ خالص محدث اور عامل بالحدیث تھے وہ اس قدر بکثرت تھے کہ ان کی صحیح تعداد کا خدا تعالٰی کے سوا کسی کو علم نہیں کیونکہ امام بخاریؒ اور ان کے ہمعصر محدثین کرام کے زمانہ میں ایک ایک مجلس حدیث میں ستر' ستر ہزار آدمی سماع حدیث کے لئے شرکت کیا کرتے تھے اور ان میں سے کوئی شخص بھی تقلید شخصی کا قائل نہیں ہوا کرتا تھا۔ (ابقاء المنن بالقاء المحن ص ۸۲)

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں "کہ تقلید شخصی کے وجوب پر قوی یا ضعیف کوئی دلیل نہیں ہے لیکن یہ بات ہر زمانہ میں ہر جاہل کو میسر آسکتی ہے کہ وہ کسی عالم سے کہے کہ آپ اس مسئلہ میں کتاب و سنت یا آثار صحابہ کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیں۔ لہٰذا اسے خواہ مخواہ اختلاف و شبہات میں پڑھنے اور یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ اس مسئلہ میں مجھے فلاں امام کا فتویٰ بتا دیں۔ ممکن ہے یہ بات پہلے میسر نہ ہو۔ لیکن آج تو ہر عامی کو ہر شہر اور ہر قریہ میں میسر ہے۔ کیونکہ آجکل فقہ السنہ کے فروعی اور اصولی مسائل پر مشتمل رسالے اردو میں بھی لکھے جا چکے ہیں۔ جن سے ہر حرف شناس فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ (ابقاء المنن بالقاء المحن ص ۸۳)

حضرت نواب صدیق حسنؒ اسلاف مصنفین کی کتابوں کے مطالعہ اور ان کے اخذ و قبول کو تقلید ہرگز نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی ائمہ مجتہدین اور فقہائے دین کے بعض افکار و خیالات کے تسلیم کرنے کو تقلید گردانتے تھے بلکہ ان کے نزدیک کسی بزرگ کے قول کو دلائل سے تسلیم کرنا اور ثقہ راویوں کی آراء کو ماننا ہرگز تقلید نہیں چنانچہ نواب صاحب لکھتے ہیں

"یہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور باطل ہے کہ ان رسائل پر عمل کرنا ان کے مصنفین کی تقلید کے مترادف ہے اور ان کی تقلید کے بجائے ائمہ

مجتہدین کی تقلید بہر آئینہ بہتر ہے کیونکہ دلیل کو تسلیم کرنا اور ثقہ راویوں سے روایت قبول کرنا اہل علم و عقل کے نزدیک تقلید نہیں' تقلید تو غیر کی رائے کو قبول کرنے کا نام ہے شارع کی روایت قبول کرنے کو تقلید نہیں کہا جا سکتا۔ یہ فقط ابلیس کا ایک مغالطہ ہے اور اس دام تلبیس میں ایک جہان کو مبتلا کر کے اس نے صراط مستقیم سے گمراہ کر دیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کتب و رسائل کے مصنف کتاب و سنت سے دلائل نقل کرتے ہیں اور وہ بھی ان علماء کی کتابوں کے حوالہ سے جو علوم روایت کے حامل' سنت کے حافظ اور صحیح و غلط کے درمیان بخوبی تمیز کرنے والے تھے۔ وہ نہ اپنا اجتہاد ذکر کرتے ہیں اور نہ اپنی رائے کا اظہار۔ لہٰذا ان کتب و رسائل پر اعتماد رکھنے اور ان کے مندرجات کے مطابق عمل پیرا ہونے سے کوئی شخص ان کے مولفین کا مقلد کیسے ہو سکتا ہے۔" (ابقاء المنن بالقاء المحن ص ۸۳' ۸۴)

حضرت نواب سید صدیق حسنؒ امام احمد بن حنبل اور امام داؤد ظاہری کی ان باتوں کو جو رسول اللہ کی حدیث کے خلاف نہیں ہیں تقلید نہیں مانتے تھے۔ بلکہ اس باب میں وہ اپنا نقطہ نظر یوں لکھتے ہیں

"شیخ محی الدین بن عربیؒ ظاہری مذہب سے وابستہ تھے۔ جبکہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حنبلی مشرب سے پیوستہ' ظاہری اور حنبلی حضرات بظاہر امام داؤد ظاہریؒ اور امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن درحقیقت متبع کتاب و سنت ہیں کیونکہ دونوں اماموں نے اپنے اجتہاد سے کوئی فقہ مدون نہیں فرمائی بلکہ وہ عمل بالحدیث کے قائل تھے اور یہی وہ بہترین راستہ ہے' جس پر اہل اسلام کو رشک کرنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق

میرے خیال کے مطابق ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی کوئی شیخ طریقت کسی خاص مذہب کا مقلد نہیں تھا۔ اگر کسی نے اپنے آپ کو کسی مذہب کی طرف منسوب کیا ہے تو وہ عوام الناس کی زبان و دست درازی سے محفوظ رہنے یا کسی اور مصلحت کے پیش نظر کیا ہے۔"
(ابقاء المنن بالقاء المحن ص ۸۵)

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ متوفی فروری ۱۹۶۸ء ملک کی ایک چوٹی کی علمی دینی اور تحقیقی ذوق رکھنے والی شخصیت تھے ہم ایک دوسرے باب میں ان کے بارے میں مفصل لکھ چکے ہیں مولانا سلفی مرحوم نے تحریک اہلحدیث کا تاریخی موقف اور اس کی خدمات کے زیر عنوان لکھا۔

"دنیا میں اچھی اور بری تحریکیں پیدا ہوتی اور مٹتی رہی ہیں بعض تحریکات کی قوت سے حکومتیں تک متزلزل ہو گئیں۔ حسن بن صباح اور برگ حشیش کا اتنا رعب تھا کہ بادشاہ رات کو اپنی آرام گاہوں میں سو نہیں سکتے تھے۔ صالح تحریکوں کا اثر بھی صدیوں تک دلوں کو موثر کرتا رہا۔ طوعاً" و کرھا" لوگ ان تحریکوں سے بہرحال تعاون کرتے رہے۔

تحریک معتزلہ نے مامون الرشید ایسے دانشمند بادشاہ کو بری طرح اپنی گرفت میں لے لیا اور یہ فتنہ متوکل علی اللہ کے زمانہ تک ائمہ سنت کے لئے وبال جان بنا رہا۔ امام احمدؒ اور عبدالعزیز کنانیؒ ایسے اہل حق حضرات حق گوئی کی وجہ سے مصائب میں مبتلا رہے بڑے بڑے ائمہ نے فاز احمد و خسرنا کہہ کر حالات کی ناہمواری کا اعتراف فرمایا۔ رحمہم اللہ۔

تحریک اہلحدیث

یہ بھی اپنے وقت کی ایک تحریک ہے جس کا مقصد (۱) اسلام میں اعتقادی اور عملی سادگی کو قائم رکھنا اور افراط و تفریط میں اعتدال کی راہ کا تعین اور اس کی پابندی کرنا۔

(۲) محبت اور بغض میں عموماً" انسان اعتدال کی حدوں کو پھاند جاتا ہے۔ ائمہ حدیث ایسے موقع پر ہمیشہ نقطہ اعتدال کی تلاش فرماتے اور لوگوں کو اس سے آگاہ کرتے ہیں۔

(۳) قرآن و سنت اور ان کے متعلقہ علوم کی تدوین و اشاعت

(۴) زندگی کے تمام شعبوں میں امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام

روافض کو اہل بیت کی محبت میں غلو تھا اور خوارج کو ان کے بغض میں۔ اہل سنت نے اعتدال کی راہ اختیار کی۔ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو عام انسانوں کی طرح مجسم مانتے تھے اور بعض اس کی صفات کو ایک مفہوم کی حد تک سمجھتے اور ان کی حقیقت سے صاف انکار کرتے ائمہ حدیث نے صفات کی حقیقت کو تسلیم فرمایا اور تشبیہ اور مماثلت کی نفی فرمائی۔ یہی معتدل راہ تھی۔

قیاس کے ہمہ گیر اثر نے نصوص اور صحیح احادیث کو بے کار کر کے رکھ دیا اور ظاہریت کی طغیانی نے قیاس کا سرے سے انکار ہی کر دیا۔ حالانکہ نظائر اور ملتی جلتی چیزوں کے احکام بھی باہم متشابہ رہنے چاہئیں۔ عقل سلیم کا یہی فتویٰ ہے۔ **انزل الکتاب بالحق والمیزان** فرما کر قیاس کے اسی پہلو کو واضح فرمایا ہے۔ حافظ ابن حزمؒ کی "محلی" کے بعض قیمتی مباحث اہل حق کی آنکھوں کے لئے نور ہیں۔ لیکن بعض مضحکہ خیز توجیہات بھی اہل علم کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں۔ جہاں وہ رکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے کو تو منع فرماتے ہیں لیکن پاخانہ کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں اہل حق کے موقف کی پوری وضاحت فرمائی ہے۔ قیاس کی سمیت کا یہ اثر تھا کہ مسکرات و محرمات کی جزوی رخصت دے کر حرام کو حلال بنانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ نبیذ اور

طلا وغیرہ کے مباحث فقہاء رحمہم اللہ کی مستندات میں مرقوم ہیں اور منکرین قیاس نے پاخانہ کی نجاست کو پیشاب سے بھی کم تصور فرمایا۔ اس لئے یہ سمجھنا مشکل نہیں کہ میزان اہلحدیث کے ہاتھ میں ہے جنہوں نے نبیذ اور طلاء کا فیصلہ کل مسکر حرام کی روشنی میں کیا۔ مسکر کا استعمال تو کہیں رہا اس کی صورت کو بدل کر سرکہ بنانے کی بھی ممانعت فرما دی اور نجاست کے معاملہ میں پیشاب وغیرہ اور نجاستوں کا ایک ہی حکم تصور فرمایا۔ قیاس صحیح کا بھی یہی تقاضا تھا اور نصوص صحیحہ کا بھی یہی مفاد۔

اہلحدیث اور باقی تحریکات

عموماً" تحریکات وقتی تقاضوں کی پیداوار ہوتی ہیں۔ اس لئے وقتی اور مخصوص مقاصد کی تحصیل کے بعد ان تحریکوں کی عمر ختم ہو جاتی ہے۔ مثلاً خاندان نبوت کے ہوا خواہوں نے سمجھا کہ خلافت کا حق موروثی طور پر اسی خاندان کو ملنا چاہئے۔ اس لئے اہل بیت کی طہارت و عصمت میں غلو کیا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصی قرار دیا گیا۔ نماز اور اذان تک اسی مقصد کے مطابق تبدیل کر دیں گئیں۔ لیکن جب اموی اقتدار نے محمد بن الحنفیہ" جیسے خاندانی لوگوں کو یزید" کی دوستی پر مجبور کر دیا۔ تو تحریک کی معنویت ختم ہو گئی اور اس کے انقلابی ارادے عدم کی نظر ہو گئے۔ تحریک کے ناکام لیڈروں نے تحریک کو عقیدے اور مذہب کا رنگ دے دیا اور اسی طرح یہ وقتی مسئلہ ہمیشہ کی تفریق اور دشمنی کا موجب ہو گیا لیڈروں کی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کی یہی صورت تھی جس کے نتیجہ میں اہل بیت کا تقدس بڑھ چڑھ کر بیان کیا گیا۔ ان کی قبریں سجنے لگیں۔ مجلس عزا نے ایک جشن کی سی صورت اختیار کر لی اور ماتمی جلسہ تقریب شاہی کی نمائش کرنے لگا۔ تحریک مقصد حیات کے لحاظ سے ختم ہو گئی لیکن لازوال دشمنی اور تفریق کی ایک بیماری سی امت میں چھوڑ گئی جس کا

نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ اور سنی مسلمان میں ایک نوعیت کا بعد سا پیدا ہو گیا۔ خوارج نے اس غلو کو توڑنا چاہا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اہل بیت بشری تقاضوں سے بالا نہیں ہیں۔ نہ وہ معصوم اور بے گناہ ہیں اور نہ غلطیوں سے محفوظ۔ بلکہ فی الواقع ان سے غلطیاں سرزد ہوئیں۔ اس اظہار بیان نے غلو کی صورت اختیار کی اور اہل بیت کی تکفیر تک نوبت پہنچ گئی۔ اہل بیت کے خاتمہ کے ساتھ تحریک کی علمی حیثیت بھی ختم ہو گئی۔ تحریک کے ناکام لیڈروں نے اسے بھی مذہب اور فلسفہ کا رنگ دے کر ایک جدید مذہب کی بنیاد رکھ دی جس کا اسلام سے بہت کم تعلق ہے۔

متکلمین اور مبتدعین

اسی طرح بعض عقل پرست حضرات نے اسلام کو اصطلاحی عقلی اور عرفانی فلسفہ کے ساتھ آمیز کرنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں اعتزال اور جہمیت پیدا ہوئی۔ خلق قرآن اور صفت باری کی عینیت اور غیریت کے بے ضرورت مباحث پیدا ہو گئے اسلام کو عقل کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے اسلام کے بعض اساسی اور بنیادی مسائل کا انکار کیا جانے لگا۔ ہمارے متکلمین پر حافظ ابن قیمؒ کی یہ پھبتی کس قدر صحیح ہے۔ **لا للاسلام نصروا ولا للفلاسفۃ کسروا** (قصیدہ نونیہ) (نہ اسلام کی مدد کر سکے اور نہ فلاسفہ ہی کی یورش کا مقابلہ کر سکے) آخر علمائے اسلام اور ائمہ حدیث نے جب یونانی فلسفہ کا تار پود بکھیر کر رکھ دیا اور یونانی فلسفہ کے وکیل مقدمہ ہار گئے اور ائمہ سنت نے مدافعت کی بجائے فلسفہ پر براہ راست حملے شروع کئے تو اعتزال و جہمیت ایسی تحریکیں اور متکلمین کی موشگافیاں ختم ہو گئیں اور یہ تحریک بھی صرف کتابوں کے اوراق کی زینت بن کر رہ گئی۔ غرض ہر وقتی تحریک کا یہی حشر ہوا کہ وہ ناسازگاری حالات کے اثر سے بے اثر ہو گئی۔

معمر ترین تحریک

اس سارے عرصہ میں تحریک اہلحدیث بدستور کام کرتی رہی اس میں ایسی جامعیت تھی کہ اس کے خدمت گزاروں کو دنیا کے ہر گوشے میں کام ملتا رہا اور ان کی ضرورت محسوس ہوتی رہی۔ پہلی صدی ہجری میں حفظ اور کتابت حدیث دوسری صدی میں تدوین حدیث اور تصنیف و تالیف کی تاسیس کے کام اس کے علاوہ اعتقادی اور عملی بدعات سے دست بدست لڑائی ان بدعات نے جن چور دروازوں کو تخریب اسلام کے لئے کھولا تھا ان کی نگرانی اس کے ساتھ مسلمانوں کے جماعتی شیرازہ کی حفاظت۔ تاکہ بیرونی حملوں سے اسلام کی سیاسی قوت تباہ نہ ہو جائے۔ یہ وہ دور اندیشیاں ہیں جن کے نتائج فکر میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ جیسے بحر ذخار کو بار بار جیل جانے پر مجبور کیا۔ پھر بوقت ضرورت اسی حکومت کی حمایت میں جس نے شیخ کو جیل بھیجا ایک سپاہی کی طرح میدان کارزار میں داد شجاعت دیتے نظر آئے اور ہلاکو اور چنگیز خاں کی فوجوں سے برسوں سینہ سپر رہے۔ یہ اعتدال مزاج اور حفظ مراتب کے وہ عظیم الشان کارنامے اور فوق البشر کام ہیں جو شاید ائمہ سنت اور ارباب حدیث ہی کا حصہ تھا اور یہ تحریک سب سے معمر اور قدیم ترین تحریک ہے جو ان فتنوں سے عہدہ برآ ہو کر زندہ رہی۔ کیونکہ یہ تحریک نہ وقتی تھی نہ احوال و ظروف کی پیداوار بلکہ اس کا مقصد پورے اسلام کی خدمت تھا۔

فتح ہند اور اہلحدیث

سب سے پہلا قافلہ جو فاتحانہ حیثیت میں ساحل ہند پر وارد ہوا۔ وہ اہل حدیث کا تھا آج بھی سندھ میں شیخ بدیع الدین اور ان کا خاندان ایک عظیم الشان مکتبہ جس میں حدیث اور رجال کا بے نظیر ذخیرہ موجود ہے۔ قرون ماضیہ کی یاد کو تازہ کر رہا ہے۔ اس وقت گو سندھ میں اہل توحید کو وہ قوت حاصل نہیں رہی

لیکن تاریخ کے اوراق ان کی خدمات کو نہیں بھول سکتے اسی طرح مغل فاتحین بھی اسلامی سادگی اور دین فطرت کی روشنی سے زیادہ فارسی تہذیب سے آشنا تھے۔ اس لئے ہندوستان میں اسلامی سادگی اور کتاب و سنت کی تعلیمات کا زور زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا اور نہ خدام حدیث کی اس قدر کثرت ہو سکی جس قدر بعض دوسرے ممالک میں تھی۔ شیخ علی متقی صاحب "کنزل العمال" اور شیخ محمد طاہر مولف "مجمع البحار" شیخ مجدد احمد فاروقی سرہندیؒ اور قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اس وقت مغتنمات میں سے تھے۔ اکبری فتنوں کے سامنے کوئی طوطی کی آواز کو سنے یا نہ سنے مگر طوطی نے اپنا فرض ادا کرنے میں کمی نہیں کی اس وقت اہل حق کس قدر کمزور تھے شیطانی طاقتیں کس قدر جمع ہو رہی تھیں۔ فتنوں کا سیلاب کتنا تباہی خیز تھا۔ امت کا لادینی جذبہ اہل حق کے لئے کتنی مصیبت کا باعث تھا۔ اعراس اور موالید کو بعض لوگوں نے اسلام کا بنیادی مسئلہ سمجھ رکھا تھا۔ تاہم ان بزرگوں نے ان بدعات پر کڑی نکتہ چینی کی غیر اسلامی رسوم اور غیر اسلامی نظریوں کے خلاف ان مجددین وقت کی پرشکوہ آواز فضائے دہر میں گونجتی رہی۔ رضی اللہ عنہم و ارضاہ

بدعی استیلا

اس ناخوشگوار ماحول نے اکبر ایسے ملحد انسان پیدا کر کے اہل حق کے لئے فضاء کو اور بھی مکدر کر دیا۔ ملاں مبارک کا خانوادہ اسی ظلمت کدہ میں ظلمات **بعضہا فوق بعض** کا حکم رکھتا ہے۔ یہ ایک بدعی استیلاء تھا۔ جس کے لئے ایک تیز مسہل کی ضرورت تھی جس کا نسخ تو شاہ ولی اللہؒ نے کیا اور آخری تدبیر کار کے لئے کارکنان قضاء و قدر نے صاحب سیف و قلم مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کو منتخب فرمایا جن کی مساعی نے مریض کو موت و حیات کی کشمکش سے نکال کر صحت کے آثار نمایاں فرما دیئے۔ اس وقت جماعت کے سامنے سب سے اہم اور پہلا

مقصد یہ تھا کہ وہ ہندوستان میں ایک دینی حکومت قائم کرے جس کے ارباب اقتدار صحابہ کرام کی سی سادگی رکھتے ہوں جس اسلام پر غیر مسلم اقلیتیں مطمئن ہوں۔ اسلام س کی اجازت نہیں دیتا کہ ظالم کا بدلہ مظلوم سے لیا جائے۔ ایسی سفاکانہ حرکتیں غیر مسلم تہذیب گوارہ کر سکتی ہے۔ اسلام اسے قطعاً" برداشت نہیں کرتا۔ دوسرا مقصد عملی بدعات کے خلاف جہاد تھا اس وقت کے سنی بھی عجیب و غریب تھے اہل سنت کے گھروں سے تعزیہ کے جلوس نکلتے تھے عشرہ محرم میں سنی بھی سوگوار رہتے۔ حالانکہ ہمارے ہاں ایسے سوگ تین دن سے زیادہ نہیں سالہا سال تک سوگ اسلام کا طریقہ نہیں۔ محرم کی نیاز اس ماہ میں نکاح کی ممانعت اسلامی حکم نہیں اعتقادی خرابیاں' قبر پرستی' مزار پرستی کا عام رواج تھا۔ اخلاق کا یہ حال تھا۔ بازاری عورتیں گانے بجانے کے لئے اچھے اچھے شریف گھروں میں آتیں تھیں اور پورے معاشرے میں انہیں کبھی برا نہیں منایا جاتا تھا۔ ارکان اسلام عموماً" متروک تھے۔ قبور اور مشاہیر کے مراقد کے طواف حج کعبہ کا نعم البدل تھے تعلیمی اداروں کا زیادہ زور منطق اور یونانی فلسفہ پر تھا علوم سنت قطعاً" متروک تھے ربع مشکوۃ تبرکاً" طلبا دیکھ لیتے۔ اصلاح حال کا سارا بوجھ صرف ایک بندہ خدا شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان پر تھا۔ قرآن کے ترجمہ نے شاہ صاحبؒ پر معصیبت برپا کر دی۔ طاغوتی طاقتیں سارے معمورہ میں پھیل رہی تھیں۔ شیطان ننگا ناچ رہا تھا۔ اہل حق مجبور تھے کہ مصلحت اندیشی سے کام لیں۔

نتائج و عواقب

نظام حق کی اشاعت کے لئے سنت نبویؐ کے مطابق سید شہید نے حضرو ضلع اٹک میں نفری جنگ لڑی جس میں بظاہر ناکامی ہوئی اور بقیتہ السیف پنجاب اور پورے ہندوستان میں پھیل گئے انگریز نے عیارانہ طور پر تحریک کا تعاقب کیا۔

تحریک خفیہ (انڈر گراؤنڈ) ہونے پر مجبور ہو گئی اور جماعت کے مسائل میں خلفشار سا برپا ہو گیا۔ بعض لادینی تحریکوں کا نشوونما قادیانی و آریہ سماجی تحریکات کا انگریز کے سہارے زندگی بسر کرنا اور اس کے ساتھ ہی اہل حق کی چغلخوری ان لوگوں کا شیوہ تھا۔ حضرت مولانا عبدالجبار غزنویؒ حضرت الاستاذ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی مرحوم و مغفور لکھوی علمائے کرام اور بعض دوسرے اہل فکر صرف قرآن و حدیث کی نشر اشاعت پر قانع ہو گئے۔ ان بزرگوں کے اثر سے قرآن و حدیث کے درس جا بجا کھل گئے۔ اعتقادی اور عملی بدعات ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگیں۔ **والحمدللہ علی ذلک** مصائب آلام کے جس سیلاب سے تحریک اہلحدیث کو اس وقت گزرنا پڑا اور دریائے شور کی سیر جس طرح ہمارے اکابر نے کی جیل کی اذیتیں ان بزرگوں نے برداشت کیں' آج لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

مجاہدین کا گروہ

حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادیؒ حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب غازی پوریؒ' صوفی ولی محمد فیروز پوریؒ مولوی اکبر شاہ ستھانویؒ' مولانا عبدالقادر قصوریؒ' مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی' صوفی عبداللہ رحمہم اللہ۔ بدستور نظام اسلامی کی اقامت کے لئے کوشش فرماتے رہے۔ یہ کوششیں خفیہ طور پر جاری رہیں اور عام حریت پرور تحریکات میں جماعت کی اکثریت کام کرتی رہی خلافت کانگرس' احرار' مسلم لیگ وغیرہ جماعتوں میں اہل حدیث نے صرف اسی نقطہ نگاہ سے کام کیا کہ اس ملک میں کلمتہ اللہ کو بلند کیا جائے۔ اس مجاہدانہ تحریک کو ناکام کرنے کے لئے یورپ کے مدبر پوری کوشش سے سرگرم تھے اور یہاں اقامت دین اور کلمتہ اللہ کی سربلندی کے لئے شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کی مساعی کار فرما تھیں اور اصلاح حال کا سارا بوجھ اسی مختصر جماعت پر تھا۔ جن کے پاس دولت

ایمان کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور اس کے علاوہ ملک کے شکست خردہ ذہن وہابی کے لفظ سے اس قدر بدکتے تھے **کانھم حمر مستنفرہ فرت من قسورہ**

مناظرانہ سرگرمیاں

بعض بزرگوں نے مناظروں کی راہ اختیار کی۔ وقتی خطرات کے لئے یہ ایک مفید علاج تھا ممکن ہے اس کی افادیت میں کسی دوست کو اختلاف ہو۔ لیکن وقت کی ضرورت کے لحاظ سے ان کے مفید ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ قادیانیت اور بعض دوسرے فرقوں نے عوام میں جس طرح بدعی خیالات کی اشاعت کرنا شروع کی تھی اگر اس کا بروقت علاج نہ کیا جاتا تو آج پانی سر سے گزر گیا ہوتا۔ اگر صورت حال کو جلد از جلد درست نہ کیا جاتا تو قادیانیت ایک عظیم فتنہ کی صورت اختیار کر لیتی۔ نصف صدی کی یہ کوششیں ان فتنوں کے دفاع میں کافی مفید ثابت ہوئیں ورنہ انگریز بہادر کی عطا کردہ نبوت آج ایک مصیبت بن چکی ہوتی۔ میرا مقصد ان گزارشات سے جماعت کی ان خدمات کا مختصر سا جائزہ لینا تھا جو جماعت نے مختلف طریقوں سے ادا کیں۔ تاکہ عامتہ المسلمین اس بات کا اندازہ لگا سکیں کہ اس تحریک نے اسلام کے لئے کیا کچھ کیا اور ماضی اور مستقبل کی تحریکات اور اس تحریک میں کیا فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اتفاق' خلوص اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم اسلام اور اہل اسلام کے لئے مفید سے مفید تر ثابت ہو سکیں۔

(تحریک آزادی فکر ص ۱۰۲)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حجتہ اللہ فی الارض امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حدیث و سنت کے بارے میں کیا نظریہ و عقیدہ رکھتے تھے دیگر علوم و فنون پر حدیث و سنت کو کیا اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ حجتہ اللہ البالغہ کے اقتباس سے بخوبی لگ سکتا ہے۔

"ان عمدة العلوم اليقينية وراسها ومبنى الفنون الدينية واساسها هو علم الحديث الذى يذكر فيه ما صدر من افضل المرسلين صلى الله عليه وسلم واصحابه اجمعين من قول اوفعل او تقرير' فهي مصابيح الدجى ومعالم الهدى وبمنزلة البدر المنير' من انقاد لها ووعى فقد رشد واهتدى واوتى خيرا كثيرا ومن اعرض وتولى فقد غوىٰ وهوى زاد لنفسه الا الخسر والا التخسير' فانه صلى الله عليه وسلم نهى وامر وانذر وبشر وضرب الامثال وذكر وانها لمثل القران او اكثر (مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۲)

علوم یقینیہ کا معتمد علیہ سرمایہ و سرتاج اور فنون دینیہ کی اصل و اساس علم حدیث ہے جس میں افضل المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل یا کسی بات پر آپ کے سکوت و رضا مندی کا ذکر خیر ہوتا ہے اس لئے یہ حدیثیں تاریکی میں روشن چراغ' رشد و ہدایت کا سنگ میل اور بدر کامل کا حکم رکھتی ہیں جو شخص ان پر عمل پیرا ہوتا اور ان کی نگاہ داشت کرتا تو وہ ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیض یاب ہوتا ہے اور جو بدبخت اس سے اعراض و روگردانی کرتا ہے وہ گمراہ اور ہلاک ہوتا ہے اور اپنا ہی نقصان کرتا ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی امرو نہی' انذارو تبشیر اور نصیحت و تذکیر سے معمور ہے اور آپ کی احادیث میں یہ چیزیں قرآن ہی کی طرح یا اس سے کچھ زیادہ ہیں۔ (تاریخ دعوت و عزیمت جلد پنجم ص ۱۸۵)

دوسرے مقام پر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں پہلی چیز جس کو عقل اپنے اوپر واجب قرار دیتی ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و ارشادات کا تتبع کیا جائے کہ آپ نے احکام الٰہی کے بارے میں کیا ارشاد فرمایا اور کس طرح ان پر عمل کیا۔ پھر قلب و روح سے ان اقوال و احوال کی پیروی کی جائے اس لئے کہ ہماری گفتگو

اس شخص کے بارے میں ہے جس نے یہ حقیقت تسلیم کر لی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنے احکام کا مکلف بنایا ہے اور اس شخص نے تکلیف شرعی کی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا عزم مصمم کر لیا ہے۔ (کلمات طیبات ص ۱۷۲)

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں

"سب کو معلوم ہونا چاہئے کہ استفتاء اور افتاء کا سلسلہ عہد نبوی سے لے کر برابر چلتا رہا۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ ایک سے فتویٰ لیتا ہے یا کبھی ایک سے فتویٰ لیتا ہے اور کبھی دوسرے سے اسی حالت میں کہ اس کا ذہن صاف ہے اس کی نیت سلیم ہے اور وہ صرف اتباع شریعت چاہتا ہے یہ کیسے جائز نہیں؟ جبکہ کسی فقیہ کے بارہ میں ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اللہ نے اس پر آسمان سے فقہ اتاری اور ہم پر اس کی اطاعت فرض کی ہے اور یہ کہ وہ معصوم ہے تو اگر ہم نے ان فقہاء اور ائمہ سے کسی کی اقتداء کی تو محض اس بنا پر کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے اس کا قول (فتویٰ) دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں یا وہ کتاب و سنت کے صریح حکم پر مبنی ہے یا وہ استنباط کے اصولوں میں سے کسی اصول کے مطابق اس سے مستنبط کیا ہوا ہے یا اس نے قرائن سے یہ سمجھ لیا ہے کہ حکم فلاں علت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ علت یہاں پائی جاتی ہے اور اس کا قلب اس پر مطمئن ہو گیا ہے اس بنا پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا ہے گویا وہ زبان حال سے کہتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جہاں یہ علت پائیجائے وہاں حکم یہ ہو گا اور یہ قیاسی مسئلہ اس عموم اور کلیہ میں شامل ہے اس طرح اس حکم کی نسبت بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جا سکتی ہے لیکن ظنی طریقہ پر اگر صورت حال یہ نہ ہوتی تو کوئی صاحب ایمان کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا۔ اگر ہمیں رسول معصوم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے قابل وثوق سند سے پہنچے جو اس مجتہد یا امام کے قول اور فتویٰ کے خلاف ہو اور ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں اور ظنی طریقہ کی پیروی کریں تو ہم سے بڑھ کر ناروا طریقہ اختیار کرنے والا کون ہو گا اور کل ہمارا خدا کے سامنے کیا عذر ہو گا؟ (حجتہ البالغہ ص ۱۵۵' بحوالہ تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۵ ص ۲۱۰)

مولانا سید عبدالحیٔ لکھنویؒ

محقق عالم عظیم فاضل ممتاز مصنف اور مشہور ادیب ہیں۔ مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی ندوی مرحوم اور بین الاقوامی شخصیت اور مصنف کتب کثیرہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی حفظہ اللہ کے والد گرامی ہیں ہندوستان کے علماء کے حالات پر مشتمل ان کی مشہور کتاب نزہتہ الخواطر عربی آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے جو تقریباً تیرہ صدیوں کے علماء پر محتوی ہے اسی طرح الثقافتہ الاسلامیتہ فی الہند عربی زبان میں ان کی معرکتہ الاراء تصنیف ہے اس میں وہ تحریک اہلحدیث اور علمائے اہلحدیث پر بڑے فصیح و بلیغ اور بڑے فاضلانہ انداز میں اپنی محبت و عقیدت کا ظہار فرما چکے ہیں اس باب میں ان کا ایک مفصل اقتباس ہم گزشتہ ابواب میں نقل کر چکے ہیں جس میں موصوف نے تحریک اہلحدیث اور اس کی خدمات کو زبردست الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ہم بخوف تکرار ان کا وہ اقتباس نقل کرنے سے قاصر ہیں۔

علامہ سید رشید رضاؒ

علامہ سید رشید رضا مصریؒ اپنے زمانہ میں بین الاقوامی شخصیت تھے ان کا

علمی دائرہ کار بہت وسیع تھا۔ وہ اپنی محققانہ تصنیفات' فاضلانہ تالیفات کی بدولت
عالمی شہرت رکھتے تھے۔ وہ سیاسی طور پر سید جمال الدین افغانیؒ اور شیخ محمد عبدہؒ کی
تحریک اتحاد عالم اسلامی سے نہ صرف وابستہ بلکہ علم بردار تھے۔ ان کا رسالہ
"المنار" علمی' دینی اور سیاسی حلقوں میں بڑی عقیدت و احترام سے پڑھا جاتا تھا
اور ان کی تفسیر "المنار" تمام علمی حلقوں میں مسلم تھی تمام اہل علم تفسیر "المنار"
کو بڑی اہمیت دیتے تھے علامہ سید رشید رضا مرحوم ایک بار ہندوستان بھی تشریف
لائے۔ سیاسی ہونے کے باوصف مسلک سلف کے وہ پیروکار تھے۔ چنانچہ وہ ایک
مقام پر لکھتے ہیں۔

لو لا عنایتہ اخواننا علماء الہند بعلوم الحدیث فی ھذا العصر لقضی علیہا بالزوال من امصار الشرق فقد ضعفت فی مصر والشام والعراق۔ والحجاز منذ القرن العاشر للھجرۃ حتی بلغت منتہی الضعف فی اوائل ھذا القرآن الرابع عشر (مقدمہ مفتاح کنوز السنہ)

اگر ہمارے بھائیوں علماء ہندوستان نے اس زمانہ میں علوم حدیث کے ساتھ اعتنا
نہ کیا ہوتا تو مشرقی ممالک میں مکمل طور پر ان کا زوال ہو چکا ہوتا۔ اس لئے کہ
مصر' شام' عراق و حجاز میں دسویں صدی ہجری ہی سے ان مین ضعف پیدا ہو گیا
تھا جو اس چودہویں صدی ہجری کے اوائل میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔

علامہ عبدالعزیز الخولی مصریؒ

مصر کے مشہور محقق عالم علامہ عبدالعزیز الخولی نے "مفتاح السنہ" میں کھل
کر ہندوستانی علماء کی علمی دینی اور حدیث کی خدمات کا اعتراف فرمایا ہے خصوصاً
امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ' نواب سید صدیق حسن خاںؒ اور دیگر اجلہ علماء کی
خدمات کا اعتراف کیا ہے وہ لکھتے ہیں **ولو یوجد فی الشعوب الاسلا میتہ علی کثرتہا واختلاف اجناسہا من وفی الحدیث قسطہ من العنایتہ فی ھذا**

لعصر مثل اخواننا مسلمی الهند اولئک الذین وجد بینهم حفاظ للسنته دارسون لها علی ما کانت تدرس فی القرن الثالث حریته فی الفهم ونظرا فی الاسانید" (مفتاح السنہ ص ۱۴۹)

"یعنی ممالک اسلامیہ کی کثرت اور ان کی اجناس مختلف ہونے کے باوجود ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں پایا جاتا جس نے اس زمانہ میں ہمارے ہندی مسلمانوں کی مانند حدیث سے تعلق کا تقاضا پورا کیا ہو۔ وہی لوگ ہیں جن میں سنت کے حفاظ پائے جاتے ہیں اور وہ اس طرح حریت فکر اور اسانیذ پر نگاہ رکھتے ہوئے درس دیتے۔ جیسے قرن ثالث میں دیا جاتا تھا"

"انہوں نے یہ بھی لکھا

وفی الهند الان طائفته کبیرة تهتدی بالسنته فی کل امور الدین ولا تتقلد احدا من الفقاء والمتکلمین وهی طائفته المحدثین (مفتاح السنہ)

"یعنی اب بھی برصغیر میں ایک بہت بڑی جماعت ہے جو تمام امور دین میں سنت سے رہنمائی حاصل کرتی ہے اور فقہاء اور متکلمین میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتی اور یہ محدثین (اہلحدیث) کی جماعت ہے۔

علامہ محمد منیر دمشقی مرحوم

برصغیر میں علمائے اہل حدیث نے حدیث کی جو خدمات انجام دیں اور ان کے جو شروح و حواشی لکھے اور حدیث کی شروح جب زیور طباعت سے مزین ہو کر منظر عام پر آئیں تو عالم اسلام کے اہل علم عش عش کر اٹھے عربی اور اردو میں حدیث و سنت کی نشر و اشاعت سے عالم اسلام کے معاصر علمائے عرب نہ صرف اس سے متاثر ہوئے بلکہ اس کے معترف اور معتقد ہو گئے چنانچہ مشہور سلفی دانشور مکتبہ منیریہ دمشق کے بانی علامہ محمد منیر دمشقیؒ اہلحدیث کے اسی مقدس گروہ کی خدمات حدیث کے اعتراف میں یوں رطب اللسان ہیں۔

"وهی نهضته عظیمته اثرت علی باقی البلاد الاسلامیته فاقتدی بها غالب البلاد الاسلامیته فی طبع کتب الحدیث والتفسیر"

(النموذج من الاعمال الخیریته ص ۴۶۸)

یعنی یہ عظیم تحریک دوسرے بلاد اسلامیہ پر بھی اثر انداز ہوئی۔ اکثر بلاد اسلامیہ نے حدیث و تفسیر کی کتب کی طباعت میں ان کی اقتداء کی۔

علامہ محمد منیر نے کھل کر زوردار الفاظ میں تحریک اہل حدیث کے روح رواں علامہ السید النواب صدیق حسن خان مرحوم کی خدمات حدیث کو زبردست خراج تحسین ادا کیا ہے اور واضح کیا ہے کہ اگرچہ حاسدین نے ان کے شرف و فضل کا انکار کیا ہے مگر علم و علماء کی خدمات میں وہ روشن مینار کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا اخلاص اور عظمت مسلم ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم

علامہ سید سلیمان ندوی رحمتہ اللہ علیہ علمی' دینی اور تحقیقی طور پر برصغیر کی ایک نامور شخصیت تھے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت تھے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے عظیم فرزندوں میں عظیم حیثیت کے مالک تھے۔ پھر ندوہ کے منتظمین میں نمایاں مقام حاصل تھا۔ معارف اعظم گڑھ کے ایڈیٹر' سیرۃ عائشہ' حیات مالک' ارض القرآن' خطبات مدارس اور سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصنف تھے۔ ان کی عظمت کے لئے یہی بس کرتا ہے کہ وہ امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد کے الہلال' البلاغ' کلکتہ اور الندوہ میں شریک سفر رہے۔ انہوں نے مولانا ابو یحییٰ ملک امام خان نوشہروی کی مشہور کتاب تراجم علماء حدیث ہند کے شروع میں قیمتی اور مبسوط مقدمہ لکھا ہے۔ مقدمہ میں چار باتیں واضح کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔

ا۔ انہوں نے قرن اول میں مسلمانوں کے علمی کارناموں کو ضبط کرنے کا ذکر کیا

ہے۔

۲۔ برصغیر پاک و ہند میں علماء و محدثین' شعراء و صوفیاء کرام کے تذکروں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۳۔ تراجم علماء حدیث ہند کی اہمیت بیان کی ہے۔

۴۔ توحید و سنت کے بارے میں اپنا موقف مشرب اور مسلک واضح کیا ہے۔

۵۔ تحریک اہل حدیث کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور تحریک اہل حدیث کے عملی نتائج کا ذکر فرمایا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ان کا وہ مقدمہ من و عن درج کر دیں تاکہ اپنوں اور بیگانوں کو تحریک اہل حدیث' اس کی دعوت' اس کا موقف' اس کی خدمات اور اس کے نتائج سمجھنے میں آسانی رہے۔ وہ لکھتے ہیں تاریخ و اخبار کا فن گو اسلام سے پہلے موجود تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی اعلیٰ شان اسلام کے نور سے چمکی ہے۔ مسلمانوں میں اس کا آغاز خود ان کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے مجاہدانہ اور علمی کارناموں سے ہوا روایات پیدا ہوئیں اور ان سے راویوں کا علم وجود میں آیا مسلمان جس ملک میں گئے اس میں علم کی روشنی لے کر گئے اس کی برکت سے دنیا کے تاریک سے تاریک گوشے بھی چمک اٹھے۔ مگر ہندوستان میں جو تاریخی ظلمت تھی وہ ایسی شدید تھی کہ مسلمانوں نے اس کو جتنا روشن کرنا چاہا روشن نہ کر سکے۔ بلکہ اس کی بدولت خود ان کی علمی اور عملی زندگی کے بہت گوشے اندھیرے ہو گئے۔

قرآن اول سے لے کر اپنے اقبال کے آخری دور تک مسلمانوں نے اپنی ہر صدی کے اکابر رجال کے سیرو اخبار کا ایسا دفتر زمانہ چھوڑا کہ قومیں اس کی مثال سے عاجز ہیں لیکن افسوس ہے کہ ہندوستان کے متعلق ان کے اس دفتر میں ایک ورق بھی نہیں ہے جو کچھ ہے شعراء اور صوفیاء حضرات کے تذکرے ہیں۔ علماء کے تراجم ان میں کہیں کہیں خال خال آگئے ہیں۔ اکبر کے زمانے میں ملا بدایونی'

نے "منتخب التواریخ" میں اور جہانگیر کے عہد میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے "اخبار الاخیار" میں کچھ اوراق فراہم کیے جو ایک تبرک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انتہا یہ ہے کہ ولی اللہی خانوادہ جس کے منتشر ہوئے ابھی صدی بھی نہیں گزری ہے اس کے کارنامے بھی ہاتھ سے جا رہے ہیں۔ بارہ سو برس کے پورے اسلامی ہندی دور میں ایک علامہ آزاد بلگرامی مستثنیٰ ہیں جنہوں نے ہندوستان کی اسلامی علمی تاریخ کی آبرو رکھ لی اور ان کے بعد دو اور قابل قدر نامور ہستیاں وجود میں آئیں جنہوں نے ہندوستانی عالموں کے اس بھلائے اور چھوڑے ہوئے فریضہ کی تلافی کرنا چاہی اور وہ مولانا عبدالحیٔ صاحب فرنگی محلیؒ اور نواب سید صدیق حسن خان مرحوم ہیں اول الذکر نے "ضرب الاماثل" ثانی الذکر نے "**اتحاف النبلا**" اور "ابجد العلوم" وغیرہ کئی کتابیں لکھیں اور ان سب کے بعد لیکن ان سب سے بہتر استاذی مولانا سید عبدالحیٔ صاحب (سابق ناظم ندوہ العلماء) کا کارنامہ اخلاف کے شکریہ کا مستحق ہے جنہوں نے اپنی عمر کے بیس برس کا بیش قیمت زمانہ ان جواہرپاروں کی تلاش اور فراہمی میں صرف کیا اور کئی جلدوں میں آغاز سے لے کر اپنے زمانہ تک کے علماء اور علم و فن کے مشاہیر کی سوانح عمریاں اوراق کے سپرد کیں لیکن افسوس کہ ڈر یہ ہے کہ یہ محنت بھی قوم کی ناقدری سے پھر دوبارہ تلف نہ ہو جائے۔

ہم آج بیٹھے اس ترتیب کرنے دفتر کو
ورق جب اس کا اڑا لے گئی ہوا ایک ایک

کئی سال ہوئے جب میں نے "ہندوستان میں علم حدیث" کا سلسلہ لکھنا شروع کیا تو بکھرے ہوئے معلومات کو اکٹھا کرنے اور الجھے ہوئے بیانات کو سلجھانے میں وہ زحمت اٹھانی پڑی کہ آخر اس کو ناتمام چھوڑنا پڑا۔ زیر نظر کتاب اسی ادھوری کوشش کی تکمیل ہے۔ مولف نے ہندوستان کے علماء اہلحدیث کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔ مگر ان کے موضوع کا دائرہ جتنا تنگ ہے ان کے عمل کا دائرہ اتنا

تنگ نہیں۔ چنانچہ انہوں نے اس میں عملاً علماء اہلحدیث کے علاوہ بعض ایسے علمائے حدیث کے حالات بھی شامل کئے ہیں جو غلو اور افراط سے خالی' توحید و سنت کے متبع اور سلف صالحین کے پیرو ہیں اور حق کو کسی امام خاص میں منحصر نہیں سمجھتے' باقی میں اپنی نسبت کیا کہوں۔

دوستاں ایں تہمت شیوہ بمانیز کنند

میں سنت کا پیرو اور توحید خالص کا معتقد ہوں' سنت کو دلیل راہ مانتا ہوں اور علماء کے لئے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لئے کھلا جانتا ہوں اور حق کو ائمہ سلف میں کسی ایک میں منحصر نہیں سمجھتا۔ اب اس پر آپ مجھے جو چاہیں سمجھ لیں۔

آزاد رہوں اور میرا مسلک ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

بہرحال حیثیت اور نوعیت جو کچھ ہو مولف کی ان کوششوں کی بدولت ایک بڑی کمی پوری ہو گئی اخلاف کو اسلاف کی بہت سی باتیں یاد آگئیں۔ ابو یحیٰی امام خان کے قلم نے بہت سے اماموں کے کارناموں کو زندہ کیا ہے اور اگلوں سے پچھلوں کو آگاہ کیا ہے۔ گذشتہ بزرگوں کے علاوہ ان حضرات کے حالات بھی شامل کتاب کر دیئے ہیں جو اس وقت بقید حیات ہیں۔ جن سے بہت سی قابل قدر ہستیوں کے سوانح ضبط تحریر میں آگئے ہیں کہ اگر اس وقت ان کو نظر انداز کر دیا جاتا تو ممکن ہے کہ ہماری سہل انگاری ان اخلاف کے تراجم بھی بہت سے اسلاف کے حالات کی طرح صفحہ اوراق سے ہمیشہ کے لئے محو ہو جاتے۔ کتاب کی ضخامت چھ سو صفحوں سے زائد ہے۔ مولف سے امید تو یہی ہے کہ روایات کے اخذ واقعات کے بیان اور مسائل کی تحقیق و نسبت میں انہوں نے پوری احتیاط سے کام لیا ہو گا اور بزرگوں کا ذکر ان کے شایان شان کیا ہو گا۔ مولف نے اس کام میں بڑی محنت اٹھائی ہے اور مقدور بھر چھان بین کی ہے۔ مگر چونکہ یہ نقش اول ہے اس میں کچھ نہ کچھ خامیاں رہیں گی۔ ناظرین ادھر سے صرف نظر فرمائیں گے۔ امید

ہے کہ بزرگوں کے حالات پڑھنے سے ہمارے نوجوانوں میں علم و عمل کی نئی روح پیدا ہو گی اور اس نئی تحریک سے واقفیت ہو گی جو ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی تباہی کے بعد شروع ہوئی اور جو افسوس ہے کہ ہماری ہی خانہ جنگی کی بدولت قبل از وقت مرگئی۔

اہلحدیث کے نام سے ملک میں اس وقت بھی جو تحریک جاری ہے۔ حقیقت کی رو سے وہ قدم نہیں صرف نقش قدم ہے۔ مولانا اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ جس تحریک کو لے کر آٹھے وہ فقہ کے چند نئے مسائل نہ تھے بلکہ امامت کبریٰ' توحید خالص اور اتباع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی تعلیمات تھیں مگر افسوس ہے کہ سیلاب نکل گیا اور باقی جو رہ گیا ہے وہ گذرے ہوئے پانی کی فقط لکیر ہے۔

بہرحال اس تحریک کے جو اثرات پیدا ہوئے اور اس زمانہ سے آج تک ہمارے دور ادبار کی ساکن سطح میں اس سے جو جنبش ہوئی وہ بھی ہمارے لئے بجائے خود مفید اور لائق شکریہ ہے۔ بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا۔ توحید کی حقیقت نکھاری گئی۔ قرآن پاک کی تعلیم و تفہیم کا آغاز ہوا۔ قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا۔ حدیث نبوی کی تعلیم و تدریس اور تالیف و اشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی۔ نیز فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی۔ (یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطیاں بھی ہوئی ہوں) لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی کا جو جذبہ گم ہو گیا تھا وہ سالہا سال کے لئے دوبارہ پیدا ہو گیا مگر افسوس کہ اب وہ بھی جا رہا ہے۔ اس تحریک کی ہمہ گیر تاثیر یہ بھی تھی کہ وہ "جہاد" جس کی آگ اسلام کے مجمر میں ٹھنڈی پڑ گئی تھی وہ پھر بھڑک اٹھی یہاں تک کہ ایک زمانہ گذرا کہ وہابی اور باغی مترادف لفظ سمجھے گئے اور کتنوں کے سر قلم ہو گئے' کتنوں کو سولیوں پر لٹکنا پڑا اور کتنے پابجولاں دریائے شور عبور کرا دیئے گئے یا

تنگ کوٹھڑیوں میں انہیں بند ہونا پڑا اور اب پردہ کیسا صاف کہنا ہے کہ مولانا رحیم آبادی کی زندگی تک اس تحریک کے علمبرداران میں یہ روح کام کر رہی تھی۔

افسوس کز قبیلہ مجنون کسے نماند

اس تحریک کی بنیاد تین چیزوں پر تھی۔

۱۔ نصب امارت

۲۔ زکوۃ کی مرکزیت

۳۔ اسلام سے تمام بیرونی اثرات کو مٹا کر اس کو پھر اپنی اصلیت پر لوٹانا

گزرنے والے تو گزر گئے **تلک امۃ قد خلت لها ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون** زمانہ کی گھڑی اب ہمارے ہاتھ میں ہے۔ دیکھنا کہ ہم اس کی سوئی کو کدھر گھماتے ہیں۔

علمائے اہلحدیث کی تدریسی و تصنیفی خدمت بھی قدر کے قابل ہے۔ پچھلے عہد میں نواب صدیق حسن خان مرحوم کے قلم اور مولانا سید نذیر حسین دہلویؒ کی تدریس سے بڑا فیض پہنچا۔ بھوپال ایک زمانہ تک علمائے حدیث کا مرکز رہا۔ قنوج' سہوان اور اعظم گڑھ کے بہت سے نامور اہل علم اس ادارہ میں کام کر رہے تھے۔ شیخ حسین عرب یمنی ان سب کے سرخیل تھے اور دہلی میں سید نذیر حسین صاحبؒ کی مسند درس بچھی تھی اور جوق در جوق طالبین حدیث مشرق و مغرب سے ان کی درس گاہ کا رخ کر رہے تھے ان کی درسگاہ سے جو نامور اٹھے ان میں سے ایک مولانا ابراہیم صاحب آرویؒ تھے جنہوں نے سب سے پہلے عربی تعلیم اور عربی مدارس میں اصلاح کا خیال قائم کیا اور مدرسہ احمدیہ کی بنیاد ڈالی۔

اس درسگاہ کے دوسرے نامور مولانا شمس الحق صاحب مرحوم (صاحب عون المعبود) ہیں جنہوں نے کتب حدیث کی جمع اور اشاعت کو اپنی دولت اور زندگی کا مقصد قرار دیا اور اس میں وہ کامیاب ہوئے۔

اس درسگاہ کے تیسرے نامور حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری ہیں۔ جنہوں نے درس و تدریس کے ذریعہ خدمت کی اور کہا جا سکتا ہے کہ مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلویؒ کے بعد درس کا اتنا بڑا حلقہ اور شاگردوں کا مجمع ان کے سوا کسی اور کو ان کے شاگردوں میں نہیں ملا۔

اس درسگاہ کے ایک اور نامور تربیت یافتہ ہمارے ضلع (اعظم گڑھ) میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ تھے جنہوں نے تدریس و تحدیث کے ساتھ ساتھ جامع ترمذی کی شرح "تحفتہ الاحوذی" (عربی) لکھی۔

اس تحریک کا ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ مدت کا زنگ طبیعتوں سے دور ہوا اور یہ جو خیال ہو گیا تھا کہ اب تحریک کا دروازہ بند اور نئے اجتہاد کا دروازہ و راستہ مسدود ہو چکا ہے رفع ہو گیا اور لوگ از سر نو تحقیق و کاوش کے عادی ہونے لگے۔ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ سے دلائل کی خو پیدا ہوئی اور قیل و قال کے مکدر گڑھوں کی بجائے ہدایت کے اصلی سرچشمہ مصفا کی طرف واپسی ہوئی۔

اسی دور کے اکابر اور مشاہیر کے احوال پر مشتمل اور زمانہ حال کے بہت سے ناموروں کے سوانح پر حاوی یہ اوراق ہیں۔ اگر مصنف ان ہستیوں کے منتشر اوراق کو آج جمع نہ کر دیتے تو شاید حوادث کی تیز آندھی ان کو اس طرح برباد کر ڈالتی جس طرح بہت سے پچھلے دوروں کے اوراق اس ملک میں ضائع ہو چکے ہیں۔

مصنف نے اشخاص کے نام و نسب و سنین، اساتذہ اور شیوخ، تصنیفات و رسائل اور ان کے دوسرے کارناموں کو قید تحریر میں لانے کی کوشش کی ہے جو آج تک ہمارے ہندوستان کے تذکروں میں نہیں ہوئی۔ (تراجم علمائے حدیث ہند)

امام الہند مولانا ابو الکلام آزادؒ

دعوت و اصلاح کے جو بھید پرانی دہلی کے کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے دفن کر دیئے تھے۔ اب اس سلطان وقت و اسکندر اعظم کی بدولت شاہ جہان آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ بچ گیا اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے۔ جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر تاب نہ تھی وہ اب بر سر بازار کی جا رہی اور ہو رہی تھیں اور خون شہادت کے چھینٹے حروف و حکایات کو نقوش و سواد بنا کر صفحہ عالم پر ثبت کر رہے تھے۔ (تذکرہ آزادؒ)

مولانا نذیر احمد رحمانیؒ

تیرہویں صدی ہجری میں جب ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت فنا ہو رہی تھی اور دوسری طرف ان میں مشرکانہ رسوم اور بدعات کا زور تھا۔ مولانا محمد اسمٰعیل شہید اور حضرت سید احمد بریلی کی مجاہدانہ کوششوں نے تجدید دین کی نئی تحریک شروع کی' یہ وہ وقت تھا جب سارے پنجاب پر سکھوں اور باقی ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنی بلند ہمتی سے اسلام کا علم اٹھایا اور مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی جس کی آواز ہمالیہ کی چوٹیوں اور نیپال کی اترائی سے لے کر خلیج بنگال کے کناروں تک یکساں پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق اس علم کے نیچے جمع ہونے لگے۔ اس مجددانہ کارنامہ کی عام تاریخ لوگوں کو یہیں تک معلوم ہے کہ مجاہدوں نے سرحد پار ہو کر سکھوں سے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے حالانکہ یہ واقعہ اس کی پوری تاریخ کا ایک باب ہے اس تحریک سے اپنے پیروں میں للہیت' خلوص' اتحاد' نظم' سیاست کا جو جوہر پیدا کر دیا تھا اس کے تذکرہ کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ (اہلحدیث اور سیاست)

شہید ملت علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ

برصغیر میں تحریک اہلحدیث کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے ہوتا ہے سب سے پہلے انہوں نے یہ نعرہ حق بلند کیا کہ لوگو آؤ اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے جو چیز کتاب و سنت سے ثابت ہو جائے اسے اختیار کر لو کتاب و سنت کے مقابلے میں کسی کی بات کی طرف توجہ نہ دو اسی تحریک کا نام تحریک اہلحدیث ہے۔ بدقسمتی کی بات ہے آج بعض لوگوں نے اسے فرقہ سمجھ لیا ہے اس غلط فہمی کو دور کر لو جبکہ ہم فرقہ نہیں ہیں بلکہ ہم جمود کے خلاف ایک تحریک ہیں اور تقلید نام ہے جمود کا اور اجماع نام ہے اجتہاد کا۔

دوستو! لوگوں کو کسی ایک فقہ کا پابند نہ بناؤ۔ زمانے کے حالات بدلتے رہتے ہیں اللہ اور رسول کی تعلیمات سامنے ہیں۔ ان کی روشنی میں زمانے کے حالات کے مطابق اجتہاد کرو۔ کتاب و سنت جس کی رہنمائی کریں اسے اپنا لو۔ جس کی رہنمائی نہ کرے اسے چھوڑ دو۔ یہی ہماری دعوت ہے یہی ہماری پکار ہے۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر دنیا میں کوئی نظام چل سکتا ہے تو وہ کتاب و سنت کا نظام ہے اس لئے کہ اس میں لچک موجود ہے جبکہ تقلید جمود کا نام ہے اور جمود اس معاشرے کے اندر پنپ نہیں سکتا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج یہ تحریک چند افراد کی تحریک نہیں رہی۔ کوئی زمانہ تھا کہ اس بات کو بلند کرنے والا پہلے یہ سوچتا تھا کہ بات کہنے کے بعد زندہ رہوں گا یا نہیں۔

اہل حدیثو! سن لو میں تمہیں اور اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہوں کہ آج ہم میں اپنے ماضی کے اکابر اور اسلاف کی روح باقی نہیں رہی جو ان کے پہلوں میں موجود تھی۔ کعبے کے رب کی قسم ہے کہ آج اگر ہمارے اندر وہی جذبہ پیدا ہو جائے جو اس تحریک کے آغاز کرنے والوں کے اندر موجود تھا تو یقین کیجئے کہ پانچ سال کے قلیل عرصہ میں پاکستان کا کوئی شخص ایسا نہیں رہے گا جو مسلک اہلحدیث کا پیرو نہ بن جائے یا اس کا مداح نہ ہو جائے سبب یہ ہے کہ ہم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ کرتے ہیں۔ اہلحدیثو!

ہماری دعوت بے حد سادہ ہے اس کے باوجود ہمارے اندر وہ تڑپ' عمل کا وہ جذبہ' وہ عبادت' وہ تقویٰ' وہ پاکیزگی اور زبان کی وہ تاثیر باقی نہیں رہی جو کبھی ہمارا خاصا ہوا کرتی تھی۔

ایک زمانہ تھا کہ غیر اہلحدیث رات کے اندھیرے میں چھپ کر ہمارے پیچھے نماز پڑھنے آیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ نماز پڑھنے کا لطف آتا ہے تو وہابیوں کے پیچھے آتا ہے لیکن آج ہماری نمازیں بے وقت ہو گئیں۔ یہ ہم سب کے لئے غور و فکر کا مقام ہے۔ (ارمغان ظہیر)

ہمارے لئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ ہماری ہر بات اپنی نہیں ہوتی بلکہ ہمارے عقائد اور نظریات کا مرکز و محور کتاب و سنت ہیں۔ اہلحدیث کے علاوہ دنیا میں جتنے مسالک ہیں ایک ایک سے پوچھئے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب کچھ وہی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان میں سے کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ان کی ہر بات کتاب و سنت کی بات ہے۔ اللہ کے قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر کوئی اختلاف نہیں۔ دراصل جھگڑا اس وقت پیدا ہوتا ہے جب ان فرامین کے علاوہ تیسری بات سامنے آجاتی ہے۔ ہم تو یہ برملا کہتے ہیں کہ کتاب و سنت کے سامنے کسی اور بات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ہم اگر امام بخاریؒ امام مسلمؒ اور دوسرے محدثین کرام کا ذکر کرتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ انہوں نے اپنی طرف سے کوئی بات کہی ہے بلکہ انہوں نے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین ہم تک پہنچائے ہیں۔

ہم نے بہت سے عرب ممالک میں یہ مشاہدہ کیا ہے کہ کتاب و سنت کی جہاں روشنی پہنچی ہے وہاں اہلحدیث موجود ہیں اس لئے کہ مسلک اہلحدیث سے زیادہ صاف' شفاف واضح اور روشن مسلک کوئی نہیں ہے۔ اس لئے ہماری تمام صلاحیتیں' قوتیں اور حیثیتیں مسلک اہلحدیث کی بالادستی کے لئے وقف ہو جانی چاہئیں۔ (ارمغان ظہیر)

تحریک اہلحدیث کا قطعاً" یہ مقصد نہیں کہ ائمہ کرام کی مساعی بے کار ہے یا ان کے علوم سے استفادہ شرعاً" ناجائز ہے یا ان کے علوم اور اجتہادات پر تنقید زندگی کا اہم اور ضروری مشغلہ ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے اجتہادات اور جملہ مسائل کی حیثیت ایک عملی تحقیق یا مقدس محنت کی ہے ان کا مقام علوم نبوت کا مقام نہیں۔ جس طرح ان سے استفادہ اور ان کے سامنے انقیاد بشرط صحت درست ہے۔ کتاب و سنت کی روشنی میں ان پر تنقید بھی درست ہے اور ان سے صرف نظر بھی کیا جا سکتا ہے۔ تحقیق کی راہیں جس طرح ان کے لئے کھلی ہیں ان کے متبعین اور تلامذہ کو بھی اجازت ہے کہ علم و نظر کی رہنمائی میں کتاب و سنت کی نصوص پر غور کریں اور مصالح وقت کے لحاظ سے ان پر عمل کریں گویا نئی تحقیق پہلے سے بھی مختلف ہو جائے تحقیق و نظر کے لئے علوم اور خلوص نیت کے بعد ضروری نہیں کہ مصطلح اجتہاد اور اس کے مفروضہ علوم بھی زیر نظر ہوں۔ یہ اصطلاح زمانہ نبوت میں اس مفہوم سے موجود نہ تھی اور یہ اجتہاد بھی زمانہ نبوت سے صدیوں بعد وجود میں آئے۔ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ نے بھی یہ تمام علوم نہ پڑھے بلکہ اس تحریک کا مقصد یہ ہے کہ مصنوعی جال سے ایک کو شکار کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ علم کو علم ہی کی راہ سے منوایا جائے۔ اسے فتویٰ یا حکومت یا اکثریت کے دباؤ سے نہ منوایا جائے۔ (اہلحدیث اور سیاست)

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ آزادی وطن تحریک پاکستان اور تحریک ختم نبوت میں نہ صرف جماعت کا قابل رشک حصہ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اہل حدیث علماء نے قومی و ملی تحریکوں میں ہراول دستے کا کردار ادا کیا اور ہر نازک وقت میں قوم کی قیادت و رہنمائی کا شرف حاصل کیا ہے آزادی وطن کی تحریک تو مشہور ہی "وہابی تحریک" کے نام سے ہوئی اور یہی مجاہد انگریزی استبداد اور بربریت کا سب سے زیادہ نشانہ بنے۔ فرنگی دور میں جزائر انڈیمان (کالے پانی)

کو انہی دیوانوں نے آباد کیا او دارورسن کی اکثر روایات ہمارے ہی اسلاف سے وابستہ ہیں۔ قادیانی نبوت کا سب سے پہلے مواخذہ اور تعاقب کرنے والے ختم المرسلین کے شیدائی یہی لوگ تھے اور اس حقیقت سے بہت کم حضرات واقف ہوں گے کہ وہ تحریک جس نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے آخری کامیاب جہاد کیا اس تحریک کا نام "مجلس ختم نبوت" امام العصر مولانا حافظ محمد ابراہیم محدث سیالکوٹیؒ کا تجویز کردہ تھا اور سب سے پہلے انہوں نے ہی سیالکوٹ میں اس مقدس کام کا آغاز کیا تھا۔ الغرض جماعت اہلحدیث کا ماضی قابل فخر اور شاندار ہے اور طاغوتی طاقتوں سے ٹکرانا اہل حدیث کی پرانی ریت ہے۔ یہ اسی حریت فکر اور جرات و کردار کا اثر ہے کہ آج پاکستان میں اسلامی دستور کے نفاذ صالح معاشرہ کے قیام' جمہور کی حکمرانی' شہری آزادیوں کے تحفظ' غنڈہ گردی کے انسداد اور امن و امان کی بحالی کے لئے ملک و ملت کے بہی خواہوں نے مختلف محاذوں پر جدوجہد کی۔ (ارمغان ظہیر)

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ

یہی وہ جماعت ہے جو قال اللہ وقال الرسول پر عمل کرتی اور کتاب و حکمت کے ہر حکم پر سر جھکاتی ہے اسی کے متعلق حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے **ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا**۔ پس اہلحدیث اپنے کو کوئی جداگانہ مذہب اور فرقہ یا گروہ اور شاخ نہیں سمجھتے بلکہ اسے وہی جماعت سمجھتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امارت و صدارت میں کھڑی کی تھی اور قرون وسطیٰ کے بعد جس کی کئی ٹولیاں اور کئی برانچیں بن گئیں۔ جو ہمارے نزدیک اہل الرائے اور اہل القیاس ہیں اور جن کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھ گئے ہیں۔ **فکان لا یتولی القضاء ولا افتاء الا مجتھد ولا**

يسمي الفقيه الا مجتهد ان الكتب والمجموعات محدثته والقول بمقالات الناس والفتيا بمذهب الواحد من الناس واتخاذ قوله والحكاية له من كل شيئ والتفقه على مذهبه لم يكن الناس قديما على ذلك في القرنين الاول والثاني (حجتہ اللہ البالغہ)

اس سے ثابت ہوا کہ اہل فقہ' اہل اجتہاد' اہل رائے اور اہل تقلید وغیرہ کتاب و سنت کی خاص پرواہ نہیں کرتے ہیں اور ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنتہ رسولہ (موطا امام مالک) کے حکم نبوی کی کوئی خاص اہمیت نہیں جانتے ہیں۔ (ہفت روزہ اہلحدیث امرتسر)

انیسواں باب

بحث و مناظرہ' دعوت و ارشاد اور اصلاح باطن

مسلک اہلحدیث مکمل اسلام کا نام ہے۔ بحث و مناظرہ اگرچہ اہلحدیث کے مقاصد میں شامل نہیں لیکن ادیان باطلہ اور گمراہ کن عقائد و نظریات کی تردید گرفت اور تعاقب بھی ضروری ہے یعنی اسلام کا دفاع' دین کا تحفظ اور کتاب و سنت کی حفاظت تحریک اہلحدیث کے فرائض میں شامل ہے۔ ہمارا تابناک ماضی اس بات پر شاہد عدل کی حیثیت رکھتا ہے کہ جب بھی اسلام کے خلاف کوئی نظری و فکری فتنہ اٹھا۔ اہلحدیث خم ٹھوک کر اس کے خلاف میدان میں اترے اور اس وقت تک اس کا تعاقب جاری رکھا۔ تا آنکہ یہ فتنہ فرو ہو گیا یا فنا کے گھاٹ اتر گیا یا اپنی موت آپ مر گیا۔ اہلحدیث نے ہر فتنے کے مقابلے میں دلائل سے مسلح ہو کر اس کا مقابلہ کیا خواہ وہ شیعہ ہو یا خوارج' جہمیہ ہو یا قدریہ' روافض ہوں یا معتزلہ' فتنہ خلق قرآن ہو یا فتنہ انکار حدیث۔ اہلحدیث نے نہ صرف ان کو للکارا بلکہ ان کو یلغارا اور پچھاڑا اور ہر ہر میدان میں ان کو چیلنج کر کے میدان وغا سے بھگایا۔ امام احمد بن حنبلؒ امام داؤد ظاہریؒ امام ابن حزمؒ ائمہ حدیث امام ابن تیمیہؒ امام ابن قیمؒ امام ابن کثیرؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ امام شاہ ولی اللہؒ شاہ عبدالعزیزؒ شاہ اسماعیل شہیدؒ حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ مولانا سید عبداللہ غزنویؒ نواب سید صدیق حسن خاں' مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ مولانا محمد حسین بٹالویؒ مولانا محمد بشیر سہسوانی' مولانا ابوالقاسم بنارسی اور دیگر اجلہ علمائے کرام نے اپنے اپنے دور میں دین کے دفاع اور اسلام کے دشمنوں کو للکارنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں ہونے دیا اور بحمداللہ ان اکابر کے خلوص نے دین کے ہر معاملے میں شرح صدر اور رسوخ فی

العلم سے باطل کے علم برداروں کو ہر ہر میدان میں شکست فاش سے دو چار کیا۔ اپنی قربانیوں اور مخلصانہ مساعی کی بدولت اسلام کے مخالفوں کو میدان سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اس باب میں ائمہ حدیث کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ فتنہ خلق قرآن میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو خوب آزمایا گیا۔ ستایا گیا اور تڑپایا گیا۔ لیکن وہ کوہ استقامت بن کر مامون الرشید معتصم باللہ،اور واثق باللہ تین خلافتوں کے مقابل ڈٹے رہے۔ تینوں خلافتوں نے انہیں بغداد کی جیل میں ڈالا اور بہت زیادہ تشدد کیا لیکن امام احمد بن حنبلؒ کو جادہ مستقیم سے نہ وہ ہٹا سکے۔ شیخ عبدالعزیز کنانی نے مکہ مکرمہ میں پوری جرات سے قرآن پاک کو غیر مخلوق قرار دیا۔ اسی طرح دوسرے ائمہ نے اپنے اپنے وقت میں ہر فتنے کا نوٹس لیا اور ہر قسم کے مصالح اور مفادات کو بالا طاق رکھ کر پوری شرح صدر سے مباحثوں اور مناظروں میں اسلام کے علمبردار بن کر ابھرے اسلام کی تاریخ کا کوئی دور دینی فتنوں اور فکری و نظری سازشوں سے خالی نہیں لیکن ائمہ دین نے بھی بحمداللہ دین کے دفاع کا حق ادا کر دیا امام ابن تیمیہؒ کا دور سیاہ فتنوں کا دور ہے۔ بحمداللہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اس سے بڑے سرخرو ہو کر نکلے۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کا دور بڑی آزمائشوں اور فتنوں کا دور تھا۔ حضرت مجدد نے قلعہ گوالیار میں قید ہونا تو منظور کر لیا لیکن باطل پرستوں سے مفاہمت ہرگز ہرگز نہیں کی۔ امام شاہ ولی اللہ نے قاتلانہ حملے تو برداشت کر لئے لیکن دین کو پس پشت ڈال کر کسی مصلحت آمیزی کو قطعاً برداشت نہیں کیا۔ امام ابن تیمیہؒ اور ان کے تلامذہ نے تاریخ دعوت و عزیمت میں وہ کردار ادا کیا کہ انسانی تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ برصغیر میں علماء کرام آٹھ گروہوں میں منقسم ہیں۔

پہلا گروہ

مصنفین مولفین مترجمین اور مدرسین کا ہے جیسا کہ شیخ طاہر پٹنیؒ شیخ احمد

فاروقیؒ سرہندی' شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ' شاہ عبدالرحیمؒ' شاہ عبدالقادر' شاہ رفیع الدین' شاہ عبدالعزیزؒ' شاہ محمد اسحاقؒ' میاں سید نذیر حسین دہلویؒ' شیخ عبدالغنی مجددیؒ' حافظ احمد علیؒ سہارنپوری' نواب السید صدیق حسن خانؒ' حافظ عبداللہ غازی پوریؒ' نواب محسن انصاری یمنیؒ' مولانا عبدالعزیز رحیمؒ آبادی' مولانا الحافظ محمد لکھوی' مولانا عبدالقادر لکھویؒ' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا ابراہیم میر سیالکوٹیؒ' مولانا عبدالحق بنارسیؒ' مولانا عبداللہ روپڑی' قاضی محمد سلیمانؒ منصور پوری

دوسرا گروہ

ان مجاہدین علماء کا ہے جنہوں نے اپنی زندگی اللہ کی راہ میں گزاری ان میں سید احمد شہیدؒ' شاہ اسماعیل شہیدؒ' مولانا عبدالحیٔ بڑھانویؒ' مولانا سید اولاد حسن قنوجیؒ' مولانا لیاقت علیؒ' مولانا ولایت علیؒ' مولانا عنایت علیؒ' مولانا احمد اللہؒ' مولانا یحیٰی علیؒ' مولانا جعفر تھانسریؒ' مولانا امیر عبداللہ' مولانا امیر رحمت اللہ' مولانا نصیر الدینؒ' امیر نعمت اللہ' مولانا محمد بشیر لاہوری شہیدؒ' مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی' حضرت صوفی محمد عبداللہ' صوفی ولی محمد فتوحی والے' مولانا محمد علی قصوری' مولانا محمد علی لکھوی' مولانا عبداللہ کوٹ کپوری' مولانا عبدالقادر قصوری' حاجی نور محمد صراف فیروز پوری وغیرہم

تیسرا گروہ

ان علماء پر مشتمل ہے جس نے منہ زور بے لگام مسیح پادریوں کے دانت کھٹے کیئے سناتن دھرمیوں اور آریہ سماجیوں کا نوٹس لیا قادیانیوں کا تعاقب کیا۔ رافضیوں اور بدعتیوں کے بخیے ادھیڑے منکرین حدیث کے لتے لئے اباحیت پسندوں کو للکارا ملحدین اور زندیقوں کے خلاف صف آرائی کی۔ مولانا محمد بشیر سہسوانی' مولانا محمد حسین بٹالوی' مولانا ابو القاسم بنارسیؒ' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا محمد

جونا گڑھی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا رحمتہ اللہ کیرانوی، مولانا سید عبدالرحیم شاہ بخاری، مولانا محمد یوسف کلکتوی، مولانا عبدالعزیز ملتانی، مولانا احمد دین گکھڑوی، مولانا نور حسین گرجاکھی، مولانا ابو مسعود قمر بنارسی، مولانا محمد صدیق فیصل آبادی، مولانا محمد رفیق مدنپوری، مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری اور حافظ عبدالقادر روپڑی ہمارے ملک کے بحث و مناظرہ کی تاریخ کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

چوتھا گروہ

ان علماء پر مشتمل ہے جنہوں نے دعوت و ارشاد تزکیہ نفس اصلاح باطن ذکر و فکر عبادت و ریاضت تصوف و اخلاص کو اپنی زندگی کا مشن ٹھہرایا اور لاکھوں انسانوں کی اصلاح و نجات کا باعث ہوئے اس سلسلہ میں حضرت میاں صاحب، حضرت مولانا محمد سعیدؒ بنارسی، مولانا عبداللہ غزنویؒ، حضرت مولانا عبدالجبار غزنویؒ، مولانا عبدالواحد غزنویؒ، مولانا غلام نبی سوہدروی، مولانا ولی محمد فتوحی والے، مولانا عبدالرحمٰن محی الدین لکھویؒ، مولانا غلام رسول قلعہ میاں سنگھ والے، مولانا محمد بکنویؒ، مولانا عبدالحمید سوہدروی، مولانا شاہ عین الحق پھلوارویؒ، مولانا محمد علیؒ لکھوی، مولانا محمد سلیمان روہڑوی، مولانا سید عبداللہ شاہ بخاری، مولانا سید محمد شریف گھڑیالوی، مولانا سید محمد صالح صاحب مشہدی، مولانا سید محمد اسماعیل مشہدی، مولانا سید محمد یحیٰی مشہدی، مولانا سید مولا بخش صاحب کوموی، مولانا نور محمد ڈگری والے، مولانا عبدالغنی بڈھیمالوی، صوفی محمد فرید کوٹی، مولانا عبدالرحمٰن شاہ پوری، صوفی محمد عبداللہ بانی جامعہ ماموں کانجن، میاں محمد باقر صاحب، شیخ حبیب اللہ قندھاری، مولانا عبدالتواب ملتانی، حضرت محدث روپڑی، مولانا کرم الٰہی قادروالوی، پیر احسان اللہ راشدی، حافظ عبدالستار دہلوی، مولانا عبدالحمید بدھوآنوی، صوفی محمد کوثر کپوری، مولانا محی الدین لکھوی، مولانا حافظ محمد یحیٰی عزیز، مولانا محمد یحیٰی شرقپوری، مولانا محمد یوسف راجو والوی، مولانا محمد یحیٰی فیروز پوری

وغیرہم۔

پانچواں گروہ

ان علماء کرام پر مشتمل ہے جنھوں نے قرآن پاک کی تفاسیر حدیث کی شروحات اور صحاح ستہ اور متداولہ کتب احادیث کے اردو میں تراجم کئے اس میں درج ذیل حضرات نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔ سید نواب صدیق حسن خان' حضرت سید میاں نذیر حسین دہلوی' مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری' مولانا عبدالسلام مبارک پوری' مولانا سید احمد حسن' مولانا ڈپٹی نذیر احمد' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی' حضرت حافظ محمد لکھوی' مولانا محمد جونا گڑھی' مولانا ابو الکلام آزاد' مولانا شمس الحق ڈیانوی' نواب وحید الزمان حیدر آبادی' نواب بدیع الزمان حیدر آبادی' مولانا محمد اسماعیل سلفی' مولانا حافظ عبدالستار دہلوی' مولانا عبدالاول غزنوی' مولانا عبدالغفور غزنوی' مولانا عبدالتواب ملتانی' مولانا سید بدیع الدین راشدی' مولانا عبیداللہ رحمانی' مولانا محمد حنیف ندوی' مولانا محمد داؤد راز وغیرہم

چھٹا گروہ

ان علماء پر مشتمل ہے جنھوں نے زندگی بھر تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھ کر کتاب و سنت کی شمع کو فروزاں رکھا اور ہر عسر و یسر میں درس و تدریس کو زندگی کا اہم مشن قرار دیا اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید نذیر حسینؒ دہلوی' مولانا محمد بشیر سہسوانیؒ مولانا عبدالقیوم بڈھانویؒ مولانا نواب محسن انصاریؒ یمنی' مولانا شیخ محمد مچھلی شہریؒ مولانا عبدالحقؒ بنارسی' مولانا حافظ عبداللہ غازیؒ پوری' مولانا احمد اللہ پرتاپ گڑھی' مولانا نذیر احمد رحمانی' مولانا ابو سعید شرف الدین دہلوی' مولانا سید محمد شریف دہلوی' مولانا عبدالوہاب دہلویؒ مولانا

عبدالرحمٰن پنجابی' مولانا عبدالسلام بستوی' مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی' قاضی طلا محمد پشاوری' مولانا عبدالجبار غزنوی' مولانا عبدالاول غزنوی' مولانا عبدالقادر لکھوی' مولانا عطاء اللہ لکھوی' مولانا عبداللہ کھپیانوالوی' مولانا عبدالرحمٰن بڈھیمالوی' مولانا عبدالحق ملتانی' حضرت مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی' حافظ محمد عبداللہ روپڑی' مولانا حافظ محمد حسین روپڑی' مولانا عبداللہ بھوجیانی' مولانا محمد اسماعیل سلفی' مولانا حافظ عبداللہ محدث بڈھیمالوی' مولاناحافظ احمد پٹوی' مولانا عبدالرحمان پٹوی' مولاناعبدالجلیل سامرودی' مولانا عبیداللہ رحمانی' شیخ الحدیث مولانا عبداللہ فیصل آبادی' مولانا عبداللہ محدث امرتسری' مولانا سید مولا بخش صاحب کوموی' مولانا عبداللہ ربانی' مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی' مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی' مولانا محمد یعقوب ملہوی' مولانا محمد یعقوب گوجروی' مولانا محمد صدیق سرگودھوی' مولانا محمد صدیق فیصل آبادی' مولانا محمد اسحاق صاحب چیمہ

بقید حیات علماء میں مولانا حافظ محمد اسحاق' مولانا سلطان محمود جلال پوری' مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی' مولانا محمد عبدہ' پیر محمد یعقوب قرشی' مولانا عبدالرحمٰن لکھوی' مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری' مولانا سید بدیع الدین راشدی اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو سلامت رکھے اور تادیر ان کی شفقتیں ہمیں حاصل رہیں یہ عظیم اسلاف کی نشانیاں ہیں نوجوان مدرسین میں مولانا محمد عبداللہ امجد' حافظ عبدالعزیز علوی' مولانا محمد رفیق اثری' مولانا عبداللہ ناصر' مولانا حافظ عبدالمنان' مولانا حافظ محمد بنیامین' مولانا حافظ محمد شریف' مولانا حافظ عبدالکبیر' مولانا حافظ محمد شریف' مولانا حافظ عبدالستار حماد' مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی' مولانا عبدالسلام کیلانی' مولانا عبدالرشید سلام پوری' مولانا حافظ عبدالرشید گوہڑوی' مولانا عبدالحمید ہزاروی' مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی' مولانا حافظ عبدالمنان نور پوری' مولانا فاروق احمد راشدی' مولانا محمد اعظم' مولانا محمد علی جانباز' مولانا محمد مدنی' مولانا عبدالعزیز نورستانی' مولانا عبیداللہ خان عفیف ہمارے مستقبل کا قیمتی سرمایہ ہیں۔

ساتواں گروپ

ان علماء کرام پر مشتمل ہے جنہوں نے آئینی دور میں وطن کی آزادی کے لئے انگریز کے خلاف نہ صرف جہاد کیا بلکہ قائدانہ اور بھرپور کردار ادا کیا اس سلسلہ میں بارہا جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں ملک کی آزادی کے لئے قربانیاں دیں اور ملکی سیاست میں لازوال اور غیر فانی خدمات انجام دیں۔ اس سلسلہ میں امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ' مولانا عبدالقادر قصوری' مولانا سید داؤد غزنوی' مولانا محمد اسماعیل سلفی' مولانا سید عبدالغفار غزنوی' مولانا سید عیسیٰ غزنوی' مولانا محمد علی قصوری' مولانا محی الدین احمد قصوری' مولانا عبدالوہاب آروی' جناب عبدالقیوم انصاری' مولانا عبدالحنان بہاری' مولانا عبداللہ الکافی قرشی' مولانا عبداللہ الباقی قرشی' مولانا محمد اکرم خان محمدی' مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی' حاجی محمد اسحاق حنیف' حکیم عبداللہ خان نصر' مولانا سید اسماعیل غزنوی' مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی' مولانا ابو القاسم بنارسی' مولانا عبدالحلیم صدیقی' مولانا حافظ محمد ابراہیم دہلوی' میاں عبدالعزیز مالواڈہ' مولانا حافظ علی بہادر' مولانا عبیداللہ احرار' مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی' مولانا محمد علی لکھوی' حکیم نور الدین لائل پوری' مولانا شرف الحق محمود' میر عبدالقیوم' مولانا محمد اسحاق رحمانی' مولانا عبدالرحیم' مولانا محمد داؤد ارشد' حافظ محمد صادق سیالکوٹی' مولانا محمد حنیف ندوی' قاضی عبیداللہ کوٹ کپوری' مولانا عبداللہ اوڈ' رائے حاجی محمد انور خان' شیخ عبدالرشید صدیقی' چوہدری عبدالقادر علیگ' چوہدری عبدالستار فیروز پوری' خان عبدالعظیم خان' مولانا علی محمد صمصام' مولانا عبداللہ ثانی' مولانا ثناء اللہ امرتسری' پیر احسان اللہ شاہ راشدی' شیخ عبدالوہاب' علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید' مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی' حافظ محمد اسماعیل ذبیح' مولانا عبدالمجید سوہدروی' مولانا محمد صدیق فیصل آبادی' مولانا محمد اسحاق چیمہ' چوہدری محمد حسین چٹھہ'

چوہدری ظفر اللہ فیروز والا' حاجی محمد ابراہیم رحمہم اللہ اجمعین' مولانا محمد اسحاق بھٹی' مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی' مولانا معین الدین لکھوی' علامہ راغب احسن مرحوم۔ آزادی وطن میں ان کی خدمات سنہری حروف سے لکھی جائیں گی۔

آٹھواں گروہ

آٹھویں گروہ میں وہ علماء کرام شامل ہیں جن کی تبلیغی مساعی سے مسلک اہلحدیث کو فروغ ملا عوام میں احیاء سنت کی تحریک پیدا ہوئی تمسک بالسنۃ کا جذبہ ابھرا لوگوں کے ذہنوں میں خالص توحید کا نقش مرتسم ہوا۔ سناتن دھرمیوں' آریہ ساجیوں' قادیانیوں' عیسائیوں' بدعتیوں' رافضیوں' اباحیت پسندوں' دھریوں اور منکرین حدیث کی بیخ کنی ہوئی۔ ان کا تعاقب جاری رہا اور ان تمام باطل پسندوں کے علمبرداروں کو شکست و ہزیمت سے دوچار کر دیا گیا۔ اس سلسلہ میں مولانا محمد ابراہیم آروی' مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی' مولانا سلامت اللہ جیراجپوری' مولانا ابو القاسم بنارسی' مولانا ابو مسعود بنارسی' مولانا محمد حسین میرٹھی' مولانا محمد اسلم کانپوری' مولانا عبدالوہاب دہلوی' مولانا عبدالواحد غزنوی' امیر واعظ پنجاب مولانا محمد علی' مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوری' مولانا محمد یونس دہلوی' مولانا محمد جونا گڑھی' مولانا ابراہیم سیالکوٹی' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا عبدالمجید سوہدروی' مولانا عبداللہ ثانی' مولانا حافظ محمد اسماعیل روپڑی' مولانا نور حسین گرجاکھی' مولانا حافظ محمد شریف سیالکوٹی' حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری' مولانا محمد یوسف کلکتوی' مولانا محمد یحییٰ حافظ آبادی' مولانا حکیم ابراہیم حافظ آبادی' مولانا سید عبدالغنی شاہ' مولانا حکیم عبداللہ روہڑوی' حافظ عبدالحق صدیقی' مولانا عبدالرزاق احمد پوری' مولانا محمد حنیف فرید کوٹی' مولانا سید اسماعیل شاہ مشہدی' مولانا حافظ محمد اسماعیل ذبیح' مولانا محمد صدیق فیصل آبادی' مولانا علی محمد صمصام' علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید' مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی' پروفیسر ابو بکر غزنوی' مولانا ابراہیم خادم شہید' مولانا عبداللہ

معمار' شیخ محمد سعید الفت' مولانا احمد دین گکھڑوی' حافظ بدر الدین' مولانا محمد رفیق مدنپوری' مولانا محمد رفیق خاں پسروری' مولانا سید محمد صالح شاہ مشہدی' مولانا سید یحییٰ مشہدی' مولانا حافظ عزیزالرحمٰن لکھوی' مولانا حافظ مشتاق احمد پرواز' مولانا عبداللہ مظفرگڑھی' مولانا شہاب الدین ثاقب' مولانا عبدالقادر زیروی' رحمہم اللہ تعالٰی علیہم۔ مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری' مولانا مختار احمد ندوی' مولانا عبدالوہاب خلجی' مولانا عبداللہ مدنی' مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی' مولانا محمد حسین شیخوپوری' مولانا حافظ سید بدیع الدین شاہ راشدی' مولانا عبداللہ گرداسپوری' پروفیسر ساجد میر' مولانا حافظ عبدالرحمٰن سلفی' قاری عبدالحفیظ فیصل آبادی' مولانا فضل الرحمٰن لاہوری' مولانا محی الدین لکھوی' مولانا محمد یحییٰ شرقپوری' مولانا حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی' مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی' مولانا ارشاد الحق اثری' مولانا عبداللہ امجد' مولانا محمد مدنی' مولانا محمد اعظم' مولانا حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی' مولانا حافظ مقصود احمد' مولانا عبدالعزیز نورستانی' مولانا عبدالعزیز حنیف' مولانا قاری عبدالوکیل صدیقی' مولانا عبداللہ شیخوپوری' وغیرہم کی خدمات اور مساعی ہماری دینی تحریک کا قیمتی سرمایہ ہیں اللہ ان کو سلامت رکھے۔

شدھی کی تحریک

قادیانیوں' عیسائیوں نے اسلام کے خلاف انگریز کی سرپرستی میں تابڑتوڑ حملے شروع کیے۔ اسی طرح انگریز کے ایما بلکہ سازش اور انگیخت سے آریہ سماجیوں اور سناتن دھرمیوں نے اسلام بانی اسلام قرآن پاک اور مسلمانوں کے خلاف بیہودہ اعتراضات شروع کیے تاکہ ہندوستان میں مذہبی انتشار عروج پر پہنچ سکے اور یوں انگریز ہندوستان میں باہمی اختلاف ڈال کر اپنے اقتدار کی زنجیروں کو دراز کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ اس میں کافی حد تک کامیاب رہا۔ ہندو متعصب مذہبی تنظیموں نے انگیز کی شہ پر بلکہ پسماندہ مسلم علاقوں کے دین سے بے خبر مسلمانوں کو ہندو

مت میں واپس لانے کی سکیم مرتب کی اور خصوصاً" راجپوت برادری کو مرتد بنانے کا منصوبہ تیار کیا گیا۔ جس کا نام انہوں نے شدھی رکھا ہندی میں مرتد بنانے کی تحریک کو شدھی کی تحریک کہتے ہیں چنانچہ جب ان کی اس خطرناک منصوبہ بندی کا انکشاف ہوا تو برصغیر کے مسلمانوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی اور مختلف دینی تنظیموں نے مالوہ' گڑگاواں' کانگڑہ اور دیگر علاقوں میں تبلیغی کیمپ لگائے اور علمائے کرام نے اپنی بھرپور زور دار اور مخلصانہ مساعی سے ہندو کی یہ سکیم فیل کر دی۔ ان کا یہ منصوبہ ناکام ور نامراد ہو گیا۔ آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس نے بھی اس موقع پر متعدد مقامات پر تبلیغی کیمپ لگائے اور اہلحدیث علماء نے شدھی کی تحریک میں مسلمانوں کو اپنی بھرپور اور زوردار تبلیغ سے مسلمانوں کو بچانے کی مخلصانہ کوشش فرمائی۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بنفس نفیس اہلحدیث تبلیغی کیمپوں کو نہ صرف کنٹرول کیا بلکہ وہاں کئی کئی روز قیام کر کے علماء مسلمانوں اور اسلام کو تقویت بخشی۔ وہاں مولانا امرتسری کا قیام مسلمانوں کی اعتقادی استحکام اور غیر مسلموں کی شکست و ریخت اور ناکامی و نامرادی کا باعث تھا۔ اس موقع پر مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم کی قیادت میں اہلحدیث علماء نے ایک مثالی اور تاریخی کردار ادا کیا۔ انگریز اور ہندو کی ملی بھگت سے شدھی کی یہ منصوبہ بندی ناکامی اور نامرادی سے دو چار ہو گئی۔

قادیانیت

انگریز شاطر نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور ان کا جذبہ جہاد پامال کرنے کے لئے مرزا غلام احمد ولد مرزا غلام مرتضٰی رئیس قادیاں تحصیل بٹالہ' ضلع گرداسپور' مشرقی پنجاب کو اپنا آلہ کار بنایا۔ مرزا غلام احمد اولاً مناظر کے روپ میں سامنے آئے پھر مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر مسیح موعود بن بیٹھا اور آخراً انگریز کے منصوبے کے مطابق ختم نبوت کے مقفل باب کو توڑ کر تاج نبوت سر پر

رکھنے کی ناکام کوشش کی۔ جہاد کے خلاف دھڑا دھڑ کتابیں لکھیں۔ انگریز کو اولی الامر قرار دیا اس کی اطاعت واجب ٹھہرائی' نعوذ باللہ اپنے کو علیہ السلام اپنی بیویوں کو امہات المومنین اپنے رفقاء کو صحابی و رضی اللہ عنہ اور دیگر دینی اور شرعی اصطلاحات کا استخفاف کر کے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ان کے قول کے مطابق انگریز کی حمایت میں انہوں نے پچاس الماریاں کتابیں لکھیں۔ اپنے کو انگریز کا خود ساختہ پودا قرار دیا (تبلیغ رسالت جلد ہفتم) اور یہاں تک جسارت کی کہ جو امن و سکون انگریز کی سلطنت میں ہے العیاذ باللہ مکہ اور مدینہ بھی اس سے محروم ہیں۔ جہاد کی منسوخی کے لئے نظم و نثر میں ان کے اشہب قلم نے خوب چوکڑیاں بھریں پورے برصغیر میں ان کی ہفوات کا پہلا نوٹس علمائے اہلحدیث نے لیا۔ مولانا محمد حسین بٹالوی نے اپنا قلم اور زبان اس کی تردید کے لئے وقف کئے رکھا اور مولانا بٹالوی نے مرزا غلام احمد کو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اور اپنے اس فتویٰ کی تائید میں ہندوستان بھر سے تمام مکاتب فکر کے ہزار علماء کی حمایت حاصل کی مولانا بٹالوی کے بعد مولانا ثناء اللہ امرتسری متوفی ۱۹۴۸ء مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی متوفی ۱۹۵۶ء' مولانا محمد بشیر سہسوانی متوفی ۱۹۰۸ھ' مولانا قاضی محمد سلیمان منصوری پوری' مولانا عبداللہ معمار' مولانا سید عبدالرحیم شاہ بخاری' مولانا حافظ عبداللہ روپڑی' مولانا محمد اسماعیل سلفی' مولانا نور حسین گرجاکھی' استاذ العلماء حضرت العلام حافظ محمد گوندلوی' مولانا احمد دین گکھڑوی' مولانا عبدالمجید سوہدروی' مولانا سید عبدالغفار غزنوی' مولانا حافظ بدر الدین' مولانا سید داؤد غزنوی' مولانا محمد یوسف کلکتوی' ملک عبدالعزیز ملتانی' حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری' رحمہم اللہ اجمعین۔ یہ وہ اکابر ہیں جنہوں نے قادیانیت کے تعاقب' تکفیر' تردید' تغلیط اور انسداد کے لئے عظیم الشان دینی اور علمی کارنامے انجام دیئے اور ہر ہر محاذ پر مرزائیت کو للکارا۔ قادیانیت کو یلغارا اور خوب لتاڑا۔ مرزا غلام احمد مولانا امرتسری سے دعائے مباہلہ کے نتیجہ میں ۱۹۰۸ء میں ذلت کی موت مرا اور اس کا

انجام عبرت ناک ہوا۔ "فتنہ قادیانی کے استیصال میں اہلحدیث کی مساعی" نامی ہماری کتاب بہت جلد منظر عام پر آرہی ہے۔ اس سلسلہ کی جملہ تفصیلات پوری وضاحت کے ساتھ اس میں چھپ رہی ہیں اس لئے یہاں ہم نے صرف اشارہ اور کنایہ سے کام لیا ہے۔ ہماری اس کتاب میں اور بھی بہت سے علمی تحقیق مباحث پوری تفصیلات کے ساتھ شامل کتاب ہوں گے ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

آریہ سماجیوں اور سناتن دھرمیوں کے رکیک حملے

آریہ سماجی اور سناتن دھرمی انگریز کے اشارہ ابرو پر مسلمانوں کے خلاف لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں اترے اور مسلمانوں کے خلاف نہایت بدتمیزی سے رکیک حملے شروع کئے ان بدباطنوں نے خصوصاً" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور امہات المومنین کو اپنی بدزبانی کا ہدف بنایا چنانچہ ان کی بدتمیزی کا سدباب کرنے کے لئے اہلحدیث علماء میدان میں اترے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری نے حق کا نشان بن کر ان کو للکارا اور پھر اپنے توانا قلم سے ان پر ایسی زوردار یلغار کی کہ وہ ہر میدان سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے ایک درندہ صفت اور شقی القلب ہندو نے "رنگیلا رسول" لکھ کر اپنی بدباطنی اور بدبو دار سوچ کا مظاہرہ کیا اس کے جواب میں مولانا ثناء اللہ نے "مقدس رسول" لکھ کر نہ صرف ان کو دندان شکن جواب دیئے بلکہ اپنی علمی برتری اخلاقی عظمت اور تحقیق و عدل کا لوہا پورے برصغیر سے منوا لیا۔ آریہ سماجی ایک بدطینت مصنف نے "ترک اسلام" لکھ کر بظاہر بڑی کامیابی کا تیر مارا مولانا ثناء اللہ مرحوم نے اس کے جواب میں "ترک اسلام" لکھ کر اسلام کی عظمت کی دھاک بٹھا دی ایک اور ہندو بدسرشت نے "ستیارتھ پرکاش" لکھ کر بظاہر بڑی کامیابی سے شرارت کی لیکن مولانا ثناء اللہ نے "حق پرکاش" لکھ کر اسلام کی حقانیت کا لوہا منوا لیا مولانا امرتسری نے اس سلسلہ

میں ''نماز اربعہ' بحث تناسخ' جہان وید' نکاح آریہ' اصول آریہ' الہامی کتاب' ہندوستان کے دو ریفارمر' الہام' ثمرات تناسخ' شادی بیوگان' القرآن العظیم' مباحثہ جبل پور' مناظرہ نگینہ' مباحثہ دیوریا' تبر اسلام'' لکھ کر ہندوؤں اوز آریہ سماجیوں کا منہ بند کر دیا اور انگریز کی سازش کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ کسی ہندو آریہ سماجی اور سناتن دھرمی پر چارک کو مولانا ثناء اللہ مرحوم سے گفتگو کی جرات نہ ہو سکی جب کبھی کسی آریہ سماجی اور سناتن دھرمی نے مسلمانوں کو مناظرے کا چیلنج دیا تو شیخ الاسلام مولانا امرتسری فوراً وہاں پہنچے ہندو پرچارک مولانا ثناء اللہ مرحوم کا نام سن کر یوں میدان سے فرار ہو گئے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔ نہ ہی انہیں اپنا کوئی چیلنج یاد رہا اور نہ ہی انہیں اپنی لن ترانیاں یاد رہیں انہیں میدان سے دم دبا کر بھاگنے میں ہی عافیت نظر آئی اسی طرح علی گڑھ کے ڈاکٹر اشرف خان نے ''آریہ سماجیوں کے پندرہ سوالوں کے جواب'' لکھ کر عظمت اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔ امین خاندان غزنویہ مولوی عبدالکریم مرحوم گرنتھی نے ''گرونانک اور اسلام'' لکھ کر سکھوں کے مذہب پر اسلام کی حقانیت برتری اور عظمت واضح کر دی الغرض مولانا ثناء اللہ امرتسری مولانا ابراہیم سیالکوٹی ''مولانا ابو القاسم بنارسی اور دیگر علمائے کرام نے آریہ سماجیوں سناتن دھرمیوں اور دیگر غیر مسلم کے افکار و خیالات کے تعاقب میں ان بزرگوں کے اشہب قلم نے خوب چوکڑیاں بھریں اور انگریز کی اس تیار کردہ سازش دام ہمرنگ زمین کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

اہل رفض کی تردید

اہل رفض زمانہ قدیم سے اہل سنت کی مخالفت اور دین میں پیوند کاری کرتے چلے آرہی ہیں ابن سبا کی سازش سے انہوں نے ملحدانہ خیالات کو مذہب کا روپ دے دیا قرآن پاک کی آیات توڑ مروڑ کر من مانے معانی اور مطالب کیئے۔ کلمہ اور اذان میں خود ساختہ کلمات کا اضافہ کیا۔ نماز اور سنتوں کا مذاق اڑایا گیا۔

تراویح کو درخور اعتناء نہ سمجھا گیا۔ شعائر اسلام کی تضحیک کی گئی۔ کربلا نجف اور کاظمین مشہد کے مراقد کی زیارت باعث ثواب گردانی گئیں۔ حج بیت اللہ کو کوئی اہمیت نہ دی گئی اسلام کی وحدت و مرکزیت کو ختم کرنے کے لئے باطل حکمرانوں کے آلہ کار بن کر رہے۔ قرآن پاک کو پاکٹ عثمان قرار دیا گیا بعض مصنفین نے قرآن کے چالیس پارے لکھے امہات المومنین پر جارحانہ اور سنگدلانہ طعن کی گئیں۔ خلافت راشدہ کی ترتیب کو غلط قرار دیا گیا۔ عظمت صحابہؓ کا کھلم کھلا انکار کیا گیا۔ خلافت بلا فصل اور باغ فدک کا فتنہ کھڑا کیا گیا دین داری' خلوص اور تقویٰ کو پس پشت ڈالا گیا۔ حسن بن صباح رافضی نے برگ حشیش نوجوانوں کو پلا کر ان کے ذریعے سینکڑوں بلکہ ہزاروں علماء کو بڑی بے دردی سے شہید کروایا۔ صحاح ستہ کے مقابلے میں خود ساختہ حدیثیں وضع کی گئیں نماز' اذان' کلمہ اور دوسرے مسائل میں اسلام کی خاصی مخالفت کی گئی۔ مساجد کے مقابلے میں امام بارگاہیں بنائی گئیں نماز' روزہ' حج' زکوۃ کی پابندی کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ مشرکانہ رسوم و رواج کی سرپرستی کی گئی۔ کفارۃ الحسین کا عقیدہ گھڑا گیا عزاداری کو واجب ٹھہرایا گیا۔ ماتمی جلوس پوری باقاعدگی سے صدیوں سے جاری و ساری رکھے گئے۔ تعزیئے نکالے گئے۔ باجماعت سینہ کوبی کو شیعہ مذہب کی روح گردانا گیا وغیرہ ذلک ان کے رد میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ شیخ ابن عربی الاندلسی' شاہ عبدالعزیز دہلوی' سید محب الدین الخطیب' مولانا عبدالشکور لکھنوی' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی' ملک عبدالعزیز ملتانی' مولانا سید عبدالرحیم شاہ بخاری آف مخو ضلع فیروز پور' مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری' مولانا دوست محمد قریشی' سید نور الحسن شاہ بخاری' شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید' مولنا محمد صدیق فیصل آباد نے اس باب میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے اور کرہ آسمان میں ان کی دھجیاں اس انداز میں بکھیر کر رکھ دیں اور ایسی ایسی علمی' تحقیقی اور بے مثال کتابیں لکھیں کہ آج تک کوئی رافضی ان کا جواب نہ دے سکا خصوصاً

"منہاج السنۃ' العواصم من القواصم' تحفہ اثنا عشریہ" اور شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر کی کتابیں اس موضوع پر بے مثال اور لاجواب ہیں ان سطور کے راقم کو بھی عظمت صحابہ قرآن کی روشنی میں اور مشاجرات صحابہ پر ایک نظر لکھ کر اور ترجمہ کر کے اکابر کی اس فہرست میں اپنا نام شامل ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ مولانا محمد صدیق فیصل آبادی' مولانا احمد دین گکھڑوی کے مناظرے اور کتابیں ایک بہترین علمی' دینی' تحقیقی اور تبلیغی خدمت ہیں۔ بحمداللہ اہل بدعت کے تعاقب اور تردید میں کبھی اہل حدیث مفاہمت مصلحت اور مفاد کا شکار نہیں ہوئے سیاسی طور پر عالم اسلام نے بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص اہل رفض کا انداز اور طریق کار اسلام دشمنی اور وطن فروشی کے ذیل میں آتا ہے اس موضوع پر مفصل اور مدلل ہماری دوسری کتاب میں آپ ملاحظہ فرمائیں۔

اہل بدعت

جہاں حدیث اور سنت کا فیضان جاری ہوتا ہے وہاں ضمیر فروش علماء اور خود غرض ملاں بدعات کو فروغ دیتے رسم و رواج کی سرپرستی کرتے اور باطل پرست حکمرانوں کے آلہ کار دیکھائی دیں گے۔ حالانکہ رسول اللہ کا ارشاد ہے۔ **من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد** (مشکوۃ شریف) اس کے بعد بدعت نوازی اور اہل بدعت کی تکریم و تعظیم کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ لیکن ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں بدعتی' بدعت نواز اور بدعت کے سرپرست مختلف ناموں سے سنت کی مخالفت کرتے رہے۔ حدیث کے مقابلے میں من گھڑت روایات خانہ ساز رسم و رواج کی سرپرستی کرتے رہے۔ کفریہ عقائد شرکیہ رسوم اور تقلید جامد پر یہ ہمیشہ ناز کرتے رہے۔ ان کے بالمقابل اہلحدیث علماء ہمیشہ سنت کے پاسبان بن کر اسلام کا پرچم سربلند کرتے رہے۔ بدعتوں اور رسم و رواج کے علمبرداروں نے اہل حق اور اہل سنت پر مظالم کے پہاڑ ڈھائے

اور باطل پرست حکمرانوں کے آلہ کار بن کر رہے۔ اس سلسلہ میں محدثین' مولفین سیاح ستہ امام کرخی' شیخ عبداللہ بن مبارک' سفیان بن عینیہ' سفیان ثوری' شیخ عبدالعزیز کنانی' شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ' حافظ ابن قیم' حافظ ابن کثیر' حافظ ابن حجر عسقلانی' امام داؤد ظاہری' امام ابن حزم' شیخ متقی' شیخ طاہر پٹنی' علامہ محمد حیات سندھی' علامہ ابو الحسن سندھی' علامہ عابد سندھی' علامہ صغانی لاہوری' محبوب سبحانی' حضرت مجدد الف ثانی' شیخ احمد فاروقی سرہندی' مرزا مظہر جان جاناں' قاضی ثناء اللہ پانی پتی' حجتہ اللہ فی الارض حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ان کے چاروں صاحب زادگان شاہ اسماعیل شہید' شاہ محمد عمر' شاہ مخصوص اللہ' شاہ محمد اسحاق' شاہ محمد یعقوب' مولانا عبدالقیوم بھوپالی' حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی' مولانا سید عبداللہ غزنوی' مولانا سید عبدالجبار غزنوی' مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی' مولانا حافظ محمد لکھوی' مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری' مولانا عبدالسلام مبارک پوری' مولانا عبیداللہ رحمانی' مولانا نذیر احمد رحمانی' مولانا سلامت اللہ جیراجپوری' مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری' مولانا محمد سعید بنارسی' مولانا عبدلعزیز رحیم آبادی' مولانا حافظ محمد ابراہیم آروی' مولانا عبدالوہاب صدروی' مولانا محمد جونا گڑھی' مولانا محمد سورتی' شیخ محمد مچھلی شہری' نواب سید صدیق حسن خان' نواب محسن یمنی انصاری' مولانا ابو القاسم بنارسی' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی' مولانا حافظ عبداللہ روپڑی' مولانا نور حسین گرجاکھی' مولانا عبدالحق ملتانی' مولانا عبدالتواب ملتانی' استاذ العلماء حافظ محمد گوندلوی' مولانا محمد اسماعیل سلفی' مولانا محمد یوسف کلکتوی' مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری' مولانا محمد صدیق فیصل آبادی' مولانا محمد رفیق مدنپوری' مولانا محمد رفیق پسروری' مولانا ابو مسعود قمر بنارسی' مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی شہید' حضرت حافظ علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید' مولانا محمد اشرف خاں سندھو' قاضی عبدالاحد خانپوری' مولانا فقیر اللہ مدراسی' مولانا عبدالرحمٰن شاہ پوری' مولانا

محمد اسحاق چیمہ' مولانا حافظ عبدالغفور جہلمی' مولانا عبداللہ مظفر گڑھی' مولانا حافظ محمد عبداللہ بہاولپوری کی خدمات نہ صرف لازوال اور غیر فانی ہیں بلکہ تاریخ اہلحدیث کا ایک تاریخی قابل فخر علمی سرمایہ ہیں۔ برصغیر میں بدعت کے علمبرداران میں بے شمار' لاتعداد مولوی حضرات صدیوں کی تاریخ میں پھیلے ہوئے ہیں عصر حاضر میں مولوی احمد رضا خاں بانی فرقہ بریلویہ' مولوی حامد رضا خاں بدایون امروہ الور' بھرت پور' مراد آباد' بانس بریلی' کچھو چھہ' گوجرانوالہ' سیالکوٹ' کوٹلی لوہاراں' اچھرہ' ملتان' بہاولپور' چشتیاں' میرٹھ' کراچی' فیصل اباد' گجرات' راولپنڈی' وزیر آباد اور دیگر مقامات کے سینکڑوں مولوی بدعت کے حامی رسم و رواج کے علمبردار' رسول اللہ کی سنت کے مخالف' کتاب و سنت کی صاف ستھری تعلیمات سے گریزاں۔ بندگان مصلحت و مفاد دلدادگان طمع و لالچ حریصان خود غرضی و ہوائے نفس علمبرداران اختلاف و انتشار حامیان فتنہ و فساد اور آلہ کاراں اصحاب اقتدار و اختیار اور مخالفان توحید مبلغان شرک و خانہ سازان حکایات ہیں ان کے نام اور کام لکھنے سے کتاب کے حجم کے بڑھ جانے کے اندیشے کے پیش نظر ہم ان کے ناموں اور کاموں کی تفصیل بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

فتنہ انکار حدیث

گزشتہ دو صدیوں میں مذہبی بنیادوں پر برصغیر کے مسلمانوں میں جو خلیج حائل کیا گیا اور ان میں دینی جماعتوں میں مذہبی سرپھٹول ان کے انتشار و خلفشار اور ان کی عداوت اختلافات میں انگریز شاطر کی ریشہ دوانیوں سازشوں اور منصوبہ بندیوں کو بہت بڑا دخل ہے۔ فتنہ قادیانیت' فتنہ رفض' فتنہ آریہ سماج' فتنہ مسیحیت میں انگریز کی اشتعال انگیزی اور سیاسی مصلحتوں کو دخل ہے لیکن ان تمام فتنوں کے علمبرداروں کی سرپرستی اور منصوبہ بندی کے باوجود انگریز اپنے مزعومہ مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ چنانچہ اس نے خاصی سوچ

بچار اور غور و فکر کے بعد اسلام کی مسلمات کے خلاف بغاوت و سرکشی کا منصوبہ بنایا۔ چونکہ اسلام کے احکام فرامین اور قرآن پاک کی تمام تر تعلیمات حدیث و سنت کی حصار میں محفوظ ہیں اور جب تک اسلام کے اس قلعہ میں شگاف نہیں ڈالے جاتے اور اسلام کا یہ قلعہ مسمار نہیں کیا جاتا حدیث کو خانہ ساز من گھڑت' وضعی روایات کہہ کر مسلمانوں کے ذہنوں میں تشکیک نہیں پیدا کی جاتی اور سنت کو تاریخ کہہ کر مشکوک نہیں ٹھہرایا جاتا اس وقت تک اسلام کے مسلمات کا انکار قرآن کی تعلیمات سے بغاوت ناممکن ہے اور اس توحید و سنت کے خلاف سرکشی پیدا کرنا قطعی ناممکن ہے۔ چنانچہ انگریز نے ایسے اشخاص و افراد اور رجال کو حدیث و سنت کے خلاف آلہ کار بنایا جو بندگان ہوا و ہوس عباد الدرہم عباد الدینار قسم کے تھے۔ حصول زر اور جلب منفعات ان کی کمزوری تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں واسرائے ہند کے دفتر کے کلرک سے انگریز کے مقاصد کو بروئے کار لانے میں بڑا کردار ادا کیا۔ مولانا عبداللہ چکڑالوی منشی احمد دین امرتسری۔ رفیع الدین ملتانی تمنا عمادی' اسلم جیراجپوری' چوہدری غلام احمد پرویز' علامہ مشرقی محمد حنیف رامے' ڈاکٹر غلام جیلانی برق اور اس قبیل کے یمین و یسار نے کھلم کھلا رسول اللہؐ کی حدیث کا انکار کیا۔ انکار حدیث درحقیقت انکار رسالت کا دوسرا نام ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے کوئی علمی تحقیقی قد و کاوش نہیں کی وہی محدثین کی اگلی ہوئی جو گالی پیش کرتے رہے محدثین علم و دانش' تحقیق و آگہی' تقویٰ و طہارت' تزکیہ اور تدین کے پہاڑ تھے۔ یہ لوگ سب پھکڑ باز انگریز کے گماشتے رسول اللہ کی رسالت کے دشمن حدیث کے منکر' تعلیمات کتاب و سنت کے باغی تھے۔ حالانکہ حدیث وحی خفی' قرآن وحی جلی ہے۔ قرآن وحی متلو اور حدیث وحی غیر متلو ہے۔ قرآن دستور کی بنیادی دفعات کا نام ہے اس کی تشریح صاحب کتاب کے ارشادات سے متعین ہوتی ہے قرآن کریم کی ایک ایک آیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی حجیت اور قطعیت

عیاں ہے۔ حاملین حدیث عاملین حدیث مولفین حدیث اور محدثین کی سیرتوں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ کہاں محدثین کا علم و آگہی توازن' اعتدال' ثقاہت اصابت فکری تقویٰ' تدین اور زہد و ورع کی بلندیاں کہاں ان کی پھکڑ بازی سطحی علم غیر شائستہ زبان اور نامعقول حرکات کی پستیاں۔

چہ نسبت خاک را بعالم پاک

فتنہ انکار حدیث کا نوٹس لینے ان کی بے بضاعتی کی دھجیاں اڑانے ان کی علمی و فکری بے مائیگی کے بخئے ادھیڑنے اور ان کے قلمی ہفوات کو فضائے بسیط میں بکھیرنے کے سلسلہ میں مولانا محمد حسین بٹالویؒ' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا ابو القاسم بنارسی' مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی' مولانا محمد اسماعیل سلفی' مولانا امام خاں نوشہروی' مولانا محمد حنیف ندوی' مولانا نذیر احمد رحمانی' مولانا عطاء اللہ حنیف' پروفیسر عبدالقیوم' مولانا محمد علی قصوری' مولانا حافظ محمد ابراہیم کمیرپوری' مولانا محی الدین احمد قصوری' مولانا عبدالمجید سوہدروی' ملک ہدایت اللہ سوہدروی' مولانا عبداللہ رحمانی' قاضی عبدالرحیم' قاضی کوٹی' مولانا عبداللہ ثانی' مولانا محمد یوسف کلکتوی' مولانا عبدالستار دہلوی' مولانا محمد یونس دہلوی' مولانا ابو سعید شرف الدین محدث دہلوی' مولانا عبدالوہاب آروی' علامہ تقی الدین الہلالی' المراکشی' ملک عبدالرشید عراقی' مولانا اسحاق بھٹی' مولانا ہدایت اللہ ندوی' مولانا ذکر اللہ ذاکر ندوی' مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈا نگری' مولانا سید بدیع الدین شاہ راشدی' مولانا مجاز اعظمی' مولانا عبدالوہاب خلجی' مولانا مختار احمد ندوی' پروفیسر ساجد میر' استاذ العلماء حافظ محمد گوندلوی' مولانا حافظ محمد عبداللہ روپڑی' مولانا عبدالقادر حصاری' مولانا عبدالقیوم ندوی' علامہ سید سلیمان ندوی' قاضی محمد سلیمان منصور پوری' علامہ حافظ احسان الٰہی ظہیر شہید' مولانا ارشاد الحق اثری' مولانا عزیز زبیدی کی اس باب میں خدمات مسلم ہیں ان حضرات نے اس موضوع پر بڑا قیمتی اور قابل قدر مواد اکٹھا کر دیا اور اس موضوع پر بیسیوں کتابیں منظر عام پر آگئی

ہیں۔ حافظ صلاح الدین یوسف اور ان سطور کے راقم کو بھی اس موضوع پر متعدد مضامین لکھنے اور شائع کرنے کی سعادت حاصل ہے۔ بحمد اللہ جماعت کی اس موضوع پر علمی اور دینی خدمات علم و تحقیق کا شہ پارہ اور قیمتی سرمایہ ہے۔

بیسواں باب

عالم اسلام میں تحریک اہلحدیث کے اثرات

لیبیا

عین اسی دور میں جب کہ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ امام محمد بن عبدالوہاب متوفی ۱۲۰۶ھ ایک مصلح کی حیثیت سے کتاب و سنت کی دعوت عام کرنے میں مصروف تھے۔ طرابلس لیبیا میں مجاہد اسلام محمد بن علی سنوسی متوفی ۱۲۷۶ھ نے تجدید احیاء دین کے لئے خوب کام کیا اور تحریک جہاد کی طرح ڈالی۔ ملت کے نوجوانوں کو منظم کیا اور بدیشی حکمرانوں سے ملک کی آزادی کے لئے جہاد و جنگ کی بنیاد رکھی لیبیائی نوجوانوں میں حریت و اخلاص وطن اور مجاہدانہ جنون اور دینی ولولہ تازہ پیدا کیا اور بدیشی حکمرانوں کی ناک میں دم کئے رکھا محمد علی سنوسی بھی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک سے بہت متاثر تھے۔ اب لیبیا میں بظاہر کوئی دینی' اسلامی اور مسلکی تحریک موجود نہیں کیونکہ لیبیا میں ڈکٹیٹر شپ جاری ہے یہاں نہ تنظیم سازی اور نہ ہی قیام جماعت کی اجازت ہے حکومت نے ہر بننے والی تنظیموں پر سخت پابندی لگا رکھی ہے البتہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے چند فضلاء نہایت خاموشی سے منہج سلف کو پھیلا رہے ہیں مگر ان کا نہ کوئی دفتر ہے نہ مجلہ ترجمان ہے۔

الجزائر

الجزائر میں امیر عبدالقادر الجزائری نے امام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک احیائے دین اور کتاب و سنت کی دعوت سے متاثر ہو کر الجزائری نوجوانوں کو دین کی دعوت دی ان میں دینی انقلاب پیدا کیا ان کے فکر و نظر میں بنیادی تبدیلیاں پیدا کیں ان میں جذبہ جہاد کو ابھارا اور ان میں مجاہدانہ سپرٹ پیدا کی اور وہ خود

خلوص سے دین کے حامل اور عامل تھے اس لئے الجزائری نوجوانوں کو اپنے دینی رنگ میں رنگ لیا اور ان کا انداز زیست تبدیل کیا قرآن و حدیث اور کتاب و سنت کی تعلیمات کو عام کیا۔ اپنے غلام ملک کو آزاد کرانے کے لئے ان میں ولولہ تازہ پیدا کیا ان میں اس قدر ہمت و حوصلہ پیدا کیا کہ وہ فرانس جیسے سامراج ملک سے ٹکرا جائیں امیر عبدالقادر خود تو ۱۳۰۰ھ بمطابق ۱۸۸۳ء میں وفات پا گئے لیکن الجزائری عوام کے دلوں میں کتاب و سنت کی ایک جوت جگا گئے اور ایسا مسلح گروہ پیدا کر گئے جس نے قوت بازو سے فرانس جیسی سپر طاقت کو شکست فاش دی علامہ بشیر الابراہیمی اور احمد بن بلا اسی جماعت سے تعلق رکھنے والے تھے اب بھی الجزائر کا اسلامی فرنٹ اس فکر اہلحدیث کا علمبردار ہے۔ امریکہ کی بدمعاشی سے فوجی حکومت کا نشانہ ستم بنا ہوا ہے۔ الحمدللہ الجزائر میں سلفی تحریک نہایت محرک اور منظم ہے الجزائر کے سلفی نوجوان اور سلفی علماء "الجنتہ الاسلامیتہ للانقاذ" کے تحت دعوت و ارشاد کا کام کر رہے اور سیاسی طور پر بھی بھرپور کردار ادا کرنے میں مصروف ہیں الشیخ عباس مدنی اور الشیخ علی بلحاج ان کی قیادت فرما رہے ہیں ان کے باقاعدہ دفاتر موجود ہیں ملک بھر میں ان کی شاخیں قائم ہیں۔

مصر و سوڈان

مصر و سوڈان میں بھی شیخ محمد بن عبدالوہاب کے دینی انقلاب کا فیضان عام پہنچا اور مصر کے ساتھ ساتھ سوڈان میں بھی سلفی تحریک پورے جوش و خروش کے ساتھ رواں دواں ہے اور مصر کی طرح سوڈان میں بھی جمعیت انصار السنہ المحمدیہ کے نام سے منظم ہے۔ بحمداللہ انصار السنہ محمدیہ کی شاخیں پورے ملک میں موجود ہیں اور پورے ملک میں ان کی عام مساجد کے ساتھ ساتھ کئی ایک مدارس اور معاہد چل رہے ہیں اور سلفی طریق سے نسل نو کی دینی تربیت جاری کئے ہوئے ہے۔ سوڈان ایک خاصا وسیع ملک ہے بحمداللہ پورے ملک میں

اہلحدیث کا نہ صرف وجود قائم ہے بلکہ دینی حلقوں میں سلفی بھائی ایک موثر قوت کی حیثیت رکھتے ہیں اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے بہت سے فضلاء اپنی دینی اور مسلکی ذمہ داریوں سے غافل نہیں۔ سلفیوں کی قوت کے ساتھ ساتھ انہیں سوڈان میں خاصی مشکلات اور رکاوٹوں کا بھی سامنا ہے۔ خصوصاً" صوفیائے کرام وہاں ایک بہت بڑی بے دینی کا باعث ہیں اور آئے روز سلفیوں سے ٹکراتے رہتے ہیں۔ الشیخ محمد ہاشم الھدیہ' الشیخ احمد ناجی' الشیخ محمد ابو زید محمد حمزہ اور الشیخ محمد یونس سلفی منہج سلفی فکر' سلفی دعوت' سلفی منشور اور سلفی مسلک کو پھیلانے میں شب و روز مصروف ہیں۔

مسلک اہلحدیث کے فروغ کے لئے مردان کار نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے فکر اہل حدیث کے عاملین و حاملین کی مساعی نے مصر و سوڈان کی دینی بیداری کتاب و سنت کے رواج قرآن و حدیث کی تعلیمات کے پھیلاؤ میں مرکزی کردار ادا کیا۔ مصر میں مفتی دیار مصر شیخ محمد عبدہ' علامہ سید رشید رضا' علامہ حامد فقی' علامہ سید محب الدین الخطیب کی خدمات ناقابل فراموش ہیں ان کی لسانی صلاحیتیں اور قلم کی توانائیاں مسلک اہلحدیث کے فروغ کے لئے وقف رہیں' مصر و سوڈان میں جماعت اہل حدیث کو انصار السنہ محمدیہ کے نام سے منظم کیا جو بحمداللہ آج بھی مصر و سوڈان میں بڑی تندہی سے کام کر رہے ہیں۔

اہل حدیث کی اس دینی تحریک کی صدائے بازگشت دیگر آس پاس کے عرب ملکوں میں بڑے شد و مد سے سنی گئی اور آج پورے عرب ممالک میں اس تحریک کے برگ و بار محسوس اور مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔

یمن

یمن سعودی عرب کے جنوب میں واقع ہے۔ جنوبی یمن شمالی یمن کے نام سے وہ مشہور تھا۔ اب دونوں یمن متحد ہو گئے ہیں۔ جنوبی و شمالی یمن کی دوئی ختم

ہو گئی ہے ظاہر ہے نجد سے ملحق ملک وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تعلیمات اور دعوت سے کیسے محروم رہ سکتا تھا۔ چنانچہ یمن جس کے حکمران زیدی شیعہ امام تھے اور عوام کی اکثریت سنی تھی۔ خصوصاً" جنوبی یمن اور کوہستانی یمن وہاں مسلک اہلحدیث کا فروغ' عقیدہ سلف صالحین کا پھیلاؤ' توحید کی اشاعت اور سنت سے تمسک غیر معمولی بات ہے۔ امیر محمد بن اسماعیل کحلانی ثم صنعانی ۱۰۵۹ھ میں کحلان میں پیدا ہوئے۔ پھر اپنے والد کے پاس صنعاء میں منتقل ہو گئے جو یمن کا پایہ سلطنت تھا۔ وہاں کے علماء اور اصحاب علوم و فنون سے اپنا جیب داماں بھر لیا۔ پھر مکہ اور مدینہ منورہ میں علمی رحلت فرمائی اور وہاں کے اکابر علماء سے فن حدیث میں درک حاصل کیا۔ یہاں تک کہ اپنے معاصرین سے ہر اعتبار سے فائق ہو گئے اور صنعاء میں ان کے علم و فضل کا سکہ رواں ہو گیا۔ اللہ نے علوم دین میں انہیں مجتہدانہ بصیرت عطا فرمائی۔ وہ کتاب و سنت کے دلائل سے قائل ہوتے اور کتاب و سنت کے دلائل سے مخاطب کو قائل کرتے۔ تقلید سے شدید متنفر ہو گئے تھے۔ کتاب و سنت کے بغیر فقہاء کی کسی بات کو تسلیم نہ کرتے۔ تقلید کی بغاوت کی وجہ سے انہیں اپنے زمانے میں بہت سی تکالیف اور آزمائشوں کا سامان کرنا پڑا۔ مخالفین نے اس سلسلہ میں ان کے خلاف سرکار و دربار کے باب عالی پر دستک دی اور انہیں گرفتار کروایا۔ لیکن وہ ایک پرعزم' بااعتماد اور پریقین داعی کی طرح زمانے کی ظلمت و تاریکی میں کتاب و سنت کی شمع فروزاں رکھتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مخالفین کے شر سے انہیں ہمیشہ محفوظ رکھا۔ یمن کے حکمران امام منصور نے انہیں صنعاء کی جامع مسجد کی خطابت پر فائز کیا۔ وہاں وہ ہمیشہ تقریراً" تدریساً" افتاء اً" اور تصنیفاً" کتاب و سنت کی تعلیمات کو پھیلاتے رہے اور احقاق حق اور ابطال باطل میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ان کے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ دین کے سلسلہ میں اللہ کی رضا و خوشنودی ہمیشہ ان کے لئے پیش نظر رہی۔ لوگوں کی رضا اور عدم رضا کبھی ان پر اثر انداز نہیں ہوئی۔

بے شمار خلق خدا نے ان سے دینی استفادہ کیا اور ان کے فیضان سے مالا مال ہوئے۔ بے شمار اہل علم نے ان سے کتب حدیث پڑھیں اور ان کے اجتہادات کو عملی جامہ پہنایا حالانکہ وہ فتن اور شر کا دور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہمیشہ کامیابی سے ہمکنار کیا۔ ان کی بہت علمی تصنیفات ہیں جیسا کہ سبل السلام شرح بلوغ المرام۔ ان کی اور متعدد تحقیق اور علمی تصنیفات موجود ہیں وہ خود سخن ور اور سخن شناس تھے اور ان کا ادبی شوق قابل رشک تھا۔ وہ عمدہ شعر کہہ لیتے تھے۔ وہ علمی مباحث اور مذاکرے میں اپنے معاصرین پر برتر مقام رکھتے تھے۔ یمن کے مجددین اور داعین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ان کی وجہ سے اللہ نے مسلک اہل حدیث اور فکر محدثین کو خوب فروغ دیا۔ عقیدہ سلف کی تبلیغ اور افکار ابن تیمیہؒ کے فروغ میں ان کا کردار مثالی تھا۔ رفع الیدین اور دیگر سنتوں کی ادائیگی میں وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب سے ان کی توحید و سنت کی اشاعت اور عقیدہ سلف صالحین کے فروغ سے وہ نہ صرف متاثر تھے بلکہ ان کی شان میں بڑا فاضلانہ قصیدہ بھی کہا۔ جس کے چند اشعار ذیل میں درج ہیں۔

علم کا یہ نیر تاباں، تحقیق و دانش کا یہ پہاڑ اور توحید و سنت کا یہ بحر بے کنار جو شعبان ۱۱۸۲ھ میں فوت ہو گیا۔ (سبل السلام)

اسی طرح امیر محمد بن اسماعیل یمانی نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت پر ایک وجد آفرین قصیدہ لکھا۔ جو اہل علم میں بہت مقبول ہوا اس کا مطلع یہ ہے۔

سلامی علی نجد ومن حل بالنجد
وان کان تسلیمی علی البعد لا یجدی

اس قصیدہ میں شیخ کی مدح بدعات کی برائی اور وحدت الوجود کے عقیدہ کی پرزور تردید اور بہت سی مفید باتیں ہیں امیر محمد بن اسمٰعیل کو شیخ کی دعوت سے زیادہ خوشی اس لئے ہوئی کہ وہ اس سے پہلے اپنے کو اس باب میں منفرد خیال

کرتے تھے۔ جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہو رہا ہے۔

لقد سرنی ماجاء نی من طریقه
وکنت اری هذی الطریقة لی وحدی

شیخ کو امیر یمنی کے قصیدے اور تائید سے بڑی تقویت ہوئی۔ بعض رسالوں میں انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ (محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح)

امام شوکانیؒ

امام محمد بن علی شوکانی ۱۱۷۲ھ میں شوکان یمن میں پیدا ہوئے جو کہ خولان قبائل میں ایک مشہور و معروف گاؤں تھا اسی کی طرف وہ منسوب ہیں۔ صنعاء سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ قاموس میں لکھا ہے کہ شوکان بحرین کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سرمس اور ابیوض کے درمیان یمن کا ایک قلعہ تھا حقیقت میں امام شوکانی کی شوکان کی طرف نسبت ضرور ہے لیکن ان کا اور ان کے اباؤ اجداد کا وطن کوہ ہجرہ میں شوکان نام کے چشمہ کے قریب واقع تھا۔ امام شوکانی نے اپنے باپ کے پاکیزہ ماحول میں تربیت حاصل کی اور صنعاء کے مشہور علماء سے علم حاصل کیا۔ پھر اپنے کو قرآن پاک کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔ صنعاء کے مشہور حفاظ سے قرآن حفظ کیا اور قرآن کا اختتام معروف فقیہہ حسن بن عبداللہ الحنبلی سے کیا اور قرآن کے مشائخ سے تجوید پڑھی آپ نے علوم فقہ امام مہدی سے فرائض عصیفری سے ادب حدیث کافیہ شافعیہ ابن حاجب سے التہذیب علامہ تفتازانی سے اور التلخیص اور علوم بلاغۃ قزوینی سے الغایہ ابن الامام سے مختصر ابن حاجب سے اصول فلسفہ اور الجزری کی قرات میں منظومۃ الجزری اور منظومۃ الجزار علم عروض میں بحث و مناظرہ امام العفیری سے پڑھا۔ انہیں مطالعہ کا بہت شوق تھا تاریخ اور مجامع کے

بھی بہت شوقین تھے ہر وقت کتاب ان کی بغل میں ہوتی ان کا کوئی لمحہ بھی مطالعے کے بغیر نہ گزرتا۔ امام شوکانیؒ نے اپنے والد محترم عصفیری علامہ عبدالرحمٰن بن قاسم المدائنی علامہ احمد بن عامر الحدائی علامہ احمد بن محمد الجزاری شیخ ابن مظفر علامہ اسماعیل بن الحسن بن احمد الحسن ابن الامام قاسم بن محمد علامہ عبداللہ بن اسماعیل نہمی علامہ قاسم بن یحییٰ خولانی آپ کے مشہور اساتذہ ہیں امام شوکانیؒ سے ان کے بیٹے علی بن محمد شوکانی علامہ حسین بن محسن سبعی انصاری الیمانی علامہ حسن تجی شیخ عبدالحق محدث بنارسی امام محمد بن ناصر الحازمی شیخ منصور رحمان دہلوی' مولانا ولایت علی صادق پوری' مولانا عبدالحیٔ بڈھانوی' شیخ محمد عابد سندھی آپ کے مشہور تلامذہ ہیں۔

یہ سب آپ کے تلامذہ اور آپ کے فیضان سے جھولیاں بھرنے والے علماء ہیں آپ شروع میں مذہبا" زیدی تھے اور ذہن تقلید کی طرف بہت مائل تھا اس موضوع پر انہوں نے بڑی عظیم الشان کتابیں تصنیف کیں وہ اپنے مسلسل علم و مطالعہ کی وجہ سے درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے بالاخر ان کے ذہن کی توجہ تحقیق کی طرف لوٹی اور پھر تقلید کی بندھنوں سے آزاد ہو چکے تھے کتاب و سنت کے دلائل سے مسائل حل کرتے تھے اپنے علم و مطالعہ اور دلائل و براہین کی وجہ سے معاصرین پر چھا جاتے جس مسئلے کا کوئی ثبوت نہ ہوتا اسے چھوڑ دیتے تقلید جامد کے متوالوں کو ان کی یہ حریت فکر پسند نہ آئی وہ ہمیشہ دین ملاں فی سبیل اللہ فساد کے تحت ہی ان کی مخالفت کرتے تقلید کے رد میں آپ نے "القول المفید فی حکم التقلید" نامی کتاب لکھ کر قصر تقلید میں زلزلہ برپا کر دیا غالی مقلدین اور اباحیت پسند لوگوں نے ان کی شدید مخالفت شروع کر دی۔ صنعاء کے حکمرانوں نے ان شورش پسندوں کی حوصلہ افزائی کی یوں امام شوکانی کو خاصا پریشان کیا۔ درسا" حدیث پڑھنے کے بعد ان کے نقطہ نظر میں بنیادی تبدیلیاں آگئیں ان کا فکر و نظر سلف صالحین کے مطابق ہو گیا وہ عقیدہ سلف کے علمبردار بن گئے فکر محدثین اور

افکار ابن تیمیہؒ سے بہت متاثر تھے پوری زندگی علم کی اشاعت دین کی سربلندی کتاب و سنت کے فروغ مسلک اہل حدیث کی اشاعت علم کی تعلیم و تدریس میں صرف کی۔ بڑے بڑے باکمال لوگوں نے ان کی خوشہ چینی فرمائی۔ زیدیت سے بالکل دست بردار ہو گئے بہت سی قیمتی کتابیں لکھیں پوری زندگی اعلائے کلمۃ اللہ میں صرف کی نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار من احادیث سید الاخیار ان کی تصنیف نے نہ صرف انہیں عالمی شہرت دی بلکہ اس کتاب سے انہیں حیات سرمدی ملی اس میں ان کے اجتہادات ان کا نقطہ نظر ان کی وسعت علم ان کے مطالعہ سے نمایاں ہیں تمام اکابر علماء اہل حدیث مسائل بتانے اور فتویٰ لکھنے میں نیل الاوطار کا ضرور مطالعہ کرتے ہیں یہ فقہ الحدیث کا بہترین نمونہ ہے۔ امام شوکانی کی وساطت سے ہندوستان یں مسلک اہل حدیث کو خوب فروغ ملا کیونکہ اکابر علماء اہل حدیث بالواسطہ یا بلا واسطہ ان کے تلامذہ میں شامل تھے۔ (نیل الاوطار الامام شوکانی) اردو میں سب سے پہلے شیخ مکرم مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی مرحوم نے سیرت امام شوکانی لکھ کر اردو دان طبقہ کو جو قیام پاکستان سے پہلے شائع ہو گئی تھی ان سے روشناس کرایا اب صنعاء یونیورسٹی یمن میں شعبہ اصول تربیت کے رئیس ڈاکٹر عبدالغنی نے الامام شوکانی حیاتہ و فکرہ کے عنوان سے بڑے سائز کے ۶۸۷ صفحات پر مشتمل ان کی سوانح حیات لکھ کر ملت اسلامیہ پر بہت بڑا احسان فرمایا آپ جمادی الاخری ۱۲۵۰ھ میں صنعاء میں فوت ہوئے یمن میں مسلک اہل حدیث کو فروغ امیر محمد بن اسماعیل صاحب سبل السلام اور امام شوکانیؒ کی وجہ سے ہوا ہے۔ (سیرت امام شوکانی مصنفہ مولانا عطاء اللہ حنیفؒ)

نواب حسین بن محسن انصاریؒ خزرجی الیمانی

شیخ حسین بن محسنؒ انصاری مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج کے چشم و چراغ تھے

پھر یمن منتقل ہو گئے اور شیخ حسین بن محسنؒ انصاری ۱۲۴۵ھ میں یمن میں پیدا ہوئے تیرہ سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز کیا اکیس برس کے بعد فراغت حاصل کی یعنی تعلیم کے حصول میں مسلسل آٹھ سال صرف کیئے آپ کے اساتذہ میں علامہ سید حسن بن عبدالباری آپ کے بڑے بھائی قاضی محمد بن محسنؒ امام شوکانی کے صاحبزادے قاضی احمد شیخ محمد بن محمد الحازمیؒ مشہور ہیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد وہیں تدریس شروع کر دی مجدد الوقت مجتہد العصر علامہ النواب سید صدیق حسنؒ خاں قنوجی کے تقاضے اور مطالبے پر بھوپال تشریف لے آئے بھوپال ان دنوں میں وسطی ہند کا علمی بغداد تھا دور دراز سے باکمال لوگ اور اہل علم سمٹ کر بھوپال پہنچ رہے تھے نواب حسین بن محسن انصاریؒ کا فیضان بھی بھوپال میں شروع ہو گیا یگانہ روزگار اور نا.بغہ زماں شخصیتوں نے آپ کے مئے کدہ علم سے خم کے خم لنڈھائے آپ سے استفادہ کرنے والی شخصیتوں میں بے شمار اہل علم کے ساتھ ساتھ نواب سید صدیق حسن خاں علامہ شمس الحق ڈیانوی نواب وقار نواز جنگ' مولانا عبدالحئیؒ لکھنوی' مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری' مولانا سلامت اللہ جیراج پوری' علامہ محمد طیب مکی' مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی' مولانا محمد بشیر سہوانی' شیخ اسحاق بن عبدالرحمٰن نجدی شیخ ابو الخیر احمد المکیؒ جیسی نامور شخصیتیں بھی ہیں۔ (حیات عبدالحئیؒ)

علامہ شمس الحق ڈیانوی مرحوم نے غایتہ المقصود کے مقدمہ میں لکھا کہ

وجدتہ بحرا ذخارا لا ساحل لہ۔ کہ میں نے انہیں علم و فضل میں بحر بیکراں پایا۔

حیات عبدالحئیؒ میں مولانا سید ابو الحسن ندوی حفظ اللہ نے لکھا شیخ حسین بن محسن انصاریؒ کا وجود اور ان کا درس حدیث نعمت خداوندی تھا جس سے ہندوستان اس وقت بلاد مغرب اور یمن کا ہم سر بنا ہوا تھا اور اس نے ان جلیل القدر شیوخ حدیث کی یاد تازہ کر دی تھی جو اپنے خداداد حافظہ علو سند اور کتب حدیث و رجال پر عبور کامل کی بنا پر خود ایک زندہ کتب خانہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ شیخ

حسینؒ بیک واسطہ علامہ محمد بن علی شوکانی صاحب نیل الاوطار کے شاگرد تھے اور ان کی سند حدیث بہت عالی اور قلیل البسائط سمجھی جاتی تھی۔ (حیات عبدالحیؒ)

مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ نے یہ بھی لکھا کہ یمن کے جلیل القدر اساتذہ حدیث کے تلمذ و صحبت غیر معمولی حافظہ جو اہل عرب کی خصوصیت چلی آرہی ہے۔ سالہا سال تک درس و تدریس کے مشغلہ اور طویل مصاحبت ان یمنی خصوصیات کی بنا پر جن کی عظمت و حکمت شہادت احادیث صحیحہ میں موجود ہے حدیث کا فن گویا ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا تھا اور ان کے دفتر ان کے سینہ میں سما گئے تھے۔ وہ ہندوستان آئے۔ تو علماء و فضلاء جن میں سے بہت سے صاحب درس و صاحب تصنیف بھی تھے نے پروانہ وار ہجوم کیا اور فن حدیث کی تکمیل کی اور ان سے سند لی۔ میرے استاد حدیث مولانا حیدر حسن خان ٹونکیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء جو شیخ صاحب کے شاگرد تھے فرماتے تھے کہ فتح الباری جس کی تیرہ ضخیم جلدیں ہیں اور ایک مقدمہ کی علیحدہ جلد ہے وہ شیخ صاحب کو حفظ تھی۔ (حیات عبدالحیؒ)

شیخ حسین بن محسن انصاریؒ کے پوتے علامہ خلیل عرب جو لکھنؤ یونیورسٹی کلکتہ یونیورسٹی اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں شعبہ عربی کے پروفیسر رہے راقم کو ان کی زیارت کا شرف اور خدمت کی سعادت حاصل ہے۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی چوتھی سالانہ اہل حدیث کانفرنس گوجرانوالہ ان کی صدارت میں منعقد ہوئی اور شعبہ خواتین کی صدارت ان کی نامور صاحبزادی علامہ عطیہ خلیل نے فرمائی۔ گوجرانوالہ کانفرنس سے فراغت کے بعد قریباً" ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ موصوف نے مولانا سید داؤد غزنوی مرحوم متوفی دسمبر ۱۹۶۳ء کے پاس شیش محل روڈ لاہور میں گزارا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی کے مشورہ اور مولانا غزنوی مرحوم کے حکم سے مجھے ان کی خدمت کے لئے مامور کیا گیا۔ علامہ خلیل عرب مرحوم کی دوسری صاحبزادی علامہ رقیہ بھی بڑی عالمہ' فاضلہ اور محدثہ تھیں۔ علامہ خلیل عرب

مرحوم نماز فجر کے بعد مجھے ہمراہ لے کر مولانا محی الدین احمد قصوری مرحوم متوفی ۱۹۷۶ء پیدل سیر کرتے ان کے گھر لے جایا کرتے اور فرماتے نماز فجر کے بعد پیدل سیر یہ میرا زندگی بھر کا معمول ہے مجھے فرمایا اگر تم میرے پاس کراچی آجاؤ تو میں تمہیں ایک سال میں عربی اردو کا ادیب بنا دوں گا۔ وائے بدنصیبی خواہش اور کوشش کے باوجود میں ان سے استفادہ نہ کر سکا اور ان کے فیضان سے محروم رہا۔ علامہ خلیل عرب کی زیارت اور ان کی خدمت سے واقعتاً" اس عظیم علمی' دینی اور یمنی خاندان کی علمی عظمتوں' دینی رفعتوں اور مجلسی سربلندیوں کا اندازہ ہوتا تھا۔

مراکش

مراکش قدیم عرب ملک ہے۔ جو شمالی افریقہ کے آخری مغربی علاقہ میں واقعہ ہے اسے المغرب بھی کہتے ہیں وہاں کا ایک علاقہ شنقیط کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں اب بھی بڑی نامور شخصیتیں موجود ہیں۔ جنہیں علوم و فنون پر کامل عبور و استحضار حاصل ہے۔ ان کی ذہانت و فطانت اور مضبوط حافظہ بین الاقوامی شہرت رکھتے ہیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ وہ سب اہل حدیث ہیں۔ مراکش میں اہل حدیث تقریباً پچاس فیصد کی تعداد میں موجود ہیں۔ مراکشیوں پر سنت کی چھاپ نمایاں ہے۔ پنجاب یونیورسٹی میں پروفیسر محمد عرب سالہا سال استاد رہے وہ خالص سلفی تھے اور مراکش کے رہنے والے تھے اور علامہ تقی الدین الہلالی مراکش کے چھوٹے بھائی اسی طرح علامہ تقی الدین الہلالی مراکشی جو بغداد یونیورسٹی' مدینہ یونیورسٹی اور مراکش کی یونیورسٹیوں میں سالہا سال تک پروفیسر رہے۔ برلن یونیورسٹی جرمنی میں بھی وہ استاد رہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بھی تقریباً چار سال تک قیام رہا۔ ندوہ میں عربی کو فروغ اور عربی کا ماحول ان کی مساعی کا نتیجہ تھا۔ مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم' مولانا محمد ناظم ندوی اور مولانا سید ابو

الحسن علی ندوی ان کے ہی تربیت یافتہ ہیں اور انہی کی سرپرستی میں ندوہ سے ایک معیاری علمی تحقیقی عربی مجلّہ "الضیاء" کے نام سے شروع کیا گیا۔ علامہ تقی الدین الہلالی مراکشی خالص سلفی اور پختہ فکر اہل حدیث عالم تھے۔ وہ جہاں جہاں رہے۔ اپنے تلامذہ پر فکر محدثین اور مسلک سلف کا رنگ چڑھاتے رہے۔ چونکہ مراکش پر فرانس کا قبضہ تھا۔ نوجوانی میں علامہ ہلالی انقلابی شخصیت کے مالک تھے فرانس کے خلاف نوجوانوں کو منظم کرتے رہے اور ان کے شعور و آگہی میں پختگی پیدا کرتے رہے۔ فرانس ان جیسے انقلابی علماء کو کب برداشت کرنے والا تھا۔ اس نے انہیں گرفتار کر لیا اور کافی عرصہ موصوف پوری پامردی سے ملک کی آزادی کے لئے زندان خانوں میں رہے۔ پھر انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ موصوف جہاں رہے ملک کی آزادی کے لئے ہمیشہ مضطرب رہے۔ ملک کی آزادی کے لئے سیماب صفت رہ کر اپنی خدمات بجا لاتے رہے۔ غالباً" ۱۹۵۴ء میں پاکستان میں تشریف لائے تھے ۱۹۸۷ء میں وہ مراکش میں وفات پا گئے۔ ان کے اٹھ جانے سے اہل حدیث عالمی شہرت رکھنے والے علمی شخصیت سے محروم ہو گئے۔ عرب ملکوں کی مصیبت یہ ہے کہ نہ وہاں سیاسی جماعت بنانے کی اجازت ہے اور نہ دینی اور مذہبی لوگوں کو منظم کیا جا سکتا ہے۔ ملوک و سلاطین نہ تنقید گوارہ کرتے ہیں اور نہ ہی رائے عامہ کو اظہار رائے اور منظم ہونے کی اجازت دیتے ہیں۔ یہی حال عرب کے فوجی حکمرانوں اور نام نہاد جمہوریتوں کا ہے چونکہ مراکش میں بھی ملوکیت ہے اس لئے ہمارے سلفی بھائی بھی وہاں کسی تنظیم اور جماعت کے بغیر انفرادی طور پر مسلک سلف کو پھیلانے میں مصروف ہیں۔ خصوصاً" الشیخ عبدالہادی حمیتو' الشیخ محمد الرافعی' الشیخ محمد بن الصدیق' الشیخ محمد زحل' مسلک اہلحدیث کی اشاعت کے لئے شب و روز بڑے پرجوش ہیں اور الفرقان کے نام سے ایک مجلّہ بھی نکال رہے ہیں۔ الشیخ محمد مستنصر مجاہد صفت نوجوان ہیں بڑی گرم جوشی سے مسلک کی اشاعت کا کام کر رہے ہیں مجلّہ "النور" کے نام سے

علمی، تبلیغی اور دینی رسالہ بھی جاری کئے ہوئے ہیں محمد خامس یونیورسٹی رباط میں کلیتہ الدارستہ کلیتہ الشریعتہ میں سلفی عقائد کو اہمیت حاصل ہے اسی طرح قسطوان میں کلیتہ اصول الدین مسلک سلف کی اشاعت میں بنیادی کردار ادا کر رہا ہے۔

عراق

عرب کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ زرخیز و شاداب ملک ہے۔ دریائے دجلہ اور فرات اسے سیراب کرتے ہیں۔ دریائے شط العرب عراق، ایران میں حد بندی کا کام دیتا ہے اور اس میں جہازرانی بھی ہوتی ہے۔ بصرہ کی کھجوریں بین الاقوامی شہرت رکھتی ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے عراق فتنوں کا منبع اور شرور و حوادث کا سرچشمہ رہا ہے۔ جنگ جمل اور صفین اسی سرزمین میں لڑی گئیں۔ سیدنا علی مرتضیٰؓ اور سیدنا حسنؓ بن علیؓ کو ان کوفیوں لایوفیوں نے شہید کیا۔ سیدنا حسینؓ بن علیؓ اور ان کے ۷۲ رفقا کو دریائے فرات کے کنارے پر شہید کیا گیا۔ جنگ نہروان بھی سرزمین عراق میں لڑی گئی۔ خوارج، معتزلہ، جہمیہ، قدریہ کے افکار کے علمبرداروں کی اکثریت بھی اس سرزمین سے تعلق رکھتی تھی۔ فتنہ خلق قرآن کا مرکز و مصدر بھی عرق تھا۔ اہل الرائے، اہل الفقہ کی غالب اکثریت بھی سرزمین عراق سے تعلق رکھنے والی تھی۔ فکر و نظر عقائد و اعمال کے بیشتر فتنے بھی اسی سرزمین سے اٹھے۔ کربلائے معلّٰی جو شیعہ کے نزدیک مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لئے قبلہ کی حیثیت رکھتا ہے وہ بھی اسی سرزمین میں واقع ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی جنہیں برصغیر کے لوگ غوث اعظم کا نام دیتے ہیں ان کا مرقد بھی بغداد میں ہے۔ عراقی لوگ سیاسی طور پر بیدار مغز اور باشعور لوگ ہیں۔ تقریباً سوا دو کروڑ کی آبادی ہے۔ عراق سے تیل بھی [illegible] ہے۔ عراق تیل میں نہ صرف خود کفیل ہے بلکہ ان کی معاشیات و اقتصادیات کا انحصار بھی تیل پر ہے

عالم اسلام میں ایک مضبوط عسکری ملک تھا جسے امریکہ' برطانیہ' فرانس اور دیگر ۳۰ ملکوں نے صلیبی جنگ (خلیجی جنگ) میں اسے بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ ملک کی اکثریت حنفی المذہب مسلمان ہے۔ ۳۰ اور ۳۵ فیصد کے درمیان عراق میں شیعہ بھی بستے ہیں۔ تیسرے نمبر پر تیسری بڑی تعداد اہل حدیث حضرات کی ہے۔ اہل عراق' اہل حجاز سے تمسک بالسنہ میں ہمیشہ پیچھے رہے ہیں۔ امام اہل سنت امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر محدثین کی وجہ سے عقیدہ سلف و صالحین کو ماننے والے تعامل صحابہؓ اور سنت پر مرمٹنے والے لوگ ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ اب بھی زبیر اور کرکوک کے شہر اہل حدیثوں کے بہت بڑے مرکز ہیں۔ صلیبی جنگ سے پہلے عراق کے بہت بڑے اہل حدیث عالم پاکستان تشریف لائے اور ماموں کانجن بھی تشریف لائے تھے۔ صالح سامرائی ان کا اسم گرامی تھا۔ بغداد اور بصرہ میں بھی اہل حدیث فکر کے حامل اور اہل حدیث مساجد موجود ہیں اور بڑی بارونق ہیں۔ بحمداللہ عراق کے خالی الذہن نوجوان روز بروز تحریک اہل حدیث سے نہ صرف متاثر ہو رہے ہیں بلکہ اس میں شمولیت کر رہے ہیں۔ علامہ تقی الدین الہلالی المراکشی کئی سال بغداد یونیورسٹی میں پروفیسر رہے۔ ان کی وجہ سے بھی عراقی نوجوانوں نے خاصی بڑی تعداد میں مسلک اہل حدیث کو قبول کیا اور اس کے ہم نوا ہو گئے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ' امام حافظ ابن قیمؒ' امام ابن حجر عسقلانیؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے افکار و نظریات کے اثرات خاصے موجود ہیں۔ مسلک اہل حدیث کی صداقت اور حقانیت خالی الذہن عراقی نوجوانوں میں پھیل رہی ہے۔

شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ کے دوست ڈاکٹر محمد شریف مئی ۱۹۸۵ء میں پاکستان اہلحدیث کانفرنس ماموں کانجن کے موقعہ پر علامہ مرحوم کی دعوت پر جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں تشریف لائے تھے۔ جو بعد میں عراق کے وزیر مذہبی امور بھی بن گئے تھے علامہ مرحوم سے تعلق اور الدکتور عبداللہ المحسن

الترکی کی ہم نشینی سے وہ کاروان عمل بالحدیث میں شامل ہو چکے ہیں۔ بحمداللہ عراق میں مسلک اہلحدیث روبہ ترقی ہے۔ عراقی کردوں میں بھی مسلک اہل حدیث تیزی سے پھیل رہا ہے۔

ترکی

ترکی جو آدھا یورپ اور آدھا ایشیا میں ہے پر کئی خاندان حکمران رہے۔ آخرا عثمانی ترکوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ عباسی خلافت کے بعد وہ اپنے کو خلیفہ کہلانا شروع ہوئے اور یہ خلافت عثمانیہ کا سلسلہ ۱۹۲۲ء تک جاری رہا۔ وسط ایشیا اور عرب ملک ان کے صوبے رہے۔ مشرقی یورپ کی سترہ بلقانی ریاستوں پر بھی وہ کئی سو سال داد حکمرانی دیتے رہے۔ مصطفیٰ کمال پاشا نے خلیفہ عبدالحمید کی حماقتوں اور عرب ملکوں کے ردعمل میں خلافت عثمانیہ کی روائے مقدس کو تار تار کر دیا اور یورپ کے اس مرد بیمار کو جمہوری ملکوں کی صف میں لا کھڑا کیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا فوجی تھا۔ اس نے غصہ میں آکر عربی رسم الخط ختم کر دیا۔ لاطینی رسم الخط جاری کر دیا۔ حج بیت اللہ پر بندش لگا دی گئی۔ عربی زبان میں لکھنا پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا۔ دینی مدارس بند کر دیئے گئے۔ دینی تعلیم کے حصول پر پہرے بٹھا دیئے گئے پردہ موقوف کر دیا گیا یورپین لباس پہننا لازمی قرار دیا گیا۔ بے دینی کو فروغ دیا گیا۔ دینی قدریں پامال کر دی گئیں۔ دینی معاشرے کا استحصال کیا گیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا کے بعد عصمت انونو پاشا نے پورے زور شور سے مصطفیٰ کمال کی پالیسیاں جاری رکھیں۔ عدنان مندریس اور جلال بیار نے اپنے دور حکومت میں مصطفیٰ کمال پاشا کی متشددانہ پالیسی ختم کر دی۔ حج بیت اللہ سے پابندی اٹھا دی' مسجدوں کو رونق بخشی' ترک بدستور متعصب حنفی تھے اور ہیں۔ ہندوستان کے حنفیوں کی بے ہودہ کتابیں استنبول میں چھپتی رہی اور اب بھی شائع ہو رہی ہیں۔ ہر ترک حکمران نے پوری قوت سے فکر محدثین کو ترکی میں آنے نہیں دیا۔ لیکن

۲۰-۲۵ برس سے بحمد اللہ ترکی میں بھی مسلک اہلحدیث فروغ پذیر ہے۔ کیونکہ جب سے مدینہ یونیورسٹی سے ترک فضلاء فارغ ہو کر اپنے ملک میں پہنچے تو فطری طور پر حنفیت کی بندھنیں ڈھیلی ہونا شروع ہو گئیں اور مسلک اہل حدیث کی صداقت نے ترک نوجوانوں کو متاثر کرنا شروع کیا۔ اگر یہ سلسلہ یونہی جاری رہا تو انشاء اللہ مستقبل قریب میں کاروان عمل بالحدی کے نہایت اچھے ثمرات اور نتائج مرتب ہوں گے۔

اردن اور شام

شام ہمیشہ قافلہ عمل بالحدیث کا مرکز اور گہوارہ رہا۔ دمشق میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ' امام حافظ ابن قیم' حافظ ابن کثیرؒ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے افکار' تعلیمات اور تالیفات کی وجہ سے اس دیار میں عوام پر مسلک اہل حدیث کی چھاپ نمایاں رہی۔ آخری دور میں امام محمد بن عبدالوہابؒ کی تعلیمات سے بھی عوام خاصے متاثر ہیں۔ امیر شکیب ارسلان کے خارا شگاف قلم نے پڑھے لکھے شامی بہت متاثر ہیں۔ محدث العصر شیخ ناصرالدین البانی حفظ اللہ عالمی شہرت رکھنے والے محقق کے فیوض و برکات بھی شام اور اردن میں بڑی تیزی سے پھیل رہے ہیں۔ شیخ البانی صاحب الرائے وصائب الرائے محقق دوران اور نابغہ عصر انسان ہیں۔ ان کی اصل رہائش دمشق شام میں تھی۔ ان کی انقلابی دعوت کی وجہ سے شام کی نصیری اور دروزی شیعہ کی حکومت نے انہیں ملک بدر کر دیا۔ شام کا نوجوان طبقہ خاصی بڑی تعداد میں شیخ البانی کا والہ و شیدا ہو گیا۔ حافظ الاسد کی چھٹی حس نے دینی انقلاب کے خطرات کو محسوس کرتے ہوئے ان کو ملک بدر کر دیا۔ آج علامہ البانی صاحب عمان اردن میں رہائش پذیر ہیں۔ وہاں بڑا کام کر رہے ہیں۔ سرزمین اردن میں مسلک اہل حدیث کو تیزی سے فروغ مل رہا ہے۔ نوجوان علماء کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء شیخ البانی سے بہت متاثر ہیں۔ یہ

ٹھیک ہے کہ بعض مسائل میں شیخ البانی کے تفردات ہیں لیکن یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ حدیث کی تخریج' استنباط اور مسائل فہمی میں پوری دنیا میں شیخ البانی کی ٹکر کا کوئی عالم نہیں۔

وسط ایشیا کے ممالک

وسط ایشیا کے مسلمان ممالک روس میں کمیونزم کے انقلاب کے بعد کمیونسٹوں کے قبضہ میں چلے گئے اور ۷۵ سال تک ان پر کمیونسٹوں کا قبضہ اور تسلط جاری رہا۔ کمیونسٹ حکمرانوں نے مسلمانوں کے دینی مدارس بند کر دیئے۔ عربی رسم الخط ختم کر دیا گیا۔ مساجد پر قفل لگا دیئے گئے حکماً" مسلمان خواتین کو پردہ نہ کرنے کا پابند کیا گیا۔ شعائر اسلام کی بار بار توہین کی گئی مسلمانوں کو پوری طرح بے دین بنانے کی پالیسی نافذ کر دی گئی۔ قرآن کی تلاوت قانوناً" ممنوع کر دی گئی اسلامی لٹریچر ضبط کر لیا گیا۔ اسلام کی اخلاقی قدریں اور دینی اخلاق پامال کر دیئے گئے۔ مسلمانوں کو عالم اسلام سے الگ تھلگ کر دیا گیا۔ ان کے اسلامی نام بدل کر آخر میں ف کا اضافہ کر دیا گیا اور روس کے کمیونسٹوں نے اپنے خیال میں مسلمانوں کی اسلامیت فنا کے گھاٹ اتار دی لیکن جنگ افغانستان میں روس کی شمولیت کے بعد جب ان مسلمان ملکوں کے فوجی افغانستان میں پہنچے تو ان کی رگوں میں اسلامی خون کی حرارت تیز ہو گئی اور ان کی خفتہ اسلامیت بیدار ہو گئی۔ جب جنگ افغانستان میں روس کا اقتصادی انجر پنجر ہل گیا اور ان کا معاشی ڈھانچہ ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا تو روس مشرقی یورپ کے عیسائی ملکوں اور وسط ایشیا کے مسلمان ملکوں کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گیا۔ مشرقی اور مغربی جرمنی کے مابین دیوار روس بھی تہہ و بالا ہو کر رہ گئی اور جونہی مسلمانوں کو آزادی کا سانس لینے کا موقع ملا تو چند مہینوں میں ہزاروں مسجدیں آباد ہو گئیں۔ بیسیوں دینی ادارے معرض وجود میں آ گئے۔ مسجدوں میں نمازیوں کی رونقیں بڑھ گئیں نوجوانوں کے

ذہن اسلام کے رخ پر مڑنا شروع ہو گئے نو آزاد مسلمان ملکوں کے اسلامی جوش و خروش کو دیکھ کر دنیا کفر دنگ رہ گئی۔

مسلمان بڑا سخت جان نکلا ۷۵ سال ظالمانہ جارحانہ اور بے دینی کی غلامی کے بعد جب اسے آزادی ملی تو اس نے اسلام زندہ باد کا نعرہ لگا دیا۔ امام بخاریؒ امام مسلمؒ امام ترمذیؒ امام نسائیؒ کے ان علاقوں میں مسلمانوں کو حیات نو مل گئی اور اسلام کا احیاء ہو گیا۔ بلخ' بخارا' سمرقند' تاشقند' قوقند' کاشغر' مقدونیہ اور دیگر ترقی یافتہ ممالک اسلام اور مسلمانوں کا پھر گہوارہ بن گئے ان ممالک کے تقریباً پچاس طلباء کو مدینہ یونیورسٹی میں ہر سال داخلہ مل جاتا ہے سینکڑوں طلباء پاکستان کی جامعات میں زیر تعلیم ہیں۔ انشاء اللہ وہ وقت جلد آنے ولا ہے جب یہ ممالک اسلام کے علمبردار' دین کے پاسبان' کتاب و سنت کے داعی اور مسلمانوں کی ناموس کے محافظ بن کر ابھریں گے۔ وسط ایشیا کے ان چھ نو آزاد ملکوں کے بارہ میں کوئی معلوماتی کتابچہ نہیں مل سکا لیکن پاکستان اور عرب کے کئی دانشوروں اور صحافیوں کے وسط ایشیا کے ان ملکوں کے بارہ میں سفر نامے شائع ہوئے ہیں جن کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوا کہ وہاں کے لوگوں کی اکثریت آمین بالجہر' رفع الیدین اور فاتحہ خلف الامام کی قائل اور فاعل لوگوں کا عمومی رجحان کتاب و سنت کی طرف ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ مسلمانوں کی وحدت و مرکزیت کتاب و سنت پر عمل پیرا ہونے سے ہی قائم رہ سکتی ہے۔ فقہی نقطہ نگاہ انتشار تو برپا کر سکتے ہیں لیکن دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے متحدہ پلیٹ فارم مہیا نہیں کر سکتے۔ حالات و ظروف اور پیش آمدہ مسائل اور مطالبات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کو کتاب و سنت کی اساس پر متحد ہو جانا چاہئے اگر کتاب و سنت کو اتحاد و اتفاق کی بنیاد نہ بنایا گیا اور وقت کے تقاضوں سے عہدہ برآ نہ ہوا گیا تو تباہی کو نوشتہ دیوار سمجھ لیجئے۔ اہل حدیث اور مسلک سلف کی یہی دعوت ہے۔

افغانستان

جنگ افغانستان سے قبل افغانستان کی آبادی تقریباً دو کروڑ افراد پر مشتمل تھی۔ افغانستان ایک قدیم اسلامی ملک ہے۔ افغانستان میں ایک عرصہ تک قبائلی حکومت رہی ہے' افغانستان ان بدنصیب ملکوں میں سے ہے جن پر ہر وقت خانہ جنگی کے خطرات منڈلاتے رہتے ہیں۔ افغانستان متشدد حنفی ملک تھا۔ عارف باللہ مولانا سید عبداللہ غزنوی کو ان کے بچوں سمیت حدیث و سنت کا حامی ہونے کی پاداش میں ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ لیکن الحمدللہ اب حالات بالکل بدل چکے ہیں۔ افغانستان کا صوبہ نورستان جو کبھی کافرستان کہلاتا تھا مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد یہ نورستان میں تبدیل ہو گیا بحمداللہ آج صوبہ نورستان اہلحدیث اور سلفی عقائد کا عامل اور حامل ہے۔ پاکستان کے اہل حدیث دینی مدارس سے نورستان کے سینکڑوں علماء فارغ ہو کر وہاں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ سینکڑوں نورستانی طلباء اب بھی پاکستان کے اہلحدیث مدارس میں زیر تعلیم ہیں وہاں شرعی حکومت قائم ہے۔ مولانا محمد افضل ان کے امیر ہیں۔

کنڑ افغانستان کا وہ صوبہ ہے جہاں کی اکثریت عامل بالحدیث ہو چکی ہے الشیخ جمیل الرحمٰن شہید نے اپنی مخلصانہ مساعی سے اسے سلفستان بنا دیا۔ سینکڑوں دینی مدارس قائم کئے اور مسلک سلف کو خوب فروغ دیا' افغانستان کا یہ دوسرا بڑا صوبہ ہے۔ جہاں کے رہنے والوں کی غالب اکثریت سلفی العقیدہ اور عامل بالحدیث ہے۔ اسی طرح پورے افغانستان میں مسلک سلف پھیل چکا ہے کابل' قندھار' جلال آباد غزنی' بدخشاں تمام شہروں قصبات اور دیہات میں کارواں عمل بالحدیث کی حدی خوانی کی صدائے بازگشت پہنچ چکی ہے۔ افغانستان کے ہزاروں طلباء پاکستان کے اہلحدیث مدارس میں دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب کہ پورا افغانستان قال اللہ وقال الرسول کی دلنواز صداؤں سے گونج اٹھے گا

اور حدیث و سنت کی ضیا پاشیوں سے افغانستان کا گوشہ گوشہ منور ہو جائے گا اور حنفیت کی بندھنیں روز بروز ڈھیلی ہو رہی ہیں۔ بہت جلد اس کی جاذبیت اور کشش ختم ہو کر رہ جائے گی۔ کیونکہ یہ صدی کتاب و سنت کی صدی اور اہلحدیث کی صدی ہے۔

موریطانیہ

یہ ایک چھوٹا سا عرب ملک ہے جس کے بارے میں الجزائر اور مراکش دونوں دعویدار ہیں وہاں نظم و ضبط کے بغیر بحمد اللہ انفرادی طور پر سلفی تحریک خاصی بال و پر بکھیر رہی اور آگے بڑھ رہی ہے۔ موریطانیا کے باشندوں کی اکثریت امام مالکؒ کے مقلدین کی ہے دوسرے نمبر پر سلفی حضرات ہیں۔ یہاں کے سب ادارے گورنمنٹ کے قبضہ میں ہیں۔ تمام دینی ادارے حکومت کے ماتحت چل رہے ہیں۔ سلفی حضرات حزب الامہ اور توجیہ الاسلامی کے نام سے دینی کام کر رہے ہیں۔ گویا یہ دونوں سلفی تحریکیں ہیں۔ حزب الامہ کے سربراہ الشیخ محمد بن سید یحییٰ ہیں اور التوجیہ الاسلامی کی قیادت الشیخ محمد فاضل فرما رہے ہیں۔ دونوں سلفی تحریکیں تصادم سے محفوظ ہیں اور تعاون علی البر والتقویٰ میں مشترک، موریطانیا کے اکابر علماء میں موریطانیا کی جامع مسجد کے خطیب الشیخ بداہ بن البصیری اور جامع مسجد قطر کے خطیب الشیخ محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد کا اکابر علماء میں شمار ہوتا ہے۔

تیونس

شمالی افریقہ کا یہ ایک عرب مسلمان ملک ہے۔ تیونس میں ایک طویل عرصہ تک حبیب بورقیبہ کا اقتدار قائم رہا۔ یہ بڑا بے دین اور اسلام دشمن حکمران تھا۔ یہی وہ بدبخت انسان تھا جس نے انسانی صحت کو ملحوظ رکھنے کے لئے رمضان کے روزوں پر تنقید کی تھی اس کی موت خاصی عبرت ناک تھی۔ اسی

بدبخت نے دینی خیالات اور دینی افکار و نظریات کو پھلنے پھولنے نہیں دیا۔ یہاں کے باشندوں کی اکثریت بھی مالکی ہے۔ یہاں اہلحدیث کا بہت کم وجود ہے۔ البتہ اب سلفی فکر و نظراور سلفی عقائد و اعمال دھیرے دھیرے پھیل رہے ہیں۔

مغربی افریقہ

جس طرح شمالی افریقہ کے اکثر ملکوں میں سلفی تحریک پھیل چکی اور آگے بڑھ رہی ہے روز بروز سلفیوں کی قوت میں استحکام پیدا ہو رہا ہے۔ اسی طرح مغربی افریقہ کے ملکوں میں بھی سلفی تحریک روز بروز آگے بڑھ رہی ہے اور نوجوان ذہن اسے شرح صدر سے قبول کر رہے ہیں۔

مالی

مالی یہ ایک ایسا ملک ہے جس میں نوئے فیصد مسلمان ہونے کے باوجود اس کے در و بست پر عیسائی چھائے ہوئے ہیں۔ ملک کے سربراہ کا نام الفاروق عمر ہے۔ حقیقتاً یہ بھی ایک گمراہ مسلمان فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں تیس فیصد سلفی بھائی ہیں سلفیوں کی دو تحریکیں یا دو تنظیمیں مستعدی سے شب و روز مصروف کار ہیں الحمداللہ ان دونوں سلفی تنظیموں میں کوئی اختلاف نہیں۔ باہمی مشورہ و اشتراک سے کام کرتی ہیں۔ کیونکہ دونوں کی منزل ایک ہے ہدف ایک ہے۔ ایک تنظیم کا نام "**رابطتہ الدعاۃ**" ہے۔ اس کے سربراہ ڈاکٹر آدم سنکاری ہیں۔ دوسری تنظیم کا نام "اہل السنہ" ہے اس کے رئیس الشیخ محمد سیلا ہیں اور یہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل ہیں۔ بحمداللہ یہاں سلفی تحریک قابل رشک حد تک آگے بڑھ رہی ہے۔ یہاں کے دیگر مشائخ میں الشیخ عبدالعزیز یاتری اور محمد یار نمایاں حیثیت کے مالک ہیں۔

کویت اور متحدہ عرب امارات

کویت اور متحدہ عرب امارات میں بھی بحمداللہ مسلک سلف کو بالا تر حیثیت

حاصل ہے اور ان ملکوں میں سلفی تحریک تیزی سے پھیل رہی ہے۔ کویت اور متحدہ عرب امارات میں سلفیت کے فروغ میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اور الشیخ محمد بن عبدالوہابؒ ان کے فکر و نظران کی تعلیمات اور ان کی تصنیفات و تالیفات کو بنیادی دخل حاصل ہے۔ پاک و ہند اور عرب ممالک کے مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہونے والے علماء دعوت و ارشاد کے میدان میں بڑا کام کر رہے ہیں۔ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلک اہلحدیث کو فروغ بخشا ہے۔

ایران

ایران ایک مشہور فارسی قدیم ملک ہے جسے شط العرب عراق سے جدا کرتا ہے۔ ایران میں مختلف خاندانوں کی حکومتیں قائم رہیں۔ فتح ایران سے قبل ساسانیوں کی حکومت تھی۔ یہاں اموی' عباسی' فاطمی' بویہ' کاچار اور رضا خاندانوں میں نامور بادشاہ بھی ہوئے۔ محدثین' مورخین' مفسرین' ادباء' شرفاء' شعراء' صوفیاء ہر قسم کی نامور شخصیتیں جنم لیتی رہیں۔ کاش ابو مسلم خراسانی' عباسی انقلاب کے زمانے میں پچاس ہزار عربوں کو تہہ تیغ نہ کرتا تو آج ایران بھی ایک عرب مسلمان ملک ہوتا۔ ایرانی جبلی طور پر شخصیت پرست ہوتے ہیں۔ ایران کی سرزمین فتنوں اور فتنہ خیز نعروں کی سرزمین ہے۔ ابو مسلم خراسانی یہ جبر و تشدد کی راہ اختیار نہ کرتا اور عرب کشی کی سنگدلانا پالیسی پر عمل پیرا نہ ہوتا تو آج ایران بھی عرب ملک ہوتا۔ ایران واحد مسلمان ملک ہے جہاں سینوں کی ایک مسجد بھی نہیں۔ ایران کی آبادی تقریباً تین کروڑ افراد پر مشتمل ہے۔ جن میں سنی زیادہ سے زیادہ بیس فیصد کے لگ بھگ ہوں گے۔ صوبہ اہواز میں عرب سنی خاصی تعداد میں ہیں کرد بھی حنفی العقیدہ مسلمان ہیں۔ بڑی غالب اکثریت شیعہ مسلمانوں کی ہے۔ شیعہ شیعہ ہی ہوتا ہے خواہ ایرانی کیوں نہ ہو۔ سنی وہاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ صوبہ اہواز کے عرب سینوں میں سلفی تحریک کے بارے

میں کچھ نرم گوشہ پایا جاتا ہے اور وہ اپنے معاصر عرب بھائیوں سے متاثر ہیں لیکن ایران میں نہ سنیوں کو جلسہ کی اجازت ہے اور نہ تبلیغ عام کرنے کی اور نہ ہی سنی لٹریچر شائع کر سکتے ہیں۔

انڈونیشیا

انڈونیشیا جس کو پرانی تاریخی کتابوں میں جزائر شرق الہند کا نام دیا گیا تھا یہ دو ہزار جزائر پر مشتمل ہے جاوا اور ساٹرا اس کے دو بڑے جزیرے ہیں۔ جاکرتہ اس کا پایہ سلطنت ہے۔ سولہ کروڑ سے زائد آبادی پر مشتمل ہے۔ گویا یہ سب سے بڑا مسلمان ملک ہے۔ یہاں نوے فیصد مسلمان ہیں۔ بہت عرصہ تک ولندیزیوں کا اس پر قبضہ رہا ہے لیکن انڈونیشیا کے بہادر سپوتوں نے ڈاکٹر عبدالرحیم سکارنو کی قیادت میں مسلح ہو کر اپنے دست و بازو سے آزادی حاصل کی۔ انڈونیشیا میں ربڑ اور تیل ان کی آمدن کا ذریعہ ہے۔ ویسے صنعتی طور پر بھی انڈونیشیا نے کافی ترقی کی ہے۔ یہاں عیسائی مشنریاں بڑی متحرک ہیں اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں بڑی مصروف ہیں۔ اس کے بالمقابل مسلمان غافل سست اور کاہل ہیں یہاں سب شافعی المسلک لوگ ہیں۔ اہلحدیث بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ اہلحدیث جمعیت "اتحاد المعاہد الاسلامیہ" اور "مرکز الدعوۃ و الارشاد" کے نام سے دو جماعتی تنظیمیں کام کر رہی ہیں "السنہ" کے نام سے سلفیوں کا ایک علمی ماہنامہ رسالہ بھی شائع ہوتا ہے۔ الشیخ عبدالحکیم عبدات' الشیخ محمد جعفر جید علماء میں سرفہرست ہیں بحمد اللہ وہاں مسلک کی تبلیغ اچھے پیمانے پر ہو رہی ہے اور شافعی خاصی تعداد میں عقیدہ سلف کو اختیار کر رہے ہیں۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید مرحوم انڈونیشیا میں تشریف لے گئے تھے اور بڑے بڑے دینی اجتماعات کو انہوں نے عربی میں خطاب فرمایا تھا۔ جن کا ترجمہ انڈونیشی زبان میں کیا گیا علامہ مرحوم نے فرمایا تھا کہ انڈونیشیا میں دو کروڑ سے زائد اہلحدیث بستے ہیں۔ انڈونیشیا

کے نوجوان سعودی یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم ہیں۔ وہ پختہ فکر اہلحدیث ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔

برما

بھارت کے مشرق میں برما واقع ہے جنگ عظیم ثانی تک وہ برصغیر کا صوبہ رہا۔ جنگ عظیم ثانی میں جاپانیوں نے اس پر قبضہ کر لیا پھر آزاد ہند فوج بھی اس پر قابض ہو گئی ۱۹۴۵ء میں انگریز نے اسے ایک آزاد ملک قرار دے دیا۔ وہاں اکثریت بدھ مذہب کے ماننے والوں کی ہے تیس' پینتیس فیصد کے لگ بھگ مسلمان بھی آباد ہیں آج کل بے دین کیمونسٹ حکمران ہیں' انہیں مسلمان کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں برما کا صوبہ اراکان ایک زرخیز و شاداب علاقہ ہے جو برما کے ظالم حکمرانوں نے مسلمانوں سے جبراً چھیننا چاہا اور کافی حد تک وہ چھین بھی چکے ہیں برمی مسلمان بنگلہ دیش میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ بحمد اللہ وہاں ساٹھ ستر سال سے تحریک اہلحدیث بھی پہنچ چکی ہے۔ برما شہر میں متعدد اہلحدیث مساجد ہیں' ہندوستان کے بٹوارے سے قبل وہاں اہلحدیث تنظیم خاصی مضبوط سمجھی جاتی تھی مسٹر محمد صالح آٹیہ جو گذشتہ سالوں کراچی میں فوت ہوئے وہ خاصے بڑے تاجر تھے وہ بھی برما سے ہجرت کر کے کراچی پہنچے تھے۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری' امام العصر حضرت مولانا حافظ محمد ابراہیم میر محدث سیالکوٹی بارہا تبلیغ اور مناظروں کے لئے وہاں جاتے رہے لیکن کیمونسٹوں کے برما پر قابض ہونے کے بعد دینی لوگوں کے لئے بڑی پریشانیاں اور رکاوٹیں پیدا ہوئیں۔ آج کل برما کے تمام مسلمان شدید آزمائش میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں کیمونسٹوں کے پنجہ استبداد سے نجات دے۔

ملائیشیا

ملائیشیا جنوب مشرقی ایشیا میں واقع ہے۔ ہندو مسلم دونوں کی آبادی پر مشتمل

ہے یہ چند ریاستوں کا مجموعہ ہے۔ ملائیشیا میں مسلمانوں کی اکثریت ہے حنفی اور شافعی دونوں فقہی مذہب پائے جاتے ہیں۔ اب وہاں سلفی تحریک بھی پہنچ چکی ہے۔ جو بڑی تیزی سے پھیل رہی ہے پاکستان کی دینی جامعات جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور جامعہ ابی بکر کراچی سے فارغ ہو کر ایک مستعد نوجوان علماء کی ٹیم وہاں پہنچ چکی ہے جو بحمد اللہ مسلک کے فروغ میں بھرپور کردار ادا کر رہی ہے ملائشیا میں سلفی تحریک کا مستقبل نہایت روشن ہے۔ ملائیشیا میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فضلاء سلفی تحریک کے لئے مستعدی سے کام کر رہے ہیں۔

سری لنکا

سری لنکا چند جزائر پر مشتمل ایک چھوٹا سا ملک ہے جہاں مدراسی ہندوؤں کی اکثریت ہے تامل نسب کے لوگ وہاں رہتے ہیں یہ جنوبی ہند کے صوبہ مدراس کے برابر واقع ہے پہلی صدی ہجری میں وہاں اسلام پہنچا۔ سری لنکا کو صحابہؓ کے قدوم میمنت لزوم کا شرف حاصل ہے۔ وہاں مسلک اہلحدیث کے حاملین قدیم عرصہ سے چلے آرہے ہیں لیکن شافعی المسلک بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ وہاں کے لوگ رسم و رواج اور وضع قطع اور لباس کے اعتبار سے مدراسیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن اور جامعہ سلفیہ فیصل آباد سے فارغ ہو کر وہاں سینکڑوں علماء دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی سعودی عرب کے فضلاء بھی خاصی بڑی تعداد میں وہاں پہنچ چکے ہیں اور سلفی تحریک کو آگے بڑھانے میں شب و روز مصروف ہیں۔ بحمد اللہ سری لنکا میں بھی مسلک اہلحدیث کا مستقبل خاصا امید افزا ہے۔

مالدیپ

مالدیپ بھی جنوبی ایشیا میں ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ وہاں بھی بحمد اللہ سلفی

تحریک روز بروز پھیل رہی ہے اور مسلک اہلحدیث کے عاملین و حاملین کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ پاکستان کے دینی مدارس کے فضلاء مسلکی اشاعت کا نہایت اچھا کام کر رہے ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی کے فاضل' علم کے اسلحہ سے مسلح ہو کر دعوت و ارشاد کی ذمہ داریاں نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں اور مالدیپ میں اہلحدیث خاصی بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ مالدیپ کے صدر بھی نہایت پڑھے لکھے اور دین سے باخبر شخصیت ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تحریک اہلحدیث ایشیا' افریقہ' یورپ اور امریکہ میں اپنے فرائض کی ادائگی میں پورے خلوص اور مستعدی سے مصروف ہیں۔ تحریک کے ثمرات و نتائج بھی اچھے برآمد ہو رہے ہیں کاش اس عالمی تحریک میں کوئی اللہ کا بندہ باہمی رابطہ قائم کر سکے اور ان کو عالمی طور پر پورے مضبوط اور مربوط طریقے سے چلائے باہمی تعارف کیا جا سکے اور ایک دوسرے کے مسائل پر غور و خوض کیا جائے۔ مختلف ممالک میں تحریک کو پیش آمدہ مسائل کا تجزیہ کیا جائے۔ وقت کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے مختلف زبانوں میں مسلکی لٹریچر شائع کیا جائے۔ مسلک کی تبلیغ کے لئے دعاۃ و مبلغین بھیجے جائیں۔ علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید مرحوم نے شہادت سے تین ہفتے قبل ان سطور کے راقم سے کہا تھا کہ مستقبل قریب میں ایک معیاری' علمی' دینی' تبلیغی اور تحقیقی رسالہ اردو نکالنا چاہتا ہوں اور عالمی تحریک اہلحدیث کو مضبوط طریق پر چلانے کے لئے ایک معیاری دینی رسالہ عربی اور انگریزی میں اکٹھا شائع کیا جائے۔ مجھ سے کہا کہ تم ماموں کانجن چھوڑ کر لاہور میں آجاؤ ابھی یہ پروگرام ہی بن رہے تھے کہ قضاء و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ ہم سب سے روٹھ کر ایسے جہاں میں چلے گئے جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں آیا کرتا۔۔

آں قدح بشکست آں ساقی نماند

مراجع و مصادر

قرآن مجید

الجامع الصحیح للبخاری — امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ

الصحیح مسلم — امام مسلم نیشاپوری

جامع ترمذی — امام عیسیٰ ترمذی

سنن ابی داؤد — امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث ازدی

سنن بیہقی — ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بیہقی

سنن نسائی — ابوعبدالرحمٰن بن شعیب النسائی

سنن ابن ماجہ — ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی

دارقطنی — امام علی بن عمر الدارقطنی

مشکوۃ شریف — ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری تبریزی

حجۃ اللہ البالغہ — امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

تذکرۃ الحفاظ — امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

سیرت ثنائی — از مولانا عبدالمجید سوہدرویؒ

تذکرہ ابوالکلام آزاد — از امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد

بانگ درا — از علامہ محمد اقبال

حیات امام ابن تیمیہؒ — از پروفیسر ابو زہرہ مصری

طبقات حنابلہ جلد اول — از شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

منہاج السنہ — شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ

البدایہ والنہایہ — حافظ ابن کثیر

الکواکب — ابوالبرکات محمد بن احمد المعروف بن الکیال

برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش — از مولانا محمد اسحٰق بھٹی

تاریخ دعوت و عزیمت	از مولینا سید ابوالحسن ندوی
الثقافتہ الاسلامیہ فی الہند	از مولینا حکیم سید عبدالحئی لکھنوی
فتوح البلدان	از علامہ بلاذری
تاریخ بغداد	از علامہ خطیب بغدادی
الاسباب	از علامہ مقدسی
فقہائے ہند	از مولینا محمد اسحاق بھٹی
تاریخ سندھ	از مولینا غلام رسول مہر
تاریخ فرشتہ	از محمد قاسم فرشتہ
مجمع بحار الانوار	از شیخ محمد طاہر محدث پٹنی
عرب و دیار ہند	از قاضی اطہر مبارکپوری
حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی	از پروفیسر خلیق احمد نظامی
ابجد العلوم	السید نواب صدیق حسن خانؒ
تحفتہ الکرام	مولانا آزاد بلگرامی
نزہتہ الخواطر	از حکیم مولنا سید عبدالحئی لکھنوی
رود کوثر	شیخ محمد اکرام
موج کوثر	" "
منتخب التواریخ	ملاں عبدالقادر بدایوانی
تعلیمات مجددیہ	
حیات مجدد	ابو البرکات بدرالدین شیخ احمد نقشبندی سرہندی
مکتوبات دفتر اول	از حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ
تذکار جنود الابرار	از علامہ میر غلام علی آزاد بلگرامی
تقصادر جنود الاحرار	از نواب سید صدیق حسن خانؒ
تراجم علماء ٔ حدیث ہند	از امام خان نوشہروی
تذکرہ علماء مبارک پور	

تفسیر مظہری	از قاضی ثناء اللہ پانی پتی
المدارک	
المذاہب	از حافظ ابن قیم
اعلام الموقعین	از حافظ ابن قیمؒ
غایۃ الامانی	
رفع الملام عن آئمۃ الاعلام	شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ
بستان المحدثین	از شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ
نقض المنطق	از امام ابن تیمیہؒ
محلی ابن حزم	امام ابن حزمؒ
سنن بیہقی	امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی
التاریخ الملۃ	از علامہ نجیب العراقی
المرۃ الاسلام	از سید فرید وجدی مصری
الکامل ابن الاثیر	از امام ابن اثیر
البلاغ کراچی شمارہ نمبر ۱۲/۱۳۸۷ھ	
تاریخ فیروز شاہی	ضیاء الدین برنی
مقالات سلیمانی	معارف اعظم گڑھ
طرب الاماثل	مولانا عبدالحیؒ لکھنویؒ
حیات ولی	از مولانا رحیم بخش دہلویؒ
الجزء اللطیف	شاہ ولی اللہ صاحب
جلاء العینین	شاہ محمد اسماعیل شہید
الیانع الجنی فی اسانید شیخ عبدالغنی از شیخ محمد یحییٰ	
تفہیمات الہیہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
مقدمہ مفتاح کنوز السنہ	محمد فواد عبدالباقی
کلمات طیبہ فارسی	از شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

وصیت نامہ فارسی — از شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

مقدمہ مصفی شرح موطا — از شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر

رمز الجہاد — از مولانا محمد شریف اشرفؒ

محمد بن عبدالوہاب ایک بدنام اور مظلوم مصلح از مولانا مسعود عالم ندویؒ

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب — از عبدالغفور العطارؒ

حیات طیبہ — تالیف از مرزا حیرت دہلویؒ

الحیات بعد الممات — از قاضی مظفر حسین مظفر پوری

تذکرہ کاملان رامپور

مآثر صدیقی — از نواب علی حسن خانؒ

خلاصہ سید الامام احمد بن عرفان — از مولنا سید ابوالحسن ندویؒ

سیرت سید احمد شہید — از مولنا غلام رسول مہر

روئیداد مجاہدین ہند — از محمد خواص خان

دیوان ظفر — از بہادر شاہ ظفر

۱۸۵۷ء — مولفہ میاں محمد شفیع مرحوم

ہمارے ہندوستانی مسلمان — مرتبہ ولیم ہنٹر

سرگزشت مجاہدین — از مولنا غلام رسول مہر

کالا پانی — از مولنا جعفر تھانیسریؒ

ابقاء المنن بالقاء المحن — از نواب سید صدیق حسن خان

مکتوب حضرت میاں — سید عبدالعزیز ہمدانی

مشاہدات کابل و یاغستان — مولفہ مولانا محمد علی قصوریؒ

تحریک مجاہدین کا آخری دور — از مولنا خالد گرجاکھی

مولنا ابوالکلام آزاد — از آغا شورش کاشمیریؒ

تحریک مجاہدین — محمد خان

نقش حیات — از مولانا سید حسین احمد مدنی
وحدت امت
ماہنامہ ریاض کراچی — ایڈیٹر سید رئیس احمد جعفری
مولنا داؤد غزنویؒ — مولنا سید ابوبکر غزنویؒ
چٹان — ایڈیٹر شورش کاشمیریؒ
سوانح حیات حضرت حافظ محمد لکھوی — از مولنا محمد ابراہیم خلیل
قصوری خاندان — از مولنا محمد اسحاق بھٹی
فتاویٰ علمائے اہلحدیث — از مولنا محمد صدیق سرگودھویؒ
آزادی کی کہانی کچھ اپنی کچھ ملیح آبادی کی زبانی مرتبہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی
پندرہ روزہ الفاروق — قادیاں
سوانح حیات مولنا سلفی — مرتبہ پروفیسر محمد چوہدری
ارمغان حنیف — مولفہ محمد اسحٰق بھٹی
مجلہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن — زیر اوارت محمد اسلم سیف
ہفت روزہ اہلحدیث چیمہ نمبر — مدیر بشیر انصاری
علامہ احسان الٰہی ظہیر ایک عہد ایک تحریک مصنف محمد اسلم سیف
الاعتصام لاہور — احمد شاکر
علمائے اہلحدیث کی خدمات حدیث — مولفہ مولنا ارشاد الحق اثری
شخصیات — از پروفیسر محمد سرور جامعی
برصغیر میں اہلحدیث کی علمی و دینی خدمات از امام خان نوشہروی
تحریک آزادی فکر شاہ ولی اللہ کے نقطہ نظر سے از مولنا محمد اسمٰعیل سلفی
مجلہ المنار قاہرہ — ایڈیٹر سید رشید رضا
اہلحدیث اور سیاست — از مولنا نذیر احمد رحمانی مرحوم
ارمغان ظہیر — مولفہ محمد اسلم سیف
جماعت مجاہدین — از مولنا غلام رسول مہر

مولنا ظفر علی خان   شورش کاشمیری

تحریک ختم نبوت   از شورش کاشمیری

اخبار اہلحدیث امرتسر   ایڈیٹر مولنا ثناء اللہ امرتسری

سیرت امام شوکانی   از مونا عطاء اللہ حنیف

سبل السلام   از محمد بن اسماعیل یمانی

حیات عبدالحیٔ   مولنا سید ابوالحسن

ھدیہ مجدد   از مولانا وکیل احمد سکندر پوری

آثار الصنادید   از سرسید احمد خانؒ

"حضرت مجدد الف ثانی"   از مولانا سید زوار حسین شاہ

"الیاقوت والمرجان فی ذکر علماء سھوان" از مولانا سید عبدالباقی سھوانی

الدر المنثور فی تراجم اہل صادقپور"   از مولانا عبدالرحیم صادقپوری

تذکرہ الوحید   از نواب وحیدالزماں حیدر آبادی

تذکرہ آلسعید   از مولانا ابو القاسم بنارسی

حیات عزیزی   از مولانا رحیم بخش دہلوی

سوانح عمر مولانا عبداللہ غزنوی   از حضرت الامام عبدالجبار غزنوی

تاریخ ہندوستان   از مولوی ذکاء اللہ دھلوی

تاریخ ہند   از سید ہاشمی فرید آبادی

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات   از پروفیسر خلیق احمد نظامی

"یاد ایام"   از مولانا سید عبدالحی لکھنوی

متکلم اسلام حضرۃ مولانا محمد حنیف ندویؒ

(ماخوذ خطبہ صدارت پاکستان اہلحدیث کانفرنس ماموں کانجن ۱۹۸۳ء)

التحیات للّٰہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی محمد رسول اللّٰہ ولا نبی بعدہ اما بعد!

حضرات جس طرح کچھ افراد و اشخاص مظلوم اور آفت رسیدہ ہوتے ہیں' اسی طرح کچھ الفاظ' اصطلاحیں اور نام بھی تاریخ کی ستم ظریفی کے ہاتھوں اپنا تشخص' روایات اور عظمت کھو بیٹھتے ہیں۔ بدقسمتی سے اہل حدیث کی اصطلاح انہی میں سے ایک ہے۔ کہنے کو یہ ایک گروہ یا جماعت کا نام ہے جو طرح طرح کی غلط فہمیوں اور الزام تراشیوں کا ہدف بنی ہوئی ہے۔ مگر حقیقت پر نظر ڈالئے تو یہ صرف نام نہاد گروہ یا جماعت نہیں جس کو تاریخ و زمانہ کی طرف طرازیوں نے جنم دیا ہو۔ یا بحث و جدل کی معرکہ آرائیوں نے پیدا کیا ہو۔ یہ باقاعدہ ایک فکر' دین کی ایک سلجھی ہوئی تعبیر اور فقہ و کلام اور تفسیر و تصوف کا ایسا جانا بوجھا اسلوب ہے جس نے ہر دور میں توحید کی صاف ستھری تعلیمات کو اجاگر کیا ہے۔ ریاض نبوت کے گل بوٹوں کی آبیاری کی ہے اور بدعت و رسوم کے طوفاں خیز ریلوں کا پوری قوت و جرات ایمانی سے ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ اس فکر کی ایک تاریخ' پس منظر اور روایت ہے جو تاریخ و سیر کی کتابوں میں مرتسم اور محفوظ ہے ——— اس پاک نہاد گروہ کو کن کن غیر موزوں ناموں سے یاد نہیں کیا گیا اور کن کن القاب کا سزاوار نہیں ٹھہرایا گیا۔ کبھی کہا گیا کہ یہ نرے حشویہ ہیں حالانکہ یہ متاخرین حنابلہ کی ایک حرفیت پسند اور متشدد شاخ کا نام ہے جو مسئلہ صفات میں بشریاتی طرز خیال کی حامی تھی اور اب کہیں پائی نہیں جاتی۔ کبھی کہا گیا یہ ٹھیٹھ ظاہری فقہ ہے جو ظواہر نصوص میں پنہاں معارف و لطائف سے ناآشنا ہے جب کہ داؤد ظاہری کے مدرسہ فکر سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ ہم کتاب و سنت کے

پیمانوں پر مبنی اجتہاد و رائے کے ہمیشہ قائل رہے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے جب کوئی اعتراض نہ سوجھا تو یہ کہہ کر اپنے دل کو ڈھارس دے لی کہ یہ لوگ جو اہلحدیث کے پر فخار نام سے موسوم ہیں فہم حدیث اور ذوق دین کی لذتوں سے محروم ہیں۔ تعجب ہے یہ الزام ان لوگوں پر لگایا جاتا ہے۔ جنہوں نے قرآن و سنت کی روشنی کو چار دانگ عالم میں پھیلایا۔ جنہوں نے اول اول سنت و حدیث کی زلف و کاکل کو سنوارا۔

کتب حدیث کی تدوین' ترتیب اور تشریح میں اپنی عمریں کھپائیں۔ یہ طعنہ ان حضرات کو دیا گیا جن کے فیض سے مدینہ سے لے کر اندلس اور حجاز و عراق سے لے کر بخارا و چین تک کے در و بام نہ صرف حکمت نبویؐ کی تجلیات سے دمک اٹھے بلکہ ان حضرات کے ذوق و فہم کی ارزانیوں سے پورا عالم اسلامی بقعہ نور بن گیا۔

کیا ہم اس کے عتاب کے مستحق ہیں کہ ہم دین کو چاہتے ہیں اور اس کو ہر طرح کی بدعات و رسوم کی آمیزش سے پاک و مبرا رکھنا چاہتے ہیں اور اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ انسانی فلاح و تعمیر اور روحانی تکمیل و تقدیر کے لئے جن لوازم' واجبات اور اقدار کی ضرورت تھی۔ کتاب و سنت کے دفتر میں ان سب کو ہمارے لئے فراہم کر دیا گیا ہے۔ اس لئے دین کے دائرہ سے باہر اور کتاب و سنت کے علاوہ ہر وہ رسم و رواج گمراہی ہے جس کو خواہ مخواہ ہم دین سمجھ کر اختیار کریں' حالانکہ وہ دین نہیں۔ بدعات کے معاملہ میں ہم اس بنا پر زیادہ حساس ہیں کہ ادیان عالم کی تاریخ کا ایک ایک ورق شاہد ہے کہ جب تک کوئی مذہب مختصر' ہلکا پھلکا اور اپنے اصولی حدود کے اندر سمٹا رہا۔ زندہ رہا۔ پھلتا پھولتا رہا اور قلوب و اذہان کی بالیدگی اور نشوونما کا ضامن رہا اور جہاں عقیدہ و عمل کی بدعات نے اس کو بھاری اور بوجھل بنا دیا۔ یہ ناقابل عمل' بے جان اور بے نفس ہو کر رہ گیا۔

یہی وہ حقیقت تھی جس کو حضرت مسیح علیہ السلام نے یہودی فقیہوں اور فریسیوں کو ہر چند سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہیں نہ سمجھنا تھا نہ سمجھ پائے۔ پال نے نسبتاً" سختی کے ساتھ اسی حقیقت کو یوں بیان کیا کہ بدعت پر مبنی ایسی شریعت بنی نوع انسانی کے لئے لعنت ہے۔ جس میں اور تو سب کچھ ہوتا ہے مگر دین و مذہب کی روح اور روشنی نہیں ہوتی۔ قرآن حکیم نے بدعات کی انہی گراں باریوں کو اصرار و اغلال کے الفاظ سے تعبیر کیا۔ جن سے تہذیب و ارتقاء کے قافلے رک جاتے ہیں مگر ہماری شومئی قسمت دیکھئے کہ قرآن حکیم نے جن زنجیروں کو کاٹ پھینکا تھا۔ ہم نے ایک ایک کر کے ان سب کو پھر سے پہن لیا۔

نظر بہ ظاہر ہے ممکن ہے ہمارا عقیدہ دلوں میں کھٹکتا ہو۔ اس کو اپنا رازق' مددگار اور حامی و ناصر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک توحید اصل دین روح دین اور ظاہر دین ہی نہیں ہے۔ جو قرآن حکیم کی ایک ایک آیت سے عیاں ہے۔ بلکہ اس کا گہرا تعلق انسانی تجربہ سے بھی ہے۔ ہم ان لوگوں کو جو صدیوں سے غیر اللہ کی پرستش میں مشغول چلے آ رہے ہیں۔ دعوت دیتے ہیں کہ وہ احترام و تقدیس کے تمام چھوٹے بڑے مظاہر کو چھوڑ کر ایک مرتبہ' یقین و ایمان کے ساتھ اپنے پروردگار سے تعلق پیدا کر کے دیکھیں۔ اس سے لو لگانے کا عزم تو کریں اور اس کی قدرت کاملہ پر بھروسہ تو کریں۔ پھر اس صورت میں اگر اس کی رحمتیں ان کی رہنمائی نہ کریں۔ ان کی مدد اور نصرت کے عساکر آسمان سے نہ اتریں' اسے اطمینان و اذعان کی دولت بے پایاں سے مالا مال نہ کریں اور اس عقیدہ میں وہ ایک طرح کی لذت خاص کا ادراک نہ کر پائیں تو انہیں اجازت ہے کہ جس آستانے پر چاہیں' اپنے کو رسوا و ذلیل کریں۔ اور جس کے آگے چاہیں دامن طلب پھیلا کر شرف انسانی کو مجروح کریں۔

توحید ہمارے نزدیک صرف ایک دینی عقیدہ ہی نہیں ایک سائنسی حقیقت

بھی ہے۔ اگر خدا ایک نہیں ہے تو پھر ہمارے اردگرد پھیلے ہوئے اس عالم رنگ و بو میں قوانین فطرت کی یکسانی اور ہم آہنگی کی کوئی عقلی توجیہ ممکن نہیں۔ یعنی اگر اس کائنات کی تہہ میں ایک حکمت' ایک دانش اور ایک قدرت کاملہ کی کارفرمائیاں جلوہ گر فرض نہ کی جائیں تو یہ سارا عالم ایک بکھرے ہوئے اور منتشر اجزاء پر مشتمل ایسے ڈھیر کی صورت اختیار کر لے جو ہر طرح کے نظام' ترتیب اور منطق سے عاری ہے۔ یہی نہیں پھر نفس زندگی ہی مہمل قرار پائے اور تمام اخلاقی و روحانی قدریں پامال ہو کر رہ جائیں۔ ہم توحید کو بلاشبہ فکر' عقیدہ' عمل اور تجربہ کی ہر سطح پر ایک ایسی حقیقت جاں آفریں قرار دیتے ہیں۔ جس سے بے نیاز رہ کر ہم اپنا سب کچھ کھو بیٹھتے ہیں اور اس کو پا کر ہمیں کسی اور چیز کے پانے کی حسرت نہیں رہتی۔

ہاں یہ البتہ صحیح ہے کہ ہم تقلید کو حق بجانب نہیں ٹھہراتے اور اس چیز پر اکتفا کرتے ہیں کہ دبستان رسالت کی شمیم آرائیوں سے براہ راست مشام جاں کو معطر کریں۔ لیکن اس پر خفا ہونے یا بگڑنے کی کیا بات ہے۔ اگر ہم جمال نبوت کا مشاہدہ قریب ترین فاصلوں سے کرنا چاہتے ہیں تو اس پر دوسروں کو مجال اعتراض کیوں ہو۔ کیا یہ ہر مسلمان کی دلی خواہش و آرزو نہیں ہے کہ طیبہ کی بہار آفرینیوں سے بغیر کسی آڑ کے نظر و بصر کو تر و تازہ کرے اور وہ آفتاب جو حرا سے نکلا اور فاران پر چمکا۔ اس کی تمازت و روشنی سے جسم کو گرمائے اور دیدہ دل کے اجالوں کا اہتمام کرے۔ ہمارے نزدیک یہ معاملہ سراسر محبت و عشق کا ہے۔ بحث و جدل کی چیز نہیں لیکن اس کے باوجود داعیان محبت و تردد سے قطع نظر تقلید و عدم تقلید پر ہم شرعی و علمی نقطہ نظر پر ذرا کھل کر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے قبل کہ زیر بحث مسئلہ کی گہرائیوں کا جائزہ لیں۔ ہمیں مندرجہ ذیل سوالات پر ایک نظر ڈال لینا چاہئے۔

۱۔ فقہ و تقنین کا عمل کب اور کیوں شروع ہوتا ہے؟
۲۔ ہمارے ہاں فقہائے اسلام کا کیا درجہ و مقام ہے؟
۳۔ فقہ کا اصل ماخذ شریعت سے کس نوع کا تعلق ہوتا ہے؟
۴۔ اصول فقہ کیا ہے۔ کیا اس سے تفریع مسائل کا کام لیا جاتا ہے یا فروع کی تائید و اثبات کا؟
۵۔ کیا ایک ہی فقہی نظام تمام ادوار کے لئے کافی ثابت ہو سکتا ہے یا ہر دور کے لئے اس دور کے تقاضوں کے مطابق ایک نئے فقہی نظام کی ضرورت ہے؟

آیئے سلسلہ وار ان سوالات پر غور کرتے چلیں۔

جب کوئی نظام حیات یا زندگی کی سمتوں کو ایک خاص رخ پر ڈالنے والی تہذیب، معرض وجود میں آتی ہے اور لوگ اسے بحیثیت ایک نظریہ و اصول کے تسلیم کر لیتے ہیں تو ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ نظام و اصول یا تصور و اقدار، اس معاشرہ کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی مشکلات کو حل کریں۔ یعنی ان کو اجمال سے نکال کر تفصیلات میں لائیں اور کلیات پر مشتمل دستور کو جزئیات کا جامہ پہنائیں۔ دوسرے لفظوں میں انہیں زندگی کے ایک خاص سانچہ میں ڈھالیں۔ تاکہ وہ لوگ ایک قوم اور وحدت اجتماعی کی شکل میں کرہ ارض پر ابھر سکیں۔ اس مرحلہ پر قوم کے دانش ور علماء اور اصحاب فکر و رائے اس تہذیب کی روشنی میں قانونی و شرعی قوانین کو مدون کرتے ہیں تاکہ زندگی کے ہر ہر گوشہ میں اس تہذیب کی چھاپ نمایاں طور پر نظر آئے۔

یہی وجہ ہے یہودیوں نے صرف توراۃ پر اکتفا نہیں کیا۔ جس میں زندگی کے اصول و ضوابط رقم تھے۔ بلکہ قانونی تدوین کے سلسلہ میں باقاعدہ "تالمود" اور "مشنا" کی ضرورت محسوس کی۔ جن میں اس قانونی تقاضے کی تکمیل کی گئی۔

حضرت مسیحؑ کی تعلیم صرف ایک لفظ "محبت" پر مرکوز تھی۔ مگر اس کے

مشمولات کیا ہیں اور انسانی رشتوں میں اس محبت کو کس طرح متشکل کیا جا سکتا ہے۔ اس سوال کا جواب چرچ نے مہیا کیا۔ اور مسیح کے بعد دوسری تیسری صدی میں عیسائی علماء نے چرچ کی فقہ کو قریب قریب مرتب کر لیا۔ بات یہودیت یا عیسائیت کی نہیں۔ تاریخ کا یہ ناگزیر تقاضا ہے کہ کوئی بھی تصور حیات وہ دینی ہو یا غیردینی ابتداء میں چونکہ صرف عمومات اور حد درجہ کی سادگی پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس لئے ارتقاء کے مرحلہ میں جب زندگی کی تفصیلات اور پیچیدگیوں سے دوچار ہوتا ہے تو اسے لامحالہ ایک نپے تلے آئین کی احتیاج لاحق ہوتی ہے۔ جس کا تتبع کر کے وہ اپنے لئے ایک طرح کا امتیاز پیدا کر سکے۔ یہ تاریخ کا ایک اٹل قانون و عمل ہے جس سے کوئی بھی نظام یا تہذیب مستثنیٰ نہیں۔

اسلام بھی چونکہ پوری انسانی زندگی کو گھیرے ہوئے ایک ایسے دین و ثقافت کا داعی ہے جس میں جسم کی نشوونما سے لے کر روح کی تعمیر و تنویر تک کی تدبیریں مذکور ہیں۔ اس بنا پر ضروری تھا کہ اس میں بھی ایسے بالغ نظر علماء پیدا ہوتے جو اس کے عمومات کی تشریح کرتے۔ اس کے اجمالات کو فروع و جزئیات کی شکل میں نکھارتے اور اس میں احکام و مسائل پر مشتمل وہ اصول اور پیمانے دریافت کرتے، جن کی روشنی میں فقہ و قانون کی مستحکم عمارت کی بنیاد رکھی جا سکتی۔ تاریخ کا یہی عمل ہمارے ہاں تدوین فقہ کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔
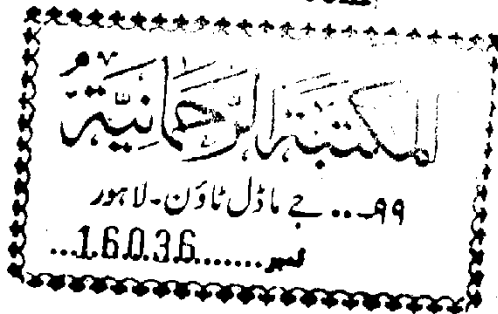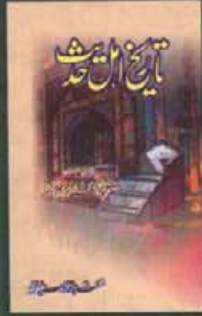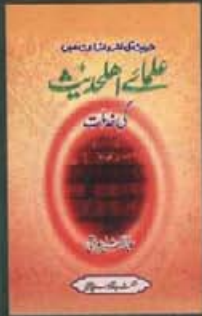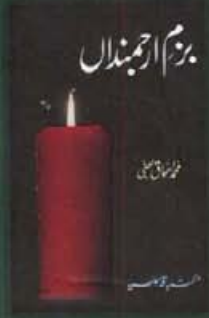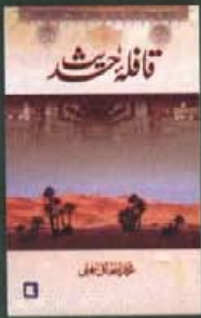
تاریخ اور شخصیات

سے متعلق

ہماری معیاری کتب

کا مطالعہ کریں

اور
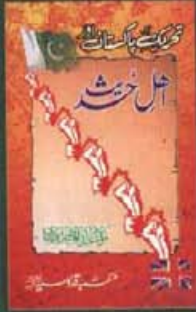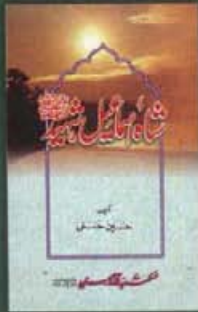
اسلاف کے تذکرے سے

اپنے قلوب واذہان

کی دنیا کو

روشن کریں۔